مکمل و مدلل

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

جلد ٦

کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج

افادات

مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ

مرتب

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ

حسب ہدایت

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

افادات

مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)

ترتیب قدیم و تعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

اہم مقامات پر نظر ثانی

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ترتیب جدید و تعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

مکمل ومدلّل

فتاوی دارالعلوم دیوبند

جلد ششم

کتاب الزّکاة، کتاب الصّوم، کتاب الحج

افادات

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہ

ترتیب قدیم وتعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ

ترتیب جدید وتعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

حسب ہدایت

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر: مکتبہ دارالعلوم دیوبند

نام کتاب : مکمل ومدلّل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ﴿ جلد: ششم ﴾

مسائل : کتاب الزّکاۃ، کتاب الصّوم، کتاب الحج

افادات : مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)

ترتیب قدیم : مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ، سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

ناظم اعلیٰ : حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب، رکن شوری دارالعلوم دیوبند

اہم مقامات پر نظر ثانی: حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

معاون خصوصی : حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترتیب جدید : مفتی محمد امین صاحب پالن پوری، استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

ناظم تجمیع وکوڈنگ فتاویٰ: مولانا عبدالسلام قاسمی صاحب ناظم شعبۂ کمپیوٹر دارالعلوم دیوبند

سن اشاعت : جمادی الاخری ۱۴۴۳ھ مطابق جنوری ۲۰۲۲ء

تعداد صفحات: ۶۷۶ —— تعداد فتاویٰ: ۱۰۱۵

ناشر : مکتبہ دارالعلوم دیوبند، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴

مطبوعہ : ایچ، ایس، پرنٹرس، سی: 29، سیکٹر، اے-7، پارٹ-1، ٹرونیکا، سٹی، (یوپی)

کتاب الزّکاۃ

زکاۃ کے وجوب اور اس کی شرائط کا بیان

زکاۃ کی ادائیگی کے احکام

جانوروں کی زکاۃ کے احکام

سونا، چاندی، زیور اور نقد کی زکاۃ کے احکام

سامانِ تجارت کی زکاۃ کے احکام

پیداوار کی زکاۃ کے احکام

مصارفِ زکاۃ کا بیان

صدقۂ فطر کے احکام

زکاۃ کے متفرق مسائل

کتاب الصّوم

روزہ کے مسائل

رؤیتِ ہلال اور اختلافِ مطالع کا بیان

یوم الشک کے روزہ کا بیان

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں

کفارۂ صوم کا بیان

مفطراتِ صوم اور فدیہ کے احکام

روزہ کے متفرق مسائل

اعتکاف کے مسائل

کتاب الحج

حج کی فرضیت اوراس کی ادائیگی کے احکام

ارکان و واجباتِ حج کا بیان

احرام کے مسائل

جنایات کے احکام

حج بدل کے مسائل

مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان

حج کے متفرق مسائل

آگاہی

اس جلد میں جن کتابوں کے حوالے بار بار آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں

اسمائے کتب	مطبوعہ
صحاح ستہ	مکتبہ بلال دیوبند
موطین	مکتبہ بلال دیوبند
شرح معانی الآثار	مکتبہ بلال دیوبند
مشکاۃ شریف	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
ہدایہ	الامین کتابستان دیوبند
فتاوی شامی	دارالکتاب دیوبند
فتاوی ہندیہ	دارالکتاب دیوبند
بدائع الصنائع	دارالکتاب دیوبند
شرح وقایہ	دارالکتاب دیوبند
حلبی کبیری	دارالکتاب دیوبند
طحطاوی علی مراقی الفلاح	دارالکتاب دیوبند
البحرالرائق	زکریا بک ڈپو دیوبند
غمزعیون البصائرمع الأشباه والنّظائر	زکریا بک ڈپو دیوبند
قواعدالفقہ	اشرفی بک ڈپو دیوبند
مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح	مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

از : حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، أمّا بعد :

مکمل و مدلل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب جدید کا سلسلہ جاری ہے، اس سلسلہ کی پانچویں جلد ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ میں مکمل ہوئی تھی، تقریباً ایک سال کے وقفہ سے اب چھٹی جلد طباعت کے لیے تیار ہے۔

اس درمیانی عرصہ میں پورے ملک کے جو حالات رہے وہ سب کے علم میں ہیں، کرونا وائرس کے سبب عائد شدہ پابندیوں کا سب سے زیادہ اثر سلسلۂ تعلیم و تعلُّم پر پڑا، مدارس بند ہو گئے، معمول کے مطابق درس و تدریس کا سلسلہ جاری نہیں رہ سکا، اس عمومی صورت حال سے دارالعلوم دیوبند بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، پھر بھی تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے کام ہوتے رہے، اللہ کا شکر ہے کہ انہیں حالات کے دوران ترتیب فتاویٰ کا کام بھی جاری رہا۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے قدیم مطبوعہ فتاویٰ مرتبہ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کو نئے قالب میں ڈھالنے کے لیے شعبہ کے ذمہ داران و کارکنان یعنی حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری اور ان کے معاونین و رفقاء کو کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، اس کا اندازہ آپ حضرت مفتی محمد امین صاحب کے ''مقدمہ ترتیب جدید'' سے کرلیں گے۔

ہماری دعا بھی ہے اور کوشش بھی کہ یہ سلسلہ جلد از جلد تکمیل کو پہنچے، تاکہ منصوبہ کے مطابق اگلے کام کا آغاز کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور عافیت و سہولت کے ساتھ تکمیل کی توفیق بخشے۔ آمین!

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۵/ جمادی الاولیٰ، سنہ ۱۴۴۳ھ
۳۰/ دسمبر، سنہ ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ ترتیب قدیم

از: حضرت مولانا مفتی محمد ظفیرالدین صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

الْحَمْدُ لِلّٰہِ ربّ العالمین والصّلاۃ والسّلام علٰی سیّد المرسلین وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے فتاویٰ کی جلد ششم کی تکمیل فرمادی، زیرِنظر فتاویٰ کی ترتیب و تزئین میں جو دیدہ ریزی اور محنت وکاوش کرنی پڑتی ہے اس سے اہل علم بے خبر نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی نئی جلد مرتب اور حوالہ جات سے مزین ہوکر منظر عام پر آتی ہے تو خاکسار مرتب کا دل حمد وشکر اور مسرت سے لبریز ہوجاتا ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے جو خدمت سپرد ہے وہ بہ تدریج انجام پارہی ہے، اور ملت اسلامیہ اُس سے برابر مستفید ہورہی ہے، یہ واقعہ ہے کہ جو کچھ بھی ہورہا ہے سب رب العزت کی توفیق اور اُس کی دستگیری کا نتیجہ ہے۔

بحمداللہ اس جلد میں تین کتابیں آگئیں، ''کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج''، اس کی ضخامت اور جلدوں سے گو بڑھی ہوئی ہے، مگر ناگوارِ خاطر نہیں، تقریبًا چھ سو (۶۰۰) صفحات کی تصحیح، ترتیب وتزئین اور اُن کو حوالہ جات سے مزین کرنے میں بہت ممکن ہے خاکسار نے ٹھوکر کھائی ہو، اور یقیناً کھائی ہوگی، مگر جہاں تک تلاش وجستجو اور بحث وتحقیق کا تعلق ہے حتی الوسع کوئی کوتاہی اپنی طرف سے نہیں کی گئی ہے، کامیابی رب العالمین کے ہاتھ ہے۔

رؤیت ہلال پر آج سے آٹھ سال پہلے خاکسار نے مارچ ۱۹۶۰ء کے رسالہ دارالعلوم دیوبند میں ایک جامع مقالہ لکھا تھا، جس میں کتاب وسنت سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کے یہ رجحانات صحیح نہیں ہیں، کہ رؤیت ہلال کے باب میں ماہرین فلکیات اور علمائے ریاضی کا فیصلہ مان لیا جائے، اور چاند دیکھنے کی زحمت برداشت نہ کی جائے۔

ریڈیو کی خبر کے سلسلہ میں آج سے بہت پہلے اکابر جمعیت علماء ہند کا بیان، اور ابھی حال میں مجلس تحقیقات شرعیہ کا جو فیصلہ آیا ہے اُس سے مسئلہ واضح ہو کر سامنے آ گیا ہے۔

ریڈیو کے سلسلہ میں علماء نے جو فیصلہ کیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

''ریڈیو سے رؤیت ہلال کا اعلان؛ خبر ہے، اصطلاحی شہادت نہیں ہے، ریڈیو کا اجمالی اعلان کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا یا کل عید منائی جائے گی قابلِ قبول نہیں ہے، اور نہ اس طرح کے اعلان پر صوم یا افطار صوم درست ہے، اسی طرح ایک ہی جگہ کے ریڈیو کے حوالہ سے مختلف شہروں کے ریڈیو کی خبر بھی قابل توجہ نہیں ہے۔

ریڈیو کے جس اعلان پر صوم یا افطار صوم کا حکم دیا جائے گا اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تفصیلی ہو، اور ذمہ دار علماء کی طرف سے ہو، یا کم از کم اُن کی ذمہ داری کے حوالہ سے ہو کہ انہوں نے باضابطہ شرعی شہادت لے کر چاند کے ہو جانے کا فیصلہ کیا ہے، مثلاً ریڈیو اسٹیشن سے کوئی مسلمان یہ اعلان کرے کہ ہمارے شہر کی ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضی شریعت نے ثبوت شرعی کے بعد رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دیا ہے، اس طرح کے واضح اعلان پر صوم و افطار صوم درست ہے، ریڈیو پر اعلان کرنے والا کوئی متدین مسلمان نہ ہو، بلکہ ریڈیو کا غیر مسلم ملازم ہو، اور وہ کسی ذمہ دار ہلال کمیٹی یا جماعت علماء یا قاضیٔ شریعت کے فیصلہ کا بہ تصریح نام اعلان کرے تو یہ اعلان بھی قابل تسلیم ہوگا، اور صوم و افطار صوم کا حکم درست ہوگا، جس طرح توپ کی آواز، اور ڈھنڈورچی کے اعلان پر فقہاء صوم و افطار صوم جائز قرار دیتے ہیں۔

پاکستان اور دیگر قریبی ممالک کے ریڈیو کا اعتبار بھی اسی وقت ہوگا جب اُن کی اطلاع اصول و احکام مذکورہ کے مطابق ہوگی''۔

''مطلع'' کے سلسلہ میں مجلس تحقیقات شرعیہ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے:

''بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہوگا، البتہ بلادِ قریبہ میں معتبر نہیں ہے، اور بلادِ بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قدر دور ہوں کہ عادۃً اُن کی رؤیت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہو، جیسے مصر اور حجاز''۔

مگر یہ واضح ہے کہ ہمارے اس فتاویٰ میں اختلافِ مطالع کو روزے کے باب میں غیر معتبر قرار دیا گیا ہے، اور اب بھی یہاں اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

(نوٹ: واضح رہے کہ اختلافِ مطالع کو روزہ کے باب میں مطلقاً غیر معتبر قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ تمام سوالات بلادِ قریبہ ہی سے متعلق ہیں؛ اس لیے اختلافِ مطالع کے غیر معتبر ہونے کی بات کہی گئی ہے، اس سلسلہ میں مکمل تفصیلی وضاحت کتاب الصّوم، سوال: (۷۶) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ محمد امین پالن پوری)

ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کے سلسلہ میں فیصلہ یہ ہے:

''ہوائی جہاز سے اس قدر اونچائی پر پہنچ کر چاند دیکھنا کہ اس سے مطلع بدل جاتا ہو معتبر نہیں ہے، البتہ اگر اس قدر اونچائی نہیں ہے تو اس کی شہادت معتبر قرار دی جائے گی''۔

اخیر میں سرپرست شعبہ حکیم الاسلام حضرت مولانا القاری الحافظ محمد طیب صاحب دامت برکاتہم اور اپنے اساتذۂ کرام دامت فیوضہم کی خدماتِ عالیہ میں ہدیۂ عقیدت ومحبت پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جن کی توجہِ خاص اور دعاؤں کے صدقہ میں خاکسار اس خدمت گرامی کے لائق ہوا، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اسے مرتب کے لیے زادِ آخرت اور فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ ترتیب جدید

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی .

مکمل و مدلّل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی پہلی جلد میں کتاب الطّہارۃ کے مسائل ہیں، اور دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں جلد میں کتاب الصّلاۃ کے احکام ہیں، اور اس جلد میں کتاب الزّکاۃ، کتاب الصّوم اور کتاب الحجّ کے مسائل ہیں۔

سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کو بھی احقر نے مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری، مفتی محمد حبان بیگ علی گڑھی اور مولانا امیر اللہ مشتاق مئوی صاحبان کے تعاون سے مرتب کیا ہے، ہم نے ترتیب قدیم پر جو اضافے اور کام کیے ہیں اُن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) سب سے پہلے مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری اور مفتی محمد حبان بیگ علی گڑھی صاحبان نے تمام سوالات و جوابات کی اصل رجسٹر نقول فتاویٰ سے ملا کر تصحیح کی ہے، پھر تمام سوالات و جوابات کو مطبوعہ فتاویٰ سے ملایا ہے، جہاں فرق یا ترکہ تھا اُس کو حاشیہ میں واضح کیا ہے۔

(۲) ہر جواب کے اخیر میں مطبوعہ فتاویٰ کا حوالہ جلد اور صفحہ کے ساتھ درج کیا ہے، تاکہ جو کوئی مطبوعہ فتاویٰ میں اس مسئلہ کو تلاش کرنا چاہے اس کو دشواری پیش نہ آئے، جیسا کہ ہر سوال کے اخیر میں نمبر سلسلہ اور سنہ درج کیا ہے تاکہ وقت ضرورت کام آئے، ان دونوں باتوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) کتاب کو عام فہم بنانے کے لیے جو فتاویٰ فارسی یا عربی میں تھے اُن کے سلیس اردو ترجمے کیے ہیں، صرف خلاصہ پر اکتفاء نہیں کیا، ایسے سوالات و جوابات تقریبًا چھیالیس (۴۶) ہیں۔

(۴) جو جوابات عام لوگوں کے لیے قابل فہم نہیں تھے ان کی جواب کے بعد یا بین القوسین 'وضاحت' کی ہے۔

(۵) جو جوابات فقہاء و مفتیان کرام کی تصریحات کے خلاف تھے، ان کی نشاندہی کی ہے۔

(۶) ترتیبِ قدیم میں بعض مقامات پر پہلے چند سوالات مع عناوین پھر ان کے جوابات تھے، ترتیبِ جدید میں ہم نے ہر سوال کے بعد متصلاً اس کے جواب کو رکھا ہے، تاکہ ناظرین کرام کو ہر سوال کا جواب تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

(۷) ایک ہی طرح کے مسائل جو ترتیب قدیم میں بکھرے ہوئے تھے ان کو ترتیب جدید میں یکجا کیا ہے، اور ایک ہی عنوان کے تحت رکھا ہے، یا مختلف عنوان قائم کر کے یکے بعد دیگرے رکھا ہے، اور ایک ہی طرح کے مسائل کے جوابات میں جہاں بہ ظاہر تعارض تھا اس کی توجیہ کی ہے۔

(۸) اکثر عناوین کو بدلا ہے، کچھ عناوین کو بعینہٖ باقی رکھا ہے، اور بعض عناوین کو حذف کیا ہے۔

(۹) غیر مکرر حواشی کو باقی رکھا ہے، البتہ کچھ حواشی حذف کیے ہیں، کچھ کو بدلا ہے اور کچھ کا اضافہ کیا ہے، اور امتیاز کے لیے قدیم حواشی کے اخیر میں لفظِ ''ظفیر'' تھا، اس کو باقی رکھا ہے۔

(۱۰) حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے جملہ عربی حوالوں اور عبارتوں کو نیز حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب کے تمام حواشی کو اصل مراجع سے ملا کر تصحیح کی ہے اور نئے ایڈیشنوں کے صفحات وابواب وغیرہ درج کیے ہیں۔

(۱۱) حسبِ تجویز مجلس شوری؛ سابقہ جلد کی طرح اس جلد کے اہم مقامات پر بھی حضرت اقدس مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ نے نظر ثانی فرمائی ہے، موصوف کی نظر ثانی اور تصویب کے بعد یہ جلد شائع کی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو سلامت رکھیں اور اربابِ شوری و اہتمام کے سایہ کو تا دیر باقی رکھیں جن کے حکم عالی سے یہ علمی کام انجام پا رہا ہے، اور ہمیں ترتیبِ جدید کو جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین!

محمد امین پالن پوری
مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ
مطابق ۲۱/ دسمبر ۲۰۲۱ء منگل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لِلّٰه و کفٰی و سلامٌ علٰی عبادِہِ الّذینَ اصْطَفٰی

کتاب الزّکاۃ

زکاۃ کے وجوب اور اس کی شرائط کا بیان

زکاۃ کا حکم کب نازل ہوا؟

سوال: (۱) زکاۃ کا حکم قرآن مجید میں کتنی جگہ آیا ہے؟ کون سن[1] ہجری میں حکم نازل ہوا؟
(۴۲۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: درّمختار وشامی میں ہے کہ زکاۃ کا حکم کلام مجید میں نماز کے ساتھ ۳۲ جگہ آیا ہے، نماز کے علاوہ ذکر آیا ہو تو اس کو نہیں لکھا، قرآن شریف دیکھ لیا جاوے، اور ہجرت کے دوسرے سال میں فرضیتِ زکاۃ ہوئی ہے۔ قال في الدّرّ المختار: قرنها بالصّلاة في اثنين وثمانين موضعًا في التّنزيل —— إلٰى أن قال —— وفُرِضَتْ في السّنَةِ الثّانية قبل فرض رمضانَ إلخ (الدّرّ المختار) قال الشّامي: وصوابه اثنين وثلاثين[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۱)

---

(۱) ''سن'' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۵۹-۱۶۰، کتاب الزّکاۃ.

کاشت کی زمین نصاب میں شمار ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۲)......(الف) کسی کے پاس؛ سو، ڈیڑھ سو روپے کی زمین زراعتی موجود ہے، اور وہ عیال دار بھی ہے، شرعًا وہ شخص صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟ اور اس پر زکاۃ اور قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟ اور وہ نذر کی چیز کھا سکتا ہے یا نہ؟[1]

(ب) غایۃ الاوطار میں لکھا ہے کہ غنی سے مراد یہاں وہ ہے جو صاحبِ نصاب ہو، یعنی جس کو ستاون[2] روپے کا مقدور ہو، خواہ اس قدر نقد ہو یا جنس؛ چنانچہ باغ یا زمین یا رہنے کے مکان کے سوا دوسری حویلی اتنی مالیت کی ہو، ایسے شخص کو نذر کی چیز کھانا جائز نہیں، آیا ایسے شخص پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟ اور یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۹۳۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) شرعًا وہ شخص صاحبِ نصاب زکاۃ نہیں ہے، زکاۃ اس پر واجب نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے قول کے موافق اس کو زکاۃ لینا بھی درست ہے، اور نذر و منت کی چیز بھی کھانا درست ہے جب کہ آمدنی اس زمین کی اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہیں ہے۔ کذا في الشّامي[3] اور قربانی

(۱) حضرت مفتی ظفیر صاحب رحمہ اللہ نے سوال (الف) اور اس کے جواب کو ترتیب کے وقت کتاب الزکاۃ میں نہیں لیا تھا، نیز رجسٹر نقول فتاویٰ میں مفتی ظفیر صاحب رحمہ اللہ نے اس پر ''اضحیہ'' کا عنوان لگایا تھا، یعنی اس سوال (الف) اور اس کے جواب کو کتاب الاضحیہ میں لیا جائے گا، لیکن یہاں مذکور سوال (ب) اور اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے اس سوال (الف) اور اس کے جواب کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے؛ اس لیے ہم نے یہاں اس کا رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا ہے، اور اس سوال (الف) اور اس کے جواب کو کتاب الزکاۃ میں نہ لینے کی وجہ سے حضرت مفتی ظفیر صاحب رحمہ اللہ نے جواب (ب) کی عبارت میں تھوڑی ترمیم بھی کی ہے؛ اس لیے اب ہم نے ترتیب جدید میں مکمل جواب کو رجسٹر نقول فتاویٰ سے بعینہٖ نقل کر دیا ہے۔۱۲
محمد امین پالن پوری

(۲) ۱۳۳۸ھ میں ستاون روپے دوسو درہم یعنی ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی کے بہ قدر تھے، اب ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی کی جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔۱۲ محمد امین پالن پوری

(۳) و ذُكر في الفتاوى فيمن لهُ حَوانِيتُ و دُورٌ للغَلّة، لكن غلّتها لا تكفيهِ وعِيالَهُ أنّه فقير، ويَحِلُّ له أخْذُ الصّدقةِ عند محمّدٍ، وعند أبي يوسف: لا يحلّ إلخ، سئل محمّد عمّن لهُ أرضٌ يَزْرعُها أوحانوتٌ يَستَغِلُّها، أو دارٌغلّتُها ثلاثة آلافٍ ولا تكفي لنفقتهِ ونفقة عِيالهِ سَنَةً ؟ ==

وصدقۂ فطر اس پر واجب ہونے میں اختلاف ہے، قول مذکور (یعنی امام محمدؒ کے قول) کے موافق اس پر قربانی وغیرہ واجب نہیں ہے۔

(ب) اس میں بھی اختلاف ہے، اور یہ جو غایۃ الاوطار میں ہے، امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے، اور امام محمدؒ (کا) وہ مذہب ہے جو پہلے مذکور ہوا، اور اسی پر فتویٰ ہے کہ سوائے نقدین کے زمین وغیرہ سے صاحبِ نصاب نہیں ہوتا (۱) فقط (۶/۴۱-۴۲)

وضاحت: یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ نصاب تین ہیں:

[۱] نصاب نامی: یہ نصاب نقدین (سونا، چاندی) کرنسی، اموال تجارت اور سائمہ جانوروں سے بنتا ہے، اس کے لیے دَین (قرضہ) سے فارغ (بچا ہوا) ہونا شرط ہے، اور اس کی مقدار ہے، دوسو (۲۰۰) درہم، یعنی چھ سو بارہ (۶۱۲) گرام، تین سو ساٹھ (۳۶۰) ملی گرام (ساڑھے باون تولہ) چاندی یا اس کی قیمت، یا بیس مثقال سونا، یعنی ستاسی (۸۷) گرام، چار سو اسّی (۴۸۰) ملی گرام (ساڑھے سات تولہ) سونا، یا اس کی قیمت یہ قدرتِ میسرہ والا نصاب کہا جاتا ہے —— یہ نصاب تمام مالی حقوق کو واجب کرتا ہے، یعنی زکاۃ، صدقۂ فطر، قربانی، کفارات، نفقۂ اقارب وغیرہ اور ایسے صاحبِ نصاب کے لیے زکاۃ لینا حرام ہے۔

[۲] نصاب غیر نامی: یہ نصاب ہر قسم کے اموال سے بنتا ہے، اور اس کے لیے دَین سے اور ضروریاتِ زندگی سے فارغ ہونا شرط ہے ——ضروریاتِ زندگی سے مراد رہنے کا گھر، گھریلو ضروری سامان، پہننے کے کپڑے، سواری اور خادم وغیرہ۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک گزارہ کے بہ قدر زمین، کرایہ پر دیا ہوا مکان اور دُکان بھی ضروریاتِ زندگی میں شامل ہیں، اور شیخین کے نزدیک یہ چیزیں ضروریاتِ زندگی میں شامل نہیں ہیں، اور فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے —— اس نصاب کی مقدار بھی دوسو درہم کی مالیت ہے، اور اس کو قدرتِ ممکنہ والا نصاب کہا جاتا ہے (۲) پس جس شخص کے پاس

== يحلُّ له أخذُ الزّكاةِ وإن كانت قيمتُها تَبلُغُ أُلُوْفًا وعليه الفتوىٰ وعندهما لا يحلُّ اهـ. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۲۶۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنيّةً؟) ظفیر

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) اعلَمْ أنّ القُدرةَ الّتي يَحصُلُ بها التّمكُّنُ لِلعبدِ مِن أداءِ المأمورِ بهٖ نوعانِ ؛ لأنّ التّمكُّنَ الّذي يُعتبرُ فيها إمّا أن يُعتبرَ معه اليُسرُ أوْ لَا فإنْ لم يُعتبرْ فهو المُطلقُ ==

نصابِ نامی کے علاوہ دیگر اموال ضروریاتِ زندگی سے زائد دوسو درہم کی مالیت کے بہ قدر ہوں وہ نصابِ غیر نامی کا مالک ہے۔

ایسے صاحبِ نصاب پر چار احکام لازم ہوتے ہیں: {١} قربانی کا وجوب {٢} صدقۂ فطر کا وجوب {٣} غریب محتاج رشتہ داروں کے نفقہ کا وجوب {٤} اور زکاۃ وصدقاتِ واجبہ لینے کی حرمت —— ایسے صاحبِ نصاب کے لیے نذر کی چیز کھانا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ نذر صدقۂ واجبہ ہے، اور حج کی فرضیت میں بھی ضروریاتِ زندگی سے زائد ہر قسم کے اموال کو شمار کیا جاتا ہے، کیوں کہ حج کا مدار بھی قدرتِ ممکنہ پر ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس پچاس (٥٠) ایکڑ زمین ہے اور اس زمین میں سے پچیس (٢٥) ایکڑ زمین کی آمدنی اس کے اور اس کے بال بچوں کی ضروریات کے لیے کافی ہے، تو زائد پچیس (٢٥) ایکڑ زمین کی مالیت دیکھی جائے گی، اگر وہ بہ قدر نصاب ہے تو مذکورہ چار احکام اس پر واجب ہوں گے، نیز اگر اس کی مالیت اتنی ہے کہ حج ہوسکتا ہے تو اس پر حج بھی فرض ہوجائے گا۔

[٣] ایک رات دن کے گزارہ کے بہ قدر مال: (اس کو بھی مجازاً نصاب کہا جاتا ہے)

جس شخص کے پاس اتنا مال ہو اس کے لیے دوسروں سے سوال کرنا حرام ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو زکاۃ یا صدقۂ فطر وغیرہ دے تو جائز ہے، یعنی زکاۃ ادا ہوجائے گی —— اور ایک شبانہ روز کے مصارف کی مقدار متعین نہیں ہے، لوگوں کے احوال کے اختلاف سے اس کی مقدار مختلف ہوگی، حدیث مرفوع میں اس کی مقدار پچاس درہم کے بہ قدر آئی ہے[١] مگر اس حدیث پر محدثین نے

== ويُسمّى القُدرةُ المُمَكِّنةُ لِكونهِ وسيلةً إلىٰ مُجرّدِ التّمكُّنِ والإقتدار على الفعلِ مِن غيرِ اعتبارِ يُسرٍ، وذٰلك كالزّادِ والرّاحلة في الحجّ والنّصاب في صدقة الفِطر وإن أُعتُبرَ معهُ اليُسرُ فهو الكَاملُ ويُسَمّى القُدرة المُيَسّرة كالنَّماءِ في الزّكَاةِ. (غمز عيون البصائر: ١/٢٥٤، الفنّ الثّاني، كتاب الزّكاة، الزّكاة واجبة بقدرة ميسّرة)

(١) وفي المحيط: الغني ثلاثة أنواع: غني يوجب الزّكاة وهو من ملك نصاب حولي نام، وغني يحرم الصّدقة ويوجب صدقة الفطر والأضحيّة؛ وهو من ملك ما يبلغ قيمة نصاب، وغني يحرم السّؤال دون الصّدقة؛ وهو أن يكون له قوت يومه وما يسترعورته. (مجمع الأنهر: ١/٣٣٠، كتاب الزّكاة، باب في بيان أحكام المصرف، المطبوعة: دارالكتب العلمية، بيروت) ==

کلام کیا ہے[(۱)]

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے جواب کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے ''کہ سوائے نقدین کے زمین وغیرہ سے صاحبِ نصاب نہیں ہوتا'' یہ اس صورت میں ہے، جب کہ زمین وغیرہ ضروریات میں مشغول ہو، اگر ضروریات سے زائد ہو تو زائد زمین بھی نصابِ غیر نامی میں شمار ہوگی، جیسا کہ اسی جلد میں ''صدقۂ فطر کے احکام'' میں سوال: (۵۱۲) کے جواب میں آ رہا ہے کہ ''جن لوگوں کے پاس بہ قدر پچاس باون روپے (یعنی دوسو درہم کی مالیت) کی قیمت کی زمین

== ذكر في البحر أنّ الغني علىٰ ثلاثة أقسام :

أحدها : أن يكون مالك النّصاب النّامي من جنس واحد ويحرم له أخذ الزّكاة ويجب عليه أداء الزّكاة .

وثانيها: مَن هو مالك مال غير نامٍ زائد علىٰ قدر حاجته ولا يجب عليه أداء الزّكاة ويحرم عليه أخذها ويجب عليه الأضحيّة .

وثالثها : مَن يحرم عليه المسألة ويجوز له أخذ الزّكاة بدون مسألة ، وهو الّذي مالك قوت يوم وليلة، والأحاديث في تحديد الغني الثّالث مضطربة ، وكذٰلك الفقهاء، في كنز الأحناف : أنّه من يكون مالك قوت يوم وليلة ، وفي كتب الشّافعيّة: من يكون مالك خمسين درهمًا، وقال الغزالي في الإحياء : إن ملك قوت يوم وليلة في حقّ المتجرّد والمنفرد وملك خمسين درهمًا في حقّ صاحب العيال ، وأمّا الأحاديث ففي بعضها: مَن له قوت يوم وليلة، وفي بعضها : مَن كان ذا مرّة سويًّا أي يقدر على الكسب ، وفي بعضها: من يملك خمسين درهمًا، وأطنب الطّحاوي في الرّوايات وبوّب بابًا في المجلّد الأوّل من معاني الآثار وبابًا آخر في المجلّد الثّاني منه ، وحاصل البابين أنّ الاختلاف باختلاف الأحوال. (العرف الشّذي مع التّرمذي:۱/۱۴۲، أبواب الزّكاة ، باب من تحلّ له الزّكاة)

(۱) عن حكيم بن جُبَيْر عن محمّد بن عبد الرّحمٰن بن يزيد عن أبيه عن عبد اللّٰه بن مسعود قال : قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: مَن سأل النّاس وله ما يُغْنِيْهِ جاء يوم القيامة، ومسئلته في وجهه خمُوش أو خُدُوشٌ أو كَدُوْحٌ ، قيل : يا رسول اللّٰه ! و ما يُغْنِيْهِ ؟ قال خمسون درهمًا أو قيمتها من الذّهب ...... قال أبو عيسٰى: حديث ابن مسعود حديث حسن وقد تكلم شعبة في حكيم بن جُبَيْرمِن أجل هٰذا الحديث . (جامع التّرمذي:۱/۱۴۱،أبواب الزّكاة باب من تحلّ له الزّكاة)

یا مکان رہنے کے مکان سے جدا ہو یا زیور وغیرہ اس قدر ہے ان کے ذمہ صدقۂ فطر واجب ہے''۔
(ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۴-۵) محمد امین پالن پوری

سونا چاندی کا نصاب کیا ہے؟ اور ہر سال زکاۃ ادا کرنا فرض ہے یا زندگی میں ایک مرتبہ؟

سوال: (۳) زکاۃ میں زیور کتنے روپے کا چاندی یا سونا ہو؟ اور ایک مرتبہ زکاۃ نکال دینے سے تاعمر معافی ہوگی یا نہیں؟ اور انگریزی سکہ کی رو سے نصاب کتنے روپے کا ہوتا ہے؟ مثلاً چالیس روپے کا زیور ہے؛ اس میں زکاۃ ہے یا نہیں؟ یا اس سے کم میں اور زائد میں ہے یا نہیں؟
(۱۰۹۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: زیور میں زکاۃ واجب ہے، نصاب چاندی کا دوسو درہم یعنی بہ قدر ساڑھے باون تولہ کے سکۂ رائج الوقت سے ہے، اور نصاب سونے کا ساڑھے سات تولہ سونا ہے، اور اگر زیور دونوں طرح کا ہو تو سونے کی قیمت کر کے چاندی میں شامل کر کے زکاۃ ادا کی جائے، زکاۃ میں چالیسواں حصہ دینا واجب ہے، یعنی اڑھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے، زکاۃ سال بھر کے بعد ادا کرے[۱] اور زکاۃ ہر سال دینی لازم ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳)

انگریزی روپے سے نصاب کی مقدار کیا ہے؟

سوال: (۴) اس روپیہ انگریزی سے نصاب کی صحیح مقدار کیا ہے؟ (۱۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: دوسو درہم مقدار نصاب ہے، انگریزی روپیہ سے ۵۴ روپیہ دو آنہ تقریباً ہوتے ہیں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۷۴)

---

(۱) فإذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم إلخ ، ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالاً ففيها نصف مثقال إلخ ، وفي تبر الذّهب والفضّة وحليهما وأوانيهما الزّكاة. (الهداية: ۱/۱۹۴-۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال)
(۲) وتجب على الفور عند تمام الحول إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۰، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها و شرائطها) ظفير

وضاحت: اب چاندی بہت گراں ہے، لہٰذا دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ قدیم (612 گرام، 360 ملی گرام) چاندی کی جو قیمت ہوگی وہی چاندی کے نصاب کی صحیح مقدار ہے۔ محمد امین

چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے

سوال: (۵) نصاب زکاۃ میں اختلاف ہے، قول مفتی بہ کیا ہے؟ (۱۲۰۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: حساب وزن سبعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کا نصاب ہے کیوں کہ دوسو درہم بہ وزن سبعہ اسی قدر ہوتے ہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۶/۶)

سوال: (۶) نصابِ زکاۃ کیا ہے؟ مفصل تحریر فرمائے؟ (۸۶۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نصاب نقرہ (چاندی) ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ شریعت میں دراہم کے اندر وزن سبعہ معتبر ہے، اس کی تصریح جملہ کتب فقہ میں ہے، اور وزن سبعہ یہ ہے کہ دس درہم برابر سات مثقال کے ہوں، اس حساب سے دوسو درہم برابر ۱۴۰ مثقال کے ہوئے، اور مثقال کا وزن معروف ساڑھے چار ماشہ ہے؛ چنانچہ اس کی تصریح بہت جگہ موجود ہے، اور علماء کبار نے اس کو اختیار کیا ہے، پس دوسو درہم برابر ۶۳۰ ماشہ کے ہوئے، اس کو ۱۲ پر تقسیم کرنے سے ساڑھے باون تولہ خارج قسمت نکلا، یہی نصابِ [فضہ] (۲) ہے (۳) فقط واللہ اعلم (۷۹/۶)

فتاویٰ رشیدیہ میں پچاس تولہ چاندی کو نصاب قرار دینا احتیاط پر مبنی ہے

سوال: (۷) صاحبِ نصاب ساڑھے باون روپیہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ کے مالک

---

(۱) نصاب الذّهب عشرون مثقالاً والفضّة مائتا درهم، كلّ عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۶/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں [فضہ] کی جگہ ''فقہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے: الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۰۶/۳-۲۰۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال.

ہونے سے ہوجاتا ہے، اور فتاویٰ رشیدیہ میں (ہے:) پچاس روپیہ نقد یا اس قیمت کا مال زائد از حاجاتِ اصلیہ (۱) اس میں تطبیق مطلوب ہے؟ (۱۶۲۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فتاویٰ رشیدیہ میں تقریبی حساب پر عمل فرمایا ہے درہم کو پورے چار آنے کا قرار دے کر پچاس روپیہ لکھے گئے، اور حساب سے ایک درہم: ۳ ماشہ، ۱/۵ ۱ رتی (یعنی تین ماشہ، ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی) کا ہوتا ہے، اس کے حساب سے ساڑھے باون تولہ ہوتے ہیں، اگر رتی کی کسر کو چھوڑ دیا جاوے، اور درہم کو ۳ ماشہ کا قرار دیا جاوے تو پھر دوسو درہم کے پورے پچاس روپیہ (یعنی تولہ) ہوتے ہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ پچاس روپیہ (یعنی پچاس تولہ) کو نصاب سمجھ لیا جاوے اور زکاۃ ادا کی جاوے (۲) فقط واللہ اعلم (۱۱۶/۶)

کتنی مالیت کے زیور میں زکاۃ ہے؟

سوال: (۸) کس قدر مالیت کے زیور طلائی خواہ نقرئی پر زکاۃ واجب ہے؟ اور کس قدر مالیت سے وہ صاحب نصاب ہوگا؟ (۶۶۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زیور چاندی کا ساڑھے باون تولہ اور زیور سونے کا ساڑھے سات تولہ کا جس کے پاس ہو وہ صاحب نصاب ہے اور زکاۃ اس پر واجب ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۶/۶)

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: صدقہ عیدالفطر کا کس قدر مال پر چاہیے؟

الجواب: اگر پچاس روپیہ نقد یا اس قیمت کا مال حاجاتِ اصلیہ سے زائد ہو؛ تب صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۴۴۵-۴۴۶، باب صدقۂ فطر کا بیان، مطبوعہ: جسیم بک ڈپو دہلی)

(۲) نصاب الذّهب عشرون مثقالاً والفضّة مائتا درهم كلّ عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل، والدّينار عشرون قيراطًا، والدّرهم أربعة عشر قيراطًا، والقيراط خمس شعيرات فيكون الدّرهم الشّرعي سبعين شعيرة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۶/۳-۲۰۸، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۳) ليس فيما دون مأتي درهم صدقة إلخ ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة. (الهداية: ۱۹۴/۱-۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

دوسودرہم کے کتنے روپے ہوتے ہیں؟

سوال: (۹) دوصد درہم شرعی چند روپیہ؟ (۶۴۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دوصد درہم شرعی پنجاہ ودو ونصف تولہ بہ وزن سبعہ می باشد، پس یک درہم شرعی بہ وزن سبعہ سہ ماشہ، ۱ ۱/۵ رتی می باشد، اگر کسر رتی را ساقط کنند وسہ ماشہ گیرند پنجاہ روپیہ می باشد، بناءً علیہ بعض حضرات کسر را انداختہ اند و پنجاہ روپیہ را نصاب فرمودہ اند۔ فقط (ایں حساب در ۱۳۳۲ھ بود، ودراں زماں سیم ارزاں بود، دریں زماں کہ سیم سہ روپیہ تولہ است نصاب یک صد و پنجاہ و ہفت ونصف روپیہ باشد، خلاصہ ایں است کہ مدار بر ثمن سیم است۔ واللہ اعلم، ظفیر) (۶/۱۳۵)

ترجمہ سوال: (۹) دوسو درہم شرعی کے کتنے روپے ہوتے ہیں؟

الجواب: دوسو درہم شرعی کے بہ وزن سبعہ ساڑھے باون تولہ (یعنی برابر 612.360 گرام) ہوتے ہیں، پس ایک درہم شرعی: بہ وزن سبعہ ۳ ماشہ، ۱ ۱/۵ رتی (یعنی تین ماشہ، ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی) ہوگا، اگر رتی کی کسر کو ساقط کردیں اور (صرف) تین ماشہ کو لیں تو پچاس (۵۰) روپے ہوتے ہیں، اسی بناء پر بعض حضرات نے کسر کو منہا کرکے پچاس (۵۰) روپے کو نصاب بتلایا ہے (یہ حساب ۱۳۳۲ھ میں تھا، اور اُس زمانے میں چاندی سستی تھی، اس وقت جب کہ چاندی تین روپے تولہ ہے، نصاب ایک سو ساڑھے ستاون روپے ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ مدار چاندی کی قیمت پر ہے۔ واللہ اعلم، ظفیر)

بہشتی زیور کی ایک عبارت کا مطلب

سوال: (۱۰) بہشتی زیور کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے: ''جب فقط چاندی یا فقط سونا ہو تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا نہیں''؟ بیّنوا توجروا (۱۳۲۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً چاندی وزن میں دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہے جو کہ نصاب زکاۃ کا ہے؛ لیکن قیمت کا اگر اعتبار کیا جاوے تو نصاب سے کم ہوتی ہے یعنی قیمت اس کی

ساڑھے باون روپے کی نہیں ہے، پس اس لیے کہا کہ اعتبار وزن کا ہے، زکاۃ واجب ہوگی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ١١٧-١١٨)

وضاحت: بہشتی زیور میں پورا مسئلہ اس طرح ہے: ''ایک روپیہ کی چاندی مثلاً دو تولہ ملتی ہے اور کسی کے پاس فقط تیس روپے چاندی کے ہیں تو اس پر زکاۃ واجب نہیں، اور یہ حساب نہ لگاویں گے کہ تیس روپے کی چاندی ساٹھ تولہ ہوئی کیوں کہ روپیہ تو چاندی کا ہوتا ہے، اور جب فقط چاندی یا فقط سونا پاس ہو تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا اعتبار نہیں ہے۔ (یہ حکم اس وقت کا ہے جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا، آج کل عام طور پر روپیہ گلٹ کا مستعمل ہے اور نوٹ کے عوض میں بھی وہی ملتا ہے؛ اس لیے اب حکم یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنے روپے یا نوٹ موجود ہوں جن کی ساڑھے باون تولہ چاندی بازار کے بھاؤ کے مطابق آسکے اس پر زکاۃ واجب ہوگی)'' (اختری بہشتی زیور، حصہ: ۳/ ۲۴، زکاۃ کا بیان، مسئلہ نمبر: ۱۰) محمد امین پالن پوری

صاحبِ نصاب کس کو کہتے ہیں؟ اور تملیک کے معنی کیا ہیں؟

سوال: (۱۱)...... (الف) صاحبِ نصاب کس کو کہتے ہیں؟

(ب) اگر کسی شخص کے پاس چھتیس تولہ، پانچ ماشہ، چار رتی چاندی، یا پانچ تولہ، دو ماشہ، چار رتّی سونا ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(ج) تملیک کس کو کہتے ہیں؟ (۲٦٦۵/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف-ج) نصاب چاندی کا ساڑھے باون تولہ چاندی اور نصاب سونے کا ساڑھے

---

(۱) والمعتبر وزنهما أداءً ووجوبًا لا قيمتهما (الدّرّ المختار) أي من حيث الوجوب يعني يعتبر في الوجوب أن يبلغ وزنهما نصابًا، نهر، حتّى لو كان له إبريق ذهب أو فضّة؛ وزنهٗ عشرة مثاقيل أو مائة درهم وقيمته لصياغتهٖ عشرون أو مائتان لم يجب فيه شيء إجماعًا، قهستاني إلخ، (لا قيمتهما) .... وهٰذا إن لم يؤدّ من خلاف الجنس. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۲۰۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

سات تولہ ہے، پس جس کے پاس اس سے کم چاندی یا سونا ہو وہ صاحبِ نصاب نہیں ہے[1] اور تملیک کے معنی مالک بنانا ہے۔ فقط واللہ اعلم (۵۱/۶)

ڈھائی فیصدی کے حساب سے زکاۃ نکالنا واجب ہے

سوال: (۱۲) سو روپیہ میں سے کتنی زکاۃ نکالنی چاہیے، مشہور فیصدی ڈھائی ہے تو یہ صحیح ہے؟ (۱۳۳۵/۱۵ھ)

الجواب: ڈھائی فیصدی حساب صحیح ہے، کیوں کہ چالیسواں حصہ زکاۃ میں واجب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۴/۶)

واجب سے زیادہ زکاۃ نکالنا باعث ثواب ہے

سوال: (۱۳) زکاۃ حساب سے تین یا چار روپیہ ہو، اور وہ اس کے بجائے ایک دو روپیہ زیادہ دے دیوے تو کیا زکاۃ اس کی بے کار ہو جائے گی؟ (۱۰۱۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں ثواب زیادہ ہوا زکاۃ بھی ادا ہوگئی، اور ایک روپیہ زیادہ دینے کا ثواب زیادہ ہوا۔ فقط واللہ اعلم (۷۱/۶)

اثاث البیت کا اطلاق کن چیزوں پر ہوتا ہے؟

سوال: (۱۴) شریعت میں اثاث البیت کا اطلاق کن اشیاء پر ہوتا ہے؟ کیا ظروف اور پہننے اوڑھنے کے کپڑوں پر بھی اثاث البیت کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اثاث البیت کا اطلاق ان سب اشیاء پر ہوتا ہے[2] فقط واللہ اعلم (۶۲/۶-۶۳)

---

(۱) ليس فيما دون مائتي درهم صدقة إلخ، فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم إلخ ، ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة، فإذا كانت عشرين مثقالاً ففيها نصف مثقال. (الهداية: ۱/۱۹۴-۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۲) الأثاث: ......متاع البيت ما كان من لباسٍ أو حشوٍ لِفراش أو دِثار...... قال بعض اللّغويين: الأثاث: ما يتّخذ للاستعمال والمتاع لا للتّجارة. (تاج العروس: ۵/۱۵۳-۱۵۴، باب الثّاء المثلثة ، فصل الألف ، مادّة: أثث، المطبوعة : مطبع حكومة الكويت)

حولانِ حول کا کب سے اعتبار ہوگا؟

سوال: (۱۵) حولان حول برائے زکاۃ از کدام وقت معتبر است؟ (۸۹۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: حولانِ حول بعد تمام شدن نصاب معتبر است[۱] (الشامي: ۴۱/۲)(۸۲/٦)

ترجمہ سوال: (۱۵) زکاۃ کے واسطے حولانِ حول (سال کا گزرنا) کس وقت سے معتبر ہے؟

الجواب: نصاب پورا ہوجانے کے بعد سے حولانِ حول معتبر ہے۔

زکاۃ ہر سال دینا لازم ہے

سوال: (۱٦) جس مال کی زکاۃ ایک سال ادا کردی گئی ہو اس مال کی نسبت دوسرے سال بھی زکاۃ دینا چاہیے یا نہیں؟ جب کہ اس مال سے کوئی منافع نہیں ہوتا اور نہ کوئی تجارت کی جاتی ہے۔ ﴿اورزیورات استعمال کی زکاۃ دیناواجب ہے یا نہیں؟﴾[۲] (۱۴۹۷/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: جس روپیہ اور زیور پر ایک سال زکاۃ دی گئی، جب دوسرا سال پورا ہوگا پھر زکاۃ دینا لازم ہے، ہر سال زکاۃ واجب الاداء ہوتی ہے خواہ اس روپیہ سے کچھ نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو﴿اور زیور کا حکم بھی روپیہ کا سا ہے﴾[۳] فقط واللہ اعلم (٦/ ۴۷)

زیور کی زکاۃ ہر سال واجب ہے

سوال: (۱۷) زیور میں ہر سال زکاۃ دینا چاہیے یا ایک دفعہ؟ (۳۲۵/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) لأنّ حولان الحول علی النّصاب شرط لكونہ سببًا. (ردّ المحتار: ۱٦۴/۳، كتاب الزّكاة، مطلب: الفرق بين السّبب والشّرط والعلّة) جمیل الرحمٰن

(۲) سوال وجواب میں قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وشَرطُهُ أي شَرْطُ افْتراضِ أدائِها حولانُ الحولِ وهو في ملكِهِ وثمنِيَّةُ المالِ كالدّراهمِ والدّنانيرِ لِتعَيُّنِهما للتّجارةِ بأصل الخلقةِ فتَلزَمُ الزّكاةُ كيف مَا أمسكهُما. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۳/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

الجواب: زیور کی زکاۃ ہر سال دینا چاہیے[۱] فقط واللہ اعلم (۶/۱۳۴)

مال ماحصل سالِ گزشتہ کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے

سوال: (۱۸) مال ماحصل سال گزشتہ کی؛ ذی نصاب کو زکاۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟
(۱۶۴۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: مال ماحصل سال گزشتہ کی؛ ذی نصاب کو زکاۃ دینا فرض ہے۔ ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسهٖ ضمّه إليه[۲] (الهداية: ص:۱۷۵) فقط واللہ اعلم (۶/۵۹)

پچھلے سالوں کی زکاۃ دینا ضروری ہے

سوال: (۱۹)......(الف) پچھلے سالوں کی زکاۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟
(ب) ایک شخص نہ نماز پڑھتا تھا نہ زکاۃ دیتا تھا اب وہ زکاۃ دینا چاہتا ہے، کیوں کر دے؟ اور سال گزشتہ کی زکاۃ کس طرح ادا کرے؟ (۴۱۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) پچھلے سالوں کی زکاۃ دینا ضروری ہے[۳]
(ب) جب کہ اس کے مال پر سال گزر چکا ہو اور مال بہ قدر نصاب ہے تو فوراً زکاۃ دینا چاہیے اور پچھلے سالوں کی بھی جب سے مال ہے زکاۃ دینا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۹۹-۱۰۰)

پچھلے سال کی زکاۃ کس طرح ادا کرے؟

سوال: (۲۰) اگر کوئی شخص صاحب نصاب ایک سال زکاۃ دینے سے بہ وجہ غفلت قاصر رہا تو

---

(۱) فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (الهداية: ۱/۱۹۴، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۲) الهداية: ۱/۱۹۳، كتاب الزّكاة، باب صدقة السّوائم.

(۳) اس لیے کہ یہ دین ہے جو ذمے میں واجب ہے، درمختار میں ہے: وسببهٗ أي سبب افتراضها ملك نصاب حوليّ ...... تامّ ...... فارغ عن دَين له مطالب من جهة العباد سواء كان للّٰه كزكاة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۶۳-۱۶۵، كتاب الزّكاة، مطلب: الفرق بين السّبب والشّرط والعلّة) محمد امین پالن پوری

دوسرے سال کس حساب سے زکاۃ ادا کرے؟ (۱۴۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: دوسرے سال اس کو اس سال کی اور پچھلے سال کی زکاۃ دینی چاہیے، اور حساب یہ ہے کہ پچھلے سال ختم سال پر جس قدر مال و روپیہ وغیرہ ہو اس کی زکاۃ دیوے، اور اس سال جس قدر روپیہ وغیرہ ہے اس کی زکاۃ دے دیوے[1] فقط واللہ اعلم (٦/٦۵)

مال مستفاد کے لیے جدید سال کی ضرورت نہیں

سوال: (۲۱) زید ایک گرہستی آدمی ہے، کھیتی گرہستی کا کاروبار ہوتا ہے، لہٰذا کھیتی گرہستی کے ذریعہ سے مثلاً دوسو روپیہ آمدنی ہوئی، ہم نے برس گزرنے سے زکاۃ مال مذکور کی ادا کردی، اب پھر برس گزرنے نہیں پایا کہ اور روپیہ کھیتی گرہستی کے ذریعہ سے آیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نئے مال پر سال گزرنے سے زکاۃ واجب ہوگی یا (اصل مال)[2] میں شریک کرکے زکاۃ سب کی ادا کی جاوے گی؟ لہٰذا مال مستفاد پر زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ عام مال مستفاد پر زکاۃ واجب ہے یا کسی خاص مال پر؟ بینوا توجروا۔ (۲۸۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جو روپیہ سال کے اندر زیادہ ہوا اور پہلے سے دوسو روپیہ مثلاً موجود تھے، درمیان سال کے اور روپیہ کھیتی کے ذریعہ سے حاصل ہوا تو سال اس کا وہی معتبر ہوگا جو اصل دوسو روپے کا ہے، الغرض جس وقت پہلے روپیہ کا سال پورا ہو جاوے تمام مال کی زکاۃ ادا کرنی چاہیے، مال مستفاد کے لیے جدید سال کی ضرورت نہیں۔ کما في الدّرّ المختار: والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضمّ إلٰى نصاب من جنسهٖ فيزكّيه بحول الأصل[3] فقط واللہ اعلم (٦/۱۳۸)

---

(۱) وافتِراضُها عُمْريٌّ أي على التّراخِي وصحّحه الباقَانِيُّ وغيرُهُ ، وقيل : فَورِيٌّ أي واجبٌ علـى الفَورِ وعليهِ الفَتوى إلخ ، فيأْثَمُ بتأخيرِها بلا عُذرٍ وتُرَدُّ شَهادَتُهٗ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۸/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (اصل مال) کی جگہ ''اگلے سال'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۹۷-۱۹۸، كتاب الزّكاة ، باب زكاة الغنم ، مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه.

مالِ مستفاد کی اصل مال کے ساتھ زکاۃ ادا کرنا واجب ہے

سوال: (۲۲) زید نے کچھ رقم عمر کو تجارت کے واسطے دی، اور عمر نے اس رقم سے تجارت شروع کی، سال ختم ہونے سے معلوم ہوا کہ اس میں منافع ہوا تو اصل رقم کی زکاۃ کے علاوہ منافع کی رقم جو کہ ایک سال میں روزانہ تھوڑی تھوڑی جمع ہوئی ہے، اس رقم پر پہلے سال میں زکاۃ دینی لازم ہے یا نہ؟ (۱۶۴۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ مال مستفاد پر اصل کے ساتھ زکاۃ واجب ہے، حاصل یہ ہے کہ جب کہ نصاب پہلے سے موجود ہو تو اس پر جو کچھ نفع ہوگا ختم سال پر اس کی بھی زکاۃ لازم ہوگی، لیکن جس کا اصل روپیہ ہے اس پر اس کے حصہ منافع کی زکاۃ بھی لازم ہوگی، اور عمر جس کا محض نفع میں حصہ ہے اور اصل روپیہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو اس کے ذمہ منافع کی زکاۃ جب کہ وہ نفع بہ قدر نصاب ہو بعد حولان حول کے لازم ہوگی (۱) فقط واللہ اعلم (۶/ ۱۴۷-۱۴۸)

بہ تدریج جو آمدنی بڑھی اس کی زکاۃ کیسے ادا کی جائے؟

سوال: (۲۳) ایک شخص کو ماہواری سال بھر رجب، سنہ ۱۳۳۵ھ سے جمادی الثانیہ، سنہ ۱۳۳۶ھ تک مختلف طور پر مبالغ بچت ہوتے رہتے ہیں جن کی مجموعی تعداد آمد و بچت ماہواری قابل زکاۃ رقم ہو جاتی ہے، اور اس کے اس سرمایہ میں اضافًا جمع ہوتی رہتی ہے؛ جن کی زکاۃ سالانہ وہ ہمیشہ دیتا رہتا ہے، آیا اس متفرق رقوم بچت سالانہ کی زکاۃ کس طرح ادا کرے جب کہ شعبان میں ۱۰، رمضان میں ۲۰، شوال میں ۵۰، علی ہذا القیاس جمادی الثانیہ تک ۱۰۰ یا ۵۰۰؛ تو اب رجب میں کس طرح زکاۃ کا حساب کر کے ادا کرے؟ (۱۲۹۸/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضمّ إلٰى نصاب من جنسه فيزكّيه بحول الأصل (الدّرّ المختار) قوله: (ولو بهبة أو إرث) أدخل فيه المُفاد بشراء أو ميراث أو وصيّة وما كان حاصلاً من الأصل كالأولاد والرّبح إلخ ، قوله: (إلٰى نصاب) إلخ وأشار إلٰى أنّهٗ لا بدّ من بقاء الأصل حتّى لو ضاع استأنف للمستفاد حولاً منذ ملكه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۱۹۷-۱۹۸، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه) ظفير

الجواب: اگر وہ شخص رجب، سنہ ۱۳۳۵ھ میں مثلاً صاحب نصاب تھا کہ پچاس یا ساٹھ یا زیادہ نقد یا زیور یا مالِ تجارت اس کے پاس موجود تھا، اس کے بعد شعبان میں ۱۰، رمضان میں ۲۰، شوال میں ۵۰ اور رقوم بچت ہوکر جمع ہوتی رہیں، اور جمادی الثانیہ، سنہ ۱۳۳۶ھ تک مثلاً ۵۰۰ ہوگئے؛ تو اس وقت تمام ۵۰۰ کی زکاۃ اس کو ادا کرنا لازم ہے، اور اگر رجب، سنہ ۱۳۳۵ھ میں اس کے پاس روپیہ وزیور وغیرہ نصاب کی قدر موجود نہ تھا؛ تو جس وقت اس کے پاس مال بہ قدر نصاب ہو جائے اس وقت سے سال شروع ہوگا، اور پھر درمیان سال کی زیادہ رقوم سب ختم سال پر جمع ہوکر کل روپے کی زکاۃ دی جاوے گی، مثلاً صورت مسئولہ میں اگر رجب، سنہ ۱۳۳۵ھ میں اس کے پاس ایک روپیہ بھی جمع نہ تھا، شعبان میں ۱۰ جمع ہوئے، رمضان میں تیس ہوگئے، اور شوال میں اسّی روپے ہوگئے؛ تو اس وقت وہ صاحبِ نصاب ہوگیا، اس کے بعد کی رقوم سب جمع ہوتی رہیں گی، اور شوال، سنہ ۱۳۳۶ھ میں جملہ رقوم کی زکاۃ دینی ہوگی، اس مسئلے کو کسی عالم سے زبانی سمجھ لو[1] فقط واللہ اعلم (۱۲۵-۱۲۴/۶)

سال کے درمیان رقم گھٹتی بڑھتی رہے تو زکاۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟

سوال: (۲۴) زید کے پاس ابتدائے سال میں مثلاً ایک ہزار روپیہ تھا، اثنائے سال میں کم وبیش ہوتا رہا، آخر میں دس ہزار ہوگیا تو کس قدر روپے کی زکاۃ واجب ہے؟ (۱۵۶۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: آخر سال کا اعتبار ہے اس صورت میں دس ہزار روپیہ کی زکاۃ واجب ہوگی[1] فقط واللہ اعلم (۷۷/۶)

منافع کی زکاۃ اصل مال کے ساتھ دی جائے گی

سوال: (۲۵) کیا تجار کو قبل تمام سال جو منافع ہوتا ہے اس کو اصل روپیہ کے ساتھ ملا کر کل کی زکاۃ نکالیں یا صرف اصل کی زکاۃ نکالی جاوے؟ (۱۲۷۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

الجواب: درمیان سال کے جو منافع ہوئے وہ ختم سال اصل مال پر زکاۃ دینے کے لیے شمار و معتبر کیے جائیں گے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۲/۶)

تجارت کا جو روپیہ سال گزر جانے کے بعد وصول ہوا اس کی زکاۃ کس طرح دی جائے؟

سوال: (۲۶) ...... (الف) اگر تمام روپیہ تجارت میں صرف ہوگیا، اور یہ شخص رمضان میں زکاۃ ادا کیا کرتا تھا اور روپیہ شوال میں وصول ہوا تو اس سال کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں اور کب ہوگی؟

(ب) اگر درمیان سال کے روپیہ وصول ہو تو اس کی زکاۃ اسی وقت دینی ہوگی یا رمضان شریف میں؟ (۱۳۸۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) اس سال کی زکاۃ بھی ادا کرے، شوال میں جو روپیہ وصول ہوا اس کی زکاۃ بعد وصول ادا کرنا لازم ہے؛ لیکن پچھلے سال کی بھی ادا کرنا لازم ہے۔

(ب) جس وقت وصول ہوا اس وقت زکاۃ دینا لازم ہے؛ لیکن اگر پہلے یا پیچھے دے دے تب بھی درست ہے، حساب اوّل سے ہی لگے گا۔ فقط واللہ اعلم (۱۵۶/۶)

جمع شدہ رقم پر گزشتہ سالوں کی زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۷) ایک شخص نے آٹھ سال تک آٹھ سو روپیہ جمع کیے، ہر سال سو روپے بڑھتے تھے اور زکاۃ ادا نہیں ہوئی، صرف نو روپیہ ادا کیے ہیں، اور آٹھ سال کے ختم پر یہ سب روپیہ خرچ ہوگیا، اس صورت میں وہ کس طریقہ سے اور کس قدر روپیہ زکاۃ کا ادا کرے؟ (۲۴۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس مسئلے کا جواب یہ ہے کہ اس کے ذمہ زکاۃ سالہائے گزشتہ کی لازم ہے، اور یہ قرض اللہ کا ہے، جس وقت روپیہ ہو ایک دفعہ یا چند دفعہ کرکے اس کو پورے کردے، سال اوّل میں ڈھائی روپے، سال دوم میں پانچ روپے، سال سوم میں ساڑھے سات روپے، سال چہارم میں دس روپے،

---

(۱) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمّه إليه وزكّاه به. (الهداية: ۱۹۳/۱، كتاب الزّكاة ، فصل) ظفیر

پنجم میں ساڑھے بارہ روپے، سال ششم میں پندرہ روپے، ہفتم میں ساڑھے سترہ روپے، ہشتم میں بیس روپے؛ کل ۹۰ روپے زکاۃ کے اس کے ذمے ہوئے، اس میں سے ۹ روپیہ وضع کرکے باقی ۸۱ روپے ہوئے، خواہ بہ تدریج یا ایک بار ادا کرے[1] فقط واللہ اعلم (۶/۱۳۸-۱۳۹)

ضرورت کے لیے جمع کی ہوئی رقم پر زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۸) اگر اپنی بہت سی ضروریات کو بند کرکے کسی خاص ضرورت کے لیے روپیہ جمع کیا جائے تو اس پر زکاۃ آوے گی یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۰۴۰ھ)

الجواب: بعد سال بھر کے اس پر زکاۃ واجب ہے[2] فقط واللہ اعلم (۶/۶۴)

مکان بنانے کے ارادے سے جمع کردہ رقم پر زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۹) زید کے پاس پانچ سو روپیہ ہے؛ لیکن نہ مکان ہے نہ مقروض ہے نہ دیگر جائداد روزگار کرنا اور گزران کرنا، روپیہ مذکور سے مکان بنانے کا ارادہ ہے، اس مال کی زکاۃ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۲۰۱۰ھ)

الجواب: زکاۃ اس کی واجب ہے، ہر سال؛ بعد ختم سال زکاۃ دینا فرض ہے[3] (کیوں کہ

---

(۱) وافتراضها عمريّ أي على التّراخي، وصحّحه الباقاني، وقيل: فوري أي واجب على الفور وعليه الفتوى ...... فيأثم بتأخيرها بلا عذر (الدّرّ المختار) قوله: (وافتراضها عمري) قال في البدائع: وعليه عامّة المشائخ ففي أي وقت أدّى يكون مؤدّيًا للواجب ويتعيّن ذٰلك الوقت للوجوب، وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيّق عليه الوجوب حتّٰى لو لم يؤدّ حتّى مات يأثم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنهما للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۳) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ==

اُس وقت اس قدر روپے والا صاحبِ نصاب ہوجاتا تھا۔محمد امین) فقط واللہ اعلم (۶/۴۵)

بیوہ کے نقد روپیہ پر زکاۃ ہے گو وہ ضرورت مند ہو

سوال: (۳۰) ایک بیوہ عورت کے پاس صرف ڈھائی ہزار روپیہ نقد ہے اور دو لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں اس روپیہ پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۱۶ھ)

الجواب: اس روپیہ پر زکاۃ واجب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۱۰)

سال بھر خرچ کے بعد جو رقم بچ گئی اس پر زکاۃ واجب ہے

سوال: (۳۱) ایک شخص کے پاس چار سو ساٹھ روپے کھانے پینے سے بچ گئے، اوراس پر سال گزر گیا تو وہ شخص چار سو ساٹھ کی زکاۃ دے یا چار سو کی؟ (۶۲۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: پورے چار سو ساٹھ روپے کی زکاۃ دیوے[2] فقط واللہ اعلم (۶/ ۵۸)

سال بھر خرچ کے بعد جو غلہ بچ گیا اس پر زکاۃ واجب نہیں

سوال: (۳۲) جو غلہ سال بھر کے خرچ کے بعد باقی رہ گیا ہو اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۳۶۹ھ)

== فإذا كانت مأتين وحال عليه الحول ففيها خمسة دراهم إلخ. (الهداية:۱/۱۹۴، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

(۱) وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنهما للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) واللاّزم مبتدأ في مضروب كلّ منهما إلخ في عرض تجارة قيمته نصاب إلخ رُبع عشر ....وفي كلّ خمس..........بحسابه ففي كلّ أربعينَ درهمًا دِرهمٌ ، وفي كلّ أربعةِ مثاقيلَ قيراطانِ ، وما بين الخُمُس إلى الخُمُس عَفْوٌ، وقالا: ما زادَ بحسابه. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

الجواب: اس غلہ میں جو سال بھر کے کھانے کے لیے خرید ا اور بعد ختم سال باقی رہ گیا زکاۃ واجب نہیں ہے[1] فقط واللہ اعلم (۷۲/۶)

سال کی بچت پر زکاۃ کس حساب سے واجب ہے؟

سوال: (۳۳) سال کی نقد بچت پر کس حساب سے زکاۃ واجب ہے؟ (۸۵۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زکاۃ کا حساب یہ ہے کہ چالیسواں حصہ زکاۃ میں دینا لازم ہے[2] فقط (۶۱/۶)

کمائے ہوئے روپے کی زکاۃ

سوال: (۳۴) اپنے کمائے ہوئے روپے کی زکاۃ نکالنی واجب ہے یا نہ؟ (۱۴۷۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: روپیہ جب کہ بہ قدر نصاب جمع ہو جاوے اور سال بھر اس پر گزر جاوے تو اس کی زکاۃ نکالنا واجب ہے[3] فقط واللہ اعلم (۱۱۴/۶)

حج کے لیے جو روپیہ کئی سال سے رکھا ہوا ہے اس میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۵) ایک عورت نے عرصہ چھ سال سے دو آدمیوں کی آمد و رفت حج کا خرچ علیحدہ

---

(۱) کیوں کہ یہ غلہ تجارت کے لیے نہیں خریدا تھا، بلکہ کھانے کے لیے خریدا ہے، اور کھانے کی چیزوں میں زکاۃ نہیں ہے۔ محمد امین پالن پوری

ومنهَا فراغُ المالِ عن حاجتهِ الأصليّةِ فليسَ فِي دُوْرِ السُّكْنٰى وثِياب البَدنِ وأثَاثِ المنازِل إلخ وكذا طعامُ أهلهٖ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۲، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها و شرائطها) ظفیر

(۲) أوفي عرض تجارة قيمته نصاب إلخ من ذهب أو ورق أي فضّة مضروبة إلخ مقوّما بأحدهما إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال)

(۳) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ظفیر

نکال کر رکھ دیا ہے، امسال حج کو جانا چاہتی ہے؛ آیا اس روپیہ پر تمام سال ہائے گزشتہ کی زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۵۳۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس روپیہ کی زکاۃ دینا واجب ہے جب تک وہ روپیہ خرچ نہ ہو جاوے اس وقت تک تمام سالہائے گزشتہ کی زکاۃ دینا لازم ہے [1] فقط واللہ اعلم (۱۱۶/۶)

وصیت کی رقم پر سال گزر گیا تو اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۶) زید نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ میرے مال میں سے چار سو روپے سے میری طرف سے حج کرانا، اور ایک ہزار روپیہ میں فقراء کو کھانا کھلانا، بعد مرنے زید کے بیٹوں نے ایک ہزار روپے میں کھانا کھلا دیا تھا؛ لیکن حج اب تک ان چار سو روپیہ سے نہیں کرایا، ایک سال بھی گزر گیا، اب اس روپیہ کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور چودہ سو روپے ثلثِ کل سے بھی کم ہیں۔ (۱۳۵۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس روپیہ کی زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۵/۶)

وضاحت: یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وارث نے وصیت کا مال اپنے مال کے ساتھ خلط کر دیا ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر چار سو روپے جن سے حج کرانے کی وصیت کی ہے، ورثاء نے ان کو الگ محفوظ رکھا ہے، تو سال گزرنے کے بعد ان کو زکاۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے، کیوں کہ ورثاء اس کے مالک نہیں ہیں، وہ رقم میت کی ملک پر باقی ہے، اور میت مکلّف نہیں ہے؛ اس لیے یہ رقم مالِ وقف اور مالِ مُسَبَّل کی طرح ہے، اور اگر وصیت کی رقم الگ محفوظ نہیں رکھی گئی ہے، بلکہ ورثاء نے تقسیم کر کے لے لی ہے اور اپنے مال کے ساتھ ملا دی ہے، یہ سوچ کر کہ جب کسی کو حج کے لیے بھیجا جائے گا تو سب ورثاء حصہ رسد وہ رقم ادا کر دیں گے، یا کسی ایک وارث نے ناجائز طور پر اس کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیا ہے، یہ سوچ کر کہ جب کوئی حج کے لیے جائے گا تو وہ رقم ادا کر دے گا تو اس صورت میں وصیت کی اس رقم پر سال گزرنے کے بعد زکاۃ اس شخص پر واجب ہوگی جس نے وصیت کی رقم اپنی رقم کے ساتھ ملا دی ہے، بہ شرطیکہ وہ صاحبِ نصاب ہو۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۶)

محمد امین پالن پوری

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

مدفون روپے کی زکاۃ ہر سال دینا واجب ہے

سوال: (٣٧) جو روپیہ زمین میں مدفون ہے، اور اس سے کسی قسم کا نفع نہیں ہے تو اس میں زکاۃ ہے یا نہیں؟ (٣٢٥/٣٢-١٣٣٣ھ)

الجواب: اس روپے کی زکاۃ ہر سال دینی چاہیے [1] فقط واللہ اعلم (٦/ ٣٣٨)

نالش میں جو رقم خرچ ہوئی اس میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (٣٨) ایک اسامی سے نالش کر کے ستر روپے وصول ہوئے، اور چالیس روپے عدالت میں خرچ ہوئے، اور ان چالیس روپے کی زکاۃ ادا کر چکا تھا، اب کل ستر روپے کی زکاۃ ادا کرنا ہوگی یا بعد منہائے خرچہ؟ (١٣٨٣/٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: کل روپیہ کی زکاۃ دینی ہوگی خرچ منہا نہ ہوگا [2] فقط واللہ اعلم (٦/ ١٥٧)

جان کے معاوضہ میں ریلوے کمپنی کی طرف سے جو رقم ملی ہے اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (٣٩) تصادم ریل سے زید کا انتقال ہوگیا، ریلوے کمپنی نے زید کی جان کے معاوضہ

---

(١) ولا في مال مفقود ــــ إلٰی قولہٖ ــــ ومدفون ببرية نَسِي مكانَهٗ ثمّ تذكّرهٗ .... بخلاف المدفون في حِرز. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧١، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(٢) ولايخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧٦، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً .... لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد (الدّرّ المختار) كبناء القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار والحجّ والجهاد وكلّ ما لا تمليك فيه؛ زيلعي. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٦٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

میں اس کے والدین، بیوہ اور تین یتیم نابالغ بچوں (جن میں دولڑکیاں ۴و۳ سالہ، اور ایک لڑکا ڈیڑھ سالہ) کی پرورش کے لیے تیس ہزار روپیہ کے نوٹ دئے، اس شرط پر کہ سولہ ہزار کے نوٹ ڈاک خانہ میں رکھ دئے جائیں، دس سال کے بعد لڑکیوں کی شادی اور لڑکے کی اعلیٰ تعلیم میں خرچ کیے جاویں، جب تک بچوں کی پرورش و تعلیم کا خرچ ماں کے حصہ کے چھ ہزار روپیہ میں سے جو بہ غرض حفاظت پوسٹ آفس میں رکھا ہے ہوا کرے، اس صورت میں بچوں اور بیوہ کی رقوم پر زکاۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ (۱۰۱۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: بچے جب تک نابالغ ہیں ان کے حصے کے روپے میں زکاۃ واجب نہیں ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: **وشرط افتراضها عقل وبلوغ إلخ، قال في الشّامي: فلا تجب على مجنون وصبي إلخ** [1] اور بیوہ اور والدین کے حصے میں جو روپیہ آیا اس پر زکاۃ واجب ہے اور بچے جس وقت بالغ ہوجاویں تو ان کے حصے کے روپے پر بھی زکاۃ وقتِ بلوغ سے واجب ہوجاوے گی [1] فقط واللہ اعلم (۶/۱۳۱-۱۳۲)

نابالغ کے مال میں زکاۃ واجب نہیں

سوال: (۴۰) نابالغ کے مال میں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۱۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: **وشرط افتراضها عقل وبلوغ وإسلام (الدّرّ المختار) فلا تجب علىٰ مجنون وصبيّ لأنّها عبادة محضة وليسا مخاطبين بها إلخ** [2] **(ردّ المحتار) وفي الهداية: وليس على الصّبيّ والمجنون زكاة خلافًا للشّافعي؛ فإنّه يقول: هي غرامة ماليّة فتعتبر بسائر المئون كنفقة الزّوجات إلخ، ولنا أنّها عبادة فلا تتأدّى إلّا بالاختيار تحقيقًا لمعنى الابتلاء، ولا اختيار لهما لعدم العقل إلخ** [3]

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۶۲، كتاب الزّكاة، مطلب في أحكام المعتوه .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۶۲-۱۶۳، كتاب الزّكاة، قبيل مطلب: الفرق بين السّبب والشّرط والعلّة .

(۳) الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزّكاة .

عباراتِ مرقومہ سے واضح ہے کہ نابالغ شرعی کے مال میں زکاۃ واجب نہیں ہے، اور نصوص سے صبی کا غیر مکلّف ہونا اور مرفوع القلم ہونا ثابت ہے۔ قال علیه الصّلاة والسّلام: رفع القلم عن ثلاثة: عن النّائم حتّی یستیقظ، وعن الصّبيّ حتّی یحتلم وعن المجنون حتّی یفیق الحدیث [۱] أو کما قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم اور عدم وجوبِ صلاۃ وصیام وحج وغیرہ جملہ عبادات نابالغ بھی دلیل عدم وجوب زکاۃ کی ہے اس پر، اور حدیث: حتّی لا تأکله الصّدقة [۲] باوجود عدم صحت کے مؤول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۲-۴۳)

سوال: (۴۱) مستقیم وعبدالحکیم دو بھائی شاملات (شریک) ہیں، عبدالحکیم فوت ہوا، لڑکا نابالغ چھوڑا، لڑکے کے مال پر مستقیم قابض ہے بہ طور ولی وسرپرست کے، مستقیم اپنے حصے کی زکاۃ دیتا ہے، کیا وہ عبدالحکیم متوفی کے حصے کی بھی زکاۃ دیوے یا نہیں؟ (۱۳۳۴/۴۱۷-۳۳ھ)

الجواب: عبدالحکیم کے فوت ہونے کے بعد اس کا ترکہ نابالغ لڑکوں کی ملک ہوگیا، اور نابالغ کے مال میں زکاۃ واجب نہیں ہے، پس مستقیم ان لڑکوں کے مال کی زکاۃ نہ دیوے صرف اپنے حصے کی دیوے [۳] فقط واللہ اعلم (۶/۷۵-۷۶)

سوال: (۴۲) نابالغین کا حصہ جو بہ طور امانت ان کے والدین کے پاس ہو اس میں زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۴/۷۹۳-۳۳ھ)

الجواب: اس میں زکاۃ لازم نہیں ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وشرط افتراضها عقل وبلوغ إلخ (الدّرّ المختار) فلا تجب علی مجنون وصبيّ إلخ [۴] (شامي) فقط (۶/۷۶)

---

(۱) السّنن الکبری للبیهقي: ۴/۴۴۸، کتاب الصّیام، باب الصّبيّ لا یلزمه فرض الصّوم حتّی یبلغ ولا المجنون حتّی یفیق، رقم الحدیث: ۸۳۰۷، المطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲) یہ حدیث سنن ترمذی میں اس طرح ہے: عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه أنّ النّبي صلّی اللّٰه خطب النّاس، فقال: ألا مَن ولي یتیمًا لهٗ مالٌ فلیتجر فیه ولا یترکه حتّی تأکله الصّدقة. (جامع التّرمذي: ۱/۱۳۹، أبواب الزّکاة، باب ما جاء في زکاة مال الیتیم)

(۳) وشرط افتراضها عقل و بلوغ و إسلام وحرّیة (الدّرّ المختار) (قوله: وبلوغ) قال في البحر: وخرج المجنون والصّبيّ فلا زکاة في مالهما کما لا صلاة علیهما للحدیث المعروف رفع القلم عن ثلاث. (حاشیة الطّحطاوي علی الدّر المختار: ۱/۳۸۹، کتاب الزّکاة)

(۴) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۱۶۲، کتاب الزّکاة، مطلب في أحکام المعتوه.

مال دار بچے کی زکاۃ اس کے مال سے دینا جائز نہیں

سوال: (۴۳) مال دار بچے کے مال کی زکاۃ اس کے مال میں سے دینی جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۹۰۹ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے[1] فقط واللہ اعلم (٦/٦١)

بالغ لڑکی کو ہدیہ میں جو رقم ملی ہے اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۴) دختر کے روپیوں پر جو کسی دوست نے دیئے زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۸۵۴ھ)

الجواب: اس پر زکاۃ واجب ہے۔ فقط (٦/۴۴-۴۵)

وضاحت: یہ حکم اس وقت ہے جب لڑکی کی ملک میں بہ قدر نصاب مال ہو۔ **الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة)** محمد امین پالن پوری

ماں باپ اور بیٹا اکٹھا کماتے اور خرچ کرتے ہیں تو صاحبِ نصاب کون ہوگا؟

سوال: (۴۵) یہ جو یہاں پر رواج ہے کہ مرد وعورت واولاد ہوشیار نابالغ و بالغ سب اکٹھا رہتے ہیں اور گھر بار کا کام کرتے ہیں، وہ سب کے سب تمام ضروریات دُنیاوی اپنے اسی پیشے کے وصول (آمدنی) سے ادا کرتے ہیں، یہاں تک کہ جو کچھ عورت کو اس کے ماں باپ وغیرہ دیتے ہیں وہ بھی اپنے زوج واولاد سے علیحدہ نہیں رکھتی ہے، مثلاً اس طرح پر بسر اوقات کرنے والے تین شخص ہیں: زوج، زوجہ، بیٹا، پس اگر ان کی تمام ضروریات سال کی ان کے پیشے کے وصول سے ادا ہوکر باون روپیہ کا زیور یا نقد یا دیگر مال ہو تو مالک فقط زوج ہی ہوگا، یا زوجہ و بیٹے کا بھی حصہ سمجھا جاوے گا یا تا حیاتِ زوج؛ زوجہ و بیٹے کا حصہ شریعت میں نہیں ہے، بعض ایسے اشخاص ہیں کہ اگر مالک فقط

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں ۔۱۲

زوج ہی سمجھا جاوے تو اہل نصاب ہوتا ہے، اور اگر زوجہ و بیٹے کے حصے کا حساب لگایا جاوے تو حدِ زکاۃ کو نہیں پہنچتے ؟ (۳۴۲/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: وہ سب مال شوہر کا ہے[۱] سوائے اس کے جو زوجہ کو اس کے ماں باپ کے یہاں سے ملا ہے؛ اس کی مالک زوجہ ہے[۲] اور جب کہ ملک شوہر کی قدر نصاب کو پہنچ جاوے تو بعد حولان حول اس پر زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم (۶/ ۷۷-۷۸)

زوجین کے مال میں امتیاز نہ ہو تو زکاۃ کی نیت کون کرے؟

سوال: (۴۶) خاوند؛ بیوی کے مال میں امتیاز نہ ہو تو زکاۃ کی نیت کس کو کرنی چاہیے؟ (۵۶۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ﴿دونوں اپنے مالِ مملوکہ کی زکاۃ کی نیت کرلیا کریں﴾[۳] فقط واللہ اعلم (۶/ ۱۲۱)

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی اپنے زیور کی زکاۃ دے سکتی ہے

سوال: (۴۷) جس عورت کے پاس زیور جہیز کا ہو وہ بغیر اطلاع خاوند کے زکاۃ ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۶۵۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) لما في القنية: الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كلّه للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينًا له ألا ترى لوغرس شجرة تكون للأب ، ثمّ ذكر خلافًا في المرأة مع زوجها إذا اجتمع بعملهما أموال كثيرة فقيل: هي للزّوج وتكون المرأة معينة له إلا إذا كان لها كسب عليحدة فهو لها. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳۹۲/۶ كتاب الشّركة – فصل في الشّركة الفاسدة، مطلب: اجتمعا في دار واحدة و اكتسبا إلخ)

(۲) اور جو زیور وغیرہ عورت کو اپنے ماں باپ کے یہاں سے ملا ہے اگر وہ بھی بہ قدر نصاب ہو تو بعد حولانِ حول اس کی زکاۃ عورت کے ذمہ واجب ہوگی۔ الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/ ۱۸۵، كتاب الزّكاة) محمد امین پالن پوری

(۳) جواب کی پوری عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، صرف سوال مذکور تھا جواب کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

الجواب: جہیز کا زیور عورت کا مملوکہ ہے[1] اس کی زکاۃ اس کے ذمہ لازم ہے، خاوند سے اجازت لینے اور اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۴۷-۴۸)

بیوی کے صاحبِ نصاب ہونے سے شوہر صاحبِ نصاب نہیں ہوتا

سوال: (۴۸) بیوی اگر صاحب نصاب ہو تو اس کی وجہ سے شوہر بھی صاحب نصاب سمجھا جاوے گا یا نہ؟ اور زکاۃ اور قربانی کس کے ذمہ ہوگی؟ (۲۵۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: بیوی کے صاحب نصاب ہونے سے شوہر صاحب نصاب نہیں ہوتا، اور قربانی وغیرہ اس (یعنی شوہر) کے ذمہ واجب نہیں ہے[2] فقط واللہ اعلم (۶/۵۰)

بیٹے نے جو رقم والد کو خرچ کے لیے دی ہے اس کی زکاۃ کس پر ہے؟

سوال: (۴۹) زید نے کچھ روپیہ اپنے باپ عمر کو اس طرح دیا کہ موضع ملازمت سے ہمیشہ بہ طور خرچ ماہوار کے اپنے باپ کو دیتا رہا، اور اس کے پاس بھیجتا رہا، عمر نے وہ تمام روپیہ خرچ نہیں کیا بلکہ تھوڑا خرچ کیا اور زیادہ باقی رکھا؛ حتیٰ کہ اس کی مقدار زیادہ ہوگئی اور یہ روپیہ عمر نے اس خیال سے بچایا کہ زید کے کام آوے گا، زید کو جب یہ معلوم ہوا اس نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ کو اس روپیہ کی زکاۃ دینی چاہیے، عمر نے کہا کہ یہ روپیہ تمہارا ہے میرا نہیں ہے میں زکاۃ اس کی نہ دوں گا، پس زید پر اس روپیہ کی زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر زید ادا کر دیوے تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بالتفصیل بیان فرماویں۔ والأجر عند الله (۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: زید نے جو روپیہ خرچ ماہواری کے طور سے اپنے باپ عمر کو دیا اور اس کے پاس بھیجا عمر اس کا مالک ہوگیا، پھر جو کچھ روپیہ عمر نے بچایا (اگرچہ اس خیال سے بچایا ہو کہ یہ روپیہ زید کے

---

(۱) جهّزَ ابنَتَهٗ بِجِهازٍ وسلّمها ذٰلك ليس له الإستردادُ منها، ولا لورثتهٖ بعده إن سلّمها ذٰلك في صحّتهٖ بل تختصّ بهٖ، وبهٖ يفتٰى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۲۲۸، كتاب النّكاح، باب المهر، مطلب: أنفق علىٰ معتدّة الغير) ظفیر

(۲) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ظفیر

کام آوے گا) اس کا مالک عمر ہے، اور بہ قدر نصاب ہوجانے پر بعد سال بھر کے زکاۃ اس کی عمر پر واجب ہے؛ لیکن اگر زید عمر کی طرف سے عمر کی اجازت سے زکاۃ گزشتہ زمانہ کی اور آئندہ کی ادا کرے تو درست ہے، اور زکاۃ ادا ہوجاوے گی، زید کو چاہیے کہ عمر کو اطلاع کردے کہ میں زکاۃ اس روپیہ کی زمانہ گزشتہ کی ادا کرتا ہوں، اور آئندہ بھی میں ادا کرتا رہوں گا آپ مجھ کو اجازت دے دیجیے **في الشّامي: قال في التّتار خانية: إلاّ إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان أهـ أي أجازا قبل الدّفع إلى الفقير (۲/۱۴) وقال في الدّرّ المختار: لأنّ المعتبر...... نيّة الآمر** [1] (۲/۱۴) فقط واللہ اعلم (٦/۱۳۷-۱۳۸)

بیٹے کا جو مال باپ کے پاس رکھا ہوا ہے اور باپ کو تصرف کا پورا اختیار ہے اس کی زکاۃ کس پر واجب ہے؟

سوال: (۵۰) زید نے اپنا کمایا ہوا مال باپ کے پاس رکھ دیا، اور والد کو اختیار تام حاصل ہے تو زکاۃ کس پر واجب ہے؟ اور ایک مال والد اور ولد دونوں نے کمایا ہے، والد کے قبضہ میں ہے اور وہی متصرف ہے تو زکاۃ کس پر واجب ہے؟ (۱۳۴۳/۲۸۷۷ھ)

الجواب: جو مالک ہے اس پر زکاۃ بھی واجب ہے یعنی ولد پر [2] اور دوسری صورت میں چوں کہ والد کو تمام تصرفات وانتظامات کے متعلق اختیار تام حاصل ہے تو پھر زکاۃ کا ادا کرنا بھی انھیں کے ذمے ہے۔ فقط واللہ اعلم (٦/٦۹-۷۰)

ایک شخص کے پاس سو روپے ہیں اور اس کا ایک بھائی اور دو بہنیں ہیں تو اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۱) ایک شخص کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد سو روپے ہیں، اور اس کے ایک بھائی

---

(۱) **الدّرّ المختار و الشّامي: ۳/۱۷۵، كتاب الزّكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً .**

(۲) **الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة)** ظفیر

اور دو بہنیں ہیں، مگر وہ اس روپیہ کے لینے کے بارے میں کچھ کہتے بھی نہیں، اور انکار بھی نہیں کرتے تو اس شخص پر اس روپے کی زکاۃ واجب ہے یا نہ؟ (۵۱۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اگر وہ سو روپے تنہا اس کی ملک ہیں تو زکاۃ اس پر واجب ہے، اور اگر وہ ترکہ پدری ہے اور ایک بھائی اور دو بہن اس میں اور شریک ہیں تو ان میں سے کسی کے حصہ میں بہ قدر نصاب نہیں آتا؛ لہٰذا کسی پر زکاۃ واجب نہیں[۱] اور اس میں اس بھائی اور دونوں بہنوں کا حصہ ہے، ۳۳ ۱/۳ روپے ایک بھائی کے اور اسی قدر دوسرے بھائی کے، اور اسی قدر ہر دو بہنوں کے ہیں، ان کے نہ لینے سے ان کا حق ساقط نہیں ہوا۔ فقط واللہ اعلم (۷۰/۶)

حرام کمائی میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۲) زید یا ہندہ نے ناجائز کمائی سے کچھ مال حاصل کیا، اب وہ اپنے اس پیشے سے تائب ہو گئے، اور وہ اپنے مال سے زکاۃ وصدقات وخیرات نکالتے ہیں (اور اس کے پاس یہی مال ہے)[۲] اور حلال کمائی سے ایک پیسہ نہیں؛ تو کیا اس کی یہ زکاۃ اور صدقات وغیرہ جائز ہوگا؟

(۴۵۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اور مال حرام میں زکاۃ واجب ہونے یا نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے پاس دوسرا مال حلال بھی ہے، اور اس میں حرام کو ملا دیا تو امام صاحب کے نزدیک زکاۃ اس پر لازم ہے، اور اگر دوسرا مال حلال بہ قدر نصاب نہ ہو تو زکاۃ اس پر لازم نہیں، بلکہ وہ کل مال واجب التصدق ہے یعنی جب کہ لوٹانا مالکوں پر یا ان کے وارثوں پر متعذر رہو۔ درمختار میں ہے: **ولو خَلَطَ السُّلطانُ المالَ المغصوبَ بماله ملكه، فتجب الزّكاة فيه، ويورثُ عنه إلخ، وهٰذا إذا كان له مال غير ما استهلكَهُ بالخلطِ منفصلٌ عنه يوفِّي دَينه وإلاّ فلا زكاة، كما لو كان الكلُّ خبيثًا إلخ**[۳]

(۱) **ليس فيما دون مائتي درهم صدقة إلخ . (الهداية: ۱/۱۹۴، كتاب الزّكاة ، باب زكاة المال ، فصل في الفضّة)** ظفیر

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔

(۳) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۰۱، كتاب الزّكاة ، باب زكاة الغنم ، قبل مطلب في التّصدّق من المال الحرام.**

اورشامی میں ہے قنیہ سے: ولو كان الخبيثُ نصابًا لا يلزَمُهُ الزّكاةُ لأنّ الكُلَّ واجبُ التّصدّقِ عليه فلايفيد إيجاب التّصدّق ببعضِهِ إلخ[1] اورمسجد بنانا مال حرام سے درست نہیں ہے اورمدرسہ میں طلبہ پرصدقہ کرنا بہ صورت نہ ملنے مالکوں کے یاان کے ورثہ کے درست ہے۔فقط واللہ اعلم (٦/٨٦)

مالِ حرام سے زکاۃ دینا جائز ہے یانہیں؟

سوال: (۵۳) مال حرام سے زکاۃ دینی جائز ہے یانہیں؟ (۱۹۱۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مال حرام تمام کوصدقہ کرنا بہ شرائط لازم ہے، زکاۃ اس میں نہیں ہے، مگر خلط مال حرام کا موجبِ ملک ہے، اُس وقت اس میں زکاۃ بھی لازم ہوگی[2] فقط واللہ اعلم (٦/٤٩)

مخلوط آمدنی سے زکاۃ نکالنے اورحج کرنے کا حکم

سوال: (۵۴) زیدروزگار پیشہ ہے اورراشی بھی ہے، زید مالِ رشوت میں اصل تنخواہ کا روپیہ جمع کرتا رہا اورایک رقم کثیر ہوگئی، مگراندازًا یہ یاد ہے کہ مالِ رشوت ہی رقم میں زیادہ ہے تو زید پراس کل مال کی زکاۃ واجب ہوگی یا نہ؟ اور جب دونوں قسم کا مال مخلوط ہوکر گڈمڈ ہوگیا تو اس روپے میں سے بہ قدرضرورت لے کرحج کرسکتا ہے یانہ؟ جب کہ زید کواس کا علم ہے کہ تنخواہ کا روپیہ بہ قدرصرف حج ہے؟ (۱۴۰۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ مال حرام کواپنے مال حلال مثلاً تنخواہ کے روپے میں ملادینے سے کل کی زکاۃ واجب ہوگی، بہ شرطیکہ اس کی تنخواہ کا روپیہ اس قدر ہو کہ اس مال حرام کا

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) ولو خَلَطَ السُّلطانُ المالَ المغصوبَ بماله ملكه، فتجب الزّكاة فيه، ويورثُ عنه لأنّ الخلط استِهلاكٌ إذا لم يُمكن تمييزهُ عند أبي حنيفةؒ، وقوله:أرفقُ إذ قلّما يخلو مالٌ عن غصبٍ، وهٰذا إذا كان له مال غير ما استهلكَهُ بالخلطِ منفصلٌ عنه يوفِّي دَينه وإلّا فلا زكاة، كما لو كان الكلُّ خبيثًا كما في النّهر (الدّرّ المختار) في القنيةِ:ولو كان الخبيثُ نصابًا لايلزَمُهُ الزّكاةُ لأنّ الكُلَّ واجبُ التّصدّقِ عليه فلا يفيد إيجاب التّصدّق ببعضِهِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۰۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم ، قبل مطلب في التّصدّق من المال الحرام)ظفیر

معاوضہ ان لوگوں کو جن سے لیا ہے یا ان کے ورثہ کو دے سکے، یا اس کو ادا کر کے باقی بہ قدر نصاب بچے، اور جب کہ اکثر مال حرام ہے تو زکاۃ واجب نہیں [1] بلکہ اس رقم حرام کا کل کا صدقہ کرنا بہ صورت تعذُّر لوٹانے کے مالکوں کو لازم ہے، اور اگر تنخواہ کی رقم اس قدر ہے کہ اس سے حج کر سکتا ہے تو اس کو علیحدہ کر کے اس سے حج کر لے یہ درست ہے [2] فقط واللہ اعلم (٦/٩٦-٩٧)

غصب اور رشوت کے مال پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۵) غصب و رشوت کے مال پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۷۹۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وہ سب مال خیرات کرنا چاہیے جب کہ مالکوں اور ان کے وارثوں کا پتا نہ لگے [3] فقط (اس میں زکاۃ نہیں ہے۔ ظفیر) (٦/٨٨)

دلالی کے پیشہ سے جو رقم جمع کی اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۵٦) زید دلالی کرتا ہے اور مشتری سے کہتا ہے کہ فلاں {بیس} [4] دیتا تھا، مگر میں نے اس کو نہیں دی، مشتری اس ترغیب سے خرید لیتا ہے اور زید کو اجرت دلالی کی دے دیتا ہے، زید کے پاس ایسی اجرت سے بہ قدر نصاب روپیہ جمع ہو گیا ہے تو زید پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۳۱/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فإنّه لا يقبل بالنّفقة الحرام كما ورد في الحديث مع أنّه يسقط الفرض عنه معها إلخ. (ردّ المحتار: ۴۰۲/۳، كتاب الحجّ، مطلب في من حجّ بمال حرام) ظفیر

(۳) وإلاّ فلا زكاة كما لو كان الكلّ خبيثًا كما في النّهر (الدّرّ المختار) في القنية: ولو كان الخبيث نصابًا لا يلزمه الزّكاة لأنّ الكلّ واجب التّصدّق عليه فلا يفيد إيجاب التّصدّق ببعضه اهـ ومثله في البزّازية. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲۰۱/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبل مطلب في التّصدّق من المال الحرام) ظفیر

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں {بیس} کی جگہ ''دس'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

الجواب: اس صورت میں زید جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہ گار ہوا اور حدیث شریف میں ہے کہ ایسی بیع میں برکت نہیں ہوتی (۱) لیکن زید اس ثمن کا مالک ہوجاتا ہے (۲) اور زکاۃ لازم ہوگی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۹۴)

جھوٹی دلالی سے جو مال جمع کیا اس پر زکاۃ ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۵۷) زید نے عمر سے کہا کہ یہ بکر کا مال ہے، خالد اس کے بیس روپیہ دیتا تھا مگر میں نے اس کو نہیں دیا، اور درحقیقت خالد پندرہ روپیہ دیتا تھا، عمر نے اس ترغیب سے مال خرید لیا، اور ۴ روپے [زید کو] (۴) دلالی کے دے دیے، زید کے پاس اسی طریقہ سے قابل زکاۃ کے مال جمع ہوگیا؛ تو زید کے ذمہ زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۲۱ھ)

الجواب: واجب ہے (۳) فقط واللہ اعلم (۶/۹۴-۹۵)

جس مقروض کے پاس زیورات اور کاشت کی زمین وغیرہ ہے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۸) زید جس کی صحرائی اراضی کی آمدنی دس مَن پختہ غلہ سالانہ ہے، اور غلہ مختلف

---

(۱) عن حكيم بن حزام قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: البيعان بالخيار ما لم يتفرّقا، فإن صدقا وبيّنا بورك لهما في بيعهما، وإن كتما وكذبا مُحِقتْ بركةُ بيعهما، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۲۴۴، كتاب البيوع، باب الخيار، الفصل الأوّل)

(۲) وأمّا الدّلالُ فإنْ باعَ العين بِنفسهٖ بإذن ربِّهَا فأُجْرَتُهُ على البائعِ وإن سعٰى بينهما وباع المالك بنفسهٖ يعتبر العرف (الدّرّ المختار) فتجب الدّلالة على البائع أو المشتري أو عليهما بحسب العرف، جامع الفصولين. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۷۱/۷، كتاب البيوع فصل فيما يدخل في البيع تبعًا إلخ، قبيل مطلب في حبس المبيع لقبض الثّمن إلخ) ظفیر

(۳) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱۸۵/۱، كتاب الزّكاة) ظفیر

(۴) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲

قسم کا ہے، اور آمدنی ثمر باغ بھی بیس روپے سالانہ کی ہے، اور مکان سکونتی بھی پختہ ہے، اور وہ ملازم سرکار بہ مشاہرہ ستر روپے ماہوار ہے، اور ایک رأس گھوڑی قیمتی ایک سو روپے بھی اس کی ملکیت میں ہے، زید عیال دار ہے، اور مقروض تین سو روپے سودی اور ایک سو پچاس روپے بلا سودی کا ہے، اور اس کی کچھ صحرائی اراضی بہ عوض چار سو پچیس روپے رہن ہے، اس کی عورت کے پاس زیور نقرئی سو روپے کا اور طلائی تین سو روپے کا ہے، زید کے مال پر زکاۃ فرض ہے یا نہ؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

الجواب: اگر وہ زیور جو زید کی زوجہ کے پاس ہے، زید کی ملکیت میں ہے، اور زید اس سے زیادہ قرض دار ہے تو زید کے ذمہ صورت مسئولہ میں زکاۃ دینا فرض نہیں ہے[1] فقط (۷۳/٦)

سوال: (۵۹) اگر کسی شخص کے پاس زرعی جائداد ہے اور قرض بھی دینا ہے؛ لیکن اگر جائداد کی قیمت ٹھیرائی جائے تو قرض کم ہے، ایسے شخص کے پاس اگر کچھ زیور ہو تو اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ زیور وغیرہ کی قیمت قرض سے بہت کم ہے۔ (رجسٹر میں نہیں ملا)

الجواب: اس پر زکاۃ لازم نہیں[2] فقط واللہ اعلم (۷۳/٦)

مکانات میں زکاۃ نہیں، اور لوگوں کے ذمہ جو قرض ہے اس کی زکاۃ واجب ہے

سوال: (٦۰) زید کے پاس شروع سال میں ایک ہزار چھ سو روپیہ کا مال بایں تفصیل تھا کہ تین سو روپے کے مکانات تعمیر کردہ وخرید کردہ اور آٹھ سو روپے لوگوں کے ذمے قرض ہے، اور پانچ سو روپے کا پارچہ تجارتی موجود ہے؛ تو اس صورت میں زید کو کس قدر رقم کی زکاۃ دینی چاہیے، اور چار سو روپے ساہوکاری قرض ہیں؟ (٦۹۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) فلا زكاة على مكاتب إلخ، ومديون للعبد بقدر دَينه فيزكّي الزّائد إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱٦۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) ولا في ثياب البدن إلخ، ودور السّكنٰى ونحوها (الدّرّ المختار) قوله: (ونحوها) أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (الدّر المختار وردّ المحتار: ۳/۱۷۰، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: مکان تعمیر کردہ وخرید کردہ میں زکاۃ نہیں ہے، پانچ سوروپے کے مال موجودہ پر زکاۃ واجب ہے؛ لیکن چارسوروپے جوساہوکار کے ہیں اس میں سے وضع کر کے ایک سوروپیہ کی زکاۃ فی الحال ادا کرنا واجب ہے (۱) اور آٹھ سوروپے جو دوسروں کے ذمہ قرض ہے اس کی زکاۃ بھی واجب ہے، مگرادا کرنااس کی زکاۃ کا بعد وصول کے ہے، اگر فی الحال دے دیوے یہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۷۴-۷۵)

مقروض پر قرض کے بہ قدر زکاۃ واجب نہیں ہوتی

سوال: (۶۱) اگر کسی شخص نے مبلغ سوروپیہ رہن رکھے، اور یہ روپیہ سال بھر تک رکھا رہا اور اس خیال سے رکھا ہوا ہے کہ شاید کسی وقت اس کے ادا کرنے کی ضرورت ہو جائے، اور بعض حصہ اس میں سے ضرورت پر صرف بھی کر لیوے تو اس روپیہ پر زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ (۲۳۸۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس سوال کا مطلب بہ ظاہر یہ ہے کہ کسی شخص نے سوروپیہ قرض لیے اور اپنی زمین وغیرہ اس میں رہن رکھی ہے؛ تو ظاہر ہے کہ یہ شخص جس نے سوروپیہ لیے ہیں، سوروپیہ کا مقروض ہے اور مدیون ہے اور مدیون پر بہ قدر دَین کے؛ زکاۃ واجب نہیں ہوتی، پس اگر اس شخص کے پاس اور کچھ روپیہ وزیور وغیرہ علاوہ اس روپیہ کے بہ قدر نصاب نہیں ہے تو اس سوروپیہ کی زکاۃ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۳)

مقروض پر زکاۃ کب واجب ہے؟

سوال: (۶۲) زید مقروض ہے، ہر سال اس کی آمدنی اس کو کفایت نہیں کرتی، اکثر جائداد

---

(۱) ومَن كان عليه دَين يحيط بمالهٖ فلا زكاة عليه إلخ، وإن كان مالهٗ أكثر من دَينهٖ زكّى الفاضل إذا بلغ نصابًا. (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزّكاة) ظفير

(۲) كلُّ دَينٍ لهٗ مطَالبٌ مِن جهةِ العبادِ يمنع وجوب الزّكاة سواء كان الدّين للعباد كالقرض و ثمن المبيع وضَمَانِ الْمُتْلَفَاتِ وأرْشِ الجِرَاحةِ وسواء كانَ الدَّينُ من النُّقُوْدِ أو المكيلِ أو المَوْزُوْنِ إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۲، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها وشرائطها) ظفير

بیع کر کے خرچ چلاتا ہے، صاحبِ عیالِ کثیر ہے، تعلیم میں بہت خرچ ہوتا ہے، زید کے پاس علاوہ سامان خانہ داری کے کچھ زیور طلاء ونقرہ، ظروف وصندوق پارچہ وغیرہ ہے تو زید پر زکاۃ، صدقۂ فطر، قربانی، فاتحۂ محرم، حج، فاتحۂ شب براءت اور امداد اعزّہ وغرباء واجب ہے یا نہیں؟

(۲۶۱۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: زیور ونقد اگر اس قدر ہے کہ بعد ادائے قرضہ بہ قدر نصاب باقی رہے تو اس باقی پر زکاۃ واجب ہے (۱) اور صدقۂ فطر واضحیہ اس پر واجب ہے، اور حج کے قدر اگر زیور ونقد باقی رہے تو حج بھی فرض ہے، باقی فاتحۂ محرم اور فاتحۂ شب براءت وغیرہ کسی پر بھی واجب نہیں ہے بلکہ جائز بھی نہیں، اور امداد غرباء واقرباء جب ہے کہ اپنے اہل وعیال کے خرچ سے زیادہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۶/۶۸)

صاحبِ نصاب مقروض ہے تو قرض کی رقم کم کر کے باقی رقم کی زکاۃ ادا کی جائے گی

سوال: (۶۳) ہندہ کے پاس دوسو پچاس روپیہ بھر چاندی اور تہتر روپیہ بھر سونا ختم سال پر جمع ہے جس کی بازاری قیمت ایک ہزار سات سو نواسی روپے ہے، اور خاوند متوفی کی جائداد سے سو روپیہ ماہوار پاتی ہے جس کی بابت آٹھ سو روپیہ بقایا ہے، اور ۳۵۷ قرضہ ہے، ہندہ مذکورہ نے بہ شراکت زید ایک اراضی خریدی ہے جس کی بابت بارہ، تیرہ سو روپیہ بائع کو دیا گیا، بائع روپیہ سے انکاری ہو گیا جس کی بابت نالش کی جائے گی، وصول مذبذب ہے، ہندہ نے زید کو کہہ دیا ہے کہ اگر روپیہ نہ ملے میں ذمہ دار ادائیگی کی ہوں، اب کل رقم ہندہ کے ذمہ ہوگی اور زکاۃ میں مجرا ہوگی یا نصف؟

(۲۶۱۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں جو قرض بہ ذمہ ہندہ ہے وہ مجرا کر کے باقی کی زکاۃ ہندہ کے

---

(۱) فلا زكاة علٰى مكاتب إلخ ، ومديون للعبد بقدر دينه فيزكّي الزّائدَ إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۸/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

ذمہ واجب ہے، اور قرضہ متنازعہ میں سے نصف قرضہ جو بہ ذمہ ہندہ ہے اس وقت وہی مجرا کیا جائے گا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۶۸-۶۹)

سوال: (۶۴) زید کے پاس سال بھر بارہ سو روپے رہے لیکن گیارہ سو روپیہ کا قرض دار ہے، اگر بکر اس کا والد اس کی طرف سے زکاۃ ادا کرے تو ایک سو روپے کی ادا کرے یا گیارہ سو کی؟

(۱۴۸۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف ایک سو روپے کی زکاۃ واجب ہوگی، گیارہ سو روپیہ قرض میں مستثنیٰ ہوں گے[۲] فقط واللہ اعلم (۶/۷۱)

بیس ہزار قرض ہو اور بچت نہ ہو تو زکاۃ واجب نہیں ہوگی

سوال: (۶۵) زید نے بمبئی کپڑے کی کمپنی میں بیس ہزار کا حصہ روپیہ قرض لے کر خرید کر لیا ہے اس وقت زید پر زکاۃ فرض ہے یا نہیں جب کہ اس کو کچھ بچت بہ وجہ ادائیگی قرض کے نہیں ہے؟

(۲۷۳۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں جب کہ بہ قدر مال موجود کے اس کے ذمہ قرض ہے، اور بچت کچھ نہیں ہے تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے[۳] فقط واللہ اعلم (۶/۶۵)

---

(۱) ومِنها الفَراغُ عن الدَّينِ قال أصحابُنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ: كلُّ دَيْنٍ له مطالبٌ من جِهَةِ العِبادِ يمنعُ وُجُوبَ الزّكاةِ سواءٌ كان الدَّينُ للعبادِ كالقَرضِ وثمَنِ البَيْعِ إلخ ، وسواءٌ كان الدَّين من النّقود. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۲، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها و شرائطها)

ومديون للعبد بقدر دَينه فيزكّي الزّائدّ إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۶۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) ومَن كان عليه دَين يحيطُ بمالهٖ فلا زكاة عليه إلخ، وإن كان مالهُ أكثر من دَينهٖ زكّى الفاضلَ إذا بلغ نصابًا بالفراغة عن الحاجة، والمراد بهٖ دَين له مطالب من جهة العباد إلخ. (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزّكاة) ظفير

(۳) فلا زكاة علىٰ مكاتب إلخ ومديون للعبد بقدر دَينه فيزكّي الزّائد إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۶۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

قرض سرمایہ سے زیادہ ہے تو زکاۃ واجب نہیں

سوال: (٦٦) ایک شخص کے ذمے دو ہزار روپے قرض ہے، اور کچھ سرمایہ اور آمدنی بھی ہے جو قرض سے کم ہے تو اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (١٣٣٩/٢٦٥٠ھ)

الجواب: جب کہ قرض اس کے ذمے سرمایہ و آمدنی سے زیادہ ہے تو زکاۃ اس پر واجب نہیں (١) فقط واللہ اعلم (٦/٥٠-٥١)

جائداد کی قیمت پر زکاۃ نہیں اور قرض کی رقم وضع کر کے باقی کی زکاۃ ادا کی جائے گی

سوال: (٦٧) ایک شخص کے پاس جائداد قیمتی پچاس ہزار منافع فی سال کی ہے، اور سامان تجارت بیس ہزار کا ہے، اس میں ڈھائی تین ہزار سالانہ منافعہ ہوتا ہے، اور وہ شخص کبھی تین چار ہزار روپے چھ ماہ کے واسطے قرض بھی لیتا ہے، ان سب صورتوں میں زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے ذمے مہر بھی چاہتا ہے؟ (٣٥/٤١٢-١٣٣٦ھ)

الجواب: سامانِ تجارت جو بیس ہزار کا ہے مثلاً اس پر کل پر زکاۃ واجب ہے، چالیسواں حصہ اس کا ہر سال بھر میں زکاۃ کا نکالا کرے، یعنی فی سیکڑہ ڈھائی روپیہ زکاۃ دینا چاہیے (٢) اور جائداد کی قیمت پر زکاۃ نہیں ہے (٣) اس کے نفع میں جو روپیہ حاصل ہو اور سال بھر گزر جائے؛ اس کی زکاۃ دیوے، اور تین چار ہزار کا روپیہ جو اس کے ذمے قرض ہو جاتا ہے، اگر ختم سال پر بہ وقت زکاۃ ادا کرنے کے اس کے ذمے قرض ہو تو اس کو مجرا کیا جاوے گا، باقی ماندہ سامان تجارت اور نقد روپیہ و

---

(١) ومن كان عليه دَين يحيط بمالهٖ فلا زكاة عليه. (الهداية: ١/١٨٦، كتاب الزّكاة) ظفير

(٢) أوفي عرض تجارة قيمته نصاب إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٠٩-٢١١، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال)

(٣) ولا في ثياب البدن إلخ وأثاث المنزل ودور السّكنىٰ ونحوها (الدّرّ المختار) قوله: (ونحوها) كثياب البدن الغير المحتاج إليها و كالحوانيت والعقارات. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/١٧٠، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

زیوروغیرہ کی زکاۃ دیوے[۱] اور دَین مہر وضع نہ کیا جائے گا وہ مانع زکاۃ سے نہیں ہے۔ کما في الشّامي: والصّحیح أنّه غیر مانع [۲] یعنی صحیح یہ ہے کہ دَین مہر مؤجل مانع زکاۃ سے نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۱۵۰)

مہر مؤجل مانع زکاۃ نہیں ہے

سوال: (۶۸) ایک شخص کے پاس مثلاً دس ہزار روپے ہیں، اس پر رقم زکاۃ اڑھائی سو روپیہ ہوگی، مگر زوجہ کا مہر پانچ ہزار قرض ہے؛ اس لیے سوا سو روپیہ زکاۃ دے گا، آیا یہ درست رہا یا کوئی اس میں خلجان ہے؟ دوسری بات اس سے صعب ہے؛ ادائے زکاۃ میں خیال نہ رہا، اور پورے دس کی زکاۃ دیتا رہا، جو رقم زیادہ دی گئی اس کو کس طرح وصول کرے؛ آیا چند سال زکاۃ ادا نہ کرے جب تک پوری وصول نہ ہو جائے گویا پیشگی ادا کی گئی، حیلہ کی ضرورت نہیں، مظنۂ عقوبت نہ رہے۔

(۱۰۲۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مہر مؤجل جیسا کہ اب عموماً ہوتا ہے صحیح مذہب کے موافق مانع زکاۃ سے نہیں ہے، یعنی یہ دَین مہر مؤجل روپیہ موجودہ سے وضع نہ کیا جاوے گا[۳] بلکہ تمام روپے موجودہ کی زکاۃ دینا ضروری ہے، پس جس کے پاس دس ہزار روپے مثلاً موجود ہیں اور پانچ ہزار کا قرض مہر مؤجل زوجہ کا اس کے ذمہ ہے تو وہ شخص پورے دس ہزار روپے کی زکاۃ اڑھائی سو روپے ادا کرے گا، لہٰذا جو زکاۃ

(۱) ومدیون للعبد بقدر دَینه فیزکّي الزّائد إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۶۸، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۳/۱۶۵، کتاب الزّکاۃ، مطلب: الفرق بین السّبب والشّرط والعلّة، تحت قوله: (أو مؤجّلًا)

(۳) فارغ عن دَیْنٍ لَهُ مَطالِبٌ مِنْ جِهةِ العبادِ سواءٌ کان للّٰهِ کزکاۃٍ وخراجٍ أو للعبدِ، ولو کَفَالَةٌ أو مؤجّلًا، ولو صَدَاقَ زَوْجَتِهِ المؤَجَّلَ (الدّرّ المختار) والصّحیح أنّه غیر مانع. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۶۵، کتاب الزّکاۃ، مطلب: الفرق بین السّبب والشّرط والعلّة) ظفیر

دس ہزار روپے کی وہ دینا رہا وہ پوری زکاۃ ہے، اس میں زکاۃ سے زیادہ کچھ نہیں دیا گیا جس کے لیے واپسی کے حیلہ کی ضرورت ہو یا آئندہ زکاۃ نہ دے کر اس کو محسوب کیا جاوے، شامی میں دَین مہر مؤجل کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ والصّحیح أنّه غیر مانع (١) فقط واللہ اعلم (٦/٤٥-٤٦)

سوال: (٦٩) ایک شخص مالک نصاب ہے؛ لیکن اس کے ذمے دین مہر اس کے مال سے زیادہ ہے، کیا یہ دَین مانع زکاۃ ہے؟ (١٢/١٧/١٣٣٥ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ دَین مہر مانع زکاۃ سے نہیں ہے؛ زکاۃ لازم ہے۔ کما في الشّامي: والصّحیح أنّه غیر مانع (١) (٢/٥) فقط واللہ اعلم (٦/٥٩)

مہر کے مقروض پر زکاۃ واجب ہے

سوال: (٧٠) مہر کے مقروض پر زکاۃ آوے گی یا نہیں؟ (٦٤/٧/١٣٣٩ھ)

الجواب: شامی میں ہے: والصّحیح أنّه غیر مانع (١) یعنی صحیح یہ ہے کہ دین مہر موجل وجوب زکاۃ سے مانع نہیں ہے، یعنی زکاۃ اس پر مال موجودہ بہ قدر نصاب کے واجب ہوگی۔ فقط واللہ اعلم (٦/٣٣٥)

عورت کے ذمہ اُدھار مہر کی زکاۃ واجب نہیں

سوال: (٧١) ایک عورت کا مہر ڈھائی سو روپے ہے، چوں کہ شوہر کے پاس روپیہ نہیں اس وجہ سے اس نے مہر ادا نہیں کیا تو اس صورت میں عورت کے ذمے مہر کی زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

(١٢٣٧/١٣٣٥ھ)

الجواب: زکاۃ اس پر قبل الوصول واجب نہیں ہے (٢) فقط واللہ اعلم (٦/٥٧)

---

(١) حوالۂ سابقہ۔١٢

(٢) وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعده أي بعد القبض من دَین ضعیف وهو بدل غیر مال کمهر و دیة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢١٨-٢١٩، کتاب الزّکاة، باب زکاة المال، مطلب في وجوب الزّکاة في دَین المَرصد) ظفیر

نیوتے کی رقم میں زکاۃ کا حکم

سوال: (۷۲)...... (الف) زید کا ایک ہزار روپیہ نیوتا[1] میں گیا ہوا تھا دس برس کے بعد وصول ہوا تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

(ب) زید کے پاس ہزار روپے ہیں اور پانچ سو روپیہ بہ رواج برادری نیوتا دینا ہے، تو اس صورت میں کس قدر روپیہ کی زکاۃ دینی واجب ہے؟ (۱۲۵۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) ایسے روپیہ کی زکاۃ بعد وصول ہونے کے دینا لازم ہے، نہ قبل از وصول [2]

(ب) اس صورت میں زید کو ایک ہزار روپیہ کی زکاۃ دینی لازم ہے[2] فقط (۶/ ۵۴-۵۵)

---

(۱) نیوتا، نوتا: شادی بیاہ کی تقریبوں میں نقدی دینے کی رسم۔ (فیروز اللغات)

(۲) نیوتا کے سلسلے میں پہلی بحث یہ ہے کہ قرض کے حکم میں ہے یا ہبہ کے، اگر قرض کے حکم میں ہے تو بعد وصول گزشتہ سالوں کی زکاۃ دینا لازم ہے، اسی طرح نیوتے کی جو رقم ذمہ میں باقی ہے زکاۃ کے حساب کے وقت یہ رقم وضع کر لی جائے گی اور بقیہ کی زکاۃ لازم ہوگی، اور نیوتے کو قرض یا ہبہ قرار دینے کا مدار رسم و رواج پر ہے، بعض برادریوں میں بہ طور قرض یہ رقم دی جاتی ہے اور حساب لکھا جاتا ہے، اور بعد میں شادی کے موقع سے ضروری طور پر وصول کیا جاتا ہے، اور بعض برادریوں میں حساب کتاب نہیں لکھا جاتا، اگر مل گیا تو لے لیا، ورنہ اس کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا، گویا یہ بہ طور ہبہ ہوتا ہے۔

سُئِل: فيما يُرْسِلُهُ الشّخصُ إلٰى غيرِهِ في الأعراسِ ونحوِها هل يكونُ حُكمُهُ حكمَ القَرضِ فيلزَمُهُ الوفاء بهِ أم لَا ؟ أجاب: إنْ كان العرفُ بأنّهم يدفعُونَهُ علٰى وجهِ البَدَلِ يلزمُ الوفَاءُ بهِ مِثليًّا فبِمِثلِهِ ، وإنْ قِيَمِيًّا فبقيمتِهِ، وإن كان العرفُ خلافَ ذٰلك بأن كانُوا يدفَعُوْنَهُ علٰى وجهِ الهبةِ ، ولا ينظرونَ في ذٰلك إلٰى إعطاءِ البدلِ فحُكمُهُ حكمُ الهبةِ في سائرِ أحكامِهِ إلخ. (ردّ المحتار: ۸/ ۴۴۴، كتاب الهبة ، قبل باب الرّجوع)

مفتی علامؒ کے دونوں نمبر کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہبہ قرار دیا ہے، اگر ہبہ کا بدلہ ہبہ آ گیا تو اب آئندہ کی زکاۃ بہ شرط نصاب دے، ورنہ نہیں، اور نیوتے کی رقم جو ذمہ میں ہے، چوں کہ ہبہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اسے حساب میں وضع قرار نہیں دیا؛ اس لیے کہ فقہاء صراحت کرتے ہیں۔ **فلا زكاة على مكاتب إلخ ومديون للعبد بقدر دَينهِ فيزكي الزّائد إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱٦٨، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)** ==

دُلہن کو جو زیور دیا جاتا ہے اس کی زکاۃ کس پر ہے؟

سوال: (٣٧) بعض اقوام میں نابالغ اولاد کا نکاح کر دیتے ہیں، دلہا کا باپ دلہن کو جو زیور چڑھاتا ہے اس کی زکاۃ کس کے ذمے ہے؟ (اور بعض دفعہ دلہن کا باپ اس زیور کو فروخت کر دیتا ہے یہ فروخت کر کے کھا جانا کیسا ہے؟)(1) (١٣٣٥/١٣١ھ)

الجواب: وہ زیور جو دلہا کا باپ دیتا ہے وہ زیور ہمارے عرف میں دلہن کی ملک نہیں ہے، لہٰذا اس کی زکاۃ دلہا کے باپ کے ذمے ہے(2) (اور دلہن کے باپ کو اس میں تصرف کرنا درست نہیں ہے، البتہ جو زیور دلہن کے والدین دلہن کو دیتے ہیں وہ دلہن کی ملک ہوتا ہے، اس کی زکاۃ دلہن کے ذمے ہے، جب وہ بالغ ہو جاوے) فقط واللہ اعلم (٦/٧٤)

امین کے ذمہ زکاۃ نہیں ہے

سوال: (٧٤) مال متروکہ میت کا ابھی وارثوں پر تقسیم نہیں ہوا، امین کی زیر تحویل ہے اور وارث سب بالغ ہیں، بعض کے حصے مقرر اور بعض کے ابھی مقرر نہیں ہوئے، اسی مناقشہ میں سال کامل گزر گیا، اس صورت میں مال مذکورہ کی زکاۃ امین پر واجب الاداء ہے یا نہیں؟ (١٣٣٧/٨٦ھ)

الجواب: زکاۃ مال کی بہ ذمہ مالکوں کے لازم ہوتی ہے، امین کے ذمہ زکاۃ نہیں ہے، بلکہ اگر وہ مال سونا چاندی ہے تو وارثوں پر بہ قدر حصہ زکاۃ لازم ہے جس وقت ان کے پاس ان کا حصہ پہنچ جاوے گا اور مال زکاۃ بہ قدر نصاب ان کے پاس ہے تو زمانہ گزشتہ کی زکاۃ بھی ان کے ذمہ لازم ہوگی

== ولو كان الدَّينُ علىٰ مُقِرٍّ مليءٍ ………… أو مفلس إلخ فوصل إلىٰ ملكه لزم زكاة ما مضىٰ. (٣/٢/١٧٢-١٧٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢١٧، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

(1) سوال و جواب میں قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(2) جہاں عرف میں وہ زیور دلہن کی ملک قرار پاتا ہے، اس کی زکاۃ دلہن پر ہوگی۔١٢ ظفیر

في الدّرّ المختار: إلاّ الذّهب والفضّة والسّائمة لما في الخانية لو ورث سائمةً لزمه زكاتها بعد حول نواه أو لا إلخ[1] فقط واللہ اعلم (٦/٤٨)

بہ غرض حفاظت جو رقم کسی کو دی، اس پر زکاۃ لازم ہوگی

سوال: (۷۵) زید نے اپنے بھائی عمر کو پانچ سو روپیہ بہ غرض حفاظت دیا، اور کہا کہ چاہے تم اس کو اپنے کاروبار میں لگا کر نفع اٹھاؤ یا نقصان اور چاہے ایسا ہی رکھے رکھو، عمر نے بعد چار سال کے زید کی اجازت سے چھ سو روپیہ کا مکان رہنے کے لیے زید کو خرید دیا، پانچ سو وہ اور ایک سو اپنی طرف سے قیمت دے دی، زید پر ان چار سال کی زکاۃ واجب ہے یا نہیں اور صرف پانچ سو روپیہ کی زکاۃ لازم ہوگی یا کیا حکم ہے؟ (۴۸۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ان چار سال کی زکاۃ لازم ہوگی اور صرف پانچ سو روپیہ کی ہوگی[2] فقط (٦/٤٨-٤٩)

وکیل کا مالِ زکاۃ میں تصرف کرنا درست نہیں

سوال: (۷٦) وکیل مال زکاۃ کو اپنے تصرف میں لا کر اس کے بجائے اپنے پاس سے زکاۃ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۵٦۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: وکیل کو یہ تصرف کرنا جائز نہیں ہے، جو روپیہ زکاۃ کا اس کے پاس آوے اسی کو فقراء کو دیوے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٧١)

مدرسہ کے چندہ میں زکاۃ واجب نہیں

سوال: (۷۷) مدرسہ کے چندہ پر جب سال بھر گزر جاوے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۲۹۵۳/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۸۰، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

(۲) وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ علىٰ مُقِرٍّ إلخ فَوَصَلَ إلىٰ مِلْكِهٖ لَزِمَ زَكاةُ ما مضىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۳) ولَوْ خَلَطَ زَكاةَ مُوَكِّلِيْهِ ضَمِنَ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: مدرسہ کا چندہ جو بہ قدر نصاب جمع ہوجاتا ہے، اور سال بھر اس پر گزر جاتا ہے اس میں زکاۃ نہیں ہے[1] فقط واللہ اعلم (۴۹/۶)

سوال: (۷۸) مہتمم مدرسہ کے پاس جو رقم مدرسہ کی جمع رہتی ہے اس میں زکاۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ (۲۰۹۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس میں زکاۃ فرض نہیں ہے[1] فقط واللہ اعلم (۵۱/۶)

عطر اور روغن میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۷۹) عطر و روغن جو بہ غرض تجارت تیار ہوتا ہے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس حساب سے؟ (۵۳۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جب کہ قیمت اس عطر کی اور روغن کی بہ قدر نصاب ہو زکاۃ اس پر واجب ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۰/۶-۸۱)

کامدانی کپڑوں کی زکاۃ اندازہ کرکے دینی چاہیے

سوال: (۸۰) ہندوستان کی عورتوں کے کپڑے قیمتی زَربفت، مُشجر، کامدانی[3] بنارسی گوٹا ٹھپّا مصالحہ کے رہتے ہیں، اُن میں چاندی کے تار ضرور ہوتے ہیں، ایسے کپڑوں کی زکاۃ کس طرح مشخّص کی جائے، اُن میں اس بات کا اندازہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ چاندی کتنی ہے؟ (۱۷۴۷/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) وسببهٗ أي سبب افتراضها ملك نصاب حوليّ (الدّرّ المختار) قوله: (ملك نصاب) فلا زكاة في سوائم الوقفِ والخَيلِ المُسَبَّلَةِ لعدم الملك. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۳/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في أحكام المعتوه) ظفیر

(۲) أوفي عرض تجارة قيمته نصاب إلخ ، ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۹/۳-۲۱۱، كتاب الزّكاة ، باب زكاة المال)

(۳) زربفت: ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے بُنتے ہیں ـــــ مُشجَّر: وہ کپڑا جس پر درختوں کی تصویریں بنی ہوں ـــــ کامدانی: وہ ریشمی کپڑا جس پر سونے چاندی کے تاروں سے بوٹے کاڑھے گئے ہوں۔ (فیروز اللغات) ۱۲

الجواب: جو تار زری کے بنارسی کپڑوں وغیرہ میں ہیں، ان کا اندازہ خود کر کے یا جاننے والوں سے کرا کر زکاۃ دینی چاہیے، اور گوٹا ٹھپّا کا بھی اندازہ کرالینا چاہیے، اس کا اندازہ سہل ہے کہ مثلاً ٹھپّے کا ویسا تھان تول کر دیکھ لیا جاوے کہ کس قدر وزن کا ہے، الغرض ایسے مواقع میں اندازہ کافی ہے، اندازہ حتی الوسع ایسا کیا جاوے کہ کمی نہ رہے چاہے کچھ زیادتی ہو جاوے[1] فقط واللہ اعلم (۱۲۱/٦)

کتابیں جو مروۃً دی جاتی ہیں ان پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۸۱) کتابیں کبھی فروخت کرتا ہے اور کبھی مروۃ دی جاتی ہے ان پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۸۵۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر دراصل وہ کتب تجارت کے لیے ہیں گو کسی کو مروۃً بلا قیمت بھی دے دی جاوے تو زکاۃ ان پر لازم ہے[2] فقط واللہ اعلم (٦/۴۴-۴۵)

حدیث کی کتابوں پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۸۲) حدیث کی کتابیں جو ہزار پانچ سو روپیہ کی ہوں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۲۸۷۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جو کتابیں تجارت کے لیے نہ ہوں بلکہ پڑھنے اور دیکھنے اور مطالعہ کے لیے ہوں ان میں زکاۃ نہیں ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۸۸)

---

(۱) وفي تبر الذّهب والفضّة و حليهما و أوانيهما الزّكاة. (الهداية: ۱/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، فصل في الفضّة) ظفير

(۲) أوفي عرض تجارة قيمته نصاب إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

(۳) فلا زكاة علىٰ مكاتب إلخ، ولا في ثياب البدن إلخ، وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتّجارة غير أنّ الأهل له أخذ الزّكاة، وإن ساوت نصبًا إلاّ أن تكون غير فقه وحديث وتفسير إلخ، وفي الأشباه: الفقيه لايكون غنيًّا بكتبه المحتاج إليها. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۳/۱٦۸-۱۷۱، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

کرایہ کی نیت سے جو مکان خریدا اس کی قیمت پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۸۳) زید نے ایک مکان خریدا نہ بہ نیت تجارت و نہ بہ نیت سکونت بلکہ بہ نیت کرایہ؛ چنانچہ وہ مکان کرایہ پر دیا جس کی آمدنی چھ سو روپیہ سالانہ ہے؛ آیا زکاۃ آمدنی پر ہوگی یا مکان پر یا دونوں پر اور یہ مکان عروض میں شامل ہوگا یا عقار میں یا سکنائی میں؟ (۱۵۶۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: کرایہ پر مکان چلانے کے لیے لینا یعنی کرایہ پر دینے کے لیے مکان خریدنا یہ بھی تجارت کے لیے ہی خریدنا ہے، پس زکاۃ اس کی قیمت پر واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے: والأصل أنّ ما عدا الحجرين والسّوائم إنّما يزكى بنيّة التّجارة بشرط عدم المانع المؤدي إلى الثّني وشرط مقارنتها لعقد التّجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء أو إجارة. قوله: (ماعدا الحجرين إلخ) وما عدا ما ذكر كالجواهر والعقارات والمواشي العلوفة والعبيد والثّياب والأمتعة ونحو ذٰلك من العروض[1] (شامي) قوله: (ما لم يبعه) أي يؤجره إلخ (شامي)[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ پر دینے کے لیے خریدنا بھی تجارت کے لیے خریدنا ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۹۰-۹۲)

استدراک: کرایہ پر دینے کے لیے جو گھر خریدا جائے اس کی قیمت پر اصولاً زکاۃ نہیں ہونی چاہیے۔ ولَو اشْتَرٰى قُدُوْرًا مِن صُفْرٍ يُمْسِكُهَا ويُؤَاجِرُهَا لا تجبُ فيها الزّكاةُ كما لا تجبُ في بيوتِ الغَلّةِ إلخ ، كذا في فتاوى قاضي خان ...... وكذلك العطّارُ لو اشترى القَوارِيْرَ ولو اشترى جوَالِقَ لِيُؤَاجِرَهَا مِن النّاسِ فلاَ زكاةَ فيها لأنّه اشتراهَا للغلّةِ لاَ للمُبَايَعَةِ كذا في محيط السّرخْسِيّ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۰، كتاب الزّكاة ، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الثّاني في العروض) معلوم ہوا کہ آمدنی کے لیے خریدنا تجارت میں داخل نہیں، بلکہ بیچنے کے لیے خریدنا تجارت ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

کرایہ کی نیت سے جو مکان خریدا ہے، اس کی قیمت پر زکاۃ نہیں ہے، جیسا کہ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے ارقام فرمایا ہے، اور خود مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے بھی آئندہ جواب میں تحریر فرمایا ہے

(۱) الدّرّ المختار والشّامي: ۳/۱۸۰-۱۸۱، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً .
(۲) ردّ المحتار: ۳/۱۷۹، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً .

کہ: اس صورت میں مکان کی قیمت پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔ محمد امین پالن پوری

سوال: (٨٤) ایک شخص کے پاس سکونتی مکان کے علاوہ بہ طور جائداد کے ایک مکان ہے، اور یہ مکان صرف اس لیے خرید کیا ہے کہ اس صورت میں روپیہ محفوظ رہے، اور کرایہ سے اپنا خرچ چلتا رہے (اس مکان کی قیمت ایک لاکھ روپیہ دیتے ہیں، اور کرایہ سالانہ چار ہزار روپے وصول ہوتے ہیں، اب)[1] اس مکان کی زکاۃ ہر سال دی جائے یا نہیں؟ اگر دے تو قیمت پر یا آمدنی پر؟
(١٣٣٨/١٠٦١ھ)

الجواب: اس صورت میں مکان کی قیمت پر زکاۃ واجب نہ ہوگی بلکہ جو کرایہ کا روپیہ نصاب کے قدر یا زیادہ جمع ہوگا، اور اس پر سال گزر جاوے گا اس کی زکاۃ دینا لازم ہوگی[2] فقط (١٥٤/٦)

جائداد و مکان کی مالیت پر زکاۃ نہیں ہے

سوال: (٨٥) زید کے پاس جائداد مالیتی ایک لاکھ کی ہے، جس کی آمدنی کرایہ چار سو روپیہ ماہوار ہے، زکاۃ مالیت پر دیوے یا آمدنی پر؟ (١٣٣٩/٨١ھ)

الجواب: مالیتِ زمین و جائداد پر زکاۃ نہیں ہے، بلکہ کرایہ وغیرہ کی آمدنی جو جمع ہو اور خرچ وغیرہ کے بعد سال پورا ہونے پر باقی رہے اس پر زکاۃ واجب ہوگی[2] فقط واللہ اعلم (٦/ ٤٩-٥٠)

سوال: (٨٦) کرایہ کے جو مکانات ہیں ان کے کرایہ پر زکاۃ ہے یا ملکیت کی قیمت پر؟
(١٣٣٣-٣٢/٦٢٥ھ)

الجواب: کرایہ پر زکاۃ ہے یعنی جب کہ کرایہ بہ قدرِ نصاب ہو بعد سال بھر کے زکاۃ واجب ہوگی[2] فقط واللہ اعلم (٦/ ٩٥-٩٦)

سوال: (٨٧) رہنے کے گھر کے علاوہ دوسرے دو تین مکان ہیں ان کی زکاۃ دینا چاہیے یا نہیں؟ اور دی جائے تو کس حساب سے؟ (١٣٣٠-٢٩/٤١٩ھ)

---

(١) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(٢) فلا زكاة علىٰ مكاتب إلخ وأثاث المنزل و دور السّكنىٰ ونحوها (الدّرّ المختار) قوله: (ونحوها) أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/ ١٦٨-١٧٠، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: ان مکانوں کی قیمت میں زکاۃ نہیں ہے، اگر کرایہ بہ قدر نصاب حاصل ہوکر اس پر سال بھی گزر جاوے اس روپیہ پر زکاۃ آوے گی (۱) فقط واللہ اعلم (۹۹/٦-۱۰۰)

سوال: (۸۸) مکانات کے کرایہ پر زکاۃ ہے یا قیمت پر؟ (۱۷۴۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جو مکانات کرایہ پر چلانے کے لیے خریدے گئے اُن مکانات کے کرایہ (۲) پر زکاۃ واجب ہے (۳) فقط واللہ اعلم (۱۱۵/٦)

سوال: (۸۹) آں مکان کہ کرایہ او دہ روپیہ ماہانہ باشد بر قیمت آں مکان زکاۃ لازم است یا بر کرایہ او زکاۃ لازم است؟ (۱۲۰۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بر قیمت آں مکان زکاۃ لازم نیست، اگر کرایہ بہ قدر نصاب جمع شود وحول بہ گزرد زکاۃ آں زر نقد واجب خواہد شد (۴) فقط (۵۷/٦)

ترجمہ سوال: (۸۹) وہ مکان جس کا کرایہ دس روپے ماہانہ ہو اس مکان کی قیمت پر زکاۃ واجب ہے یا اس کے کرایہ پر زکاۃ لازم ہے؟

الجواب: اس مکان کی قیمت پر زکاۃ لازم نہیں ہے، اگر کرایہ بہ قدر نصاب جمع ہو جائے اور سال گزر جائے تو اس نقد رقم پر زکاۃ واجب ہوگی۔ فقط

---

(۱) ومنها ــــ أي من شرائط وجوب الزّكاة ــــ كون النّصاب ناميًا. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۴، كتاب الزّكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها و شرائطها) ظفیر

(۲) رجسٹر نقول فتاویٰ میں (کرایہ) کی جگہ ''قیمت'' ہے، اس کو مفتی ظفیر الدین صاحب نے بدلا ہے، اور یہ تبدیلی درست ہے، کیوں کہ جو مکانات کرایہ پر چلانے کے لیے خریدے گئے ہیں ان کی قیمت پر زکاۃ نہیں ہے، کرایہ بہ قدر نصاب جمع ہو تو اس پر زکاۃ ہے، جیسا کہ سابقہ ولاحقہ جوابوں میں صراحت ہے۔ محمد امین

(۳) وكذلك العطّارُ لو اشترى القَوارِيْرَ ولو اشترى جوَالِقَ لِيُؤَاجِرَهَا مِن النّاسِ فلاَ زكاةَ فيها لأنّه اشتراهَا للغلّةِ لاَ للمُبَايَعَةِ، كذا في محيط السّرخْسِيّ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۰، كتاب الزّكاة، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الثّاني في العروض) ظفیر

(۴) ولا في ثياب البدن إلخ و دُور السّكنى ونحوها (الدّرّ المختار) أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحَوَانيت والعقارات. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۰، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

جو مکان و دکان سال میں چھ ماہ کرایہ پر چلتی ہے اس میں زکاۃ نہیں ہے

سوال: (٩٠) جو مکان مسکونہ یا دکان سکونت ذاتی وغیرہ سے بالکل خالی رہتی ہے، یا سال بھر میں تخمیناً چھ ماہ کرایہ پر بھی چڑھ جاتی ہے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (٢٦٨٧/١٣٣٧ھ)

الجواب: اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے[١] فقط واللہ اعلم (٦/٩٣-٩٤)

مکان کا کرایہ بہ قدر نصاب جمع ہو جائے تو اس پر زکاۃ ہے

سوال: (٩١)...... (الف) مکان جو کرایہ مبلغ دس روپے ماہوار کا ہے اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

(ب) جو کرایہ مکان مذکور کا بہ قدر نصاب ہے اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ (١٦٤٤/١٣٣٥ھ)

الجواب: جس مکان کا کرایہ بہ قدر نصاب ہے اس کے کرایہ میں زکاۃ آوے گی مکان پر زکاۃ نہیں۔ ولا في ثياب البدن .... وأثاث المنزل ودور السّكنٰى ونحوها (الدّرّ المختار) أي كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات[٢] (الشّامي: ٢/٨)

(ب) جب روپیہ برابر دو سو درہم کے ہو جاوے جس قسم کا ہو کرایہ مکان ہو یا زمین کا یا اور کسی وجہ سے ملک میں آجاوے، اور اس پر سال بھی گزر جاوے؛ زکاۃ واجب ہو جاتی ہے۔ ليس في ما دون مائتي درهم صدقة .... فإذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم[٣] (الهداية: ص:١٧٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٩-٦٠)

---

(١) فلا زكاة علٰى مكاتب إلخ وأثاث المنزل و دُور السّكنٰى ونحوها (الدّرّ المختار) كالحوانيت والعقارات. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/١٦٨-١٧٠، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(٢) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/١٧٠، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

(٣) الهداية: ١/١٩٤، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال ، فصل في الفضّة.

جائداداور مکان ذاتی جوضرورت سے زیادہ ہوں اس پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۹۲)......(الف) جب کہ جائداد یا مکان ذاتی ضرورت سے زیادہ ہوں اوران سے کرایہ کی آمدنی ہوتو زکاۃ جائداد کی قیمت پر ہوگی یا آمدنی پر؟

(ب) اگر کرایہ کی زمینوں پر جائداد بنائی جائے اوراس کی حیثیت یا قیمت اسی وقت تک ہو جب تک جائداداس زمین پر قائم ہے تو زکاۃ کس طرح ادا ہوگی؟ (۱۳۳۶/۱۲۴۲ھ)

الجواب: (الف) جائداد کی قیمت پر زکاۃ لازم نہ ہوگی، بلکہ کرایہ کی آمدنی پر جو نصاب کی مقدار کو پہنچ جاوے اوراس پر تنہا یا دیگر رقوم موجودہ کے ساتھ سال پورا ہو جاوے زکاۃ لازم ہوگی[1]

(ب) اس کا جواب بھی وہی ہے جو سوال (الف) کا جواب ہے، کرایہ کے آمدنی جو جمع ہو اس پر زکاۃ لازم ہوگی حسب شرط مذکور (الف)[2] فقط واللہ اعلم (۱۳۳-۱۳۲/۶)

مکان وغیرہ کی زکاۃ کا حکم

سوال: (۹۳) ایک شخص کے بہت سے مکان ہیں کرایہ پر دیا کرتا ہے ان پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ بیل گاڑی وغیرہ کرایہ کی ہے اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ أويؤاجر داره الّتي للتّجارة بعرض[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۳۳-۳۲/۱۲۰۳ھ)

الجواب: عبارت: أو يؤاجر داره الّتي للتّجارة بعرض[3] میں جودار کے ساتھ للتّجارة کی قید لگائی گئی ہے یہی معتبر ہے یعنی جودار تجارت کے لیے بنایا گیا ہے یا خریدا گیا ہے اس کی اجرت میں جو عرض حاصل ہو اس میں زکاۃ لازم ہے، اورخوداس دار کی قیمت میں بھی زکاۃ واجب ہے،

---

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب (الف) میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۲) حوالہ؛ سابقہ جواب (ب) میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

(۳) الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

اور اگر مکانات (دراصل)[۱] رہنے کے لیے بنائے گئے ہیں یا خریدے گئے ہیں اور ان کو کرایہ پر دے دیا تو اس صورت میں مکانات کی قیمت میں زکاۃ لازم نہ ہوگی، بلکہ کرایہ پر بشرائطہا زکاۃ لازم ہوگی، اور یہی حکم بیل گاڑی کا ہے، اور علامہ شامی نے جو کچھ اس قول کی شرح میں نقل کیا ہے اس کو ملاحظہ کرلیا جاوے، جامع کی روایت کی تصحیح کی ہے، علامہ کے نزدیک اسی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور جامع کی روایت کی تفصیل یہی ہے جو اوپر معلوم ہوئی[۲] فقط واللہ اعلم (۶/۷۹-۸۰)

سال پورا ہونے سے پہلے جن روپیوں سے مکان وغیرہ خریدلیا ان کی زکاۃ ساقط ہوگئی

سوال: (۹۴) ایک شخص کے پاس ہزار روپیہ ہے جو حاجات ضروریہ سے زائد ہے، جب اس پر گیارہ ماہ گزرے تو اس نے زکاۃ سے بچنے کے لیے مکانات یا اور مال خریدلیا تو اس پر اس روپے کی زکاۃ ہے یا نہ؟ (۴۴/۴۴۸-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جب تک حولان حول نہیں ہوا اور اس نے مکان یا وہ سامان خریدلیا جس میں زکاۃ نہیں ہے تو اس روپے کی زکاۃ ساقط ہوگئی[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۷۰)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوله: (أو يؤاجر داره إلخ) قال في البحر: لكن ذكر في البدائع الاختلاف في بدل منافع عين معدّة للتّجارة ففي كتاب زكاة الأصل أنّه للتّجارة بلا نيّة، وفي الجامع ما يدلّ على التّوقّف على النّيّة، وصحّح مشائخ بلخ، رواية الجامع لأنّ العين وإن كانت للتّجارة لكن قد يقصد ببدل منافعها المنفعة، فتؤجر الدّابّة لينفق عليها والدّار للعمارة فلا تصير للتّجارة مع التّردّد إلّا بالنّيّة أهـ، قيد بقوله (اللّتي للتجارة) إذ لو كانت للسّكنٰى مثلاً لا يصير بدلها للتّجارة بدون النّيّة فإذا نوٰى يصحّ ويكون من قسم الصّريح. (ردّ المحتار: ۳/۱۷۳-۱۷۴، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۳) و لا بدّ من الحول لأنّه لا بدّ من مدّة يتحقّق فيها النّماء، وقدّرها الشّرع بالحول لقوله صلّى الله عليه وسلّم: لا زكاة في مال حتّى يحول عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ظفير

جو مکان رہائش کے لیے خریدا تھا اس کو فروخت کرنے کا ارادہ کرلیا تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۹۵) ایک شخص نے پانچ سو روپیہ میں ایک مکان خریدا، گھر والوں نے اس میں جانا پسند نہیں کیا، اس وجہ سے اس نے اس کے فروخت کرنے کا ارادہ کرلیا، اس صورت میں اُس پانچ سو روپیہ کی زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس پانچ سو روپیہ کی زکاۃ واجب نہیں ہے جس سے مکان خریدا گیا جس وقت تک وہ روپیہ موجود تھا، اور مکان نہ خریدا تھا اس وقت تک کی زکاۃ لازم تھی، جب مکان خرید لیا اس وقت سے زکاۃ اس کی ساقط ہوگئی (۱) پھر جس وقت مکان فروخت ہوکر نقد روپیہ حاصل ہوگا بعد حولان حول اس پر زکاۃ لازم ہوجاوے گی (۲) فقط واللہ اعلم (۶/ ۱۲۸-۱۲۹)

جائداد قسطوں پر فروخت کی تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۹۶) زید نے اپنی کچھ حقیت (ملکیت) بہ ایں شرط فروخت کی کہ اس کا زرِ ثمن بہ دفعات ادا کیا جاوے، اور زرِ ثمن اور اس کی ادائیگی کے زمانہ کا تعین ہوچکا ہے، بیع جائز ہوچکی؛ لیکن چوں کہ حقیت مال ایسی ہے جس پر نصاب (یعنی زکاۃ) نہیں، اور اس کا بدل ایسا ہے جس پر نصاب ہے تو اس صورت میں زرِ ثمن مقبولہ فریقین پر نصاب ہوگا یا رقومات مقررہ پر جو بائع کو ملے، اور جس قدر ملے اس کے واسطے سال کا گزرنا ضروری ہے یا تاریخ بیع سے حساب لگا کر ادا کرنا ہوگا۔

(۵۵۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ولا في ثياب البدن إلخ وأثاث المنزل و دور السّكنى ونحوها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۰، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه، وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنهما للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: جس وقت جس قدر حصہ ثمن کا وصول ہوگا اسی وقت سے اس کا سال لگایا جاوے گا بعد سال بھر کے ادائے زکاۃ واجب ہوگی، اور بعض روایات میں بہ قدر وصول مقدار نصاب زکاۃ لازم ہوگی، اوراسی کو ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، اور بعض روایات میں قول اوّل کی تصحیح کی گئی ہے۔وهو الأقيس كذا في الشّامي (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۳۵-۱۳۶)

چندسال کی اجرت پیشگی دے دینا درست ہے اوراس روپیہ کی زکاۃ لازم نہیں

سوال: (۹۷) جوزمین منافع پر لی جاوے اور روپیہ چندسال کا پیشگی ادا کردے، اس پر زکاۃ دینی پڑے گی یانہیں؟ (۱۳۵۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جوزمین ٹھیکے پر یعنی اجارہ پر لی جاوے اور ہرسال کی اجرت معین کر کے چندسال کی اجرت پیشگی دے دی جاوے تو یہ درست ہے، اوراس روپیہ کی زکاۃ لازم نہیں ہے۔فقط (۶/۳۳۳)

کھیت کی قیمت پر زکاۃ نہیں

سوال: (۹۸) ہندہ کے پاس ایک کھیت ہزار روپیہ قیمت کا ہے تو اس پر زکاۃ واجب ہے یانہیں؟ اور کھیت کی قیمت پر زکاۃ ہے یا پیداوار میں؟ (۱۴۶۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس کھیت کی قیمت پر زکاۃ نہیں ہے (۲) زمین اگر عشری ہوتی ہے تو اس کی آمدنی پر

---

(۱) فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة إلخ (الدّرّ المختار) والحاصل أنّ مبنى الاختلاف في الدّين المتوسّط علىٰ أنّهٗ هل يكون مال زكاة بعد القبض أوقبله، فعلى الأوّل لابدّ من مضي حول بعد قبض النّصاب وعلى الثّاني ابتداء الحول من وقت البيع. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۲۱۷-۲۱۸، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفير

(۲) وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول، وهو في ملكه وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لِتَعيُّنِهِمَا للتّجارة بأصل الخلقة إلخ أوالسّوم بقيدها الآتى أونيّة التّجارة في العروض (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

یعنی جس قدر غلہ اس میں سے پیدا ہو اس پر عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے؛ لیکن اگر زمین عشری نہ ہوتو کچھ واجب نہیں ہوتا[۱] فقط واللہ اعلم (۶/۵۷)

پیداوار میں عشر ہے، زکاۃ نہیں ہے

سوال: (۹۹) بسا اوقات پیداوار میں اس قدر غلہ بھی نہیں ہوتا جس کی قیمت خرچ شدہ رقم کے برابر ہو ایسی حالت میں زکاۃ کس طرح ادا کی جائے؟ (۱۰۳۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جو کچھ پیدا ہو اسی کا دسواں حصہ نکالنا چاہیے، خواہ کم ہو یا زیادہ؛ مثلاً اگر سو من غلہ پیدا ہوا تو دس من دیا جاوے، اور اگر دس من پیدا ہوا تو ایک من دیا جاوے[۲] اور اخراجات کو محسوب نہ کیا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۷۶)

---

(۱) والنّوعُ الثّاني شرط المحلّيّة وهو أن تكون عُشْرِيَّةً فلا عُشرَ في الخارج مِن أرضِ الخَراج إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة، الباب السّادس في زكاة الزّرع والثّمار) ظفیر

(۲) قال أبوحنيفةؒ: في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سُقي سيحًا أو سقته السّماء إلّا القصب والحطب والحشيش. (الهداية: ۱/۲۰۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة الزّروع والثّمار) ظفیر

زکاۃ کی ادائیگی کے احکام

زکاۃ کو ایک ہی وقت میں دے دینا ضروری نہیں

سوال: (۱۰۰) زکاۃ کس نرخ سے اور کس وقت، کس ماہ میں دینا چاہیے؟ [رقم زکاۃ کو ایک ہی وقت میں خرچ کر دینا چاہیے یا وقتاً فوقتاً اندر سال کے خرچ کی جاوے؟ اور اس رقم سے کمبل یا رضائی خرید کر بیوہ عورت و مساکین کو تقسیم کرنا یا کسی بیوہ کی لڑکی کی شادی میں یا غریب کی تجہیز و تکفین میں خرچ کرنا جائز ہوگا؟][۱] (۸۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: [زکاۃ کو ایک ہی وقت میں دیدینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت دیتا رہے تو یہ بھی درست ہے، اور زکاۃ کے روپیہ سے کمبل و رضائی خرید کر محتاجوں کو دینا بھی جائز ہے، تجہیز و تکفینِ میت میں زکاۃ کا روپیہ صرف کرنا درست نہیں ہے، مگر بہ حیلۂ تملیک یعنی اس طرح کہ اوّل وہ روپیہ کسی محتاج شخص کو دیوے، پھر وہ اپنی طرف سے تجہیز و تکفین میں صرف کر دیوے[۲] فقط] (۵۰/۶)

زکاۃ کی ادائیگی کے لیے کوئی مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں

سوال: (۱۰۱) زکاۃ دینے کے لیے کون سا مہینہ معین ہے؟ (۸۴/۷/۱۳۴۵ھ)

---

(۱) سوال میں قوسین والی عبارت اور مکمل جواب رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

الجواب: ادائے زکاۃ کے لیے شرعًا کوئی مہینہ یا کوئی دن مقرر نہیں، البتہ بعض مہینوں اور دنوں کی فضیلت کو اس میں دخل ضرور ہے یعنی جو مہینہ فی نفسہٖ متبرک ہے جیسے رمضان شریف اس میں صدقات وغیرہ کی ادائیگی بھی افضل ہے، ہاں ضرورت اس کی ہے کہ جس مہینہ میں ادائے زکاۃ واجب ہے اس مہینہ میں ادا کرے، اور پھر اس مہینہ کو مقرر کرلے، شرعۃ الاسلام میں ہے: ویعلم ...... أي يعيّن صاحب المال لزكاته شهرًا لا يجاوزه لما فيه من التّأخير ومن أخّر الزّكاة بعد وجوبها عليه من غير عذر يأثم إلخ[1] فقط واللہ اعلم (۶/۷۱-۷۲)

جس دن سال پورا ہوگا اسی دن زکاۃ واجب ہوگی

سوال: (۱۰۲) زکاۃ کے حساب کے لیے کوئی تاریخ معینہ کا اعتبار ہے یا مہینہ کا؛ کیوں کہ اس میں بڑا فرق ہوجاتا ہے؛ شرعًا کیا حکم ہے تاریخ مقرر کرے یا ماہ؟ (۳۹۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زکاۃ کے حساب کے لیے تاریخ کا اعتبار ہے؛ جس تاریخ کو سال پورا ہوجاوے اسی تاریخ پر زکاۃ واجب ہوگئی؛ جس وقت بھی زکاۃ ادا کرے گا اعتبار اسی تاریخِ وجوب کا رہے گا، اگلے سال اسی تاریخ پر زکاۃ واجب ہوجاوے گی جس تاریخ پر پچھلے سال واجب ہوئی ہے[2] فقط (۶/۷۵)

غیر رمضان میں بھی زکاۃ نکالنا درست ہے

سوال: (۱۰۳) رمضان شریف کے علاوہ اور دنوں اور مہینوں میں بھی زکاۃ نکال سکتے ہیں یا نہیں؟ (۶۶۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) مفاتيح الجنان شرح شرعة الإسلام، ص:۲۰۶، فصل في سنن الزّكاة والصّدقة، المطبوعة: مكتبة الحقيقة ، استانبول.

(۲) عن ابن عمرقال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من استفاد مالاً فلا زكاة فيه حتّى يحول عليه الحول، رواه التّرمذي (مشكاة المصابيح، ص:۱۵۷، كتاب الزّكاة، الفصل الثّاني)

وسببه ...... ملك نصاب حولي ...... لحولانه عليه (الدّرّ المختار) أي الحول القمري لا الشّمشي. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۶۳-۱۶۴، كتاب الزّكاة، مطلب: الفرق بين السّبب والشّرط والعلّة) ظفير

الجواب: رمضان شریف کے سوا اور مہینوں اور دنوں میں بھی زکاۃ دینا درست ہے، رمضان شریف کی اس میں کچھ تخصیص نہیں ہے، بلکہ جس وقت سال بھر مال پر پورا ہو اسی وقت زکاۃ دینا بہتر ہے، البتہ جن کا سال رمضان شریف میں ہی پورا ہو وہ رمضان شریف میں دیویں، یہ ضرور ہے کہ رمضان شریف میں زکاۃ دینے میں ثواب ستر گنا زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اکثر لوگ اپنا حساب مال کا رمضان شریف میں ہی کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱) (٦/۱۰۰-۱۰۱)

مسکین کے لیے زکاۃ کی کچھ رقم ماہوار مقرر کرنے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: (۱۰۴) کسی شخص نے مسکین کا زکاۃ سے مثلاً ایک روپیہ ماہوار مقرر کر دیا تو زکاۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۲۴۴۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زکاۃ ادا ہو جاتی ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۳۳۷)

تاخیر سے زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۱۰۵) گزشتہ رمضان شریف میں زیور کی زکاۃ واجب الاداء تھی مگر روپیہ آمدنی کا دو تین ماہ بعد ملنے والا تھا تو یہ وقفہ کرنا درست ہے یا نہ؟ (۲۵۳۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ وقفہ درست ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٦٦)

---

(۱) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) أو مقارنة بعزل ما وجب كلّه أو بعضه ولايخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷٦، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۳) وافْتِراضُها عُمْرِيٌّ أي على التّراخي (الدّرّ المختار) قال في البدائع: وعليه عامّة المشائخ ففي أي وقت أدّى يكون مودّيًا للواجب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

بہ تدریج زکاۃ دینا بھی درست ہے

سوال: (۱۰٦)......(الف) اگر زکاۃ نکال کر علیحدہ رکھ لی جائے بہ طور امانت کے اور پھر اس کو آہستہ آہستہ مستحق اشخاص کو دیتا رہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر اس رقم سے زائد خرچ ہو جاوے تو اس زیادہ خرچ شدہ رقم کو آئندہ سال کی زکاۃ میں محسوب کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۳۹۲ھ)

الجواب: (الف) یہ جائز ہے۔ كذا في الدّرّ المختار [1]

(ب) اگر زائد رقم بہ نیت زکاۃ دی گئی تو وہ سالِ آئندہ کی زکاۃ میں محسوب ہو جاوے گی۔ كما في الدّرّ المختار: و لو عجّل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صحّ إلخ [2] فقط واللہ اعلم (۹۲/٦-۹۳)

چرمِ قربانی کی قیمت اور صدقۂ فطر جمع کر کے بہ تدریج سال بھر خرچ کرنا درست ہے

سوال: (۱۰۷) قیمت چرم قربانی وصدقۂ فطر جمع کر کے سال بھر تک بہ تدریج خرچ کرنا یا صدقۂ فطر کی قیمت دوسری جگہ بھیجنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/٤٩٣ھ)

الجواب: درست ہے [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۱/٦)

---

(۱) أو مقارنة بعزل ما وجب كلّه أو بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷٦/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۳-۲۰۴، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: استحلال المعصية القطعيّة كفر .

(۳) وافتراضها عمريّ أي على التّراخي وصحّحه الباقانيّ وغيره . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۸/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

دوسال کی زکاۃ ایک ساتھ دینا درست ہے

سوال: (۱۰۸) زید کو پندرہ روپیہ زکاۃ دینی ہوتی ہے، اگر تیس روپے دے دیوے تو دوسال کی زکاۃ ادا ہوجاوے گی یا نہیں؟ (۱۷۳۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ درست ہے اس صورت میں دوسال کی زکاۃ ادا ہوجاوے گی [۱] فقط (۶/۲۴۵)

متفرق طور پر زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (۱۰۹) زید نے چار ہزار تجارت میں لگایا، اب اس کے پاس پانچ ہزار ہوگئے، اس نے زکاۃ نکالنے کا یہ طریقہ کیا ہے کہ ۴، ۸ روپیہ روزانہ نکالتا ہے، اور مساکین کو تھوڑا بہت دے دیا کرتا ہے، بعد ختم سال حساب کرکے کمی کو پورا کر دیتا ہے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۹۰۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ طریقہ زکاۃ نکالنے کا شرعًا درست ہے، اور زکاۃ اس سے ادا ہوجاتی ہے [۲] فقط واللہ اعلم (۶/۱۴۱)

زکاۃ کا روپیہ علاحدہ نہ نکالا جائے تو ادائیگی کے وقت نیت ضروری ہے

سوال: (۱۱۰) اگر زکاۃ کا روپیہ علیحدہ نہ نکالا جائے اور جملہ مال میں سے کبھی کبھی روپیہ دوروپیہ کرکے سال بھر میں کل زکاۃ ادا کردے تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر زکاۃ کا روپیہ بہ نیت زکاۃ علیحدہ نہیں نکالا گیا تو جس وقت روپیہ دوروپیہ کسی کو دے

---

(۱) ولو عجّل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صحّ لوجود السّبب (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۳-۲۰۴، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: استحلال المعصية القطعيّة كفر) ظفير

(۲) وشرط صحّة أدائها نية مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة ...... بعزل ما وجب كلّه أو بعضه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۴-۱۷۶، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

اس وقت نیتِ زکاۃ کرنے سے زکاۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں [۱] (درمختار) فقط واللہ اعلم (۱۴۳/۶-۱۴۴)

وکیل کا موکل کی اجازت کے بغیر زکاۃ کی رقم اپنے مال میں ملانا درست نہیں اور زکاۃ اس وقت ادا ہوگی جب زکاۃ کی رقم مستحق تک پہنچ جائے گی

سوال: (۱۱۱) نقود میں چوں کہ تعیین نہیں ہے، پس اگر زکاۃ کا پیسہ اپنے مال میں ملا دیا جاوے اور پھر وقتاً فوقتاً بہ نیت ادائے زکاۃ اور غیر زکاۃ خرچ کیا جائے تو صاحب زکاۃ کی زکاۃ کس وقت ادا ہوگی جس وقت اس نے وکیل کو سپرد کیا ہے، یا جب کہ مصرف کے پاس پہنچ گیا، اور جب کہ وکیل نے اپنے پیسے میں ملا لیا اور بہ نیت خیرات مصرف زکاۃ اور غیر مصرف مثلاً سادات یا غنی مجہول پر خرچ کرتا رہا حتی کہ اس زکاۃ کے پیسے سے بہ درجہا زیادہ خرچ ہوا تو زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ (۱۸۴۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: نقود میں عدم تعیین مطلقاً نہیں ہے، بلکہ امانات وصدقات وغیرہ میں نقود متعین ہیں جیسا کہ اشباہ ونظائر میں ہے: لا يتعيّن في المعاوضات إلخ، ويتعيّن في الأمانات والهبة والصّدقة [۲] اور ایسا ہی شامی میں ہے [۳] پس زکاۃ کی رقم بدون اجازت مزکی کے اپنے مال میں ملانی جائز نہیں ہے، اور زکاۃ مزکی کی اس وقت ادا ہوگی کہ مصرف کے پاس پہنچ جاوے، اور اگر وکیل نے اپنے روپے میں موکل کی رقم زکاۃ کو ملا لیا پس اگر یہ ملانا موکل کی اجازت سے ہے تو جس وقت رقم زکاۃ علیحدہ کر کے بہ نیت زکاۃ مزکی کی طرف سے دے گا اس وقت زکاۃ اس کی ادا ہوگی، اور اگر بلا اجازت موکل کے وکیل نے ایسا کیا تو اس کی زکاۃ ادا نہ ہوگی اور جو کچھ وکیل فقراء وغیرہم کو دے گا

---

(۱) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكمًا كما لو دفع بلا نيّة ثمّ نوى والمال قائم في يد الفقير إلخ جاز. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳-۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) الأشباه و النّظائر مع غمز عيون البصائر: ۵۱/۳-۵۲، الفن الثّالث في الجمع و الفرق، أحكام النّقد وما يتعين فيه وما لا يتعين، المطبوعة: مكتبه زكريا، ديوبند.

(۳) ردّ المحتار: ۲۲۰/۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في تعيين الدّراهم فى العقد الفاسد.

وہ وکیل کی طرف سے ہبہ یا صدقہ ہوگا، درمختار میں ہے: ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرّعًا، قال في الشّامي: قوله: (ضمن وكان متبرّعًا) لأنّه ملكهٗ بالخلط وصار مؤدّيًا مال نفسه، قال في التّتارخانية: إلّا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان أهـ أي أجازا قبلَ الدّفع إلى الفقير؛ لما في البحر: لو أدّى زكاةَ غيرِه بغير أمره فَبَلَغَهٗ فأجازَ لم يَجُزْ لأنّها وُجدت نفاذًا على المتصدِّقِ، لأنّها مِلكهٗ ولم يصر نائبًا عن غيرِه فنفذت عليه أهـ، لكن قد يقال: تُجزي عن الآمر مطلقًا لبقاء الإذن بالدّفع، قال في البحر: ولو تصدّق عنه بأمرِه جاز إلخ ثمّ قال في التّتارخانية: أو وُجدت دلالةُ الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحِنطةِ بخلطِ ثمن الغَلّات إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٦٣-٦٤)

ہر قسم کے مال کی زکاۃ الگ الگ اوقات میں دینا درست ہے

سوال: (۱۱۲) مال کی سب قسموں کی زکاۃ علیحدہ علیحدہ وقتوں میں دینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۸۵۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: علیحدہ علیحدہ اوقات میں جدا جدا سامان واسباب کی زکاۃ دینا درست ہے۔ فقط (٦/٤٤-٤٥)

جن روپیوں میں زکاۃ واجب ہوتی ہے ان کی زکاۃ ان ہی روپیوں میں سے نکالنا ضروری نہیں

سوال: (۱۱۳) زید کے پاس دوسو روپیہ ہیں، آیا من جملہ اس رقم کے پانچ روپیہ زکاۃ دینا چاہیے یا یہ کہ زید اصل اپنے پاس رکھ کر اور علیحدہ سے کچھ انتظام کر کے قرض وغیرہ سے پانچ روپیہ زکاۃ دے دے؟ (۷۸۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ اختیار ہے کہ خواہ ان دوسو روپیہ میں سے پانچ زکاۃ کا دے دے یا علیحدہ اس کے پاس ہوں تو اس میں سے دے دے؛ لیکن اگر اس کے پاس دوسو روپیہ سے کچھ زیادہ ہوگا تو اس زائد

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

کی زکاۃ بھی ادا کرنی ہوگی، اور قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے، غرض نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر روپیہ اس کے پاس ہے، اس کی زکاۃ حساب کر کے اسی میں سے دیوے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۵/٦)

زید کا مال والدین اور بھائی کے قبضہ میں رہا اب اس کے تصرف میں آیا تو زکاۃ کب سے ادا کرے؟

سوال: (۱۱۴) زید کا مال اس کے والدین اور بڑے بھائی کے قبضے میں رہا ہے سن بلوغ سے اس وقت تک کہ اب زید کی عمر ۲۲ سال ہے، اسی وجہ سے زکاۃ وقربانی زید اپنی طرف سے ادا نہیں کرسکا، اب زید اپنے کل مال پر قادر اور قابض ہوا ہے اور اپنے ذمے کی زکاۃ اور قربانی ادا کرنا چاہتا ہے تو کیسے ادا کرے اور کب سے کب تک کی ادا کرنا چاہیے؟ (۱۳۱۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: آئندہ کو جب سے اس کے قبضے میں مال آیا ہے زکاۃ ادا کرے، گزشتہ زمانہ کی لازم نہیں ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۵۵-۵٦)

لڑکا باپ کی طرف سے زکاۃ ادا کردے تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۱۵) جس شخص پر زکاۃ فرض ہے اور اس کو ادا کرنا ناگوار ہو اور اس کا ایک لڑکا بالغ ہو

---

(۱) واللّازم ...... في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا إلخ أو في عرض تجارة قيمته نصاب إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة ، باب زكاة المال)ظفیر

(۲) وعندَ قبضِ مائتينِ منهُ لغيرِها أي مِن بدلِ مالٍ لغيرِ تجارةٍ وهو المُتَوَسِّطُ كَثمنِ سائمةٍ وعبيدِ خدمةٍ ونحوِهِما ممّا هو مشغولٌ بحوائجهِ الأصليّةِ كطعامٍ وشرابٍ وأملاكٍ ، ويُعتبرُ ما مضٰى مِن الحولِ قبل القبضِ في الأصحّ (الدّرّ المختار) وأمّا المتوسّطُ ففيهِ رِوايتانِ: في رواية الأصلِ تجبُ الزّكاةُ فيهِ، ولايلزَمُه الأداءُ حتّى يقبضَ مائتَيْ درهمٍ فيزَكّيْهَا، وفي رواية ابنِ سماعةَ عن أبي حنيفة : لا زكاةَ فيه حتّى يقبضَ ويحولَ عليه الحولُ ؛ لأنّهُ صارَ مال الزّكاة الآنَ فصارَ كالحادثِ ابتِدَاءً إلخ، وعلٰى رواية ابن سماعة لا يزكّيها عن الماضي ولا عن الحال إلّابمضي حول جديد بعد القبض. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۲۱۷-۲۱۸ كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد)ظفیر

وہ باپ کے پاس سے بہ ذریعہ منی آڈر منگا کر زکاۃ ادا کردے باپ کی طرف سے تو زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟ (۷/۲۰۹-۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں باپ کی زکاۃ کے ادا ہونے کی یہ صورت ہے کہ لڑکا باپ سے اجازت لے لے کہ میں تمہاری طرف سے زکاۃ ادا کردیا کروں یا یہ کہ روپیہ منگانے کے بعد یا پہلے اس کو اطلاع کردے اور اجازت لے لے اور اگر روپیہ منگانے سے پہلے اجازت طلب کرنے میں احتمال ہو کہ باپ شاید اجازت نہ دے تو روپیہ منگانے کے بعد اس کو اطلاع کرے اور اجازت طلب کرے کہ میں آپ کی طرف سے زکاۃ ادا کرتا ہوں اس کے بعد محتاجوں کو باپ کی طرف سے زکاۃ کی نیت سے وہ رقم دے دیوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۹۱-۹۲)

صاحبِ نصاب کے مال میں سے اہل خانہ نے زکاۃ کی نیت سے کسی کو کچھ دیا تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۱۶) جس شخص کو زکاۃ دینی ہو اگر اس کے گھر کے آدمی کچھ بہ نیت زکاۃ کسی کو دیں اور مالک کو اطلاع دیں تو چوں کہ وہ لینے والے کے ہاتھ سے خرچ ہو چکا ہوگا بہ وقت اطلاع مالک کے وہ زکاۃ میں محسوب ہوسکتا ہے یا نہ؟ اور اگر گھر والوں نے کسی کو کچھ قرض دیا اور مالک نے بہ وقت اطلاع اس میں زکاۃ کی نیت کرلی تو وہ زکاۃ میں محسوب ہوگا یا نہ؟ (۹۷۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر مالک نے پہلے سے اپنے گھر کے آدمیوں کو اجازت دے رکھی ہے زکاۃ کے ادا کرنے کی تب تو جس وقت اس کے گھر کے آدمیوں نے بہ نیت زکاۃ کسی کو کچھ دیا زکاۃ ادا ہوگئی، اور اگر ایسا نہیں تو پھر مالک کے اجازت دینے تک اگر وہ روپیہ اس کے پاس موجود ہو جس کو دیا گیا تو نیتِ زکاۃ صحیح ہوگی اور زکاۃ ادا ہوگی، اور اگر خرچ ہوگیا تو زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور قرض دیے ہوئے روپے میں نیت زکاۃ کی صحیح نہیں ہے، ایسی صورت میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے وصول کر کے پھر بہ نیت زکاۃ اس کو دے دے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۰۱)

---

(۱) وشرطُ صحّةِ أدائِها نيّةٌ مُقارنَةٌ له أي للأداءِ ولو كانتْ المُقارنَةُ حُكمًا كما لو دفَعَ بلا نيّةٍ ثمّ نَوىٰ والمال قائم في يد الفقير إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۴-۱۷۵، كتاب الزّكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

مالک کے مال سے نفع اٹھانے والے زکاۃ ادا کردیں تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۱۷) ایک شخص جو مالک نصاب ہے اور جو اس کی ملکیت ہے اس سے دوسرے لوگ نفع اٹھاتے ہیں، کیا اگر زکاۃِ مالکِ نصاب دوسرے لوگ جو نفع اٹھاتے ہیں اگر اکٹھے تمام کے تمام نکال لیں تو اس صورت میں مالک نصاب کی طرف سے فریضہ زکاۃ کا ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

(۴۶۸/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ مالکِ نصاب کے ذمہ واجب ہے، لیکن اگر اس کے امر اور اجازت سے اسی کی طرف سے وہ لوگ زکاۃ ادا کردیں جو نفع اٹھاتے ہیں تو مالک نصاب کی طرف سے زکاۃ ادا ہوجائے گی۔ ولذا لو أمّر غیره بالدّفع عنه جاز [1] (شامی جلد: ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۲/۶)

امین کا مالک کے حکم سے مالِ امانت کی زکاۃ ادا کرنا درست ہے

سوال: (۱۱۸) زید کے پاس کچھ روپیہ عمر کا امانت موجود ہے عمر باہر گیا ہوا ہے، زید کو لکھتا ہے کہ میری امانت سے زکاۃ فریضہ ادا کردی جاوے، زید نے مبلغات مذکورہ کا حساب کرکے اس طرح تقسیم کیا کہ مبلغات واجب الاداء کی قیمت سے کچھ دینی کتاب لے کر مصرف زکاۃ میں دے دی، اور کچھ نقد ادا کردی یہ وکالت جائز ہے؟ اور زکاۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ (۱۷۷/۶-۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس طریقے سے زکاۃ کا ادا کردینا درست ہے، اور عمر کی زکاۃ ادا ہوگئی۔ لصحّة الوکالة [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶/۶-۴۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۷۶/۳، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً.

(۲) وشرط صحّة أدائها نیّة مقارنة له أي للأداء ولو کانت المقارنة حکمًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

امارتِ شرعیہ بہار کے بیت المال میں اگر زکاۃ نہ بھیجے بلکہ خود تقسیم کردے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۹) مقام پھلواری ضلع پٹنہ میں صوبہ بہار واڑیسہ کے لیے بیت المال وامیر شریعت مقرر کیے گئے ہیں، مبلغین زکاۃ وعشر کے لیے بھیجے گئے؛ لیکن اکثر جگہوں سے وصول نہیں ہوتا؛ بلکہ حاضرین حق داران فقراء ومساکین پر تقسیم کردیتے ہیں بیت المال میں نہیں بھیجتے تو زکاۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا ہوجاتی ہے[1] قَالَ اللّٰـهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ٦٠)[2] فقط واللہ اعلم (٦/٦٢)

مالکِ نصاب کو معلوم نہ ہو کہ کب سے صاحبِ نصاب ہوا ہے تو کیا کرے؟

سوال: (۱۲۰) ایک صاحب کے والد بزرگ وار نے انتقال کیا، اوران کے حصے میں من جملہ اوراشیاء کے کچھ زیور بھی آیا، اوراس قدر تھا کہ جس پر زکاۃ فرض نہیں تھی، کچھ روز بعد انہوں نے اس میں اور زیور گھڑوا کراس میں شامل کیا، اور کچھ زیوران کے بچوں کا اس میں شامل ہوا، کل ۹۵ تولہ ہوا اورٹھیک معلوم نہیں کہ دوسال سے یا چارسال سے یہ ۹۵ تولہ ہوا ہے تو آیا اب وہ زکاۃ پچھلے سالوں کی بھی ادا کرے یا اسی سال کی؟ (۱۲٦٧/۱۳۳۷ھ)

الجواب: گمان غالب کے موافق جس وقت سے وہ زیور ۹۵ تولہ ہوگیا ہے اسی وقت سے زکاۃ اس کی ادا کرنی چاہیے، سنین ماضیہ کی زکاۃ بھی دی جائے اور گمان غالب سے سوچ لیا جاوے

(۱) کیوں کہ امیر المؤمنین کے ذریعہ ہی جو ظاہر اموال کی زکاۃ ادا کرنا ضروری ہے، اس سے مراد حکومت اسلامیہ کا امیر المؤمنین ہے۔ ظفیر

(۲) لیکن بہتر یہ ہے کہ امیر شریعت کے ذریعہ ہی ظاہر اموال کی زکاۃ ادا کی جائے، نقد کی زکاۃ بہ طور خود بھی دے سکتا ہے۔ ظفیر

یا قرائن سے اندازہ لگایا جاوے، اور احتیاطاً کچھ زیادہ ہی مدت لگالی جاوے، مثلاً اگر اڑھائی برس کا گمان ہو تو تین برس سمجھ کر تین سال کی زکاۃ دے دی جاوے، علیٰ ہذا القیاس، کچھ زیادہ ہو جاوے تو بہتر ہے ثواب زیادہ ہے، اور کم ہو جانے کی صورت میں خوفِ (عقاب) [۱] ہے، اور زکاۃ کل زیور کی جو موجود ہے دی جاوے گی؛ بہ حساب اڑھائی روپیہ سیکڑہ کے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۴)

قرض حسنہ کی زکاۃ کون ادا کرے؟

سوال: (۱۲۱) ایک شخص کسی سے قرضہ حسنہ دو چار صد روپیہ لے کر ایک سال تک اپنے پاس رکھ لیتا ہے، آیا اس روپیہ کی زکاۃ دائن نکالے یا مدیون (قرضہ دہندہ یا مقروض)

(۱۲۹۸/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: اس روپے کی زکاۃ دائن کے ذمہ لازم ہے جب اس کے پاس وہ روپیہ واپس چلا جاوے گا، اس کو سال گزشتہ کی زکاۃ اس روپے کی دینی لازم ہوگی [۳] فقط واللہ اعلم (٦/ ۱۲۵-۱۲٦)

قرض حسنہ کی زکاۃ کب ادا کرے؟

سوال: (۱۲۲) روپیہ جو کسی کو قرض حسنہ دیا اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۸۵۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: بعد وصول کے اس کی زکاۃ ادا کی جائے گی اگر قبل وصول زکاۃ دے دے تو یہ بھی درست ہے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۵)

سوال: (۱۲۳) ایک شخص نے ایک ہزار روپیہ قرض دیا اور تین سو (۳۰۰) ماہوار قسط سے لیتا ہے تو زکاۃ اس روپیہ پر بھی ہے جو قرض ہے یا نہیں؟ (۲۴/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (عقاب) کی جگہ ''عتاب'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) أي سببُ افْتِراضِها مِلكُ نِصَابٍ حَوْلِيّ إلخ تامٍّ إلخ أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱٦۳-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب: الفرق بين السّبب والشّرط والعلّة) ظفير

(۳) ولو كان الدَّينُ علىٰ مُقِرٍّ إلخ فوصل إلىٰ ملكه لزم زكاة ما مضىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: جس قدر وصول ہوتا رہے اس کی زکاۃ سب سالوں کی دینی لازم ہے؛ یعنی بعد وصول قرض گزشتہ ایام کی زکاۃ بھی دینی ہوگی [1] فقط واللہ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن (۶/۸۱-۸۲)

قرض کی زکاۃ ادا کرنا وصولی کے بعد لازم ہوتا ہے

سوال: (۱۲۴) ایک شخص نے قرض حسنہ دیا ہے اس کی زکاۃ دینی چاہیے یا نہیں؟ اور بعض (قرض) ایسا ہے جس کے عوض میں کچھ زیور بہ طور گروی رکھا ہے، اور بعض ایسا کہ اس کے عوض کچھ زیور نہیں رکھا؛ کیا حکم ہے؟ اگر کسی کے پاس کچھ روپیہ جمع ہے اس کی زکاۃ دی جاتی ہے، اور ہمیشہ سال بہ سال کچھ اور روپیہ بھی ملتا اور جمع ہوتا رہتا ہے، مگر یہ پچھلا روپیہ کچھ اتنا نہیں کہ پہلے میں کچھ معتد بہ زیادتی کرے تو اگر اس جمع شدہ روپیہ میں سے ہمیشہ زکاۃ دی جاوے تو شاید کبھی ایسا وقت بھی آوے کہ زکاۃ نکالتے نکالتے اتنا باقی رہ جاوے کہ نصاب سے کم ہو جاوے؛ اس شبہ کا جواب مرحمت ہو؟ (۸۴۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قرض جو دیا گیا ہے اگر وہ تنہا یا دوسرے روپیہ موجودہ کے ساتھ مل کر بہ قدر نصاب ہے تو اس پر زکاۃ واجب ہے، لیکن ادا کرنا زکاۃ کا بعد وصول قرض کے لازم ہوتا ہے، اگر قبل از وصول بھی زکاۃ دے دی جاوے گی تو ادا ہو جاوے گی، اور وہ قرض جس کے عوض کچھ زیور رہن رکھا ہو اور وہ قرض جس کے عوض کچھ رہن نہ رکھا ہو حکم زکاۃ میں دونوں برابر ہیں، دونوں کی زکاۃ بعد وصول کے ہی لازم ہوتی ہے [2] اور وہ شبہ جو آپ نے لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ روپیہ جمع شدہ زکاۃ دیتے دیتے

---

(۱) واعلم أنّ الدّيون عند الإمام ثلاثة: قويّ و متوسّط و ضعيف فَتَجِبُ زكاتُهَا إذا تمّ نصابًا وحالَ الحولُ، لكن لا فورًا بل عندَ قبضِ أربعينَ درهمًا مِن الدَّينِ القويّ كقرضٍ وبدلِ مالِ تجارةٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۱۷، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

(۲) فَتَجِبُ زكاتُهَا إذا تمّ نصابًا وحالَ الحولُ، لكن لا فورًا بل عندَ قبضِ أربعينَ درهمًا مِن الدَّينِ القويّ كقرضٍ و بدلِ مالِ تجارةٍ (الدّرّ المختار) قوله: (إذا تمّ نصابًا) الضّمير في "تمّ" يعودُ للدَّينِ المفهومِ من الدُّيُوْنِ، والمرادُ إذا بلغَ نصابًا بنفسهِ أو بما عندهُ ممّا يتمّ به النّصاب. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۲۱۷، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

جب نصاب سے کم ہوجاوے گا اس وقت زکاۃ آئندہ کو ساقط ہوجاوے گی، اور جب تک بہ قدر نصاب روپیہ موجود ہے تو زکاۃ واجب ہونا خلاف عقل نہیں ہے، کیوں کہ جو شخص مالک نصاب ہے وہ شرعًا اور عرفاً غنی کہلاتا ہے(۱) اور غنی کو محتاجوں کی خبر گیری اور ان کو اپنے پاس سے کچھ دینا مروت اور عقل کا مقتضا ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۲-۵۳)

سوال: (۱۲۵) قرضہ جو قابلِ وصول ہے اس پر بھی زکاۃ دی جاوے یا قرضہ کے وصول پر؟ اور جو قرضہ فی الحال قابلِ وصول ہے؛ لیکن شاید کچھ عرصہ کے بعد غیر قابلِ وصول ہوجاوے یا بعض قرضہ اقساط کے ساتھ وصول ہوا اس کے واسطے کیا ارشاد ہے؟ (۶۲۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بعد وصول قرضہ کے زکاۃ دینا واجب ہوتا ہے؛ لیکن اگر قبل از وصول دے دی جاوے تو یہ بھی جائز ہے، جو قرضہ اب قابلِ وصول ہے اور بعد میں شاید قابل وصول نہ رہے اس میں بھی یہی حکم ہے جو گزرا کہ زکاۃ کا ادا کرنا واجب اسی وقت ہوتا ہے جب وصول ہوجاوے؛ لیکن اگر فی الحال دے دے گا تب بھی درست ہے، اور قرض اگر بہ اَقساط وصول ہو تو جس قدر وصول ہوتا ہے اس کی زکاۃ ادا کرتا رہے، اور اگر ایک دفعہ کل کی زکاۃ دے دے خواہ پہلے یا پیچھے

---

(۱) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول إلخ ، ولا بدّ من ملك مقدار النّصاب لأنّه صلّى الله عليه وسلّم قدّر السّبب به. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ظفیر

(۲) اسلام کے اس قانون کا منشا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ روپے جمع کر کے بیکار نہ رکھ چھوڑیں، بلکہ اسے کاروبار میں یا کھیت وزمین میں لگائے رکھیں، تاکہ ملک اور قوم کا فائدہ ہو، اور زکاۃ بار نہ گزرے، نقد جمع رکھنے سے ملک اور قوم کا سراسر نقصان ہے۔

ہدایہ میں زیور کی زکاۃ کے سلسلے میں لکھا ہے: ولنا أنّ السّبب مال نام ودليل النّماء موجود وهو الإعداد للتّجارة خلقة والدّليل هو المعتبر. (الهداية: ۱/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، فصل في الفضّة)

جس کا ماحصل یہ ہوا کہ جب اس روپے میں یا سونا چاندی میں نمو اور بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے، اب آپ یا کوئی اسے روک رکھے اور جو کام ہے اس سے نہ لے، تو یہ روکنے والے کا قصور ہے، زکاۃ کے وجوب کا سبب زیادتی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

یہ بھی درست ہے[۱] فقط واللہ اعلم (٦/٩٥-٩٦)[۲]

سوال: (۱۲٦) قرضہ جو وصول ہوتا ہے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۴۱۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: قرضہ جب وصول ہو اس کی زکاۃ دینی چاہیے[۱] فقط واللہ اعلم (٦/٩٩-١٠٠)

سوال: (۱۲۷) قرض میں جو روپیہ پڑا ہوا ہے اور وہ بہ قدر نصاب ہے؛ اور سال بھر گزر گیا ہے تو اس کی زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۳۷٦/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: قرض میں جو روپیہ پڑا ہوا ہے اور وہ بہ قدر نصاب ہے، اور سال بھر گزر گیا ہے تو اس کی زکاۃ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہوتی ہے، جس قدر وصول ہوتا جاوے اس کی زکاۃ ادا کی جاوے؛ جو (روپیہ) مارا جاوے گا اس کی زکاۃ بھی ساقط ہو جاوے گی[۱] فقط واللہ اعلم (٦/٣٣٩)

جو قرض ۴۵ سال بعد وصول ہوا اس کی زکاۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: (۱۲۸) ایک شخص نے دوسرے کو سو روپیہ قرض دیا، مدیون نے بعد ۴۵ سال کے روپیہ ادا کیا تو اب زکاۃ کس قدر دینی چاہیے؟ (۳۳٦/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ قرض کی زکاۃ بعد وصولیابی کے پچھلے سالوں کی دینی لازم ہے، سو روپیہ پر دو روپے ۸ آنے (یعنی ڈھائی روپے) ہیں، پھر ہر سال کم ہوتی جاوے گی، یہاں تک کہ جب نصاب پورا نہ رہے گا زکاۃ ساقط ہے[۱] فقط واللہ اعلم (٦/٣٢٩)

جو قرضہ حکومت کو دیا ہے اُس کی زکاۃ ادا کرنا کب واجب ہوگا؟

سوال: (۱۲۹) زید نے سرکار کو مبلغ سو روپیہ بہ طور قرضہ کے دیا تھا، ابھی وصول نہیں ہوا،

---

(۱) وَلَوْ كانَ الدَّيْنُ على مُقِرٍّ مَلِيءٍ أو على معسر —— إلى قوله —— فَوَصَلَ إلى مِلْكِهِ لَزِمَ زَكاةُ ما مضى إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧٢-١٧٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) یہ سوال و جواب اور مطبوعہ فتاویٰ: ٦/٣٣٩، سوال نمبر: ٦٢۴ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔

ایک سال کے بعد امید وصول کی ہے تو اس کی زکاۃ زید کے ذمہ بعد وصول کے واجب الاداء ہوگی، یا قبل وصول کے ہر سال زکاۃ دینا چاہیے؟ (۲۶۲۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسے قرض کی زکاۃ بعد وصول کے واجب الاداء ہوتی ہے، وصول سے پہلے زکاۃ دینا واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر زکاۃ اس کی قبل وصولیابی کے دے دیوے تو ادا ہو جاوے گی؛ بعد وصول کے پھر دینی نہ آوے گی۔ کذا في کتب الفقه[1] فقط واللہ اعلم (۶/۳۳۷)

قرض کی زکاۃ اگر ہر سال ادا کرتا رہے تو ادا ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۰) زید نے بکر کو پانچ سو روپیہ قرض دیا اور اس کی زکاۃ سالانہ ادا کرتا ہے کیا زکاۃ ادا ہو جاتی ہے یا وصول ہونے پر کل مدت کی زکاۃ لازم ہوگی؟ (۹۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ادا ہو جاتی ہے[1] فقط واللہ اعلم (۶/۹۳)

جس قرض کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۱) اگر قرض کے وصول کی امید نہ رہی ہو اور پھر مثلاً دس برس کے بعد وصول ہو جاوے تو پچھلے سالوں کی زکاۃ بھی واجب ہے یا نہ؟ (۱۴۵۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جس وقت قرضہ وصول ہو جاوے اس وقت پچھلے سالوں کی زکاۃ بھی دینا واجب ہے اور جس سے وصول نہ ہو اس کی زکاۃ اس وقت واجب نہیں، لیکن اگر کبھی وصول ہو گیا تو پچھلے برسوں کی بھی زکاۃ دینا واجب ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۹۰)

---

(۱) وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ علىٰ مُقِرٍّ مَلِيءٍ أو على معسر —— إلىٰ قوله —— فَوَصَلَ إِلىٰ مِلْكِهِ لَزِمَ زَكاةُ ما مضىٰ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ سال بہ سال دیتا رہا تو مزید دینے کی ضرورت نہیں ہے، واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ علىٰ مُقِرٍّ مَلِيءٍ ...... أو مفلسٍ إلخ فوصَلَ إلىٰ ملكه لزم زكاة ما مضىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

وضاحت: امداد الفتاویٰ میں اس مسئلے کی تفصیل اس طرح مذکور ہے:

''اس میں اقوال مختلف ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے؛ جس کی تفصیل رد المحتار ج:۲/ص:۱۴ وص:۹۹، مطبوعہ مصر میں موجود ہے، بندے کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی، اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا، بعد حولان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکاۃ واجب ہوگی۔ ومتمسکي فيه ما في ردّ المحتار بعد نقل عبارة النّهر عن الخانية؛ قوله: قلت: وقدّمنا أوّلَ الزّكاة اختلافَ التّصحيح فيه، ومال الرّحمتي إلى هٰذا، وقال: بل في زماننا يُقرّ المديونُ بالدَّين وبملاء ته ولايقدر الدّائن على تخليصه منه، فهو بمنزلة العدم''[1] (ج:۲/ص:۹۹) واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ:۲/۳۳، کتاب الزکاۃ والصدقات، عنوان: جس دین کے وصول ہونے کی امید نہ ہو؛ اس پر وجوب زکاۃ کی تحقیق) آئندہ چار جوابات میں بھی یہی تفصیل ہوگی۔ محمد امین پالن پوری

سوال: (۱۳۲) زید تجارت کرتا ہے، اور لوگوں کے ذمے اس کا قرض باقی ہے، بعض ان میں سے فرار ہو گئے اور بعض بالکل غریب ہیں؛ جن سے وصول ہونے کی امید نہیں ہے، اب زید اس روپیہ کی زکاۃ ادا کرے یا نہیں؟ (۱۵۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قرض میں جو روپیہ ہے اس کی زکاۃ بعد وصول کے ادا کرنا واجب ہوتی ہے، پس جو روپیہ وصول نہ ہو اس کی زکاۃ ادا کرنا لازم نہیں ہوئی[2] فقط واللہ اعلم (۶/۷۷)

جو قرض ہے اس کی زکاۃ وصولی کے بعد ہے

سوال: (۱۳۳) خالد نے عابد کو روزگار کے واسطے قرض روپیہ دیا، عابد نے روزگار میں

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(۲) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

ولو كان الدَّين علٰى مُقِرٍّ مَليءٍ أو على معسر أو مفلس أي محكوم بإفلاسه أو علٰى جاحد عليه بيّنة، وعن محمّد لا زكاة، وهو الصّحيح ...... لأنّ البيّنة قد لا تقبل أو علم به قاض إلخ فوصل إلٰى ملكه لزم زكاة ما مضٰى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۲/۳-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

نقصان پایا، روپیہ خالد کا صرف ہوگیا، اپنا مکان عابد نے خالد کو رہن لکھ دیا، اب خالد اس روپیہ کی زکاۃ کیوں کر ادا کرے؟ (۱۵۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ﴿خالد کو جس وقت روپیہ وصول ہوگا زکاۃ کا ادا کرنا لازم ہوگا، قبل از وصول روپیہ زکاۃ نہیں ہے۔ فقط﴾[1] (۳۳۹/۶)

سوال: (۱۳۴) مثلاً ایک سو روپیہ کا مال دکان میں موجود ہے اور پانچ سو روپیہ دوسرے اشخاص پر قرض بہ طور اُگاہی[2] ہیں جس میں یقینی طور پر سب کا وصول ہونا غیر ممکن ہے؛ تو کیا مال موجودہ ایک سو روپیہ پر زکاۃ دینی چاہیے یا رقم قرض پر بھی؟ (۶۷/۴۶۷-۱۳۳۵ھ)

الجواب: ایک سو روپیہ موجودہ کی زکاۃ ختم سال پر فی الحال دینا لازم ہے، اور پانچ سو روپیہ جو قرض یافتنی ہے اس میں سے جس قدر وصول ہوتا جاوے اس کی زکاۃ سال گزشتہ وحال کی سب دینی لازم ہوگی، غرض یہ ہے کہ قرض یافتنی پر زکاۃ واجب ہے، لیکن دینا زکاۃ کا بعد وصول قرض کے لازم ہوتا ہے، اور اگر فرض کرو کہ قرض دو سال کے بعد وصول ہوا تو بعد وصول کے دونوں سال کی زکاۃ لازم ہوگی[3] اور جو روپیہ وصول نہ ہوگا اس کی زکاۃ ساقط ہوجاوے گی[4] فقط (۱۵۱/۶-۱۵۲)

جو قرض تھوڑا تھوڑا وصول ہوتا رہا اس کی زکاۃ کس طرح دی جائے؟

سوال: (۱۳۵) زکاۃ اس قرض کی جو وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا آتا رہا ہے کس طرح دی جائے؟

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں اس سوال کے جواب کے بجائے کسی اور سوال کا جواب مذکور ہے؛ اس لیے ہم نے رجسٹر نقول فتاویٰ سے اصل جواب کو شامل کیا ہے۔ ۱۲

(۲) اُگاہی: واجب الوصول بقایا۔ (فرہنگ آصفیہ)

(۳) وأمّا سائر الدّیون المقربها فهي علی ثلاث مراتب إلخ قوي وهوما يجب بدلا عن سلع التّجارة إذا قبض أربعين زكّی لما مضٰی. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۷۵، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها و شرائطها) ظفیر

(۴) ولا في مال مفقود إلخ ودَين كان جحده المديون سنين ولا بيّنة له إلخ، والأصل فيه حديث علي: لا زكاة في مال الضّمار وهوما لايمكن الانتفاع به مع بقاء الملك (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۱-۱۷۲، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

اوراگر دوسو (۲۰۰) میں سے پچاس وصول ہوئے بعد دوسال کے، اور ۲۵ تین سال کے بعد؛ تو ۵۰ کی دوسال کی اور ۲۵ کی تین سال کی علی ہذا القیاس اسی طرح ادا کی جاوے یا کس طرح؟ اور اگر مقروض نے روپیہ کے بدلہ میں غلہ وغیرہ دے دیا اور وہ اشیاء گھر میں خرچ ہوگئیں تو ان کی قیمت کی زکاۃ اسی طرح دوسال یا تین سال کی بھی دی جاوے یا کس طرح؟ اور اگر قرض میں زمین دی گئی تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ (۳۵۵/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: جس وقت جس قدر قرض وصول ہوتا جاوے اس وقت تک کی مع پچھلے سالوں کے زکاۃ ادا کرنی چاہیے، اگر قرض کے عوض غلہ وصول ہوا تو گزشتہ سالوں کی اصل قرض کی جس کے بدلے میں غلہ آیا ہے زکاۃ دیوے[1] آئندہ کو غلہ خوردنی پر زکاۃ نہیں ہے، اور اگر زمین قرض میں آئی تب بھی قرض وصول ہوگیا؛ گزشتہ سالوں کی زکاۃ لازم ہوگی[2] فقط واللہ اعلم (٦/۸۴-۸۵)

جس تاجر کے قرضے مختلف نوعیت کے ہوں وہ زکاۃ کس طرح ادا کرے؟

سوال: (۱۳٦) ایک شخص کپڑے کی تجارت کرتا ہے، پانچ ہزار کا مال ہی اس کے پاس ہے، اس نے جو اُدھار بیچا ہے اس میں سے پانچ ہزار کے آنے کی توقع یقینی ہے، اور تین ہزار کے وصول ہونے میں شک ہے، اور ایک ہزار کے وصول ہونے کی بالکل امید نہیں، اور یہ شخص چار ہزار کا مقروض ہے؛ اس صورت میں کس قدر رقم کی زکاۃ دینی چاہیے؟ (۱۷۴۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جس قدر مال ونقد موجود ہے اس کی زکاۃ اِس وقت ادا کرے، اور جو مال اُدھار فروخت ہوا ہے اور قیمت اس کی لوگوں کے ذمہ قرض ہے اس کی زکاۃ ادا کرنا وصول ہونے پر

(۱) واعلم أنّ الدّیون عند الإمام ثلاثة: قوي ومتوسّط وضعیف فتجب زکاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لکن لا فورًا بل عند قبض أربعین درهمًا من الدّین القويّ کقرض وبدل مال تجارة فکلّما قبض أربعین درهمًا یلزمه درهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۱۷، کتاب الزّکاة، باب زکاة المال، قبیل مطلب في وجوب الزّکاة في دَین المَرصد) ظفیر

(۲) وَلَوْ کانَ الدَّیْنُ علیٰ مُقِرٍّ إلخ فَوَصَلَ إلیٰ مِلْکِهٖ لَزِمَ زَکاةُ ما مضیٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

واجب ہوگی، جس قدر وصول ہوتا رہے اس کی زکاۃ دیتا رہے (۱) اور جس قدر اس کے ذمے قرض ہے اس کو مالِ موجودہ میں سے منہا کر کے باقی کی زکاۃ ادا کرے (۲) فقط واللہ اعلم (۱۴۶/۶)

سوال: (۱۳۷) قرض تھوڑی تھوڑی مقدار میں ہے، کسی کے ذمے چار روپے یا آٹھ روپے، کسی کے ذمے پانچ روپے، بہت سے لوگ نادہند ہیں، جن سے امید وصولیابی نہیں ہے، اس طرح پر سو، دو سو روپے، سو پچاس آدمی کے ذمے ہیں، کسی کو چار مہینہ ہوئے، کسی کو آٹھ، کسی کو دس، اگر کسی سے دو برس کے یا تین برس کے بعد وصول ہو تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ (۶۳۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قرض کی زکاۃ بعد وصول کے واجب الاداء ہوتی ہے، پس آخر سال تک جس قدر رقم وصول ہو کر شامل رقم موجودہ و مال موجودہ ہو جاوے، اس سب کی زکاۃ ادا کرے، اسی طرح جو اس کے بعد وصول ہوتا ہے، اس کو سال آئندہ کے حساب میں شامل کرے (۲) فقط واللہ اعلم (۱۴۹/۶)

بیوپاریوں کو جو مال بھیجا جاتا ہے اور روپیہ سال ڈیڑھ سال میں وصول ہوتا ہے اس کی زکاۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: (۱۳۸) جو مال بیوپاریان کو منافعہ لگا کر روانہ کیا جاتا ہے اس کا روپیہ کبھی سال بھر میں کبھی ڈیڑھ سال میں وصول ہوتا ہے، اس کی زکاۃ مع منافعہ کے نکالی جائے یا بغیر منافعہ؟ اور کبھی بیوپاری سال بھر کے بعد مال واپس بھی کر دیتے ہیں اور ان سے روپیہ مشکل سے وصول ہوتا ہے۔ (۱۶۵۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ولو كان الدَّينُ علىٰ مُقِرٍّ إلخ فوصل إلىٰ ملكهٖ لزم زكاة ما مضىٰ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۲/۳-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة، فكلّما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۷/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

(۲) فلا زكاة علىٰ مكاتب إلخ ومديون للعبد بقدر دَينهٖ فيزكّي الزّائد إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۸/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

الجواب: جو مال بیوپاری کو دیا جاتا ہے اس کی جو کچھ قیمت مع منافعہ اس سے مقرر ہوئی ہے اس قیمت پر بعد وصول کے زکاۃ واجب ہے جس قدر وصول ہوتا جاوے اس کی زکاۃ ادا کی جاوے اور جو وصول نہ ہو اس کی زکاۃ لازم نہیں ہے [۱] فقط واللہ اعلم (۱۵۵/۶)

اُدھار رقم کی زکاۃ واجب ہے؛ مگر وصول ہونے کے بعد

سوال: (۱۳۹) زید نے ایک دکان آٹھ ہزار روپیہ سے کی، اور اسی آٹھ ہزار میں سے تین ہزار روپیہ اُدھار میں ہوگیا، اور پانچ ہزار کا مال دکان میں باقی ہے، اب زکاۃ مال موجودہ ہی پر ہے یا اُدھار پر بھی زکاۃ واجب ہے؟ اُدھار کا روپیہ سال وار کل وصول نہیں ہوتا، تھوڑا سا روپیہ مثلاً ۶۰۰، ۷۰۰ وصول ہوتا ہے، اور پھر اتنا ہی ہو جاتا ہے؟ (۴۳۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اُدھار کی زکاۃ دینا واجب تو اس وقت ہوتا ہے کہ وہ روپیہ وصول ہو جاوے، اور اس وقت پچھلے زمانے کی بھی زکاۃ دینی لازم ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کل مال ادھار و موجودہ کی زکاۃ کا حساب کر کے ختم سال پر دیوے تاکہ بار بار بہ وقت وصول اُدھار کے حساب کرنے کی دقت پیش نہ آوے [۲] فقط واللہ اعلم (۱۵۲/۶-۱۵۳)

اُدھار کی رقم جب وصول ہو جائے تو گزشتہ سالوں کی بھی زکاۃ ادا کرنا واجب ہے

سوال: (۱۴۰)...... (الف) ایک شخص تاجر ہے اور اس کا کچھ روپیہ اُدھار میں ہے، اور کچھ

---

(۱) فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۷/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

(۲) واعلم أنّ الدّين عند الإمام ثلاثة: قوي ومتوسّط وضعيف فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة فكلّما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۷/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

اس کے پاس نقد موجود ہے تو وہ زکاۃ تمام روپیہ کی ادا کرے یا جس قدر اس کے پاس نقد موجود ہے؟

(ب) مثلاً ادھار سے دو سال کے بعد روپیہ وصول ہوا تو زکاۃ دونوں سال کی ادا کرے یا ایک سال کی؟ (۱۳۸۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) تمام روپیہ کی زکاۃ ادا کرے لیکن جس قدر روپیہ قرض میں ہیں اس کی زکاۃ بعد وصول ہونے کے ادا کرنی لازم ہوتی ہے، بعد وصول کے گزشتہ ایام کی بھی زکاۃ دینا واجب ولازم ہے[1] فقط

(ب) دونوں سال کی زکاۃ ادا کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۶/۶)

جو روپیہ کسی کے پاس امانت رکھا ہوا ہے یا بینک میں جمع ہے یا نوٹ کی شکل میں ہے اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۱) زید کے پاس اپنے حوائج ضروریہ کے علاوہ بہ طور پس انداز ایسا روپیہ بھی ہے جس کی بابت زکاۃ دینا فرض ہے؛ لیکن جب کہ زید اس روپیہ کو بکر کے پاس امانت رکھ دے اور یا زید نے بجائے نقد روپیہ کے یا سونے، چاندی کے؛ کرنسی نوٹ لے کر اپنے پاس رکھے ہیں، یا زید نے اس روپے سے باؤنڈ خریدے ہوں؛ جو ایک قسم کا کاغذ قرضہ ہے، یا زید نے وہ روپیہ کسی کو قرض بلا سود یا سود سے دیا ہے، اور یا زید نے اس روپیہ کو بینک میں جمع کیا ہے، {اور یا پرامیسری}[2] نوٹ خرید لیے ہیں، اور یا اس روپیہ سے کاغذات ریلوے شیئرز خرید لیے ہیں، اور یا وہ روپیہ کسی تجارت میں لگایا ہے؛ مذکورہ بالا آٹھ صورتوں میں بھی زکاۃ واجب الاداء ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۱۷۲۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ولو كان الدّين على مقر مليء إلخ فوصل إلى ملكه لزم زكاة ما مضى. (الدّر المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۲/۳-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں {اور یا پرامیسری} کی جگہ "یا پرامدی" تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔

پرامیسری نوٹ (Promissary Note): تمسک، دستاویز (یعنی) وہ تحریر جو روپیہ ادا کرنے کے متعلق کسی سے خاص وقت تک کے لیے لکھوائی جائے۔ (فیروز اللغات) ۱۲

الجواب: ان سب صورتوں میں زکاۃ واجب ہے، لیکن قرض دینے کی صورت میں بعد وصول کے گزشتہ زمانے کی زکاۃ بھی لازم ہوتی ہے۔ ولو کان الدَّینُ علیٰ مُقِرٍّ، إلخ فوصل إلیٰ ملکہٖ لزم زکاۃ ما مضیٰ إلخ [۱] (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۳٦-۱۳۷)

مرتہن نے راہن کو جو روپیہ بہ طور قرض دیا ہے اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۲) جو روپیہ رہن اراضی میں مالکانِ اراضی کو دیا ہے اس کی زکاۃ ہر سال ادا کرنی ہوگی یا بعد وصول ہونے کے، اور بر تقدیر ثانی پچھلے تمام سالوں کی زکاۃ واجب ہوگی یا نہ؟

(۱٦۹/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: اس روپیہ کی زکاۃ بعد وصول ہونے کے لازم ہے، اور پچھلے سالوں کی زکاۃ بھی دینی ہوگی۔ کذا في الدّرّ المختار [۱] فقط واللہ اعلم (٦/۱۲۹)

غصب کردہ زمین کی ملکیت اور اس کی پیداوار کے معاوضہ کی ڈگری مل گئی تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۳) زید ایک موضع کا مالک اور قابض ومتصرف تھا، حاکم وقت نے کسی وجہ سے وہ موضع زید سے چھین کر عمرو کو دے دیا، عمرو نے زید کو کسی قدر زمین کا پٹہ کاشت کے لیے سی (۳۰) سالہ کر دیا، بعدہ اس کی اولاد کاشت کرتی رہی، پھر عمرو نے اولاد زید کو بے دخل کرا دیا اور کئی سال تک اس کی پیداوار کھاتا رہا، بالآخر ورثاءِ زید نے اپنی ملکیتِ قدیم اور پٹے کے قدیم ہونے کا ثبوت عدالت میں دیا، اور اس قدر اراضی کی ملکیت کی ڈگری پائی، نیز جتنے سال عمرو کا قبضہ رہا اور وہ پیداوار اراضی کھاتا رہا، اس کے زرِ واصلات [۲] کی ڈگری بھی ورثۂ زید کو ملی، من جملہ ورثاءِ زید کے ایک مسماۃ بیوہ ہے جو صاحبِ نصاب نہیں ہے اور مصرفِ زکاۃ ہے، اس کو بہت سا حصہ اراضی اور زرِ واصلات کا ملنے والا ہے جو اِجرائے ڈگری پر غالباً مل جاوے گا، اب دو امر قابل استفسار ہیں:

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً.

(۲) زرِ واصلات: نفع جو رہن رکھی ہوئی چیز سے حاصل ہو (فیروز اللغات) ۱۲

(الف) زرِ واصلات مسماۃ کو مقدار نصاب سے بہت زیادہ وصول ہوگا، پس اس کی زکاۃ مسماۃ مذکورہ پر روزِ وصولِ زر سے واجب ہوگی، یا گزشتہ سالوں کی زکاۃ بھی دینا چاہیے، اور چوں کہ پیداوار اراضی سے یہ کل رقم مسماۃ کو یک مشت نہ ملتی بلکہ فصل فصل پر یا سالانہ، پس سالہائے گزشتہ کی زکاۃ اسی حساب سے دیوے کہ جس قدر رقم پر جس قدر مدت روز وصول رقم سے متصور ہو سکے یا کس طرح؟

(ب) ایسی صورت میں کہ میعاد اجرائے ڈگری تین سال ہیں، اور نہیں معلوم کہ کل حصہ وصول ہو یا جزو یا بالکل نہ ہو؛ مسماۃ مصرف زکاۃ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۲۰۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) جس وقت سے ڈگری ہوئی مسماۃ کے ذمہ زکاۃ روپیہ واجب [۱] شدہ کی اسی وقت سے لازم ہوگی اور ادائے زکاۃ بعد وصول روپیہ لازم ہوگی۔

(ب) اور وہ مسماۃ بعد ڈگری محل زکاۃ نہیں ہے، اگر ضرورت ہو قرض لیوے، بعد وصول روپیہ قرض ادا کر دیوے، اور بہ قدر قرض میں زکاۃ واجب (نہ) [۲] ہوگی۔ قال في الدّرّ المختار: ومغصوب (أي ولا تجب في مغصوب إلخ) لا بينة عليه؛ فلو له بينة تجب لما مضٰى. قال الشّامي: أي تجب الزّكاة بعد قبضه من الغاصب لما مضٰى من السّنين إلخ [۳] فقط (۶/۹۸-۹۹)

جو روپیہ ملازمت کی ضمانت کے لیے سرکار میں جمع کیا ہے اس پر زکاۃ واجب ہے

سوال: (۱۴۴) ایک شخص نے بہ غرض ضمانت ملازمت مبلغ ایک سو روپیہ سرکار میں جمع کیا، جب تک وہ شخص ملازم رہے گا اس وقت تک اس کو ضمان واپس نہیں ملے گا، جب پنشن لے گا یا کسی وجہ سے برخاست ہوگا تب وہ روپیہ اس کو دیا جائے گا، اب اس روپیہ پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو بعد واپسی کے یا ہر سال اس کو زکاۃ ادا کرنا واجب ہوگا؟ (۵۴۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) ''واجب'' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ میں ''وصول'' ہے۔۱۲

(۲) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۱، کتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

الجواب: اس روپے کی زکاۃ بعد واپسی کے تمام گزشتہ سالوں کی ادا کرنا لازم ہے، اگر اس خیال سے کہ بعد واپسی کے بہت برسوں گزشتہ کی زکاۃ دینی پڑے گی اور رقم کثیر ہوجاوے گی، ہر سال موجودہ روپیہ کے ساتھ زکاۃ دے دیا کرے تو یہ بھی درست ہے[۱] فقط واللہ اعلم (۱۲۹/٦-۱۳۰)

جو تنخواہ ابھی وصول نہیں ہوئی اس کی زکاۃ واجب نہیں

سوال: (۱۴۵) زید ایک کارخانہ میں نوکر ہے، اس کو شعبان کی دس بارہ تاریخ کو دو ماہ کی تعطیل سالانہ ملا کرتی ہے، اور وہ رمضان شریف کی پندرہ تاریخ کو صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے زکاۃ کا فریضہ ادا کیا کرتا ہے، شعبان اور رمضان کی تنخواہ بہ وقت حاضریٔ شوال ملے گی؛ آیا پندرہ رمضان ۱۳۳۵ھ کو ہی ان دونوں مہینوں کی تنخواہ کی زکاۃ ادا کرنا واجب ہے یا ۱۳۳٦ھ کے رمضان شریف میں بہ شرط بقا اُن کی زکاۃ ادا کرے گا۔ (٦۹۹/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: شعبان اور رمضان کی تنخواہ جو ابھی وصول نہیں ہوئی، اس کی زکاۃ رمضان موجودہ میں واجب نہیں ہے، سال آئندہ کے ختم پر اگر وہ روپیہ وصول ہوکر باقی رہا تو اس کی زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگی[۲] فقط واللہ اعلم (۱۲۳/٦-۱۲۴)

رب المال نے زکاۃ کا جو روپیہ ادا کیا ہے اس کو مضارب سے نہیں لے سکتا

سوال: (۱۴٦) ایک شخص نے دوسرے کو مضاربت کے واسطہ روپیہ دیا تھا، اس نے روپیہ لے کر ایک دو سال تجارت کیا، اور رب المال کو منافعہ بالکل نہیں دیا بلکہ خود رکھ لیا، اور رب المال نے اس روپیہ کی زکاۃ بھی ادا کر دی تو مالک روپیہ کو اصل روپیہ مع زکاۃ کے لینا جائز ہے یا نہ؟

(۲۹۴/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

---

(۱) وکذا الودیعة عند غیر معارفه (الدّرّ المختار) فلو عند معارفه تجب الزّکاة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۱، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

(۲) وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملکه إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

الجواب: مضاربت اگر صحیحہ ہوتو اس کا حکم یہ ہے کہ اصل روپیہ اور جو کچھ نفع معین ہو نصف یا ثلث؛ وہ مالک روپیہ کو ملے گا، پس مضارب نے جب کہ خیانت کی اور روپیہ دینے سے انکار کیا تو وہ اصل روپیہ مع حصہ منافعہ کے لینے کا مستحق ہے، اور زکاۃ ایسے روپیہ کی بعد وصول ہونے کے واجب الاداء ہوتی ہے؛ لیکن اگر قبل از وصول مالک نے زکاۃ ادا کر دی تو وہ محسوب ہوجاتی ہے، پس جو روپیہ زکاۃ کا مالک نے ادا کیا اس کو مضارب سے نہیں لے سکتا۔ **فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة فكلّما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم إلخ**[1] **(الدّرّ المختار) وفيه: ولو عجّل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صحّ**[2] **(الدّرّ المختار)** فقط (۱۵۳/٦-۱۵۴)

مضاربت کا جو روپیہ ہے اس کی زکاۃ کون نکالے؟

سوال: (۱۴۷) زید کا روپیہ، بکر کی محنت دونوں مل کر روزگار کرتے ہیں، اور نفع نقصان کے دونوں ذمہ دار ہیں؛ اب دونوں مل کر زکاۃ ادا کریں یا کیا؟ (۱۵۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس روپیہ کی زکاۃ بہ ذمہ زید واجب ہے، اور بکر کو جب نفع کا روپیہ بہ قدر نصاب حاصل ہو جاوے اور سال بھر گزر جاوے تو اس کے ذمہ اس کے روپیہ کی زکاۃ واجب ہے۔ فقط (۱۵۵/٦)

مشترک تجارت میں ہر شریک پر اپنے حصے کی زکاۃ نکالنا واجب ہے

سوال: (۱۴۸) عرصہ تقریبًا سات سال کا ہوا کہ زید اور بکر نے ایک دکان شراکتی تجارت کی جاری کی تھی، شراکت کرنے کے وقت زید اور بکر کا باہمی معاہدہ یہ ہوا تھا کہ زکاۃ اپنے اپنے روپے کی مطابق ادا کی جائے گی، چنانچہ اس طور سے عرصہ ۴ سال تک عمل درآمد رہا، ایک سال میں تقریبًا دو ہزار

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۷/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۳/۳-۲۰۴، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: استحلال المعصية القطعيّة كفر.

روپیہ زکاۃ کے نام صرف ہوا، تو بہ موجب معاہدہ کے زید کے ذمے مبلغ دوصد پچاس روپے نکلے، اور بکر کے ذمے ایک ہزار سات سو پچاس روپے نکلے؛ تو اب زید اپنے حصے کا روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے تو شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے؟ (۱۳۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس صورت میں جس قدر زید کے روپے کی زکاۃ ادا کی گئی وہ زید کے ذمہ ہے، اس کے حساب میں لگائی جاوے گی، اور جو رقم بکر کے ذمے واجب ہے وہ بکر کے حساب میں لگائی جاوے گی، زید کا انکار کرنا معتبر نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے: **و إن تعدّد النّصاب تجب إجماعًا ويتراجعان بالحِصَصِ إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (وإن تعدّد النّصاب) أي بحيث يبلغ قبل الضّمّ مال كلّ واحد بانفراده نصابًا فإنّه يجب حينئذٍ علىٰ كلّ منهما زكاة نصابه إلخ**[1] (شامي: ۲/۳۵) فقط واللہ اعلم (٦/٦٧-٦٨)

زکاۃ کی رقم بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجنا درست ہے

سوال: (۱۴۹) زید مدرسہ عالیہ دیوبند کو مبلغ ۴ روپے بہ مد زکاۃ دینا چاہتا ہے، اگر بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجے تو ادائے زکاۃ میں کچھ خرابی تو نہیں؟ (۱۰۲۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بہ ذریعہ منی آرڈر بھیج دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، مہتمم صاحب کو لکھ دیوے کہ یہ زکاۃ کا روپیہ ہے۔ فقط واللہ اعلم (٦/۱۰۱)

سوال: (۱۵۰) زکاۃ منی آرڈر میں روانہ کرنے سے ادا ہوسکتی یا نہیں؟ (٦۴۳/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: منی آرڈر کے ذریعہ سے زکاۃ کا روپیہ بھیجنے سے بھی زکاۃ ادا ہوجاتی ہے[2] فقط (٦/۲۲۳-۲۲۴)

زکاۃ کی رقم بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں فیس اپنے پاس سے دینی چاہیے

سوال: (۱۵۱) زکاۃ کا روپیہ اگر بہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جاوے تو فیس منی آرڈر اس میں سے

---

(۱) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۱٦، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد.**

(۲) حوالہ آئندہ حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۹۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجنا زکاۃ کے روپیہ کا درست ہے، مگر فیس منی آرڈر علیحدہ اپنے پاس سے دینی چاہیے[۱] فقط واللہ اعلم (۶/۳۳۴-۳۳۵)

بہ ذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنے سے زکاۃ کیسے ادا ہوتی ہے؟

سوال: (۱۵۲) زکاۃ کا روپیہ بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں بہ جنسہٖ روپیہ تو پہنچتا نہیں، پھر بھیجنے والے کی زکاۃ کیسے ادا ہوگی؟ (۱۵۸۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: زکاۃ اس طرح بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں ادا ہوجاتی ہے کیوں کہ مالک کی طرف سے مبادلہ کی اجازت ہوجاتی ہے[۲] فقط واللہ اعلم (۶/۲۱۵)

زکاۃ کا روپیہ بیمہ سے بھیجا جائے یا منی آرڈر سے؟

سوال: (۱۵۳) بہشتی زیور میں ہے کہ کسی نے زکاۃ کا روپیہ دوسرے کو ادا کرنے کے لیے دیا، اور اس نے اپنے خرچ میں اٹھالیا، بعد میں اپنے پاس سے ادا کیا تو زکاۃ ادا نہ ہوگی[۳] اور منی آرڈر

---

(۱) **ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۶، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)** اور یہ مسلّم ہے کہ فیس منی آرڈر فقراء کو نہیں ملتی؛ اس لیے وہ زکاۃ میں شمار نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) **ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرّعًا إلخ (الدّرّ المختار) قال في التّتارخانية: إلّا إذا وجد الإذن إلخ، وقال الشّامي في آخر البحث: ومقتضاه أنّه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذٍ دلالةً. (ردّ المحتار: ۳/۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) قلت: ويقاس عليه حكم الاستبدال.** محمد امین پالن پوری

(۳) اختری بہشتی زیور میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے: مسئلہ: کسی غریب کو دینے کے لیے تم نے دو روپے کسی کو دئے، لیکن اس نے بعینہٖ وہی دو روپے فقیر کو نہیں دئے جو تم نے دئے تھے، بلکہ اپنے پاس سے دو روپے تمہاری طرف سے دے دئے، اور یہ خیال کیا کہ وہ روپے میں لے لوں گا؛ تب بھی زکاۃ ادا ہوگئی، بشرطیکہ تمہارے روپے اس کے پاس موجود ہوں، اور اب وہ شخص اپنے دو روپے کے بدلے میں تمہارے وہ دونوں روپے لے لیوے ==

میں بھی یہی صورت ہوتی ہے تو اگر زکاۃ کا روپیہ بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجا جاوے تو کیا زکاۃ ادا ہوگی یا بہ ذریعہ بیمہ بھیجنا چاہیے؟ (٩٦٦/١٣٤٢ھ)

الجواب: یہ احوط ہے کہ بیمہ کے ذریعہ سے بھیجا جائے لیکن منی آرڈر کے ذریعہ سے بھیجنا بھی درست ہے اوراس کی تاویل ہوسکتی ہے [١] فقط واللہ اعلم (١١٤/٦)

زکاۃ کی رقم بہ ذریعہ رجسٹری بھیجی گئی مگر موصول نہیں ہوئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٥٤) مبلغ دس روپے کا نوٹ مدِ زکاۃ سے برائے امدادِ مظلومین سمرنا (Smyrna) بہ صیغۂ رجسٹری بھیجا گیا، جب عرصہ تک رسید نہ آئی تو مکتوب الیہ کو بہ طور یاد دہانی لکھا گیا، وہاں سے جواب آیا کہ مجھ کو یاد نہیں کہ بہ ذریعہ رجسٹری تمہارا کوئی نوٹ آیا ہے، مکتوب الیہ بہت بڑے اور معتبر آدمی ہیں، ایسی حالت میں زکاۃ ادا ہوگئی یا دوبارہ دس روپے ادا کرنے ہوں گے؟ (٦٦٠/١٣٤٠ھ)

الجواب: اس صورت میں وہ زکاۃ یعنی دس روپے کی رقم پھر دینی چاہیے [٢] فقط واللہ اعلم (٦/٨٨-٨٩)

مختلف لوگوں کی زکاۃ کی رقموں کو باہم ملاکر اپنے پاس یا بینک میں رکھنا جائز ہے

سوال: (١٥٥)...... (الف) اگر زکاۃ کا روپیہ بہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جاوے تو زکاۃ ادا ہوگی

= = البتہ اگر تمہارے دئے ہوئے روپے اس نے پہلے خرچ کرڈالے، اس کے بعد اپنے روپے غریب کو دئے تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی، یا تمہارے روپے اس کے پاس رکھے تو ہیں لیکن اپنے روپے دیتے وقت یہ نیت نہ تھی کہ میں وہ روپے لے لوں گا تب بھی زکاۃ ادا نہیں ہوئی؛ اب وہ دونوں روپے پھر زکاۃ میں دیوے۔
(اختری بہشتی زیور، حصہ: ٢٩/٣، زکاۃ کے ادا کرنے کا بیان، مسئلہ نمبر: ١٤) محمد امین پالن پوری

(١) حوالہ؛ سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(٢) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء (الدّرّ المختار) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزّكاة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ١٧٦/٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

یا نہیں؟ اس لیے کہ منی آرڈر میں دوسرا روپیہ مرسل الیہ کے پاس پہنچتا ہے۔

(ب) ایک شخص کو کئی اغراض کے لیے کئی قسم کا روپیہ بہ طور چندہ وصول ہوتا ہے، اور ہر ایک قسم کے چندہ کو علیحدہ علیحدہ کھاتے میں درج کر لیتا ہے، لیکن ہر ایک قسم کے روپیہ کو مخلوط کر کے ایک ہی بکس میں رکھتا ہے، اس میں سے لے کر ہر ایک مصارف میں اپنے اپنے مصرف کا چندہ صرف کرتا رہتا ہے؛ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱)

(ج) ایک شخص کو زکاۃ کا روپیہ بہ طور چندہ وصول ہوتا ہے، اور وہ اس روپیہ کو بینک میں بہ طور امانت رکھ دیتا ہے، پھر وقتاً فوقتاً بینک سے اس روپیہ کو لے کر زکاۃ کے مصارف میں صرف کرتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ بینک میں سب کا روپیہ مخلوط رہتا ہے، اس صورت میں زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۰۸۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) جب کہ یہ معلوم ہے کہ روپیہ بدلا جاتا ہے تو گویا مالک کی طرف سے وکلاء یعنی کارکنان ڈاک خانہ کو اجازت تبدیلی کی ہوگئی، لہٰذا جو روپیہ مرسل الیہ کو وصول ہوگا وہ زکوۃ کا روپیہ ہوگا، اور یہ طریق جائز ہے، اور زکاۃ اس طریق سے ادا ہو جاتی ہے۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

(ب) صرف کھاتہ کا علیحدہ علیحدہ ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ہر ایک مد کے روپیہ کو علیحدہ رکھے یا حیلۂ تملیک کرے تا کہ پھر خلط جائز ہو جاوے۔ کما فی عامۃ المدارس والمجالس۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

(ج) اس میں بھی ضرورت اس کی ہے کہ بعد حیلۂ تملیک کے اگر داخل کیا جاوے تو زکاۃ اس کی ادا ہوگئی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم (۱۹۹/۶)

وضاحت: سوال (ب اور ج) کا جواب اصولی طور پر بالکل صحیح ہے، مگر موجودہ حالت میں حیلۂ تملیک کے بغیر بھی اگر زکاۃ کی رقم بینک یا اپنے گھر میں جمع کی جائے تو اس کی گنجائش ہے، درمختار میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص کو دو آدمیوں نے زکاۃ کی رقمیں کسی فقیر کو دینے کے لیے، یا کسی مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے دیں، اور وکیل نے ان دونوں رقموں کو باہم ملا دیا تو خلط کی وجہ سے وکیل ضامن ہوگا ـــــ اس پر علامہ شامی نے فتاویٰ تتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر دونوں شخصوں کی طرف سے رقم خلط کرنے کی اجازت ہو تو پھر ضمان نہیں آئے گا، اور زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ علامہ شامی

(۱) سوال وجواب میں (الف اور ب) کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

نے بحث کے آخر میں فرمایا ہے: ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حینئذٍ دلالةً (ردّ المحتار: ۳/۱۷۵، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً)

اور آج کل عرف عام یہی ہے کہ تمام لوگ اور سب ادارے اپنی رقمیں بینک میں برائے حفاظت رکھتے ہیں، پس دلالۃً زکاۃ دینے والوں کی طرف سے خلط کی اجازت ہے؛ اس لیے حیلۂ تملیک کیے بغیر بھی بینک میں زکاۃ کی رقم برائے حفاظت رکھنا جائز ہے، جیسا کہ منی آرڈر سے زکاۃ کی رقم بھیجنے میں جواز کا فتویٰ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اس سوال کے (الف) کا جواب اور سابقہ تینوں جواب۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۹) محمد امین پالن پوری

ڈاک خانہ یا بینک وغیرہ میں جمع شدہ روپے کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۶)......(الف) جو روپیہ ڈاک خانہ میں تین سال سے جمع ہے اس پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

(ب) جو روپیہ کسی بینک کو بہ طور قرض دیا گیا ہے اس پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

(ج) جو روپیہ گورنمنٹ کو قرض دیا گیا ہے اس پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

(د) جو روپیہ عام طور پر لین دین میں لگایا جاتا ہے اور قرض دیا جاتا ہے اس پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ (۲۰/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-د) ان سب صورتوں میں زکاۃ کا حکم یہ ہے کہ بعد وصول ہونے کے سنین گزشتہ کی بھی زکاۃ دینی واجب ہوگی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۱۳۳-۱۳۴)

زکاۃ کی رقم چوری ہوگئی یا ضائع ہوگئی تو دوبارہ زکاۃ نکالنا واجب ہے

سوال: (۱۵۷) ایک شخص نے ماہ رمضان المبارک میں زکاۃ نکالی کسی قدر اس میں سے

---

(۱) وفي مقر به تجب مطلقًا سواء کان ملیًا أو معسرًا أو مفلسًا کذا في الکافي. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۷۵، کتاب الزّکاة، الباب الأول في تفسیرها وصفتها و شرائطها)

ولو کان الدَّینُ علی مُقِرٍ إلخ فوصل إلی ملکه لزم زکاة ما مضٰی. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۱۷۲-۱۷۳، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

تقسیم کردے، اور کچھ روپیہ رکھ لیا اس غرض سے کہ وقتاً فوقتاً دیتا رہوں گا، اور ایک جگہ روپیہ رکھ دیا کچھ اس میں سے چوری ہوگیا، اور کچھ رکھ کر بھول گیا، اب اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۷۷۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس قدر زکاۃ پھر ادا کرے[1] فقط واللہ اعلم (٦/٩٦)

سوال: (۱۵۸) ایک شخص نے زکاۃ مال کی نکالی اور مال زکاۃ ایک جگہ رکھ دیا، وہاں سے کسی چور نے چرالیا تو زکاۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ (۲۵٦۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ اس کی ادا نہیں ہوئی پھر زکاۃ دینی چاہیے[1] فقط (٦/٨٤)

سوال: (۱۵۹) ایک شخص نے زکاۃ نکالی اور نیت کرلی اور تقسیم کرنا شروع کیا کچھ روپیہ تقسیم کردیا تھا اور کچھ چوری ہوگیا اب اس کی زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ (۱۴۸۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جس قدر روپیہ چوری ہوا اس قدر پھر دینا چاہیے[1] فقط واللہ اعلم (٦/٨٧)

سوال: (۱٦۰) زکاۃ کا نیت کیا ہوا روپیہ کھویا جاوے یا کوئی چرالے تو زکاۃ ادا ہوگئی یا پھر ادا کرنا پڑے گی؟ (۳۹۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زکاۃ ادا نہیں ہوئی پھر ادا کرنی چاہیے[1] فقط واللہ اعلم (٦/١٠٠)

مدیون کو معاف کردینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی

سوال: (۱٦۱) کسی شخص کو بہ نیت اس کے قرض دیا گیا کہ اگر یہ دے دے گا تو لے لیا جاوے گا ورنہ نہیں، تو ایسا شخص مقروض ہے یا نہیں؟ اور دہندہ اگر اس روپیہ کو بہ نیت زکاۃ معاف کردیوے تو زکاۃ ادا ہوجاوے گی یا نہیں؟ (۳۴۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له ـــــ إلٰى قولهٖ ـــــ أو مقارنة بعزل ما وجب كلّه أو بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء (الدّرّ المختار) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزّكاة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۴-۱۷٦، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: وہ شخص مقروض ضرور ہے اور زکاۃ اس طرح ادا نہ ہوگی[1] فقط واللہ اعلم (۶/۲۹۲)

مالک نے جس مستحق کو زکاۃ دینے کا حکم دیا تھا وکیل نے اس کے علاوہ مستحق کو زکاۃ دے دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۶۲) اگر زید عمر کو زکاۃ کا وکیل بناوے کسی خاص مستحق زکاۃ کو مثلاً خالد کو، اگر عمر بکر کو کہ وہ بھی مستحق زکاۃ ہے دے دے تو زید کی زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۲۶۳۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: شامی میں ہے: **وهٰذا حيث لم يأمره بالدّفع إلٰى مُعَيّنٍ ؛ إذ لو خالف ففيه قولان: حكاهُما في القنية إلخ**[2] حاصل یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ قول ہے کہ زکاۃ ادا ہو جاوے گی اور دوسرا یہ کہ ادا نہ ہوگی اور وکیل ضامن ہوگا، پس احتیاط یہ ہے کہ دوسرے کو نہ دے بلکہ اسی کو دے جس کو موکل نے معین کیا ہے[3] فقط واللہ اعلم (۶/۶۴-۶۵)

وکیل خود زکاۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۶۳) زید نے عمرو کو وکیل بنایا کہ مبلغ دس روپے مستحقینِ زکاۃ کو میری طرف سے دے دو، اتفاقاً عمرو خود ہی فقیر ہوگیا، اور وکیل بنانے کے وقت تو وہ غنی تھا، کیا عمرو اس حالتِ فقر میں جب کہ وہ زکاۃ موکل نے مستحقین کے لیے دی تھی خود اپنی صرف میں لا سکتا ہے؟ (۱۴۸۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

لو وهب دَينه من فقير ونوى زكاة دَين آخر له علٰى رجل آخر أو نوى زكاة عين له لم يجز، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۱، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها و شرائطها) ظفیر

(۲) **ردّ المحتار: ۳/۱۷۵-۱۷۶، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً .**

(۳) **وهنا الوكيل إنّما يستفيد التّصرّف من الموكّل وقد أمره بالدّفع إلٰى فلان فلا يملك الدّفعَ إلٰى غيرهٖ كما لو أوصٰى لزيد بكذا ليس للوصي الدّفع إلٰى غيرهٖ. (ردّ المحتار: ۳/۱۷۶، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)** ظفیر

الجواب: وکیل کو موکل کی زکاۃ اپنے صرف میں لانا اور خود رکھ لینا جائز نہیں ہے، مگر جب کہ اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ جہاں چاہے صرف کرے۔ کما في الدّرّ المختار: وللوکیل أن یدفع لولده الفقیر و زوجته لا لنفسهٖ إلاّ إذا قال ربها: ضعها حیث شئت إلخ[1] پس اگر بعد میں وکیل فقیر ہوگیا، اور موکل نے یہ کہا تھا کہ جس جگہ چاہے صرف کر تو وہ خود رکھ سکتا ہے۔ فقط (۶/۲۸۶-۲۸۷)

جس کو زکاۃ کی رقم تقسیم کرنے کے لیے دی تھی اُس نے خود خرچ کر لی تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی

سوال: (۱۶۴) زید نے عمر کو لکھا کہ زکاۃ کا روپیہ فلاں فلاں کو تقسیم کر دینا، عمر نے وہ روپیہ زکاۃ کا خود رکھ لیا اور صرف کر لیا اگر زید اب اجازت دے دے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی یا نہ؟

(۱۴۷۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وللوکیل أن یدفع لولدهِ الفقیر و زوجته لا لنفسهٖ إلاّ إذا قال ربها: ضعها حیث شئت (الدّرّ المختار) وفي الشّامي: وهٰذا حیث لم یأمره بالدّفع إلٰی معیّن إلخ[2] اس سے معلوم ہوا کہ ہرگاہ زید نے معین کر دیا تھا کہ فلاں فلاں کو زکاۃ دینا تو اس صورت میں عمر کو اس کا خلاف کرنا درست نہیں ہے اور خود رکھ لینے اور صرف کر لینے میں زکاۃ زید کی ادا نہیں ہوئی، اس کے ذمے ضمان اس روپے کا واجب ہے اور بعد صرف کر لینے کے زید کا جائز رکھنا کافی نہیں ہے، اور اس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۹۷-۹۸)

مدرسہ کی زکاۃ کا روپیہ کسی نے اپنی ضرورت میں خرچ کر لیا پھر ادا کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۶۵) ایک شخص کے پاس مہتمم مدرسہ نے کچھ روپیہ زکاۃ کا طلبہ کے صرف کے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۵-۱۷۶، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۵-۱۷۶، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً.

واسطے رکھ دیا تھا، اس کو کچھ ضرورت پیش آئی، اس نے وہ روپیہ بلا اجازت مہتمم مدرسہ اپنے خرچ میں صرف کرلیا، اور پھر ادا کر دیا تو اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ (۱۰۰۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس کو صرف کرنا جائز نہ تھا لیکن ادا کرنے کے بعد وہ بری ہو گیا[۱] فقط (۶/۳۳۸)

کسی نے تفصیل بیان کیے بغیر کچھ روپیہ دوسرے کو دیا، اُس نے اُس روپیہ کو خرچ کر دیا، پھر زکاۃ کی نیت کر کے مدرسہ میں دے دیا تو زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۱۶۶)...... (الف) زید نے عمر سے زکاۃ کے لیے کہا کہ کچھ روپیہ زکاۃ کا دے دو میں مدرسہ یا طلبہ کے خرچ میں لگا دوں گا، عمر نے زید کے کہنے سے کچھ روپیہ دے دیا اور کوئی تفصیل بیان نہیں کی، اتفاق سے زید کو روپیہ کی ضرورت اپنے خرچ ذاتی کے لیے ہوئی جو روپیہ زکاۃ کا عمر کا آیا ہوا رکھا ہوا تھا بہ طریق قرض لے کر خرچ کرلیا، اور بعد چند ایام کے اس کی طرف سے نیت زکاۃ کی کر کے مدرسہ میں دے دیا زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ اگر زکاۃ ادا نہیں ہوئی تو اب کس طریق سے ادا کی جاوے؟ اور جو روپیہ بہ نیتِ زکاۃ دیا ہوا اس کا کیا حکم ہے؟ اور زید میں اس قدر قوّت نہیں ہے کہ عمر کی ملک روپیہ کر دے، البتہ وہ عمر سے یہ کہہ سکتا ہے کہ روپیہ تمہارا زکاۃ کا خرچ ہو گیا تھا، اور روپیہ تمہاری طرف سے دے دیا ہے۔

(ب) زید نے عمر کو کچھ روپیہ چند اشیاء خرید کرنے کے لیے دیا، اس میں کچھ اشیاء خرید کر بھیج دیں اور باقی روپیہ کو اپنے ذاتی خرچ میں لگا لیا جس وقت روپیہ دیا تھا، کوئی ذکر اس روپیہ کا نہیں آیا تھا کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو خرچ کر لینا، لیکن اگر اس وقت ذکر آتا تو چوں کہ معاملہ واحد ہے غالباً انکار نہ کرتے، زید نے باقی ماندہ روپیہ کو یہ کہلا بھیجا کہ جس قدر روپیہ بچا ہوا ہے وہ مدِ زکاۃ میں شمار کریں

---

(۱) في "الأصل": إذا كانت الوديعة دراهم أو دنانير أو شيئًا من المكيلات والموزونات، فأنفق المودع طائفة منها في حاجة كان ضامنًا لما أنفق فيها ولم يصر ضامنًا لما بقي منها إلخ، واختلف المشائخ رحمهم الله تعالىٰ في تخريج المسألة، بعضهم قالوا: لم يضمن أصلاً، وبعضهم قالوا: ضمن، ثمّ برئ بالرّدّ إلىٰ مكانه، وهو الصّحيح إلخ. (المحيط البرهاني: ۸/۳۰۸، كتاب الوديعة، الفصل السّابع في ردّ الوديعة، المطبوعة: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، باكستان)

اور مدِ زکاۃ میں خرچ کریں، اس کے کہنے پر جواب آیا کہ مدِ زکاۃ میں دے دیا ہے، اس صورت میں زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

(ج) ماہ رمضان میں زکاۃ کا روپیہ علیحدہ رکھ دیا، بعد چند ایام کے اس کو اپنی ضرورت میں خرچ کرلیا، پھر بہ نیت زکاۃ ادا کرلیا؛ یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ اور ثواب مہینہ رمضان کا ہوگا یا نہیں؟

(د) زید نے چند جگہ سے زکاۃ کا روپیہ جمع کیا اور اپنے خرچ میں بہ طریق قرض لے کر صَرف کیا، زید صاحبِ نصاب ہے؛ لیکن اس قدر طاقت نہیں کہ دفعۃً روپیہ زکاۃ کا ادا کرے، روپیہ زکاۃ کا اس طریق سے ادا کر رہا ہے کہ کچھ ماہوار اپنے خرچ میں سے کم کرکے زکاۃ میں دیتا ہے، اس طریق سے زکاۃ دونوں کی ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ یا جو صورت ادائیگی کی ہو شرعًا اس سے مطلع فرماویں؟

(۱۵۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں عمر کی زکاۃ ادا نہیں ہوئی، زید کو عمر کا روپیہ دینا چاہیے اور اب بعد خرچ ہوجانے روپیہ کے عمر سے اجازت لے لینا مفیدِ سقوطِ زکاۃ نہیں ہے۔ قولہ:

(والمال قائمٌ في يد الفقير) بخلاف ما إذا نوى بعد هلاكه، بحر (۱) (شامي)

(ب) اس صورت میں زکاۃ ادا ہوگئی (۲)

(ج) یہ فعل جائز ہے اور زکاۃ ادا ہوگئی مگر ماہ رمضان المبارک میں دینے کا ثواب نہیں ہوا (۲)

(د) پہلے زکاۃ دینے والوں سے یہ صورت بیان کردے، پھر ان کی اجازت کے بعد ان کی طرف سے زکاۃ دیا کرے تو ادا ہوجاوے گی (۳) فقط واللہ اعلم (۱۰۲/٦-۱۰۴)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۷۴/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

(۲) درمختار میں ہے: وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكمًا ...... أو نوى عند الدّفع للوكيل، ثمّ دفع الوكيل بلا نيّة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳-۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

(۳) قال في التّتارخانية: إلّا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان اهـ أي أجازا قبل الدّفع إلى الفقير. (ردّ المحتار: ۱۷۵/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

بلا طلب دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: (۱۶۷) کوئی شخص زکاۃ کا روپیہ کسی مستحق کو بلا اس کے طلب کرنے اور کہنے کے دے دیوے تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۳۸۸ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جاوے گی کیوں کہ جس کو زکاۃ دی جاوے اس پر ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ وہ محل اور مصرفِ زکاۃ ہونا چاہیے [1] فقط واللہ اعلم (۹۰/۶)

زکاۃ کا نام لیے بغیر زکاۃ کی رقم دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: (۱۶۸) اگر اپنا عزیز زکاۃ کے نام سے روپیہ لیتا ہوا شرماوے، اس کو اس طرح سے کہہ کر زکاۃ دینا کہ تو اس کے کپڑے بنوا لینا یا بچوں کے کپڑے بنوا دینا درست ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۹/۲۵۸۳ھ)

الجواب: اس طرح دینا جائز ہے اور زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اپنی نیت دل میں زکاۃ کی کر لینا کافی ہے جس کو دی جاوے، اس پر ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے [2] فقط واللہ اعلم (۱۹۶/۶-۱۹۷)

جس کو زکاۃ دی جائے اس کو زکاۃ سے آگاہ کرنا ضروری نہیں

سوال: (۱۶۹) جس کو زکاۃ دے اس کو مطلع کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

(۱۳۸۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ضروری نہیں۔ فقط واللہ اعلم (۲۰۶/۶)

---

(۱) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء (الدّرّ المختار) والمراد مقارنتها للدّفع إلى الفقير. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۷۴/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) ولا يجوز أداءُ الزّكاة إلّا بنيّة مقارنة للأداء، أو مقارنةٍ لِعزلِ مقدارِ الواجب إلخ.
(الهداية: ۱۸۸/۱، كتاب الزّكاة، قبل باب صدقة السّوائم) ظفير

سوال: (۱۷۰) مدارس میں زکاۃ کے روپے سے چندہ دیا جاتا ہے، اور دینے والے کہتے ہیں کہ ہم زکاۃ کا روپیہ دیتے ہیں، مگر لینے والا نہیں جانتا کہ کیسا روپیہ ہے؟ اس میں زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۹۰۵ھ)

الجواب: اس طرح لوگوں کا روپیہ مدرسہ میں دینا درست ہے، مگر لینے والے کو چاہیے کہ وہ اس طرح صرف کرے کہ جس میں دینے والے کی زکاۃ ادا ہوجاوے[1] فقط واللہ اعلم (۲۰۰/۶)

محتاج کو بتائے بغیر زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہوجاتی ہے

سوال: (۱۷۱)...... (الف) زید چوں کہ غنی ہے اور زکاۃ ادا کرتا ہے، لہٰذا اگر زید اپنے چچازاد بھائی بہن کو جو کہ مفلس اور محتاج ہیں زکاۃ دے، اور ان کو نہ بتلاوے کیوں کہ اگر ان کو یہ خبر ہوگئی کہ یہ زکاۃ ہے تو وہ ناراض ہوں گے، ایسی صورت میں اگر زید ان کو زکاۃ دے اور نہ بتلائے کہ یہ زکاۃ ہے تو زکاۃ کے ادا ہونے میں کوئی کلام تو نہیں؟

(ب) اور اس زکاۃ کے دینے میں علاوہ ادائے فرض زید کو صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا یا نہیں؟

(ج) چوں کہ زید نے زکاۃ کی خبر انہیں نہیں دی اور قرینہ سے جانتا ہے کہ اگر انہیں معلوم ہوتا تو نہ لیتے یا ناراضی ظاہر کرتے اس لیے زید پر کوئی مواخذہ تو نہیں؟

(د) زید چوں کہ اسے زکاۃ دینے میں رواجًا شرما شرمی صلہ (رحمی) سے گریز کرنا چاہتا ہے؛ اس لیے زید پر مواخذہ شرعی یا کم از کم ملامت تو نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۶۲۴ھ)

الجواب: (الف) زکاۃ کے ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دینے والے کی نیت زکاۃ کی ہو، اور جس کو دی جاوے وہ محل اور مصرف زکاۃ کا ہو، یہ شرط نہیں کہ اس کو اطلاع زکاۃ کی بھی کی جاوے، پس اگر زید نے اپنے اعمام یا بنی اعمام کو جو محتاج اور مصرف زکاۃ ہیں زکاۃ دی، اور ان سے یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ زکاۃ ہے، تو زکاۃ ادا ہوگئی۔ وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء

---

(۱) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء إلخ ، أو نوى عند الدّفع للوكيل ، ثمّ دفع الوكيل بلا نيّة ...... أو مقارنة بعزل ما وجب كلّه أو بعضه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۶-۱۷۴/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(الدّرّ المختار) قوله: (نيّة) أشار إلى أنّه لا اعتبار للتّسميّة ؛ فلو سمّاها هبةً أو قرضًا تجزيه في الأصحّ إلخ [۱] (شامي)

(ب) صلہ رحمی کا بھی ثواب ملے گا۔ كما جاء في الحديث: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: الصّدقة على المسكين صدقةٌ وهي على ذي الرّحم ثنتان: صدقةٌ وصلةٌ، رواه أحمد والتّرمذي وغيرهما [۲] (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۱، كتاب الزّكاة، باب أفضل الصّدقة)

(ج) کچھ مواخذہ نہیں۔

(د) کچھ مواخذہ اور ملامت نہیں، بلکہ حدیث سابق سے ظاہر ہوا کہ یہ صلہ رحمی بھی ہے، اور زکاۃ بھی ادا ہو جاوے گی، اور دوہرا ثواب اس کو ملے گا (ادائے زکاۃ کا اور صلہ رحمی کا) [۳] فقط

(۲۰۳-۲۰۲/۶)

دھوکے سے جو روپیہ غریب کو دے دیا وہ نیت سے زکاۃ میں شمار ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۱۷۲) زید نے ایک سو ساٹھ روپیہ عمر کے پاس بھیجے اور لکھ دیا کہ سو روپیہ تمہارے ہیں، اور ساٹھ روپیہ خالد کے لڑکوں کے ہیں، (عمر) [۴] سے حروف کے پڑھنے میں غلطی ہوئی؛ اس بناء پر وہ یہ سمجھا کہ سو روپے خالد کے لڑکوں کے ہیں، اور ساٹھ روپے میرے ہیں؛ چنانچہ اس نے سو روپے خالد کے لڑکوں کو دے دیئے، خالد کے لڑکے غنی نہیں ہیں، اور عمر خالد کے لڑکوں سے چالیس روپے واپس لینا مناسب نہیں سمجھتا، لہٰذا وہ روپے زکاۃ میں مجرا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ (۸۱۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۷۴/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

(۲) عن سليمان بن عامر قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: الصدقة على المسكين الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۱، كتاب الزّكاة، باب أفضل الصّدقة، الفصل الثّاني)

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (عمر) کی جگہ ''زید'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

الجواب: اگر وہ روپیہ ان کے پاس موجود ہے تو نیت زکاۃ کی ہوسکتی ہے ورنہ نہیں، درمختار میں ہے: **كما لو دفع بلا نيّة ثمّ نوى والمال قائم في يد الفقير إلخ**[1] فقط (۷۸/٦-۷۹)

زکاۃ کی رقم مسکین کے ہاتھ میں دیے بغیر اس کی اجازت سے ٹکٹ خرید کردے دیا تو زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۱۷۳) ایک سیٹھ صاحب زکاۃ اس طرح مسکینوں مسافروں کو دیتے ہیں کہ جس جگہ مسافر مسکین کو جانا ہوتا ہے اپنے آدمی کو اس کے ہمراہ بھیج کر اسٹیشن سے ٹکٹ دلا دیتے ہیں، اور نقد پیسے اس کے ہاتھ میں نہیں دیتے، اگر مسافر کسی عذر کی وجہ سے نہ جاوے اور ٹکٹ ردی ہو جاوے تو اس سیٹھ صاحب کی زکاۃ ادا ہوگی یا نہ؟ (۲۲۷۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وہ آدمی سیٹھ صاحب کا جب کہ اس مسکین کی اجازت سے ٹکٹ خریدتا ہے تو وہ آدمی نائب اور وکیل اس مسکین کا قبض زکاۃ اور خرید ٹکٹ میں ہو جاتا ہے، جیسا کہ وہ آدمی وکیل اور نائب سیٹھ صاحب کا ہے، لہٰذا زکاۃ سیٹھ صاحب مذکور کی اس صورت میں ادا ہو جاتی ہے، پھر اگر وہ مسافر بہ وجہ کسی عذر کے سفر میں نہ جاوے اور ٹکٹ ردی ہو جاوے تب بھی زکاۃ ادا ہو چکی[2] فقط (۱۹۷/٦)

مستحق کی اجازت یا بلا اجازت زکاۃ کی رقم اس کے گھر کی مرمت میں خرچ کردی تو زکاۃ ادا نہیں ہوگی

سوال: (۱۷۴)...... (الف) زید زکاۃ کا روپیہ بکر کو دینا چاہتا ہے مگر بکر موجود نہیں، زید نے زکاۃ کا روپیہ بکر کے مکان کی مرمت وغیرہ میں لگا دیا، اور بکر کو خط لکھ دیا کہ ہم نے اس قدر روپیہ تمہارے کام میں صرف کر دیا ہے جس کے وصول کرنے کا تم سے کوئی دعوی نہیں اس صورت میں

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳-۱۷۵، کتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً .

(۲) إلّا إذا وكّله الفُقراءَ (الدرّ المختار) لأنّه كلّما قبض شيئًا ملكوه. (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۷۵/۳، کتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(ب) زید نے بکر کو خط لکھا کہ اس قدر روپیہ ہم تمہارے فلاں کام میں خرچ کرنا چاہتے ہیں، اور تم سے کبھی وصول کرنے کا ارادہ نہیں ہے، بکر نے لکھ دیا کہ کردو تب زید نے زکاۃ کا روپیہ اس کے مکان وغیرہ کی مرمت میں لگا دیا اس صورت میں زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۲۹۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں زکاۃ ادا نہ ہوگی بلکہ یہ ضروری ہے کہ بکر کو اوّل وہ روپیہ زکاۃ کا دے کر اس کو قطعی طور سے مالک بنا دیا جاوے، پھر وہ اپنی طرف سے مکان بناوے یا مرمت کرے (۱)

(ب) اس صورت میں بھی زکاۃ ادا نہ ہوگی، الغرض جس کو زکاۃ دی جاوے پہلے اس کو مالک بنا دیا جاوے بہ شرطیکہ وہ مالک نصاب نہ ہو (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۴۱)

سرکاری ٹیکس میں دیا ہوا روپیہ زکاۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا

سوال: (۱۷۵) سرکار تجارت کے منافع پر اور مکانات کے کرایہ پر ٹیکس لیتی ہے یہ زکاۃ میں محسوب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۷۴۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: ٹیکس میں جو کچھ روپیہ دیا جاتا ہے وہ زکاۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا، زکاۃ علیحدہ ادا کرنی چاہیے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۴۶-۱۴۷)

---

(۱) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۶ كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

(۲) أخذ البغاة والسّلاطين الجائرة زكاة إلخ ، لا إعادة علىٰ أربابها إن صُرف المأخوذ في محلّه الاٰتي ذكرُه وإلّا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين اللّٰه (الدّرّ المختار) ويظهر لي أن أهل الحرب لو غلبوا على بلدة من بلادنا كذٰلك لتعليلهم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۹۸-۱۹۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه) ظفیر

روپے کے بجائے اٹھنّی چونّی دینے سے بھی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: (١٧٦) ایک شخص کے ذمے پانچ روپے زکاۃ کے واجب ہیں، اس نے ادائے زکاۃ میں مثلاً دس اٹھنی یا بیس چونی نکال کر دی تو زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ (١٠٣١/١٣٣٨ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا ہو گئی (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٨٣/٦)

زکاۃ میں روپیہ کے بجائے غلہ یا کپڑا دینے سے بھی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: (١٧٧) زکاۃ میں بجائے روپیہ کے غلہ یا کپڑا اپنے گھر سے دیوے بازار کے بھاؤ سے تو زکاۃ ادا ہوئی یا کیا؟ اور اگر بازار سے خرید کر دے تب کیا حکم ہے؟ (٣٥٥/٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: دونوں صورتوں میں زکاۃ ادا ہو گئی خواہ گھر سے غلہ و کپڑا وغیرہ حساب کر کے دیوے یا بازار سے خرید کر دیوے (٢) فقط واللہ اعلم (٨٤/٦-٨٥)

زکاۃ کی رقم سے کپڑا بنا کر دینا درست ہے

سوال: (١٧٨) زکاۃ کے روپیہ میں سے مستحق زکاۃ کو اگر کپڑے بنا کر دیئے جاویں جائز ہے یا نقد (دینا ضروری ہے؟) (٢٥٩٥/١٣٣٧ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپیہ سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دے دیئے جاویں تو یہ بھی درست ہے، فقط واللہ اعلم (١٩٦/٦)

سوال: (١٧٩) اگر کوئی زکاۃ کا غلہ فروخت کر کے کسی مسکین کو کھانا یا کپڑا بنا دے تو درست ہے یا نہیں؟ (٥٠/١٣٣٥ھ)

الجواب: درست ہے (٢) فقط واللہ اعلم (٢٠١/٦)

---

(١) جس طرح روپے سے زکاۃ ادا ہوتی ہے، اٹھنّی چونّی سے بھی ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ بھی رائج الوقت سکہ کے حکم میں ہے۔ واللہ اعلم ظفیر

(٢) وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ١٩٥/٣، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم) ظفير

زکاۃ کے مال سے کھانا پکا کر یا کوئی چیز خرید کر دینا درست ہے

سوال: (۱۸۰) زکاۃ کے مال کا کھانا پکا کر کھلا دیا جائے یا کوئی چیز خرید کر دے دی جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۸۲۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (۲۰۵/۶)

وضاحت: زکاۃ کے مال سے کھانا پکا کر غریبوں کو دے دیا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور اپنے گھر میں بٹھا کر کھلایا تو زکاۃ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ زکاۃ میں تملیک شرط ہے، اباحت کافی نہیں۔

قوله: (تمليكًا) فلا يكفي فيها الإطعام إلّا بطريق التّمليك، ولو أطعمه عنده ناويًا الزّكاة لا تكفي. (ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

وأخرج بالتّمليك الإباحة، فلا تكفي فيها، فلو أطعم يتيمًا ناويًا به الزّكاة لا تجزيه؛ إلّا إذا دفع إليه المطعوم إلخ. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح: ص:۷۱۴، كتاب الزّكاة، المطبوعة: دار الكتاب ديوبند) محمد امین پالن پوری

قربانی کی کھال بیچ کر مسکینوں کو کھانا کھلانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۸۱) قربانی کا چمڑا، اہل قربانی فروخت کر کے کھانا مسکینوں کو کھلا سکتا ہے یا کپڑا بنا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ (۲۸۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: کپڑا خرید کر مساکین کو دینا درست ہے، اور کھانا بھی کھلانا درست ہے، بہ شرطیکہ ان کو مالک اس کھانے کا کر دیا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۵/۶)

---

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

ودليله ما قال في الدّرّالمختار: فإنّ بيع اللّحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدّق بثمنه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۸/۹، كتاب الأضحية)

وأيضًا قال في الجلد الثّاني: إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض قال في ردّ المحتار تحت قوله: (بشرط أن يعقل القبض): لأنّ التّمليك في التّبرّعات لايحصل إلّا به فهو جزء من مفهومه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۱/۳، كتاب الزّكاة) ظفیر

زکاۃ کے روپے سے چاول خرید کر فقیروں کو بھیک دینے سے زکاۃ ادا ہوجاتی ہے

سوال: (١٨٢) زکاۃ کے روپیہ سے چاول خرید کر سال بھر تک فقیر کو بھیک دینے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہ؟ (١٥١٩/٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: ادا ہوجاوے گی [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٢٣٣/٦)

زکاۃ کی رقم سے کپڑے یا کتابیں خرید کر دینے سے زکاۃ ادا ہوجاتی ہے

سوال: (١٨٣) مدرسہ میں جو روپیہ زکاۃ کا آتا ہے، اس کو مہتمم مدرسہ نقد طلبہ کو دے یا کتابیں یا کپڑا خرید کر بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟ (١٥٨٨/١٣٣٥ھ)

الجواب: نقد دے خواہ کپڑا خرید کر تقسیم کردے یا کتابیں خرید کردے دے سب جائز ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٢١٥/٦)

سوال: (١٨٤) میں تجارت پیشہ شخص ہوں، اس سال کی زکاۃ کے جتنے روپیہ نکلے تھے، اس کے بجائے میں نے کتابیں طلباء کو دے دی ہیں، زکاۃ ادا ہوگئی اور کوئی نقص تو اس میں نہیں ہے؟ (٥٩١/١٣٤٢ھ)

الجواب: اس صورت میں کتابوں کی قیمت مذکورہ لگا کر کتابیں زکاۃ میں دینا درست ہے، اس طرح زکاۃ ادا ہوجاتی ہے اور کچھ نقص اس میں نہیں ہے [2] فقط واللہ اعلم (٢٠٠/٦)

---

(١) وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ١٩٥/٣، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم) ظفير

(٢) وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفّارة غير الإعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ١٩٥/٣-١٩٦، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم ، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه)

ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٦٣/٣، كتاب الزّكاة ، باب المصرف) ظفير

سوال: (۱۸۵) زکاۃ کے روپے سے طلباء کو کتابیں یا پارے دلانا درست ہے کہ نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۱ھ)

الجواب: جائز ہے [۱] فقط واللہ اعلم (۲۰۰/۶)

زکاۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر کسی مدرسہ کے کتب خانہ میں رکھنے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی

سوال: (۱۸۶) مال زکاۃ سے اگر کوئی شخص کسی مدرسہ اسلامیہ کے کتب خانہ کے واسطے جو محتاج طلبہ کے لیے قائم کیا جائے (کتابیں خریدے) اس سے مدرسین اور دیگر اغنیاء استفادہ حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۹۰۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زکاۃ میں تملیک محتاج شرط ہے بدون تملیک یعنی مالک بنانے کے زکاۃ ادا نہ ہوگی، پس اوّل تو رقم زکاۃ ویسے غرباء طلباء کو تقسیم کرے اور اگر کپڑے یا کتابیں اس سے بنادے یا خریدے تو وہ مملوک غرباء کی کر دیوے یعنی ان کو دے دیوے اور تقسیم کر دیوے، کسی مدرسہ کے کتب خانہ میں وہ کتب رکھنے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی [۲] فقط واللہ اعلم (۲۶۱/۶-۲۶۲)

زکاۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر اپنے پاس رکھنے یا کسی عالم کو دینے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۸۷)...... (الف) زکاۃ کے روپیہ سے کتابیں خرید کر بہ غرض مسائل دیکھنے کے اپنے پاس رکھنے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) يصرف المزكّي إلى كلّهم أو إلى بعضهم إلخ تمليكًا لا إباحةً . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۲/۳-۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۲) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً .... لا يصرف إلى بناء نحو مسجد (الدّرّ المختار) كبناء القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار والحجّ والجهاد وكلّ ما لا تمليك فيه؛ زيلعي . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

(ب) زکاۃ کے روپے سے کتابیں خرید کر کسی عالم کو دینے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہ؟[۱]

(ج) اگر زکاۃ کے روپے سے کتابیں خرید کر اپنی ملک میں رکھیں جس کو ضرورت ہو وہ دیکھ لے، مگر کسی کو لے جانے کی اس طور سے اجازت نہیں کہ وہ مالک بن جائے، اس حالت میں زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۸۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف) پہلی صورت میں زکاۃ ادا نہ ہوگی[۲]

(ب) اگر وہ عالم صاحب نصاب نہ ہوں تو وہ کتابیں ان کی ملک کر دینے سے زکاۃ ادا ہو جاوے گی۔

(ج) اس صورت میں بھی زکاۃ ادا نہ ہوگی[۲] فقط واللہ اعلم (٦/۱۹۸)

زکاۃ کے روپے سے قرآن خرید کر امیر و غریب میں تقسیم کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۸) زکاۃ کے روپے سے قرآن خرید کر امیروں اور غریبوں اور لڑکوں کو تقسیم کرنا کیسا ہے؟ (۱۱۹۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: قرآن شریف زکاۃ کے روپے سے خرید کر اگر غریب لڑکوں یا بڑوں کو تقسیم کر دیئے جاویں تو یہ جائز ہے، اور زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور جو قرآن شریف امیروں کو دیا اس کی قیمت کے موافق زکاۃ ادا نہ ہوگی وہ پھر دینی ہوگی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۷۳)

---

(۱) سوال و جواب میں (ب) کی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة لهٗ أي للأداء إلخ ، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۴-۱۷٦، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)**

مصرف الزّكاة إلخ ، هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب إلخ، ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵٦-۲٦۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

جانوروں کی زکاۃ کے احکام

جن جانوروں کو گھاس خرید کر کھلائی جاتی ہے اُن میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۸۹) ایک شخص کے پاس چار بھینس، چار بیل، تین گائے، ایک گھوڑا اور ایک اونٹ؛ تخمیناً ایک ہزار روپیہ کی مالیت کے ہیں، اور ان کو گھاس مول خرید کر کھلایا جاتا ہے کیا ان جانوروں میں زکاۃ شرعی ہے یا نہیں؟ (۱۰۰۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر وہ جانور تجارت کے لیے نہیں ہیں تو ان میں زکاۃ نہیں ہے (۱) فقط (۱۰۶/۶)

زراعت یا دودھ کے لیے جو جانور پالے ہیں ان میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۰) زراعت کے لیے کوئی شخص جانور پالے اور ان کے ساتھ گائے بھینس بھی متعدد رکھے تاکہ ان کے دودھ سے اہل وعیال کی غذا ہو، اور بچے ان کی زراعت میں کام آویں تو کیا ایسے جانوروں کی ہر سال زکاۃ نکالنی چاہیے جب کہ جانور وسیع جنگل میں رکھے گئے ہیں، اور سرکار میں اس اراضی کا مقررہ محصول ادا کیا جاتا ہے؟ بینوا توجروا (۱۹۰۴/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) وليس في دور السّكنیٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ودوابّ الرّكوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة: لأنّها مشغولة بالحاجة الأصلية. (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزّكاة)

ولا في ثياب البدن ـــــ إلیٰ قوله ـــــ ونحوها وكذا الكتب، وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتّجارة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۰، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

وشرطه ...... حولان الحول ...... وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير إلخ أو نيّة التّجارة. (الدّرّالمختارمع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: زراعت کے لیے جو جانور پرورش کیے گئے ہوں اگر چہ سائمہ ہوں ان میں زکاۃ واجب نہیں ہے، اور دودھ پینے اور نسل حاصل کرنے وغیرہ کے لیے جو جانور پالے جائیں اور وہ سائمہ ہوں ان میں زکاۃ واجب ہے بہ شرطیکہ نصاب کو پہنچ جاویں (١) فقط واللہ اعلم (١٠٥/٦)

جن جانوروں کو چارہ گھر پر کھلایا جاتا ہے ان میں زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (١٩١) میرے پاس دو (٢) بھینس ایک بھینسا، سترہ گائے، تین بیل، بچہ گائے تیرہ، کل چھتیس جانور ہیں جن کو گھاس شب کو ملازموں سے کٹوا کر کھانے کو دی جاتی ہے، اور دانا بھی دیا جاتا ہے ایسے جانوروں پر زکاۃ ہے یا نہ؟ (٦٤٥/١٣٤٣ھ)

الجواب: ان جانوروں میں زکاۃ واجب نہیں ہے، جیسا کہ شامی میں ہے: إذ لو حمل الكلاء إليها في البيت لا تكون سائمةً إلخ (٢) فقط واللہ اعلم (١٠٥/٦-١٠٦)

زراعت اور سواری کے جانوروں میں زکاۃ نہیں ہے

سوال: (١٩٢) بیل زراعت کے، اور گھوڑے سواری کے، اور گائے دودھ پینے کی ان جانوروں میں زکاۃ ہے یا کیا؟ (٣٢٥/٣٢-١٣٣٣ھ)

الجواب: ان جانوروں کی زکاۃ نہیں ہے (٣) فقط واللہ اعلم (١٠٦/٦)

---

(١) هي الرّاعيةُ ، وشَرْعًا الْمُكْتَفِيَةُ بالرَّعْيِ المباحِ ...... في أكثرِ العام لقصد الدّرّ والنَّسْلِ إلخ ، والزّيادةِ والسّمنِ لِيَعُمَّ الذُّكُوْرَ فقط ، لكن في البدائع: لو أسامَها للَّحمِ فلا زكاة فيها كما لو أسامها للحَمْلِ والرّكُوبِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ١٨٢/٣-١٨٣، كتاب الزّكاة، باب السّائمة) ظفير

(٢) ردّ المحتار: ١٨٣/٣، كتاب الزّكاة، باب السّائمة .

(٣) وليس في العوامل والحوامل والعلوفة صدقة. (الهداية: ١٩٢/١، كتاب الزّكاة، باب صدقة السّوائم ، فصل بعد فصل في الخيل)

بکریوں کے ساتھ ان کے بچوں کی بھی زکاۃ واجب ہوگی

سوال: (۱۹۳) بکریوں کی زکاۃ میں بچوں کی زکاۃ آوے گی اور بچے بڑوں کے ساتھ شمار ہوں گے یا نہیں؟ (۳۳۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بڑوں کے ساتھ میں شمار ہوں گے زکاۃ سب کی آوے گی [1] فقط واللہ اعلم (۱۰۶/۶)

❐❖❐

(۱) ولا في حمل —— إلی قولہٖ —— إلّا تبعًا لکبیر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹۲/۳، کتاب الزّکاۃ، باب زکاۃ الغنم) ظفیر

سونا، چاندی، زیور اور نقد کی زکاۃ کے احکام

سونے چاندی کے نصاب میں تفاوت کیوں ہے؟

سوال: (۱۹۴) زکاۃ ان لوگوں پر واجب ہے جن کے پاس ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے ۷ تولہ سونا سال بھر تک رہا ہو، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی کو ساڑھے ۷ تولہ سونا سے کیا نسبت ہے؟ مثلاً: چاندی کا نرخ اگر روپیہ تولہ ہے تو اس کی قیمت صرف ۵۲ روپیہ ۸ آنے ہوتی ہے اور اگر سونے کا نرخ ۳۰ روپیہ تولہ ہو تو اس کی قیمت ۴۲۵ روپے ہو جاتے ہیں، کیا پہلے زمانے میں مذکورہ بالا وزن سونے اور چاندی کی قیمت برابر ہوا کرتی تھی؟ (۱۷۳۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: زمانۂ آنحضرت ﷺ میں اور اس کے بعد بھی ایک زمانے تک چاندی اور سونے کی قیمت میں تقریباً اسی قدر تفاوت تھا جس قدر ان کے نصاب میں تفاوت ہے، اُس زمانے میں ایک دینار سونے کا دس درہم نقرہ کی قیمت کے برابر تھا، اس حساب سے سونا تقریباً دس روپیہ تولہ ہوتا تھا[1] فقط واللہ اعلم (۱۰۷/۶)

---

(۱) وفي الهداية: كلّ دينار عشرة دراهم في الشّرع (ردّ المحتار: ۲۱۱/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) اس سے پہلے ہے۔ حاصله أنّ الدّينار اسم للقِطعة من الذّهب المضروبة المقدّرة بالمثقال فاتّحادهما من حيث الوزن. (ردّ المحتار: ۲۰۷/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت بیس مثقال سونے کی تھی وہی قیمت دو سو درہم کی بھی تھی، اب بہت تفاوت ہے، حکم میں چوں کہ صراحت ہے اس لیے کوئی ردّ و بدل ہو نہیں سکتا۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

سونا چاندی کا نصاب ہندوستانی وزن اور روپے سے کس قدر ہے؟

سوال: (۱۹۵) آنجناب نے سونے چاندی کا نصاب ہندوستان کے وزن اور روپے سے کس قدر لکھا ہے؟ روپیہ کتنے ماشہ کا قرار دیا گیا ہے اور کتنے روپیہ بھر نصاب ہوتا ہے؟ (۲۲۹۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے بہ وزن سبعہ؛ یعنی دس درہم برابر سات مثقال کے ہوں(۱) اس کے وزن کا جو حساب روپیہ اور تولہ ماشہ سے کیا گیا تو ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے، پس اگر روپیہ کا وزن پورا ایک تولہ کا ہے تو ساڑھے باون روپے نصاب زکاۃ کا ہے(۲) اور سونے کا نصاب بیس مثقال ہے جو برابر ۱/۲ ۷ تولہ کے ہوتا ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو نصاب پورا ہے، اور یہ حساب اس طرح کیا گیا ہے کہ مثقال کو ساڑھے چار ماشہ کا قرار دیا گیا جیسا کہ معروف ہے، پس دوسو درہم بہ وزن سبعہ ۱۴۰ مثقال کے برابر ہوگئے، اور بہ اعتبار ماشہ کے ۶۳۰ ماشہ ہوگئے، اس کو ۱۲ پر تقسیم کرنے سے ۱/۲ ۵۲ تولہ خارج قسمت ہوئی۔ فقط واللہ اعلم (۶/۱۱۱-۱۱۲)

چاندی یا چاندی کے زیور کی زکاۃ میں کس نرخ کا اعتبار ہوگا؟

سوال: (۱۹۶) چاندی یا زیور چاندی کا خریدا، جب کہ نرخ ۱۲ آنے فی تولہ تھا، سال گزرنے پر چاندی کا نرخ دس آنے فی تولہ ہوگیا، یا اس کے برعکس صورت پیش آوے زکاۃ نرخ خریداری پر لگائی جاوے یا نرخ بازار پر؟ (۱۴۷۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: چاندی اور سونے یا زیور پر زکاۃ بہ اعتبار وزن کے آتی ہے، جب چاندی ساڑھے باون تولہ ہو جاوے چالیسواں حصہ زکاۃ کا اس میں سے دینا واجب ہے، قیمت کا اس میں لحاظ نہیں،

---

(۱) نصاب الذّهب عشرون مثقالاً، والفضّة مائتا درهم كلّ عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل، والدّينار عشرون قيراطاً، والدّرهم أربعة عشر قيراطًا، والقيراط خمس شعيرات؛ فيكون الدّرهم الشّرعي سبعين شعيرة والمثقال مائة شعيرة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۶-۲۰۸، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

(۲) جس وقت یہ فتویٰ لکھا گیا تھا اس وقت چاندی ایک روپیہ تولہ تھی، اب چاندی کی قیمت بہت زیادہ ہے؛ اس لیے ادائے زکاۃ کے وقت ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو بھی قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہوگا۔ محمد امین

سو روپیہ یا سو تولہ چاندی میں ۲½ (اڑھائی) تولہ چاندی (یا ڈھائی روپیہ) زکاۃ میں دینا لازمی ہے [1] فقط (قیمت لگا کر دینا ہو تو جو قیمت زکاۃ نکالنے کے وقت چاندی کی وہاں کے بازار میں ہو، اس حساب سے ادا کرے، خرید کے دن کا حساب معتبر نہ ہوگا۔ ظفیر) (۱۰۸/۶)

سونے کے زیور کی زکاۃ بازار کے نرخ سے ادا کی جائے گی

سوال: (۱۹۷) زید کے گھر میں کچھ سونے کا زیور ہے، جس کا مالک زید ہی ہے، سونے کا نرخ ڈلی کا تو اور ہے اور بازار میں زیور کا نرخ گراں، اور اگر اچھا زیور بیچنے جاوے تو بھی یقیناً ایک ثلث کم بازار کے نرخ سے بکتا ہے تو آیا کس نرخ کے حساب سے وہ زکاۃ دیوے کیوں کہ بازار والوں کا دینے کا نرخ اور ہے اور لینے کا اور؟ اگر فقراء کو سونا زکاۃ میں دیا جاوے تو فقراء کا سخت نقصان ہوتا ہے بازار والے ان سے کم قیمت کو خریدتے ہیں۔ (۶۹۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جو نرخ بازار میں ایسے سونے کا ہے یعنی جس قیمت کو دُکان دار فروخت کرتے ہیں وہ قیمت لگا کر زکاۃ دیوے، اور اگر سونا ہی زکاۃ میں دیوے تو سونے موجودہ کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دیوے یہ بھی درست ہے، اور زکاۃ ادا ہو جاوے گی اگر چہ فقراء کسی قیمت کو فروخت کر دیں [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۴/۶)

---

(۱) والمعتبر وزنهما أداء و وجوبًا لا قيمتهما، واللّازم .... في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا أو حليًا إلخ ربع عشر إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (لا قيمتهما) نفي لقول زفر باعتبار القيمة في الأداء، وهٰذا إن لم يؤدّ من خلاف الجنس وإلّا اعتبرت القيمة إجماعًا كما علمت. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۲) وجاز دفع القيمة في زكاة إلخ وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء إلخ، ويقوم في البلد الّذي المال فيه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۹۵-۱۹۶، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه)

واللّازم ......في مضروب كلّ منهما إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

ادائے زکاۃ کے وقت سونے چاندی کی قیمت معلوم نہ ہو تو دو چار ماہ پہلے کی قیمت کے حساب سے زکاۃ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (١٩٨) اگر قیمت سونے چاندی کی صحیح معلوم نہ ہو اور اندازہ کر کے دو چار مہینے پیشتر کی قیمت ذہن میں رکھ کر زکاۃ ادا کر دی جاوے تو زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟ (١٠٠٤/٤٤-١٣٤٥ھ)

الجواب: اصل تو یہی ہے کہ ادائے زکاۃ کے وقت جو قیمت ہو اس کی تفتیش کر کے اسی کے مطابق زکاۃ ادا کی جائے، مگر چوں کہ دو چار مہینے میں کوئی مزید فرق نہیں ہوتا اس وجہ سے اگر جانب احتیاط کو پیش نظر رکھ کر اس طریقہ سے زکاۃ ادا کرے تو زکاۃ ادا ہو جائے گی [1] فقط واللہ اعلم {کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی، معین مفتی} [2] (١٣١/٦)

سونا چاندی کی زکاۃ میں کون سی قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال: (١٩٩) اگر کسی شخص نے اپنے زیور کی زکاۃ میں دو تولہ چاندی یا سونا نکالا، اگر وہ عوض میں اس سونے یا چاندی کے اس کی قیمت ادا کرنا چاہے تو اس میں عام نرخ کا اعتبار ہے یا جس قیمت سے وہ سونا چاندی فروخت ہوا ہے اس نرخ کا اعتبار کیا جاوے گا؟ (٢٣٨٩/١٣٣٧ھ)

الجواب: دو تولہ چاندی اگر زکاۃ میں لازم ہوئی تو اس کو دو تولہ چاندی ہی ادا کرنا ضروری ہے، خواہ چاندی کی ڈلی دیوے یا روپیہ سکہ دار دیوے یعنی یہ درست نہیں ہے کہ چاندی دو تولہ کی قیمت اگر پونے دو روپیہ ہو تو پونے دو روپیہ دے دیویں، بلکہ پورے دو روپیہ ہی دینا چاہیے، اور جو رتی کی اس میں کمی ہے وہ بھی پوری کرے، اور اسی طرح اگر چاندی کی قیمت زیادہ ہو مثلاً ایک تولہ چاندی کی قیمت سوا روپیہ ہے تو سوا روپیہ دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہے، تبرعاً زیادہ دے دیوے تو اس کو اختیار ہے،

---

(١) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء، وفي السّوائم يوم الأداء إجماعًا وهو الأصحّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٩٥-١٩٦، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه) ظفیر

(٢) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

اور اگر سونا ایک تولہ مثلاً زکاۃ کا لازم ہوا تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ سونا دے دیوے یا اس کی قیمت روپے سے جو بازار میں ہے دیوے، مثلاً اگر ایک تولہ سونا بازار میں تیس روپیہ قیمت کا ہے تو تیس روپے دے دینے سے زکاۃ ادا ہو جاوے گی (۱) فقط واللہ اعلم (۶/۱۲۶-۱۲۷)

سونا چاندی کے زیورات کو ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہے تو زکاۃ واجب ہوگی

سوال: (۲۰۰) ایک عورت کے پاس کچھ زیور چاندی کا ہے اور کچھ سونے کا، مگر دونوں نصاب سے کم ہیں، دونوں کو ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہے تو زکاۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ (۲۰۴۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں قیمت کا حساب لگا کر زکاۃ واجب ہوگی، مثلاً سونے کو چاندی کی قیمت میں کر کے کل مجموعہ کو دیکھا جاوے گا، اگر نصاب چاندی کا پورا ہو گیا تو زکاۃ لازم ہوگی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۲۳)

---

(۱) والمعتبر وزنهما أداء و وجوبًا لا قيمتهما (الدّرّ المختار) وهٰذا إن لم يؤدّ من خلاف الجنس وإلّا اعتبرت القيمة إجماعًا كما علمت. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۰۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال)

وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفّارة غير الإعتاق (الدّرّ المختار) ثمّ إنّ هٰذا مقيّد بغير المثليّ فلا تعتبر القيمة في نصاب كيليّ أو وزنيّ فإذا أدّى أربعة مكائيل أو دراهم جيّدة عن خمسة ردّيئة أو زيوف لا يجوز عند علمائنا الثّلاثة ، إلّا عن أربعة إلخ وهٰذا إذا أدّى من جنسه وإلّا فالمعتبر هو القيمة اتّفاقًا لتقوم الجودة في المال الرّبويّ عند المقابلة بخلاف جنسه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم) ظفیر

(۲) وتضمّ قيمة العروض إلى الثّمنين والذّهب إلى الفضّة إلخ، وضمّ إحدى النّقدين إلى الآخر قيمة مذهب الإمام إلخ، حتّى إنّ من كان له مائة درهم وخمسة مثاقيل ذهب تبلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزّكاة عنده . (البحر الرّائق: ۲/۴۰۰-۴۰۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

سونا چاندی میں سے ایک چیز نصاب کے بہ قدر ہے دوسری نصاب سے کم تب بھی ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر کل کی زکاۃ ادا کی جائے گی

سوال: (۲۰۱) ایک شخص کے پاس سونے اور چاندی میں سے ایک چیز کا نصاب ہے، دوسری کا نہیں، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ ایک کو دوسرے کے تابع کرنے کی جزئیات کتبِ فقہ میں وہ پائی جاتی ہیں جو دونوں کا نصاب پورا نہ ہو۔ (۱۲/۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں بھی ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر کل کی زکاۃ ادا کی جاوے[۱] فقط (یعنی ایک کے نصاب کی وجہ سے جب وہ صاحبِ نصاب ہو گیا تو دوسری چیز خواہ نصاب سے کم ہو اس کی زکاۃ بھی اس پر ضروری ہے، اس کا چالیسواں حصہ بھی زکاۃ میں دینا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ظفیر)

(٦/ ۱۰۸-۱۰۹)

نصاب سے جو زائد سونا چاندی ہے اُس کی بھی زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۰۲) کسی کے پاس بیس پچیس روپے کا سونے کا زیور ہے اور ستائیس روپے کا چاندی کا زیور ہے تو ان کی قیمت کو ملا کر زکاۃ دینی چاہیے یا نہیں؟ اور اگر مثلاً نصاب سے پانچ چھ روپیہ زیادہ ہوں تو اس کی بھی زکاۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ (۱۹۳۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: سونے اور چاندی کا زیور جب کہ نصاب کو پہنچ جاوے یعنی ساڑھے باون روپیہ کا ہو تو اس کی زکاۃ اس پر واجب ہے، اور نصاب سے جو زائد سونا چاندی ہے اس کی بھی زکاۃ دے،

---

(۱) ويضمّ الذّهب إلى الفضّة ، وعكسه بجامع الثّمنيّة قيمةً (الدّرّ المختار) وفي البدائع أيضًا: أن ما ذكر من وجوب الضّمّ إذا لم يكن كلّ واحد منهما نصابًا بأن كان أقلّ فلو كان كلّ منهما نصابًا تامًّا بدون زيادة لا يجب الضّمّ، بل ينبغي أن يؤدّي من كلّ واحد زكاته فلو ضمّ حتّى يؤدّي كلّه من الذّهب أو الفضّة فلا بأس به عندنا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۱۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

غرض کل موجودہ زیور و نقد کی زکاۃ دیوے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۱۰-۱۱۱)

وضاحت: سنہ ۱۳۳۸ھ میں چاندی ایک روپیہ تولہ تھی، اب چاندی کی قیمت بہت زیادہ ہے؛ اس لیے ادائے زکاۃ کے وقت ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو بھی قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہوگا۔ محمد امین پالن پوری

سونے کی زکاۃ چاندی سے دیوے تو قیمت دینا درست ہے

سوال: (۲۰۳) سونے کی زکاۃ اگر چاندی سے دیوے تو زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور چاندی کی زکاۃ کس طرح دینی چاہیے؟[۲] (۱۳۴۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: سونے کی زکاۃ چاندی سے دیوے تو قیمت دینا درست ہے، اور اگر چاندی کی زکاۃ چاندی سے ہی دیوے تو جس قدر چاندی زکاۃ میں واجب ہے وہ پوری ادا کرے؛ مثلاً اگر بیس تولہ چاندی زکاۃ میں دینی واجب ہوئی ہے تو اگر روپیہ زکاۃ میں دیوے تو بیس (تولہ) ہی دیوے یہ نہیں کہ بیس تولہ چاندی کی قیمت اگر مثلاً پندرہ ہو تو پندرہ ہی دیدے یہ درست نہیں ہے[۳] فقط (۶/۱۱۸)

دوسو تولہ چاندی کی زکاۃ کیا ہوگی؟

سوال: (۲۰۴) دوسو تولہ چاندی کی کیا زکاۃ ہوگی؟ اگر نقد قیمت ادا کرنا چاہیں تو پانچ روپیہ دیویں یا تین روپے دو آنے جو پانچ تولہ چاندی کی قیمت ہے، اگر تین روپے دو آنے کی چاندی خرید کر دیویں تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۴۷۳/۴۶-۱۳۴۷ھ)

---

(۱) واللّازم .... في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا أو حليًا مطلقًا إلخ، أوفي عرض تجارة قيمته نصاب إلخ ، ربع عشر إلخ ، ويضمّ الذّهب إلى الفضّة وعكسه بجامع الثّمنيّة قيمةً إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۵، كتاب الزّكاة ، باب زكاة المال) ظفیر

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔ ۱۲

(۳) والمعتبر وزنهما أداءً ا و وجوبًا لا قيمتها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

الجواب: اگر روپیہ سے زکاۃ ادا کی جاوے تو صورت مذکورہ میں پانچ روپیہ دینے چاہئیں اور اگر پانچ تولہ چاندی خرید کر دے دی جاوے جتنے کی بھی وہ آوے تو یہ بھی جائز ہے[1] فقط (۱۱۰/۶)

نوٹ سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

وضاحت: اس قسم کے متعدد سوالات آگے آرہے ہیں، اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے نوٹ کو بہ منزلہ وثیقہ قرار دے کر تحریر فرمایا ہے کہ ''اگر نوٹ زکاۃ میں دیا گیا، تو جس وقت وہ شخص اس کو روپیہ سے بدل لے گا، اس وقت زکاۃ ادا ہو جائے گی''۔

لیکن دورِ حاضر میں کرنسی نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، یعنی یہ بہ منزلہ وثیقہ نہیں، بلکہ ان پر مروجہ سکّوں کے احکام جاری ہوں گے۔ **في الشّرنبلالية: الفلوس إن كانت أثمانًا رائجةً أو سلعًا للتّجارة تجب الزّكاة في قيمتها وإلّا فلا. (ردّ المحتار :۲۱۲/۳، كتاب الزّكاة ، باب زكاة المال)**

وذكر الولوالجيّ أنّ الزّكاة تجب في الغطارفة إذا كانت مائتين؛ لأنّها اليوم من دراهم النّاس وإن لم تكن من دراهم النّاس في الزّمن الأوّل، وإنّما يعتبر في كلّ زمانٍ عادة أهل ذٰلك الزّمان. (البحر الرّائق:۳۹۷/۲، كتاب الزّكاة ، باب زكاة المال)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فقہی مقالات میں ارقام فرماتے ہیں:

''جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو اُن پر بالاتفاق زکاۃ واجب ہو جائے گی، اور چوں کہ اب یہ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے؛ اس لیے ان نوٹوں پر قرض کی زکاۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے، بلکہ اس پر مروجہ سکّوں کے احکام جاری ہوں گے، وجوبِ زکاۃ کے مسئلے میں مروجہ سکّوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے، یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو اُن پر زکاۃ واجب ہو جاتی ہے،

---

(۱) ويعتبر فيهما أن يكون المؤدّى قدر الواجب وزنًا إلخ ولو أدّى من خلاف جنسهٖ يعتبر القيمة بالإجماع كذا في التّبيين . (الفتاوى الهندية: ۱۷۸/۱-۱۷۹، كتاب الزّكاة، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الأوّل في زكاة الذّهب و الفضّة) ظفیر

بعینہ یہی حکم مروجہ سکّوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے، اور جس طرح مروجہ سکّے کسی غریب کو بہ طور زکاۃ کے دیے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکّوں کو اپنے قبضے میں لے گا، اسی وقت اس کی زکاۃ ادا ہوجائے گی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے، کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکاۃ فی الفور ادا ہوجائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکاۃ کی ادائیگی موقوف نہ رہے گی''۔ (فقہی مقالات: ۱/۳۱، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، کرنسی نوٹ اور زکاۃ، مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، پاکستان)

محمد امین پالن پوری

سوال: (۲۰۵) اگر ٹکٹ یا نوٹ درحساب زکاۃ دادہ شود؛ زکاۃ ادا می شود یا نہ؟

(۶۹۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نوٹ را بہ منزلہ وثیقہ می گویند، پس از دادن نوٹ آں وقت زکاۃ ادا خواہد شد کہ معطی لہ زرنقد بہ عوض آن بگیرد، حاصل آنکہ زکاۃ از مال ادا باید کرد و نوٹ وٹکٹ مال نیست [1] فقط (۶/۴۷)

ترجمہ سوال: (۲۰۵) اگر ٹکٹ یا نوٹ زکاۃ میں دیئے جائیں تو زکاۃ ادا ہوجائے گی یا نہ؟

الجواب: نوٹ کو بہ منزلہ وثیقہ کہتے ہیں، پس نوٹ دینے سے زکاۃ اس وقت ادا ہوگی جب معطی لہ اس کے بدلے زرنقد لے لے، حاصل یہ کہ زکاۃ مال سے ادا کرنی چاہیے، اور نوٹ وٹکٹ مال نہیں؟ فقط واللہ اعلم

وضاحت: کرنسی نوٹ ثمن عرفی ہے، اس لیے کرنسی نوٹ پر فقیر کے قبضہ کرتے ہی زکاۃ ادا ہوجائے گی، بھنانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ سابقہ وضاحت میں گزرا، اور ڈاک ٹکٹ ثمن عرفی نہیں؛ وثیقہ ہے، اس لیے ڈاک ٹکٹ دینے سے زکاۃ اس وقت ادا ہوگی جب فقیر اس کو بھنا لے اور اس کے بدلے زرِنقد لے لے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد امین پالن پوری

نوٹ کے بارے میں وجوب اور ادائے زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۶) نوٹ کے بارے میں وجوب وادائے زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ (۱۰۴۴/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج ونذر وفطرة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم) ظفير

الجواب: نوٹ جب کہ بہ قدر نصاب ہوں زکاۃ واجب ہے، اور زکاۃ روپیہ سے ادا ہوگی اگر نوٹ زکاۃ میں دیا گیا تو جس وقت وہ شخص اس کو روپیہ سے بدل لے گا اس وقت زکاۃ ادا ہو جاوے گی[1] فقط واللہ اعلم (۸۳/۶)

سوال: (۲۰۷) نوٹ کو وثیقۂ قرض خیال کر کے اس کی زکاۃ وصول نقد پر موقوف رہے گی یا بالفعل اختتام سال پر ادا لازم ہوگی؟ (۱۳۳۸/۱۳۰۳ھ)

الجواب: وجوب وادائے زکاۃ وصول نقد پر ہی ہوگا، اور نفسِ وجوب پہلے سے ثابت ہے، لہٰذا اگر قبل وصول بھی زکاۃ دے دیوے گا درست ہے، اور ایسا ہی کرنا بھی چاہیے کیونکہ بعد وصولِ نقد بھی جملہ سنینِ ماضیہ کی زکاۃ دینا لازم ہوگا[2] فقط (موجودہ دور میں نقد کا انتظار بے سود ہے، اس وجہ سے کہ نقد پایا نہیں جاتا، اس لیے نوٹ اگر نصاب بھر ہیں تو اس پر زکاۃ اور اس کی ادائیگی واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر)(۱۰۹/۶)

نوٹوں پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۸) گورنمنٹی نوٹ سندِ مال ہے؛ عینِ مال نہیں تو اگر کسی شخص کاروباری کے پاس مثلاً ہزار روپیہ کے نوٹ ہوں، اور اس پر سال بھر گزر جائے اور اس کی حاجات ضروریہ سے زائد رکھے رہیں تو آیا روپیوں کی زکاۃ کے ساتھ جو مقدار نصاب ہوں ان نوٹوں کی بھی زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو نوٹ کی زکاۃ میں نوٹ دینا چاہتا ہے، کیوں کہ نقد کرانے میں بہت بٹا دینا پڑتا ہے؛ مثلاً فی ہزار پندرہ روپیہ بٹا دینا ہوتا ہے، اور نوٹ دینے میں احتمال ہے کہ شاید زکاۃ ہی ادا نہ ہو جیسا کہ مولانا اشرف علی صاحب نے الامداد ماہِ صفر میں تحریر فرمایا ہے۔ (۱۳۳۷/۴۸۷ھ)

---

(۱) ہمارے اس دور ۱۹۶۶ء میں نوٹ گو قانوناً حوالہ یا وثیقہ ہے، مگر عملاً اور عرف عام میں سکہ اور ثمن خلقی کے حکم میں ہے؛ اس لیے کہ روپیہ کی کئی سال سے صورت بھی دیکھنے میں نہیں آئی، سارا کاروبار اور سارے معاملات انہیں نوٹوں سے انجام پاتے ہیں، لہٰذا خاکسار کی ذاتی رائے یہ ہے کہ نوٹوں سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، کوئی دس روپے کے نوٹ کے دس روپے تلاش کرے تو اسے اس وقت نہیں مل سکتے ہیں، واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) ولو كان الدّين إلخ فوصل إلٰى ملكه لزم زكاة ما مضٰى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۲/۳-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: ان نوٹوں پر زکاۃ واجب ہوگی اور اگر زکاۃ میں نوٹ دیا تو اس سے زکاۃ ادا ہونے کی وہی صورت ہے جو الامداد ماہِ صفر میں ہے کہ جس کو وہ نوٹ زکاۃ میں دیا جس وقت وہ اس کا روپیہ وغیرہ لے کر قبضہ کرلے گا، زکاۃ ادا ہو جاوے گی، اور کتابوں میں نوٹ کا ذکر نہیں ہے تا کہ عبارت کسی کتاب کی لکھی جاوے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۳۳۰-۳۳۱)

نوٹ بھنانے پر بٹّا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور نوٹ پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۹) نوٹ کو بھنانے پر بٹا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی کے پاس صرف نوٹ ہوں تو ان پر حولانِ حول ہونے سے زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۷۹۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بہ ضرورت نوٹ بھنانے میں بٹا دینا جب کہ کوئی صورت پورا روپیہ ملنے کی نہ ہو درست ہے، اگرچہ اصل قاعدہ سے بٹا لینا دینا نوٹ پر درست نہیں ہے؛ لیکن بہ ضرورت ومجبوری بٹا دینا درست ہے [1] اور لینا درست نہیں ہے اور نوٹوں پر حولان حول ہونے پر زکاۃ لازم ہوجاتی ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۲۲-۱۲۳)

نوٹ دینے سے زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۰) نوٹ چوں کہ مال نہیں ہے اس بناء پر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے پاس صرف نوٹ ہی ہوں اس پر زکاۃ واجب نہ ہونی چاہیے، اور اگر نوٹ زکاۃ میں ادا کیا جائے تو زکاۃ ادا نہ ہو، اور اگر زکاۃ کا روپیہ بہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیا اور مرسل الیہ کو نوٹ ملے تو زکاۃ ادا نہ ہونا چاہیے؟ (۱۸۶۵/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) الضّرورات تبيح المحظورات (الأشباه والنّظائر مع غمز عيون البصائر: ۱/۲۵۱، الفن الأوّل في القواعد الكلّيّة، القاعدة الخامسة: الضّرر يزال، المطبوعة: مكتبه زكريا، ديوبند) ظفير

(۲) شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه، وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنهما للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

الجواب: زکاۃ اس وجہ سے واجب ہے کہ ان نوٹوں کی رقوم کا روپیہ خزانۂ سرکار میں موجود و مودع ہے جیسا کہ کسی کا روپیہ خزانہ میں ہو زکاۃ واجب ہوتی ہے[1] اور نوٹ جو زکاۃ میں دیا جائے جس وقت اس کا روپیہ کر کے روپیہ پر قبضہ کرلیا گیا؛ زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، علی ہذا جس کو بہ ذریعہ منی آرڈر بھیجا جاوے اور مرسل الیہ کو نوٹ وصول ہو تو جس وقت مرسل الیہ اس نوٹ کا روپیہ بھنا لیوے گا زکاۃ ادا ہو جاوے گی، غرض نوٹ وثیقہ ہے روپے فقط (موجودہ وقت میں نوٹ کو روپیہ کی جگہ تسلیم کر لینا چاہیے؛ اس لیے کہ اب روپے کا رواج نہیں رہا، بھنانے کی شرط اس دور میں لگانا بے سود ہے، عرف عام نے نوٹ کو اندرون ملک روپیہ تسلیم کرلیا ہے۔ ظفیر) (٨٧/٦)

جس کے پاس بہ قدر نصاب اکنّی، دونّی، چونّی اور پیسے ہوں اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (٢١١) اگر کسی کے پاس حاجتِ اصلی سے زائد، نصاب کی قیمت سے زائد سوائے سونے چاندی کے دوسرے سکے ہیں، مثلاً چار سو پانچ سو روپے کی دونّی چونّی یا تانبے کے پیسے ہیں نقد روپیہ نہیں تو اس پر بعد سال گزرنے کے زکاۃ کا حکم ہے یا نہیں؟ (٩٦٦/١٣٤٢ھ)

الجواب: غیر سونے اور چاندی میں وجوبِ زکاۃ کے لیے نیتِ تجارت شرط ہے۔ **وتفصيله في كتب الفقه**[2] فقط واللہ اعلم (١١٤/٦)

سوال: (٢١٢) کسی شخص کے پاس پچاس روپیہ کے پیسے اور پچاس روپیہ کی اکنیاں ہیں حالانکہ وہ خرچ کے لیے ہیں اور حولان حول اس پر ہو گیا ہے تو ان کی زکاۃ واجب ہے یا نہ؟ (٣٩٣/٣٣-١٣٣٤ھ)

---

(١) وكذا الوديعة عند غير معارفه (الدّرّ المختار) فلو عند معارفه تجب الزّكاة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ١٧١/٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(٢) شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه، وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنهما للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة أو السّوم إلخ أو نيّة التّجارة في العروض. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ١٧٣/٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

الجواب: پیسہ اور اکنیاں جو تجارت کی نہیں ہیں ان پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔ فقط (۶/۱۳۵)

وضاحت: اب پیسے اور اکنّیاں وغیرہ ثمن عرفی نہیں رہے، اس لیے وہ اگر بہ قدر نصاب کسی کے پاس ہیں تو تجارت کی نیت کے بغیر زکاۃ واجب نہیں ہوگی، لیکن جس زمانہ میں پیسے اور اکنّیاں وغیرہ رائج تھیں اس وقت چوں کہ یہ ثمن عرفی تھے؛ اس لیے بہ قدر نصاب ہونے کی صورت میں تجارت کی نیت کے بغیر زکاۃ واجب ہونی چاہیے۔ في الشّرنبلالية: الفلوس إن كانت أثمانًا رائجةً أوسلعًا للتّجارة تجب الزّكاة في قيمتها وإلاّ فلا. (ردّ المحتار: ۳/۲۱۲، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) محمد امین پالن پوری

زیور پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ اور وجوب مرد پر ہے یا عورت پر؟

سوال: (۲۱۳) میری اہلیہ کے پاس تین چار سو روپیہ کی مالیت کا زیور ہے جو اس کی ملک ہے کیا اس پر زکاۃ واجب ہے؟ اس کی ادائیگی کا کون ذمہ دار ہے؟ میری اہلیہ کے پاس کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں جس سے وہ زکاۃ ادا کر سکے تو زکاۃ کی ادائیگی کیسے ہو؟ آیا وہ اپنے زیور میں سے کچھ حصہ بہ قدر زکاۃ فروخت کر کے زکاۃ ادا کرے؟ (۲۴۴۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: زکاۃ اس زیور کی ہر سال ادا کرنا واجب ہے اگر اور کوئی صورت ادائیگیٔ زکاۃ کی میسر نہ ہو تو بالضرور ایسا کیا جاوے گا کہ زیور کا کچھ حصہ بہ قدرِ زکاۃ؛ زکاۃ میں دیا جاوے گا کہ یہ فرض اللہ کا ہے، اور وہ زیور جب کہ ملکِ زوجہ ہے تو اسی کے ذمے ادائے زکاۃ لازم ہے[1] فقط (وہ زیور بیچ کر ادا کرے یا شوہر سے لے کر ادا کرے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ظفیر۔ نیز بیوی کی اجازت سے شوہر بھی ادا کر سکتا ہے۔ محمد امین) (۶/۱۰۹-۱۱۰)

---

(۱) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم، إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول .... لقوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوْا الزَّكٰوةَ﴾ ولقوله صلّى الله عليه وسلّم: أدّوا زكاة أموالكم وعليه إجماع الأمّة والمراد بالواجب الفرض. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة)

وفي تبر الذّهب والفضّة وحليّهما و أوانيهما الزّكاة. (الهداية: ۱/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، فصل في الذّهب) ظفیر

زیورات کی زکاۃ عورتیں کہاں سے نکالیں؟

سوال: (۲۱۴) زیورات چوں کہ عورتوں کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں، اس کی زکاۃ کا باران کے مردوں پر کیوں ڈالا جاتا ہے؟ اور اگر عورت خود ادا کرے تو کیسے؟ کیوں کہ اس کے پاس سوائے زیورات کے اور کچھ نہیں ہے؟ (۱۳۴۳/۱۸۸۴ھ)

الجواب: جو زیور زوجہ کا مملوکہ ومقبوضہ ہے اور بہ قدر نصاب ہے اس کی زکاۃ اس عورت کے ذمے ہی واجب ہے، اگر اس کا شوہر تبرعًا اس کی طرف سے دے دے، یا عورت اس سے لے کر دے دے، یا جو خرچ اس کا شوہر اس کو دیتا ہے، اس میں سے ادا کردے تو یہ جائز ہے، اور اگر کچھ بھی نہ ہوسکے تو پھر اس عورت کو اسی زیور میں سے زکاۃ دینی پڑے گی۔ فقط واللہ اعلم (۲۸۵/۶)

صرف زیور میں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۵) جس عورت کے پاس سو روپیہ کا زیور تھا جب تک وہ صاحب مال رہی زکاۃ دیتی رہی، اب وہ غریب ہوگئی، مگر زیور بہ جنسہٖ موجود ہے، آیا عورت مذکورہ کو زکاۃ دینا لازمی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۶-۳۵/۵۰۷ھ)

الجواب: اگر زیور اس کا بہ قدر نصاب ہے تو اس کے ذمے زیور کی زکاۃ دینا لازم ہے، اور اس کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے[1] فقط واللہ اعلم (۱۲۹/۶)

جب شوہر؛ بیوی کو زیور کا مالک بنادے تو زکاۃ کس پر ہے؟

سوال: (۲۱۶) شوہر نے نکاح سے چند سال بعد زیور کا مالک زوجہ کو بنادیا، اور چار سال بعد زکاۃ ادا کرنا چاہتے ہیں، تاریخِ ملکیت یاد نہیں تو کیا کرے؟ (۱۳۳۷/۵۶۷ھ)

الجواب: جب کہ شوہر نے اس زیور کا مالک زوجہ کو بنادیا تو زکاۃ بہ ذمۂ زوجہ ہے وہی

---

(۱) واللّازم مبتدأ في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا أوحليًا مطلقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۹/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

نیت کرے، اگر شوہر اس کی طرف سے زکاۃ ادا کر دے یہ بھی درست ہے (اور جس وقت سے زوج نے وہ زیور ملکِ زوجہ کر دیا اُس وقت سے زکاۃ واجب ہوگی، تاریخ کے یاد ہونے کی ضرورت نہیں ہے جس سال میں زیور عورت کی ملک ہوں اس سال کی پوری زکاۃ دیوے، اور اس کے بعد جتنے سال ہوئے اُن سب برسوں کی زکاۃ دیوے)[1] فقط واللہ اعلم (۱۲۱/۶)

مہر میں جو زیور دیا گیا اس کی زکاۃ کس کے ذمے ہے؟

سوال: (۲۱۷) وقت نکاح جو زیور عورت کو خاوند کی طرف سے مہر میں دیا گیا؛ اس کی زکاۃ کس کے ذمے ہے؟ (۲۲۳۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جب کہ وہ زیور عورت کو مہر میں دیا گیا ہو تو وہ مالک اس کی ہوگئی، پس زکاۃ اس زیور کی بھی اسی کے ذمے ہوگی نہ بہ ذمے شوہر کے۔ فقط واللہ اعلم (۵۴/۶)

جو زیورات شوہر نے صرف پہننے کے لیے دیے ہیں ان کی زکاۃ شوہر پر واجب ہے، عورت پر نہیں

سوال: (۲۱۸) علی اصغر: نعیمہ کے شوہر نے نعیمہ کو دو سو روپیہ کے زیورات دیے، اور کہہ دیا کہ یہ میرے ہیں جب چاہوں گا لے لوں گا اس کو تمہیں محض زیب وزینت کے لیے دیتا ہوں تو نعیمہ کو اس قسم کے زیورات پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکاۃ علی اصغر شوہر پر واجب ہے یا نعیمہ پر؟

(۲۲۰۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس کی زکاۃ علی اصغر پر واجب ہے نعیمہ پر واجب نہیں، اور نعیمہ کو اس کا پہننا درست ہے[2] فقط واللہ اعلم (۱۱۸/۶-۱۱۹)

---

(۱) قوسین والی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ظفیر

شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ زیور بیچ کر زکاۃ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۹) ہندہ کے ذمے بابت زیورات کئی سال کی زکاۃ واجب ہے، ہندہ کے پاس سوائے اس کے کہ کچھ زیور فروخت کر کے زکاۃ ادا کرے اور کوئی آمدنی نہیں ہے، یا ہندہ کا خاوند ادا کر دے، مگر ہندہ جب اپنے خاوند سے کہتی ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ادا کر دیں گے، اور زیور کے فروخت کرنے پر وہ راضی نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر ہندہ بلا اجازت شوہر و بلا رضامندی خاوند کچھ حصہ زیور کا فروخت کر کے زکاۃ ادا کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۰۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر وہ زیور شوہر کا دیا ہوا اور بنوایا ہوا ہے اور اس نے زوجہ کی ملک نہیں کیا جیسا کہ عرف ہے تو اس کی زکاۃ شوہر کے ذمہ ہے عورت پر اس کی زکاۃ لازم نہیں ہے، اگر شوہر زکاۃ نہ دے گا وہ گنہ گار ہوگا عورت گنہ گار نہ ہوگی، اور اگر وہ زیور عورت کے جہیز میں اس کے والدین کی طرف سے آیا ہوا ہے تو وہ اس کی ملک ہے، اسی میں سے کچھ حصہ فروخت کر کے زکاۃ ادا کرے اور شوہر کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے [1] فقط واللہ اعلم (۱۲۰/۶)

عورت کا جو زیور رہن ہے اس کی زکاۃ کس کے ذمے ہے؟

سوال: (۲۲۰) اگر عورت کا زیور ضرورت کے وقت رہن کیا جاوے تو اس کی زکاۃ بہ ذمے عورت ہوگی یا بہ ذمے خاوند؟ (۱۴۴۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس کی زکاۃ عورت کے ذمے ہے [1] فقط واللہ اعلم (۱۳۱/۶)

عورت پر اس کے مملوکہ زیورات کی زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۲۱) نعیمہ کے خسر کے والد محمد اکرم جو کہ نعیمہ کی ہر قسم کی ضرورتیں بجائے اس کے شوہر علی اصغر کے پوری کرتے ہیں، مبلغ چار سو روپیہ کے قرض دار ہیں، اور محمد اکرم کے پاس سالانہ

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

اتنی بچت نہیں ہے کہ ان پر زکاۃ واجب ہو، البتہ نعیمہ کے پاس مبلغ تین سو روپیہ کے زیورات ہیں جن کو اس نے اپنے والد اور اپنے خسر کے والد سے پایا ہے تو نعیمہ پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۲۲۰۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نعیمہ پر زکاۃ اس زیور کی واجب ہے جو کہ اس کا مملوکہ ہے[1] فقط (۶/۱۱۸-۱۱۹)

عورت کو جو زیورات اس کے والدین نے دیے ہیں ان کی زکاۃ عورت پر ہے

سوال: (۲۲۲) زید کی زوجہ کو جو زیور والدین سے ملا ہے اس کی زکاۃ زید پر ہے یا زوجہ پر زید کو اتنی آمدنی نہیں ہے کہ وہ زکاۃ دے سکے، اور جب زید کو آمدنی ہو جاوے تو اس کو یہ معلوم نہیں کہ زیور کس قدر ہے؛ آیا اندازہ سے زکاۃ دے سکتا ہے، اور اگر کئی برس کی زکاۃ کا حساب کرنے سے زیادہ رقم ہو جاوے تو متفرق طور سے ادا کر سکتا ہے یا نہ؟ (۲۸۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: زکاۃ؛ زید کی زوجہ کے ذمہ ہے، وہی ادا کرے، زید کے ذمہ اس کی زکاۃ کا ادا کرنا لازم نہیں ہے اور جب زید کو وسعت ہو جاوے اور وہ اپنی زوجہ کی طرف سے زکاۃ دینا چاہے، تو وہ بھی دے سکتا ہے اور زیور کا اندازہ کر لیا جاوے اس اندازہ کے موافق زکاۃ دی جاوے، اور کئی برس کی زکاۃ متفرق طور سے تھوڑی تھوڑی دینا بھی درست ہے[2] فقط واللہ اعلم (۶/۶۵-۶۶)

---

(۱) وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حوليّ ...... تامّ ...... فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۶۳-۱۶۵، كتاب الزّكاة، مطلب: الفرق بين السّبب والشّرط والعلّة)

وفي تبر الذّهب والفضّة وحليهما وأوانيهما الزّكاة. (الهداية: ۱/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، فصل في الذّهب) ظفیر

(۲) وافتِراضُها عُمْرِيٌّ أي على التّراخي (الدّرّ المختار) قال في البدائع: وعليه عامّة المشائخ ففي أي وقت أدّى يكون مؤدّيًا للواجب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

والدہ کو جس زیور کا مالک بنادیا اس کی زکاۃ والدہ پر واجب ہے

سوال: (۲۲۳) ایک شخص نے اپنی والدہ کو زیور بنوا کر دیا اور اس پر والدہ کو کلی اختیار دے دیا تو اس کی زکاۃ والدہ پر عائد ہوگی یا بیٹے پر؟ (۱۳۴۱/۳۰۲ھ)

الجواب: جب کہ اس نے وہ زیور اپنی والدہ کی ملک کردیا تو اس کی زکاۃ اس کی والدہ کے ذمہ واجب ہے[1] اور اگر لڑکا چاہے تو اس کی طرف سے ادا کرسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۶۶)

زیور و نقد پر بھی زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۲۴) علاوہ جائداد کے کرایہ کی آمدنی کے؛ زیور و نقد بھی ہے، اس پر علیحدہ زکاۃ دینا چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۸۱ھ)

الجواب: زیور و نقد پر بھی زکاۃ واجب ہے، زکاۃ کی شرح یہ ہے کہ چالیسواں حصہ روپیہ و زیور وغیرہ کا دینا واجب ہے؛ یعنی اڑھائی روپیہ سیکڑہ[2] فقط واللہ اعلم (۶/۵۰)

زیور، نقد اور قرض کی زکاۃ

سوال: (۲۲۵) میرے پاس زیور ہے جو ۵۳ روپے کی مالیت ہے، اور یہ اندازہ کافی سے بہت زیادہ کیا گیا ہے، بازار کی قیمت سے زیادہ قیمت لگائی ہے، اس پر دو سال گزر چکے ہیں جس کی زکاۃ میں نے پانچ روپے دے دیے ہیں، اور میرے پاس ساٹھ روپے موجود ہیں، اس پر بعد سال گزرنے زکاۃ آوے گی یا کیا؟ اور جو روپیہ قرض میں ہے اس پر علیحدہ سال گزرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳/۳۷۸-۳۲ھ)

---

(۱) الزّكاة واجبة على الحرّ العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابًا ملكًا تامًّا وحال عليه الحول. (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزّكاة) ظفير

(۲) نصاب الذّهب عشرون مثقالاً والفضّة مائتا درهم إلخ واللّازم ...... في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا أو حليًا مطلقًا ...... في عرض تجارة قيمته نصاب إلخ من ذهب أو ورق إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۶-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

الجواب: زیور کی زکاۃ جو پانچ روپیہ نکالتے ہو یہ ٹھیک ہے، کچھ زیادہ ہی ہے یہ بہت اچھا ہے ساٹھ روپے جو نقد موجود ہیں اس کی زکاۃ دینا بھی لازم ہے، اس پر علیحدہ سال گزرنے کی ضرورت نہیں ہے، زیور پر جب سال گزرا اسی وقت اس کی زکاۃ بھی لازم ہوگی [۱] اسی طرح جو روپیہ قرض ہے، اس پر بھی علیحدہ سال گزرنے کی ضرورت نہیں، مگر زکاۃ اس کی بعد وصول ہونے کے واجب الاداء ہوتی ہے، قبل از وصول دے دی جاوے تو اور بھی اچھا ہے [۲] فقط واللہ اعلم (۶/۱۳۴-۱۳۵)

نقد وزیورات کی زکاۃ

سوال: (۲۲۶) زید کے پاس مبلغ ایک سو پچاس کا زیور طلائی ونقرئی اور سات گنیاں قیمتی ایک سو پانچ موجود ہیں، یہ روپیہ مکان میں رکھا ہوا ہے زیور مستورات گاہے بہ گاہے پہنتی ہیں، اس کو کس قدر روپیہ اور کب اور کیوں بہ مدّ زکاۃ دینا چاہیے؟ (۲۲۹۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زید کے پاس اس صورت میں کل نقد وزیور دو سو پچپن روپے کا ہوا، پس زید کو زکاۃ میں ڈھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے چھ روپیہ چھ آنہ ہر سال نکالنی چاہیے، اور اگر کسی سال کم یا زیادہ ہو جاوے تو اسی حساب سے کمی وبیشی زکاۃ میں ہو جاوے گی، ایک سو روپیہ پر زکاۃ کے ڈھائی واجب ہوتے ہیں؛ بعد سال بھر کے خواہ زیور ہو یا نقد یا سامانِ تجارت [۳] فقط واللہ اعلم (۶/۱۲۷-۱۲۸)

---

(۱) فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (الهداية: ۱/۱۹۴، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال ، فصل في الفضّة) ظفير

(۲) وَلَوْ كانَ الدَّيْنُ علىٰ مُقِرٍّ مَلِيءٍ ـــــ إلىٰ قولهٖ ـــــ فَوَصَلَ إلىٰ مِلْكِهٖ لَزِمَ زَكاةُ ما مضىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۳) شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه، وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنهما للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

واللّازم ...... في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا أو حليا مطلقًا إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۹-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

زیورات کے ساتھ قرض واجب الاداء ہو تو زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۷) الف کے پاس کچھ زیور چاندی اور کچھ زیور سونے کے ہیں، قرض واجب الاداء بھی وہ اپنے ذمہ رکھتا ہے؛ چنانچہ زیور چاندی اہلیہ خود ایک سو ساڑھے بیالیس تولہ، زیور چاندی دختران نابالغہ خود سوا ۵۴ تولہ، زیور سونا اہلیہ خود ۵ تولہ، ۱۱ ماشہ، ۲ رتی، اس کے علاوہ ۸ ساوَرِن[1] سکہ مضروب سونا بھی موجود ہیں، دوسرے لوگوں پر ۹۷½ روپے قرض واجب الاداء بھی لینا رکھتا ہے، تقریباً ۱۶۲¼ کا خود بھی قرض دار ہے؛ یعنی دوسرے لوگوں کا اس پر قرض ہے، صورتِ مذکورہ میں اس پر زکاۃ واجب الاداء کتنی ہے؟ ساوَرِن کی قیمت محسوب ہوگی یا وزن شامل زیورات سونا ہوگا؟

(۱۳۳۵/۱۱۱۹ھ)

الجواب: چاندی کے زیور کا مجموعہ ۱۹۶¾ تولہ ہوا، اور سونے اور اشرفیوں کی قیمت روپیہ سے کرکے وہ بھی اس میں شامل کیا جاوے، اور کل مجموعہ میں سے ۱۶۲ روپیہ جو قرض ہے وہ کم کردیا جاوے، جو کچھ باقی رہے اس کی زکاۃ چالیسواں حصہ دیا جاوے[2] اور قرض جو لوگوں کے ذمے اس کا ہے اس کی زکاۃ بعد وصول ہونے کے واجب الاداء ہوگی[3] فقط واللہ اعلم (۱۱۲/۶-۱۱۳)

---

(۱) انگلستان کا ایک طلائی سکہ، گنی، پونڈ، اشرفی۔ (فیروز اللغات) ۱۲

(۲) تجب في كلّ مائتي درهم خمسة دراهم، وفي كلّ عشرين مثقال ذهب نصف مثقال، مضروبًا كان أو لم يكن، مصوغًا أو غير مصوغ، حليًا كان للرّجال أو للنّساء، تبرًا كان أو سبيكة، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۸، كتاب الزّكاة، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الأوّل في زكاة الذّهب والفضّة) ظفير

ومديون للعبد بقدر دَينه فيزكّي الزّائد إن بلغ نصابًا (الدّرّ المختار) قوله: (بقدر دَينه) متعلّق بقوله "فلا زكاة". (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۶۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۳) ولو كان الدَّينُ علىٰ مُقِرٍّ مليءٍ أو علىٰ معسر .... إلخ فوصل إلىٰ ملكه لزم زكاة ما مضىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

وضاحت: اس سوال کے جواب میں غلطی سے چاندی کے زیورات کا مجموعہ ۱۹٦ ۳/۴، رجسٹر ۱۳۳۵ھ سلسلہ نمبر (۱۱۱۹) میں لکھا گیا ہے، اور اسی طرح کتاب میں نقل کر دیا گیا ہے، حالانکہ سوال میں مذکورہ زیورات کی چاندی کا مجموعہ ۱۹٦ ۳/۴ ہوتا ہے —— بہ ظاہر یہ محرر کی غلطی معلوم ہوتی ہے، مفتی صاحب قدس سرہٗ نے مجموعہ کو اس طرح لکھا ہوگا ۳/۴ ۱۹٦ اس کو محرر نے اس طرح لکھ دیا ہے، ۱۹٦ ۳/۴، اور مرتب مدظلہٗ نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا ہے، اب اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ہے: ۳/۴ ۱۹٦ تولہ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٦/٦-۷) محمد امین پالن پوری

سونا چاندی کے زیورات بہ قدر نصاب ہوں تو زکاۃ واجب ہے، خواہ استعمال کرے یا نہ کرے

سوال: (۲۲۸) جو زیورات طلائی ونقرئی ماہ دو ماہ رکھ دیا، دو ماہ تین ماہ برابر پہنا گیا، اور وہ زیور بہ قدر نصاب بلکہ زیادہ ہے اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱٦۴۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: زیور سونے اور چاندی کا جب بہ مقدار نصاب ہو اس میں زکاۃ واجب ہے؛ استعمال کرے یا نہ کرے؟ وفي تبر الذّهب والفضّة وحليهما وأوانيهما الزّكاة[1] (الهداية: ص:۱۷۷) فقط واللہ اعلم (٦/۵۹-٦۰)

روپیہ اور سونا چاندی کا جو زیور مدفون ہو اور کبھی استعمال میں نہ آتا ہو، اس پر بھی زکاۃ ہے

سوال: (۲۲۹) زکاۃ کے مسئلے میں ایک مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ بڑھتے ہوئے مال پر زکاۃ ہے، اور جو زیور روپیہ وغیرہ دفن ہو اور کبھی استعمال میں نہ آتا ہو اس پر زکاۃ نہیں ہے، اور میرا کہنا یہ ہے کہ سب مال پر زکاۃ ہے، استعمال میں آتا ہو یا نہ آتا ہو دفن ہو یا نہ ہو، مستحق اس کے محتاج ہیں، مولوی صاحب کہتے ہیں کہ خصوصیت محتاج کی نہیں ہے، بلکہ پہلے اس کے عیال واطفال جو اس سے

(۱) الهداية: ۱/۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، فصل في الذّهب.

متعلق و وابستہ ہیں جن کی کچھ آمدنی نہیں انہیں کی پرورش وتعلیم وغیرہ میں صَرف کرنا چاہیے، ان سے بچے تو یتیم ومساکین محتاجوں کو دیا جاوے؟ (٩٤٨/١٣٣٧ھ)

الجواب: {ان دونوں مسئلوں میں آپ کی رائے مطابق کتب فقہ ومسلک حنفیہ کے ہے، اور وہ مولوی صاحب بالکل خلافِ کتب فقہ مسئلہ بیان کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو واقفیت کتبِ مذہب سے نہیں ہے، یا اپنے آپ کو مجتہد سمجھ کر نئی بات خلافِ فقہاء اختیار کرتے ہیں}[1] زکاۃ کے مسئلہ میں حق یہی ہے جو آپ کہتے ہیں، نقد روپیہ اور زیور غرض سونے چاندی کی ہر چیز اور سکہ پر زکاۃ بعد حولانِ حول لازم وفرض ہے، اگرچہ وہ دفن ہو یا استعمال میں نہ آتا ہو کہ نقدین میں فقہاء نموء تقدیری ثابت فرماتے ہیں؛ جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے[2] اور تمام طلبہ عربی خواں اس سے واقف ہیں، ایسی بھاری غلطی جو وہ مولوی صاحب کر رہے ہیں کوئی طالب علم نہیں کرسکتا، اور مصرف زکاۃ کے محتاج ومساکین ہیں۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ٦٠) اپنے بچوں اور زوجہ کو اور ماں باپ کو زکاۃ دینا تمام فقہاء حرام لکھتے ہیں، اور زکاۃ اس میں ادا نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم (١١٦/٦-١١٧)

زیورات کی زکاۃ میں قیمت کا نہیں، وزن کا اعتبار ہوتا ہے

سوال: (٢٣٠) جو زیور ایسے ہیں کہ ہمیشہ نہیں پہنے جاتے بلکہ بعض موسم میں پہنے جاتے ہیں، ان پر اگر زکاۃ واجب ہے تو قیمت خرید پر یا نرخ موجودہ پر مع اجرت کے یا بلا اجرت؟

(٦٣٧/١٣٤٢ھ)

الجواب: زکاۃ اس زیور پر واجب ہے اور زکاۃ وزن پر واجب ہے، یعنی جس قدر تولہ چاندی

(١) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(٢) واللّازم .... في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تبرًا أو حليًا مطلقًا إلخ من ذهب أو ورق إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٠٩/٣-٢١١، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

یا سونا ہے اس کا حساب کرلیا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (١١٣/٦)

وضاحت: زیور کی قیمت کا اعتبار نہیں؛ اس لیے کہ قیمت میں سونار کی اجرت گل بوٹے سب داخل ہوتے ہیں، بلکہ وزن کا اعتبار ہوتا ہے، چاندی کے زیور کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے، اور سونے کا ساڑھے سات تولہ، صاحب نصاب جب ہوگیا، اور زکاۃ میں پیسے دینا چاہے تو زکاۃ نکالتے وقت جو نرخ ہوگا اس کے حساب سے ادا کرے گا، خریدنے کے زمانے کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، مثلاً کسی عورت کے پاس پہلے زمانے کے خرید کیے ہوئے سو تولہ چاندی کے زیورات ہیں جو اس نے کل سو روپے میں لیے تھے، زکاۃ میں ڈھائی تولہ چاندی آئی، اب اس کی قیمت اس وقت تین روپے تولہ کے حساب سے تین سو روپے ہوئے، لہٰذا زکاۃ ساڑھے سات روپے دیئے جائیں گے؛ جو اس وقت بازار کا بھاؤ ہے، ڈھائی روپے زکاۃ میں دینا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

جس شخص کو یاد نہیں کہ صاحبِ نصاب کب سے ہوا ہے تو زیورات کی زکاۃ کب سے ادا کرے؟

سوال: (٢٣١)...... (الف) زید زکاۃ روپیہ کی دیتا ہے، اور زیور کی زکاۃ بہ خیال اس کے کہ زیور استعمالی ہے نہیں دی، اور اب چوں کہ عند الدریافت معلوم ہوا کہ رستگاری اس میں ہے کہ زیور کی بھی زکاۃ دی جاوے، زید کو یہ یاد نہیں ہے کہ میں صاحبِ نصاب و زکاۃ کب سے ہوا اور کب سے روپیہ کی زکاۃ دینی شروع کی، اور بہت کچھ زیور اس میں سے فروخت بھی ہو چکا کہ جس کا روپیہ آیا، البتہ اس کی زکاۃ دی گئی اور کچھ باقی ہے، اور نرخ سونے و چاندی کا بھی مختلف طور پر کم وبیش ہوتا رہا، اور زید کا قلب بھی یہ گواہی نہیں دیتا کہ مجھ کو زکاۃ زیور کی کب سے دینی چاہیے، پس ایسی صورت میں زید کو زکاۃ زیور کی کب سے اور کس نرخ سے دینی چاہیے؟

---

(١) والمعتبر وزنهما أداءً او وجوبًا لا قيمتها (الدّرّ المختار) أي مِن حيثُ الوجوب يعني يعتبر في الوجوب أن يبلغَ وزنهما نصابًا؛ نهر، حتّى لو كان لهُ إبريق ذهبٍ أو فضّةٍ وزنهُ عشرةُ مثاقيلَ، أو مأةُ درهم وقيمتُهُ لصياغتِهِ عشرون أو مائتانِ لم يجب فيه شيء إجماعًا؛ قهستاني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٢٠٩/٣، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

(ب) رواج یہاں اس طور پر ہے کہ جو زیور شادی میں دلہن کو دیا جاتا ہے اور اس طریقہ سے دیا جاتا ہے کہ اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ملک کیا گیا یا نہیں، زید اور اس کی بیوی دونوں لاولد مرگئے، صرف زید کا باپ اور زید کی بیوی کے باپ و بھائی بہن وغیرہ حیات ہیں تو اب اس زیور کے لینے کا مستحق کون ہے، اور زکاۃ کب سے دی جاوے گی؟ (۵۴۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: زیور کی زکاۃ بھی دینی لازم اور فرض ہے، جب سے زیور کا مالک ہوا اسی وقت سے زکاۃ دینی چاہیے، اندازہ کرلیا جاوے، اور اندازہ سے کچھ دن زیادہ ہو جاویں تو بہتر ہے کم نہ ہوں، اور جو زیور زوجہ کو چڑھایا جاتا ہے شوہر کی طرف سے؛ وہ اس زمانے کے عرف کے موافق زوجہ کی ملک نہیں ہوتا بلکہ شوہر کی ملک ہوتا ہے، بعد مرنے شوہر کے اس کی زوجہ اور والدین کو حسبِ حصصِ شرعیہ ملے گا، اور زوجہ کے حصے میں جو کچھ آوے گا وہ اس کے باپ کو ملے گا، باپ کی موجودگی میں بھائی بہن محروم ہیں اور زکاۃ اسی وقت سے دی جاوے گی جس وقت سے وہ زیور تیار ہوا[1] فقط واللہ اعلم (٦/ ۱۲۱-۱۲۲)

زیور اور نقد کے سوا کسی سامان خانگی میں زکاۃ نہیں

سوال: (۲۳۲)...... (الف) ایک شخص کے پاس اشیاء مندرجہ ذیل ہیں، کن کن اشیاء پر زکاۃ آوے گی؟ جائداد اراضی، برتن، مویشی، پارچہ جات، زیور قیمتی ایک ہزار روپیہ، غلہ ہر قسم، نقد دو ہزار، دیگر اسباب خوانگی؟

(ب) شخص مذکور پر قرضہ بھی ہے اور موجودہ نقدی سے زیادہ ہے؛ ایسے قرض دار ہونے کی حالت میں کیا زکاۃ دینا لازم ہے؟ (۱۶۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) ان اشیاء مذکورہ میں سوائے زیور اور نقد کے اور کسی سامان خانگی میں زکاۃ لازم نہیں ہے، اراضی میں موافق شرائط کے عشر واجب ہوتا ہے، اور مویشی میں اگر وہ سائمہ ہوں

(۱) وفي تبر الذّهب والفضّة وحليهما و أوانيهما الزّكاة إلخ ، ولنا أنّ السّبب مال نام و دليل النّماء موجود وهو الإعداد للتّجارة خلقةً. (الهداية: ۱/ ۱۹۵، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال ، فصل في الذّهب) ظفیر

حسبِ قاعدہ زکاۃ واجب ہوتی ہے، باقی اشیاء استعمالی: برتن یعنی ظروف اور پارچہ پوشیدنی اور غلہ خوردنی میں زکاۃ نہیں ہے۔ والتّفصيل في كتب الفقه[1]

(ب) مدیون پر بہ قدر دَین زکاۃ ساقط ہے اور اپنا دَین کسی پر ہو تو وصول کے بعد زکاۃ دینا لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٦٠-٦١)

عورت کے زیور پر زکاۃ واجب ہے، سواری کے گھوڑے اور ہل جوتنے کے بیلوں پر زکاۃ نہیں ہے

سوال: (٢٣٣٣) عورت کے زیور، سواری کے گھوڑے، ہل جوتنے کے بیلوں پر زکاۃ لازم ہے یا نہیں؟ (٩٧٥/١٣٤٠ھ)

الجواب: عورت کے زیور پر زکاۃ واجب ہے[3] اور سواری کے گھوڑے اور زراعت کے

---

(١) ولافي ثيابِ البدنِ المحتاجِ إليها لدَفْعِ الحَرِّ والبَرْدِ............ وأثاثِ المنزلِ ودُورِ السُّكنٰى ونحوِها إلخ، وشرطُهُ أي شرطُ افْتِراضِ أدائِها حولانُ الحولِ وهُوَ في ملكِهِ، وثمنيَّةُ المالِ كالدّراهمِ والدّنانيرِ لتَعَيُّنِهِمَا للتّجارة بأصل الخِلقةِ؛ فتَلْزَمُ الزّكاةُ كيفَ ما أمسكهُما ولو للنّفقةِ أوْالسَّومُ بقيدها الآتى أو نيةُ التّجارة في العُروض. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧٠-١٧٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

واللّازمُ ...... فِي مضروبِ كُلّ مِنهما ومَعمولِهِ ولو تِبْرًا أو حُلِيًا مطلقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٠٩، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفير

(٢) فلا زكاة على مكاتب إلخ ومديون للعبد بقدر دَينه فيزكّي الزّائدَ إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٦٨، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

لو كان الدَّينُ علىٰ مُقِرٍ إلخ فوصَلَ إلٰى ملكِهِ لزم زكاة ما مضٰى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧٢-١٧٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(٣) وفي تبر الذّهب والفضّة وحليهما وأوانيهما الزّكاة. (الهداية: ١/١٩٥، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، فصل في الذّهب) ظفير

بیلوں پر زکاۃ نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۲/۶)

جن زیورات میں غش ملا ہوتا ہے ان کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۳۴) ہمارے ملک میں جو زیور طلا (سونا) بنتا ہے اس میں تیسرا حصہ غش (کھوٹ) کا ملایا جاتا ہے، ایسے زیور میں کس حساب سے زکاۃ دی جاوے؟ (۱۳۳۹/۲۰۴۱ھ)

الجواب: جس میں غالب سونا ہو یعنی نصف سے زائد سونا ہو وہ سونے کے حکم میں ہے اور مثل خالص سونے کے اس میں زکاۃ واجب ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۵/۶)

گوٹے اور جڑاؤ زیور میں بھی زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۳۵) گوٹے اور جڑاؤ زیور میں زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۳۱۵ھ)

الجواب: گوٹا جب کہ بہ قدر نصاب ہوجاوے تو اس میں زکاۃ واجب ہے، یا اگر نصاب چاندی وغیرہ کا موجود ہو تب بھی گوٹے کا اندازہ کرکے اس میں شامل کرکے زکاۃ دینی چاہیے، اور جڑاؤ زیور میں بھی زکاۃ واجب ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۰/۶)

سوال: (۲۳۶) بر گوٹا ٹھپا کہ سیم وزر درآں می باشد زکاۃ واجب است یا نہ؟

(۱۳۳۰-۲۹/۱۳۹۰ھ)

---

(۱) وليس في دور السّكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودوابّ الرّكوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة لأنّها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بناميّة أيضًا. (الهداية: ۱۸۶/۱ كتاب الزّكاة) ظفیر

(۲) وغالب الفضّة والذّهب فضّة وذهب (الدّرّ المختار) أي فتجب زكاتهما لا زكاة العروض. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۱۱/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۳) واللّازم ...... في مضروب كلٍّ منهما ومعمولِه ولو تِبرًا أو حُليًّا مطلقًا مباحَ الاستعمال أو لَا ولو للتّجمّل والنّفقة، لأنّهما خُلِقَا أثمانًا فيزكّيهما كيف كانا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۹/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

الجواب: بر گوٹا ٹھپّا کہ سیم وزر در آں باشد زکاۃ واجب است [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۲/۶)
ترجمہ سوال: (۲۳۶) گوٹے ٹھپّے پر کہ جس میں چاندی اور سونا ہو زکاۃ واجب ہے یا نہ؟
الجواب: گوٹے ٹھپّے پر کہ جس میں چاندی اور سونا ہو زکاۃ واجب ہے۔

جواہرات میں زکاۃ نہیں، سونا چاندی کے زیورات میں زکاۃ ہے

سوال: (۲۳۷)......(الف) جو زیور خالص جواہرات کا ہو اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟
(ب) جو زیور طلائی ہو اور اس میں جواہرات بھی جڑے ہوں تو اس کی زکاۃ کس طریقہ سے ہونی چاہیے؟
(ج) جس زیور میں ایک حصہ چاندی اور دو حصہ جواہرات ہوں اس کی زکاۃ کس حساب سے ہوگی؟ (۲۳۴۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) درمختار میں ہے: لا زكاة في اللآلي والجواهر وإن ساوت ألفًا اتّفاقًا إلّا أن تكون للتّجارة إلخ [۲] پس زیورات جواہرات کے تجارت کے لیے نہیں ہیں تو اس پر زکاۃ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم
(ب) (جواہرات کے علاوہ) اس زیور کی قیمت کر کے زکاۃ ادا کرے [۳]

(۱) واللّازم ...... في مضروب كلّ منهما ومعموله (الدّرّ المختار) قال الشّارح: قوله: (ومعموله) أي ما يُعمل من نحو حِليةِ سيفٍ أو مِنطقةٍ أو لِجام أو سَرْجٍ أو الكواكب في المصاحف والأواني وغيرها إذا كانت تَخْلُصُ بالإذَابَة، بحر، (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۰۹/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) جمیل الرحمٰن

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۸۰/۳، كتاب الزّكاة، قبل باب السّائمة.

(۳) واللّازم ......في مضروب كلّ منهما ومعموله ولو تِبرًا أو حُليًّا مطلقًا إلخ ربع عشر إلخ وغالب الفضّة والذّهب فضّة وذهب، وما غلب غشّهُ منهما يُقوّم ...... ويشترط فيه النّيّة إلّا إذا كان يخلُصُ منه ما يبلغ نصابًا أو أقلَّ وعنده ما يتمُّ به. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۹/۳-۲۱۲، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(ج) اگر زکاۃ میں چاندی دیوے تو اس زیور کی چاندی کا اندازہ کرلے جس قدر چاندی اس میں ہو اس کا چالیسواں حصہ دے دیوے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۳۰)

سوال: (۲۳۸) جواہرات مثلاً ہیرا، زمرد، لعل یا قوت وغیرہ پر زکاۃ ہے یا نہیں؟

(۱۴۶۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ جواہرات میں زکاۃ نہیں ہے، مگر جب کہ وہ تجارت کے لیے ہوں لا زكاة في اللآلي والجواهر إلخ إلّا أن تكون للتجارة إلخ [2] (درمختار) فقط واللہ اعلم (۶/۳۴۴)

جن زیورات میں نگ وغیرہ جڑے ہوتے ہوں ان کی زکاۃ کس طرح دی جائے؟

سوال: (۲۳۹) زید اپنی زوجہ کے زیور کی زکاۃ دینا چاہتا ہے، مشکل یہ ہے کہ بعض زیور میں چپڑا (لاکھ) بھرا ہوا ہے، اور بعض زیور میں نگ جڑے ہوئے ہیں، اگر چپڑا اور نگ نکالا جاوے تو زیور خراب ہو جاوے گا، اور اگر زرگر سے اندازہ کرایا جاوے تو پوری طرح پتا نہیں چل سکتا، اگر سونا نصاب سے کم ہے تو اس کی زکاۃ بہ شمول چاندی کے دی جائے گی یا سونے کی زکاۃ علیحدہ دی جائے گی؟ اور زکاۃ سونے و چاندی کی ایک چیز سے نکالی جاوے یا سونے کی زکاۃ سونے سے دی جاوے، اور چاندی کی زکاۃ چاندی سے دی جاوے، اگر زکاۃ میں کوئی زیور نکالا جاوے تو کچھ حرج تو نہیں ہے؟ (۴۶۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اندازہ صحیح کرا کر زیور سونے و چاندی کی زکاۃ دینی چاہیے یہ درست ہے، مگر اندازہ کرنے والے سے یہ کہہ دیا جاوے کہ جہاں تک ہو احتیاط کو مدنظر رکھے، مثلاً زیادہ سے زیادہ جس قدر چاندی و سونا اس میں معلوم ہو اس کو لیا جاوے، اور سونے کو ایسی صورت میں قیمت کرکے چاندی کو شامل کرکے چاندی سے زکاۃ دی جاوے، خواہ دونوں کی زکاۃ سونے سے دی جاوے،

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۸۰، كتاب الزّكاة، قبل باب السّائمة.

الغرض ایک چیز سے زکاۃ دینا درست ہے، ڈھائی فی سیکڑہ کے حساب سے زکاۃ دی جاوے اور زکاۃ میں اگر زیور ہی دے دیا جاوے کچھ حرج نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۹/٦-۱۲۰)

❑❖❑

(۱) و یضمّ الذّهب إلی الفضّة وعکسه بجامع الثّمنيّة قيمة، وقالا: بالأجزاء إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (ويضمّ إلخ) أي عند الاجتماع، أمّا عند انفراد أحدهما فلا تعتبر القيمةُ إجماعًا؛ بدائع، لأنّ المعتبر وزنه أداءً و وجوبًا کما مرّ، وفي البدائع أيضًا: أن ما ذُکر من وجوب الضّمّ إذا لم يکن کلّ واحد منهما نصابًا بأن کان أقلّ، فلو کان کلّ منهما نصابًا تامًّا بدون زيادة لا يجب الضّمّ بل ينبغي أن يؤدّي من کلّ واحد زکاته، فلو ضمّ حتّی يؤدّي کلّه من الذّهب أو الفضّة فلا بأس به عندنا، ولکن يجب أن يکون التّقويم بما هو أنفعُ للفقراء رواجًا وإلّا يؤدّي من کلّ منهما ربعَ عشره. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۱۵/۳، کتاب الزّکاة، باب زکاة المال) ظفیر

سامانِ تجارت کی زکاۃ کے احکام

سامانِ تجارت کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو ادائے زکاۃ کے وقت ہے

سوال: (۲۴۰) عطار خانہ کی دکان ہے، ہزاروں ادویہ ہیں، اور بساط خانہ اور جوتے وغیرہ ہیں اگر تخمیناً قیمت لگائی جائے، اور زائد کر کے لگائی جائے تو خلاف شرع ہوگا یا کیا؟ (۶۳۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ادویہ اور سامان بساط خانہ کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو اس وقت بازار کی ان کی قیمت ہے، اسی قیمت پر زکاۃ دی جاوے گی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۴۸-۱۴۹)

نقد، موجودہ مالِ تجارت اور اس روپے کی جو لوگوں کے ذمے ہے سب کی زکاۃ دینا لازم ہے

سوال: (۲۴۱) ایک تاجر تقریباً دس ہزار روپے نقد تحویل رکھتا ہے اور تقریباً پانچ ہزار کا مال تیار رکھتا ہے، اور اس مال میں سے اکثر مال تبدیل ہوتا جاتا ہے، اور تقریباً دو ہزار کا مال کارخانہ پر مکمل رکھتا ہے، اور تقریباً پانچ ہزار روپیہ لوگوں کے ذمے بقایا ہے؛ بہ تدریج وصول ہوتا ہے، لہٰذا شرعاً صرف نقد تحویل کی جو گھر میں موجود ہے زکاۃ دیوے یا مال اور بقایا کی بھی؟ (۲۰۶۹/۱۳۴۱ھ)

---

(۱) وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء و في السّوائم يوم الأداء إجماعًا، وهو الأصحّ، ويقوم في البلد الّذي المال فيه (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۹۵-۱۹۶، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه) ظفير

الجواب: نقد اور مال تجارت موجودہ اور اس روپیہ کی جو لوگوں کے ذمے ہے سب کی زکاۃ دینا لازم ہے، البتہ جو روپیہ لوگوں کے ذمے ہے اس کی زکاۃ بعد وصول کے گزشتہ سال کی بھی لازم ہوتی ہے، مثلاً اگر قرض دو برس کے بعد وصول ہوا تو بعد وصول کے دونوں سال کی زکاۃ دینا لازم ہوگا، پس اگر قبل از وصول بھی دے دے تو کچھ حرج نہیں ہے، بہر حال زکاۃ سب کی لازم ہے خواہ نقد ہو خواہ مال تیار شدہ یا غیر تیار شدہ اور خواہ لوگوں کے ذمے قرض ہو اور جو قرض اپنے ذمہ ہو اس کو منہا کرلیا جاوے گا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۴/۶)

جس قیمت پر سامانِ تجارت فروخت ہوتا ہے اسی حساب سے زکاۃ نکالنا واجب ہے

سوال: (۲۴۲)...... (الف) لاگت میں مال ایک ہزار کا ہے مگر بازار میں دو ہزار کا ہے اس بازار سے مراد کون بازار ہے آیا خاص مقامی بازار ہے یا ہر شہر وقصبہ کا؟

(ب) عطر وروغن اکثر بہ ذریعہ پارسلات وی پی بیرونجات میں روانہ ہوتا ہے اور بہت کم قنوج میں بھی فروخت ہوتا ہے، ایسے مال پر سال کے اختتام پر کس حساب سے زکاۃ دی جائے گی؛ آیا لاگت کے حساب سے یا جس حساب سے مال بیرونجات میں روانہ ہوتا ہے؟

(ج) ختم سال کے بعد کل مال موجودہ عطر وروغن وغیرہ وزن کرلیا جاتا ہے، اور بہ حساب لاگت میزان لگا کر اس پر زکاۃ دی جاتی ہے، مثلاً ایک عطر چھ آنہ تولہ کی لاگت کا ہے، اور اس کو آٹھ آنہ تولہ فروخت کیا گیا؛ تو زکاۃ بہ حساب لاگت چھ آنہ تولہ کے دی جاوے گی یا آٹھ آنہ تولہ کے؟

(۵۳۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) اس سے مراد اس مقام کا بازار مراد ہے کہ جس میں وہ ہے۔

---

(۱) وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمنيّة المال كالدّراهم والدّنانير لتعيّنها للتّجارة بأصل الخلقة فتلزم الزّكاة كيف ما أمسكهما ولو للنّفقة إلخ أو نيّة التّجارة في العروض إمّا صريحًا إلخ أو دلالة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۳/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(ب) زکاۃ اس حساب سے دی جاوے گی جو قیمت اس کی بازار میں ہے اور مراد اس بازار سے وہ بازار ہے جس میں وہ مال ہے۔ کما في الدّرّ المختار: ویقوّم في البلد الّذي المال فیه[1] (الدّرّ المختار علی هوامش الشّامي: ٢/٣٠، باب زکاۃ الغنم)

(ج) جس حساب سے بکری ہوتی ہے اس حساب سے قیمت عطر و روغن کی لگائی جاوے، اگر نقد دینے میں نقصان معلوم ہو تو سہولت کا وہی طریقہ ہے جو القاسم میں مذکور ہے کہ بعینہٖ عطر و روغن کا چالیسواں حصہ نکال دیوے، خواہ اس کو فروخت کر کے وہ قیمت فقراء کو تقسیم کر دیوے، یا عطر و روغن ہی تقسیم کر دیوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ (٦/٨٠-٨١)

کتاب کی زکاۃ لاگت پر ہے یا موجودہ قیمت پر؟ اور زکاۃ میں کتابیں دینا درست ہے

سوال: (٢٤٣) کتاب مرقاۃ الصرف کی چھپائی میں مبلغ ١٣٠ روپے لاگت آئی ہے، منافعہ لگا کر قیمت رکھی گئی ہے وہ بھی تاجرانہ ٤ آنہ، غیر تاجرانہ ٦ آنہ، اب میرا حسابی سال ختم ہو گیا، زکاۃ اصل لاگت پر دی جاوے یا قرارداد نفع سمیت رقم پر، مجھے وثوق نہیں کہ ما حصل کیا اور کب ہوگا؟ یہی کتاب مستحقین کو بہ مد زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (١٩٢٦/١٣٤١ھ)

الجواب: کتاب مذکور کی چھپائی میں جو ١٣٠ روپیہ صرف ہوا، ختم سال پر آپ کو اسی قدر روپیہ کی زکاۃ دینی لازم ہے، اور زکاۃ میں آپ کتاب مذکور بھی دے سکتے ہیں کتاب کی قیمت وہی لگائی جاوے جو لاگت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/١٤٣)

استدراک: کتابوں کی زکاۃ لاگت پر نہیں بلکہ جس قیمت پر فروخت ہوتی ہیں اس حساب سے زکاۃ ادا کرنا ضروری ہے، جیسا کہ سابقہ جواب میں گزرا، پس صورتِ مسئولہ میں اندازہ کر کے جتنی کتابیں تاجرانہ دام پر فروخت ہوں گی ان کی زکاۃ تاجرانہ قیمت کے حساب سے ادا کی جائے گی اور جتنی کتابیں غیر تاجرانہ دام پر فروخت ہوں گی، ان کی زکاۃ غیر تاجرانہ قیمت کے حساب سے ادا کی جائے گی ـــــ اور بہتر یہ ہے کہ کتابیں ہی بہ مدّ زکاۃ مستحقین کو دی جائیں۔ محمد امین پالن پوری

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٩٦، کتاب الزّکاۃ، باب زکاۃ الغنم، قبیل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقلید فیها من أقران سیبویه.

سامانِ تجارت کی زکاۃ موجودہ بھاؤ کے اعتبار سے دی جاوے گی

سوال: (۲۴۴) سوداگر کے پاس مال موجود ہے، اب زکاۃ دینا چاہتا ہے سال بھر کے بعد؛ تو اس مال کی قیمت خرید کا اعتبار ہوگا یا بازار کے بھاؤ کا لحاظ ہوگا۔ (۲۵۰۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مال تجارت کی جو قیمت بازار میں وقت زکاۃ دینے کے ہے، اسی قیمت کے اعتبار سے زکاۃ ادا کی جاوے خواہ وہ قیمت خرید سے زیادہ ہو یا کم [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۱/۶)

سوال: (۲۴۵) زکاۃ مال خرید کردہ پر ہوگی یا موجودہ نرخ پر؟ (۸۵۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زکاۃ کے ادا کے وقت جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۱/۶)

سامانِ تجارت کی زکاۃ میں کس نرخ کا اعتبار ہوگا؟

سوال: (۲۴۶) اسبابِ تجارت پر زکاۃ دینے میں اعتبار نرخ خریداری کا کیا جاوے یا جو نرخ اس وقت بازار میں ہو؟ (۱۴۷۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اسبابِ تجارت پر زکاۃ اس قیمت کے اعتبار سے دی جاوے گی جو نرخ بازار کے موافق ہے، اسی پر عمل کرنا چاہیے، اگر نرخ خرید کے موافق زکاۃ دے اور بہ اعتبار نرخ بازار زیادہ واجب ہوئی تھی تو باقی زکاۃ اس کے ذمے رہی اس کو ادا کرے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۹/۶)

جس مال کی قیمت بدلتی رہتی ہے اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۴۷) جس مال کی قیمت بدلتی رہے یا بسا اوقات قیمت خرید سے بھی بہت کم ہو جاوے اور مال فروخت ہونے کی کوئی صورت نہ ہو کیوں کر اس کی زکاۃ ادا کرنی چاہیے؟ (۷۴/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء إلخ ويقوم في البلد الّذي المال فيه (الدّرّ المختار) وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصحّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۹۵/۳-۱۹۶، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه) ظفیر

الجواب: جس وقت پورا سال اس مال تجارت پر ہوجاوے تو جو قیمت اس مال کی اس وقت ہو اس کا حساب کرکے چالیسواں حصہ دیوے؛ خواہ نقد سے یا اسی مال موجودہ میں سے[1] فقط واللہ اعلم (٦/١٤٥)

ایک چیز کی قیمت لگا کر زکاۃ میں دی بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی قیمت زیادہ ہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (٢٤٨) ایک شخص نے ایک کرتا زکاۃ میں دیا، اور اس کی قیمت دینے کے وقت آٹھ آنے لگائی، دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی قیمت بارہ آنے ہے تو اس صورت میں بارہ آنے زکاۃ میں محسوب ہوسکتے ہیں یا نہ؟ (٨٩٥/٣٢-١٣٣٣ھ)

الجواب: ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ کرتا معطی لہ کے پاس موجود ہو تو بارہ آنے زکاۃ میں شمار کرسکتا ہے[2] فقط واللہ اعلم (٦/٩٥)

کمپنی کے حصص خریدنے میں جو رقم لگائی ہے اس پر زکاۃ ہے یا صرف اس کے منافع پر؟

سوال: (٢٤٩) زید نے ایک کمپنی کے پندرہ حصے پانچ ہزار روپے میں خریدے، اس میں جو کچھ نفع ہوتا ہے وہ سالانہ تقسیم ہوکر حصہ داروں کو ملتا ہے، زید کو بھی پانچ سو روپے ملے؛ آیا زید کے ذمے پانچ ہزار کی زکاۃ دینا لازم ہے یا منافع سالانہ کی رقم پر زکاۃ لازم ہوگی؟ (١٨٥٦/١٣٣٩ھ)

---

(١) وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء ...... إجماعًا، ويقوّم في البلد الّذي المال فيه.(الدّرّالمختارمع ردّ المحتار: ٣/١٩٥-١٩٦، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه)ظفير

(٢) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكمًا كما لو دفع بلا نيّة ثمّ نوى والمال قائم في يد الفقير إلخ جاز. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧٤-١٧٥، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)

الجواب: زید کو اس رقم پانچ ہزار کی زکاۃ بھی دینی لازم اور فرض ہے۔ کذا في الدّرّ المختار (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۰/٦)

زکاۃ نکالتے وقت کمپنی کے حصص کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال: (۲۵۰) ایک شخص نے تجارتی کمپنی کے حصص خریدے، جب کمپنی شروع ہوئی تھی اس وقت ایک حصہ سو (۱۰۰) روپیہ کا تھا، اور جس وقت اس نے حصے خریدے اس وقت ایک حصہ کی قیمت ایک ہزار تھی، اس وقت ایک حصہ کی قیمت پانچ سو ہے؛ تو یہ شخص کس قدر زکاۃ دیوے؟ (۱۷۴۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جو قیمت اس وقت ہے یعنی پانچ سو روپیہ کی زکاۃ دیوے (۲) فقط (۱۴۵/٦-۱۴٦)

کاروبار میں لگے ہوئے روپے کی زکاۃ کیسے نکالی جائے؟

سوال: (۲۵۱) جب کہ روپیہ اس قسم کے کاروبار میں لگایا جائے کہ اس میں زیادہ تر لینا اور دینا ہو، اور زرِ نقد یا مالِ تجارت کی صورت میں یا تو بہت تھوڑا حصہ اصل کا رہے، یا اس پر پورا برس کسی حال میں نہ گزرے تو زکاۃ کس رقم پر واجب الاداء ہوگی؟ (۱۲۴۲/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: ختم سال پر دیکھا جاوے جس قدر مالِ تجارت ونقد روپیہ موجود ہو اس سب کا حساب کر کے زکاۃ ادا کی جاوے (۳) اور جو رقوم لوگوں کے ذمے قرض ہیں ان کی زکاۃ بھی واجب ہے،

---

(۱) والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضمّ إلٰی نصاب من جنسه فیزکّیه بحول الأصل (الدّرّ المختار) قوله: (ولو بهبة أو إرث) أدخل فیه المُفاد بشراء أو میراث أو وصیّة وما کان حاصلاً من الأصل إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۹۷/۳، کتاب الزّکاة باب زکاة الغنم، مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقلید فیها من أقران سیبویه)

(۲) وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء ...... ویقوم في البلد الّذي المال فیه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹۵/۳-۱۹٦، کتاب الزّکاة، باب زکاة الغنم، قبیل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقلید فیها من أقران سیبویه) ظفیر

(۳) وقیمة العرض للتّجارة تضمّ إلی الثّمنین لأنّ الکلّ للتّجارة وضعًا وجعلاً إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۵/۳، کتاب الزّکاة، باب زکاة المال) ظفیر

مگرادا کرنا بعد وصول کے واجب ہوتا ہے، ایام گزشتہ کی زکاۃ بھی بعد وصول کے دینی لازم ہے [۱]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۳۲-۱۳۳)

اخیر سال میں جس قدر نقد روپیہ اور مالِ تجارت موجود ہے؛ سب پر زکاۃ واجب ہے اور جو مال سال ختم ہونے سے پہلے خرچ ہوگیا اس کی زکاۃ لازم نہیں

سوال: (۲۵۲) زید نے دوسو روپے لگا کر تجارت کی، بعد سال کے حساب کیا تو رقم ذیل اس کے پاس نکلی؛ سو روپے نقد ہے، سوا سو روپیہ کا مال تخمیناً ہے، ڈیڑھ سو روپے کا مال قرض بیچا ہے، یا جو رقم نقد سال آخر میں موجود ہے اور جو سال بھر میں اس رقم سے خرچ کیا ہے، اس پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ ظروف مستعملہ جو گاہے گاہے فروخت کرڈالتا ہے ان پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۶۳۸/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: آخر سال میں جس قدر روپیہ نقد اور مال تجارت موجود ہے سب پر زکاۃ واجب ہے، اور جو رقم بہ ذمہ دوسروں کے قرض ہے اس پر بھی زکاۃ ہے، مگرادا کرنا زکاۃ کا اس پر بعد وصول کے ہے [۱] جو رقم وصول نہ ہو اس کی زکاۃ ساقط ہے اور معاف ہے، اور جو مال سال بھر کے اندر ختم سال سے پہلے خرچ ہوگیا، اس کی زکاۃ لازم نہیں ہے، اور ظروف مستعملہ بہ غرض تجارت نہیں خریدے گئے ان پر بھی زکاۃ نہیں ہے، البتہ ان میں سے جو ظروف فروخت کردیے، اور اس کی قیمت شامل؛ رقم موجودہ ہے اس کی زکاۃ دی جائے گی [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۸)

سالِ آئندہ کا خرچ نکالے بغیر موجودہ کل مال کی زکاۃ ادا کرنا لازم ہے

سوال: (۲۵۳) ایک سوداگر ایک ہزار روپیہ سے تجارت شروع کرتا ہے، اور سال بھر کے بعد

(۱) ولو كان الدَّينُ علىٰ مُقِرٍّ إلخ فوصل إلىٰ ملكهٖ لزم زكاة ما مضىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۲-۱۷۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً)ظفير

(۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسهٖ ضمّه إليه وزكّاه به إلخ؛ ولنا أنّ المجانسة هي العلّة في الأولاد والأرباح لأنّ عندها يتعسّر التّمييز فيعسر اعتبار الحول لكلّ مستفاد وما شرط الحول إلاّ للتّيسير. (الهداية: ۱/۱۹۳، كتاب الزّكاة، باب صدقة السّوائم ، فصل)

جب حساب کرتا ہے تو اس کے پاس ڈیڑھ ہزار روپیہ کا مال موجود ہے، اور سال بھر تک وہ اس میں سے اپنا خرچ بھی ساتھ ساتھ کرتا رہا ہے تو کیا اس کو اب زکاۃ بہ موجب حکم شریعت سال بھر کا خرچ نکال کر دینی چاہیے یا کہ ڈیڑھ ہزار کی پوری بغیر نکالے خرچ سال آئندہ ادا کرنی چاہیے؟

(۲۳/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: اب اس کو ڈیڑھ ہزار کی زکاۃ ادا کرنی لازم ہے۔ کذا في الدّرّ المختار[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۴۵)

ایک تاجر نے دوسرے تاجروں کو جو مال اُدھار دیا ہے اس کی زکاۃ قیمت وصول ہونے کے بعد ادا کرنا واجب ہے

سوال: (۲۵۴) اکثر تجار اپنا تجارتی مال بیوپاریوں کے حوالے کر دیتے ہیں، اور اس کی قیمت کا ادا ہونا قرائن قویہ سے متیقّن بھی ہے، ایسی صورت میں قیمت معہود نصاب زکاۃ میں محسوب ہوگی یا نہ کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آج تاجروں کے پاس مال آیا اور کل بیوپاری بہ طور قرض کے اٹھا لے گئے۔ (۱۳۴۳/۲۷۵۳ھ)

الجواب: اس مال کی زکاۃ واجب ہے، مگر بعد وصول ہونے کے ادا کرنا زکاۃ کا واجب ہوتا ہے، اور گزشتہ زمانے کا بھی لحاظ زکاۃ میں کیا جاتا ہے، مثلاً اگر کئی برس میں وہ روپیہ وصول ہو تو سنین ماضیہ کی زکاۃ بھی ادا کرنا لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۴۷)

جو روپیہ قرض میں ہے اس کی زکاۃ واجب ہے

سوال: (۲۵۵) تاجروں کو تجارت میں سال کے بعد مال مہاجن کا منہا کر کے باقی روپیہ جو

---

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب میں آچکا ہے۔۱۲

(۲) فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة فكلّما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۱۷، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، قبيل مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

منافع کا زیادہ ہوتا ہے، اور وہ اکثر خریداروں کے ذمہ باقی رہا کرتا ہے، اس روپیہ میں بھی زکاۃ ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جو روپیہ قرض میں ہے اس کی زکاۃ واجب ہے، اور ادائے زکاۃ بعد وصول لازم ہوتی ہے[1] (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۳/۶-۱۴۴)

تجارت کے لیے جو روپیہ قرض لیا ہے اس پر زکاۃ نہیں

سوال: (۲۵۶) زید نے گیارہ سو روپے لے کر قرض تجارت شروع کی؛ ذاتی سرمایہ کچھ نہیں، کیا زید پر زکاۃ لازم ہے؟ (۱۳۳۸/۷۸۲ھ)

الجواب: ابھی کچھ زکاۃ اس پر لازم نہ ہوگی؛ جب گیارہ سو روپے سے زیادہ بہ قدر نصاب اس کے پاس حاصل ہو جاوے، اس وقت اس زائد کی زکاۃ دیوے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۱/۶)

قرض کی رقم وضع کرنے کے بعد مالِ تجارت نصاب کے بہ قدر ہو تو اس کی زکاۃ واجب ہے اور ادائے زکاۃ کے وقت مال کی بازار میں جو قیمت ہے اس کا اعتبار ہوگا

سوال: (۲۵۷) تجارت میں اگر بعد ادائے قرضہ دادنی مثلاً ایک ہزار روپیہ کا مال دکان داری ہو تو کیا اس ایک ہزار پر زکاۃ دینا واجب ہے؟ لیکن دکان داری کا مال ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو فروخت کیا جائے، اور دکان چھوڑنے کا قصد ہو تو کبھی ایک روپیہ کا مال ایک روپیہ میں فروخت نہیں ہوتا، اس مال کی قیمت ادائے زکاۃ کے وقت وہی محسوب ہوگی جو اس کی اصلی قیمت بہ وقت موجودہ و خرید ہے، یا وہ قیمت محسوب کرنی چاہیے جو دکان چھوڑنے کے وقت مل سکتی ہے، اور اس پر زکاۃ دینا چاہیے؟ (۱۳۳۵/۴۶۷ھ)

الجواب: قرض دادنی کے وضع کرنے کے بعد اگر ایک ہزار روپیہ کا مال مثلاً بچے؛ ختم سال پر

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) فلا زكاة على مكاتب إلخ ، ومديون للعبد بقدر دَينه فيزكّي الزّائد إن بلغ نصابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۸/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

اس کی زکاۃ دینی چاہیے، اور زکاۃ قیمت مال موجودہ بہ نرخ موجود کے حساب سے واجب ہوگی، دکان چھوڑنے کی حالت میں جو کمی پر مال فروخت ہو اس کا خیال نہ کیا جاوے گا، بلکہ نرخ بازار موجودہ حال کا اعتبار ہوگا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۶)

جو روپیہ تجارت میں اور زمین کی خریداری میں لگایا گیا ہے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۸) جو روپیہ تجارت میں لگایا جاوے اس پر زکاۃ کا کیا حکم ہے؟ اور جو روپیہ خرید اراضی پر صرف کیا جاوے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۴۴۶ھ)

الجواب: جو روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے اور سامان تجارت اس سے خریدا گیا ہے؛ اس تمام پر زکاۃ واجب ہے جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جاوے اور سال گزر جاوے۔ **كذا في عامّة كتب الفقه**[۱] اور زمین ومکان بھی اگر تجارت کے لیے خریدا جاوے؛ مثلاً زمین ومکان [کی خرید وفروخت بہ غرض نفع کے کی جاوے تو اس پر بھی زکاۃ ہے، اور جو زمین ومکان][۲] کرایہ پر دیا جاوے اس کے کرایہ کی آمدنی پر بعد پورا ہونے نصاب کے زکاۃ ہے، اور تفصیل ان مسائل کی کتب فقہ میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۲/۶)

تجارت کے فروغ کے واسطے جو آلات اور گاڑیاں ہیں ان میں زکاۃ نہیں

سوال: (۲۵۹) آلاتِ تجارت؛ مثل: کشتیاں و جہازات اور بیل گاڑیاں اور اونٹ گاڑیاں

---

(۱) الزّكاة واجبة في عروض التّجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابًا من الورق والذّهب إلخ ، وتعتبر القيمة عند حولان الحول إلخ ، إذا كان له مائتا قفيز حنطة للتّجارة تساوي مائتي درهم فتمّ الحول ، ثمّ زاد السّعر أو انتقص فإن أدّى من عينها أدّى خمسة أقفزة، وإن أدّى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب إلخ، وعندهما يوم الأداء وكذا كلّ مكيل أو موزون أو معدود إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۹-۱۸۰، كتاب الزّكاة ، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الثّاني في العروض) ظفير

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

نقلِ اموالِ تجارت کے واسطے اور دکان دار کے گھر وغیرہ اموال کی بیع کے واسطے یہ سب آلات؛ عروضِ تجارت میں شمار ہوں گے یا آلات محترفہ میں؟ (۸۰٦/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ اشیاء؛ آلاتِ محترفین میں داخل ہیں ان میں زکاۃ نہیں ہے۔ **وكذٰلك آلات المحترفين إلخ**[1] **(أي لا زكاة فيها)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٧٨)

سلائی مشین پر زکاۃ نہیں ہے

سوال: (۲٦۰) آلات پر زکاۃ ہے یا نہیں جیسے سلائی کی مشین وغیرہ۔ (۲٦۳٦/۱۳۳۷ھ)

الجواب: آلات محترفین پر زکاۃ نہیں ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: **وكذٰلك آلات المحترفين إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٩٣)

سوال: (۲٦۱) زید نے یک صد روپیہ کی مشین خریدی اس پر زکاۃ دینی چاہیے یا نہیں؟ (۱۴۸۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس کی زکاۃ واجب نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٩۰)

آٹا چکی پر زکاۃ واجب نہیں

سوال: (۲٦۲) ایک شخص نے آٹا پیسنے کی مشین لگائی ہے اس پر زکاۃ ہے یا نہ؟ (۲۱۲۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس مشین کی قیمت پر زکاۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۴۲-۱۴۳)

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۱، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.**

(۲) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

فليس في دُور السّكنٰى وثياب البدن وأثاث المنازل ودوابّ الرّكوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة، وكذا طعام أهله وما يتجمّل به من الأواني إذا لم يكن من الذّهب والفضّة إلخ، وكذا ...... آلات المحترفين. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۲، كتاب الزّكاة، الباب الأوّل في تفسيرها وصفتها و شرائطها) ظفیر

استدراک: خاکسار کے نزدیک اس مشین کی قیمت پر زکاۃ نہیں ہے۔ ولو اشتری قدورًا من صفر یمسکها ویؤاجرها لاتجب فیها الزّکاة کما لاتجب في بیوت الغلّة .... کذا في فتاوی قاضي خان ...... وکذلك العطّار لواشتری القواریر ولواشتری جوالق لیؤاجرها من النّاس فلا زکاة فیها ؛ لأنّه اشتراها للغلّة لا للمبایعة ، کذا في محیط السّرخسي . (الفتاوی الهندیة: ١/١٨٠، کتاب الزّکاة ، الباب الثّالث في زکاة الذّهب والفضّة والعروض ، الفصل الثّاني في العروض) ظفیر

دواخانہ کی ادویہ کی زکاۃ کس طرح نکالی جائے؟

سوال: (۲٦۳) زید دواخانہ یونانی کی دکان کرتا ہے جس میں ہزارہا دوائیں ہیں جو کہ فروختگی میں ماشہ دو ماشہ نکلتی ہیں؛ جس کا باقاعدہ حساب رہنا مشکل ہے، ان دواؤں کی زکاۃ کس طریقے پر دینی چاہیے؛ اگر علیحدہ علیحدہ وزن کر کے قیمت لگائی جاوے تو ایک مدت چاہیے؟ (۱۹۲۳/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: حساب کرنا تو زکاۃ کے لیے ضروری ہے، مگر تمام ادویہ کو علیحدہ علیحدہ وزن کرنا اور قیمت لگانا دشوار ہے تو ایسا کیا جائے کہ سالانہ موجودہ میں سے جس قدر فروختگی کی میزان ہو اس کو منہا کیا جاوے، الغرض اندازہ کر لینا مال موجودہ کا ضروریات میں سے ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۱۴۱-۱۴۲)

تجارت کے چاولوں کی زکاۃ روپے سے نکالنا درست ہے

سوال: (۲٦۴) ایک شخص کے پاس سال بھر سے تجارت کے واسطے چاول رکھے ہیں تو زکاۃ کیسے نکالے؟ (۱٦/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: قیمت چاول کی کر کے روپیہ سے زکاۃ ادا کر دیوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۱۴۷)

(١) أو في عرض تجارة قیمته نصاب إلخ من ذهب أو ورق أي فضّة مضروبة إلخ مقوّما بأحدهما إلخ ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/ ٢٠٩-٢١١، کتاب الزّکاة، باب زکاة المال) ظفیر

تجارت کے گڑ کی زکاۃ کس طرح دینی چاہیے؟

سوال: (۲۶۵) تجارت کا مال گڑ ہے اس کی زکاۃ کس طرح دینی چاہیے؟ (۳۲۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: گڑ کی قیمت کر کے چالیسواں حصہ زکاۃ دی جاوے یا گڑ ہی زکاۃ میں دے دیا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۴/۶)

دکان کے سامان کا اندازہ کر کے زکاۃ نکالنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۶) زید پنساری کی دکان کرتا ہے، اس میں چوں کہ سیکڑوں سودا ہوتا ہے، اس وجہ سے اخیر سال میں وزن نہیں کرسکتا، اندازہ سے زکاۃ ادا کرتا ہے ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۲۹۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اندازہ کرنے میں حتی الوسع یہ لحاظ رکھے کہ کچھ زیادہ اندازہ لگایا جاوے تاکہ زکاۃ میں کمی نہ رہے، کیوں کہ درحقیقت اگر اندازہ کم ہوا تو اس قدر زکاۃ ذمہ پر واجب رہے گی[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۰/۶)

جس دکان کا حساب مرتب نہیں اس کی زکاۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: (۲۶۷) زید کی دکان جب سے قائم ہوئی ہے اس وقت تک کوئی ایسا حساب مرتب

---

(۱) واللّازم ...... في مضروب كلّ منهما ——— إلیٰ قولہٖ ——— أوفي عرض تجارة قيمته نصاب ...... من ذهب أو ورق ...... مقوّمًا بأحدهما ...... ربع عشر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۰۹/۳-۲۱۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال) ظفیر

(۲) الزّكاة واجبة في عروض التّجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاب من الورق والذّهب. (الفتاوى الهندية: ۱۷۹/۱، كتاب الزّكاة، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الثّاني في العروض) ظفیر

نہیں ہوا جس سے اس کی مالیت کا صحیح اندازہ ہو سکے، ایسی حالت میں زکاۃ ادا کرنے کی کونسی صورت اختیار کرے؟ سنین ماضیہ کی زکاۃ جو اس نے ادا نہیں کی اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۹۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حساب کر کے زکاۃ ادا کرنی چاہیے اور سنین ماضیہ کی بھی زکاۃ ادا کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۱۴۸)

❐❖❐

(۱) کیوں کہ وہ اس کے ذمہ میں دَین ہے۔ قوله: (ومديون للعبد) الأولیٰ: ومديون بدَينٍ يطالبه به العبد ليشمل دَين الزّكاة والخراج ، لأنّه للّٰه تعالیٰ .... له مطالبًا من جهة العباد إلخ. (ردّ المحتار: ۳/ ۱۶۸، كتاب الزّكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) محمد امین پالن پوری

پیداوار کی زکاۃ کے احکام

عشری اور خراجی زمین کس کو کہتے ہیں؟

سوال: (۲۶۸) زمین عشری کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا کیا شرائط ہیں؟ (۱۰۲۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: في الدّرّ المختار: ما أسلم أهله طوعًا أو فتح عنوةً و قسم بين جيشنا والبصرة......عشرية [1] پس ایسی زمین عشری ہے، جب تک درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملک متخلل نہ ہوجاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۰/۶-۱۹۱)

سوال: (۲۶۹) زمین خراجی کسے کہتے ہیں اور اس کے کیا کیا شرائط ہیں؟ (۱۰۳۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس میں بھی تفصیل ہے، مناسب مقام ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی وقت غیر مسلم اس کا مالک ہوجاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۰/۶-۱۹۱)

عشر زمین دار پر واجب ہے یا کاشت کار پر؟

سوال: (۲۷۰) عشری زمین کسے کہتے ہیں؟ {اور خراجی زمین کسے کہتے ہیں؟} [2] جو لوگ زمینداروں کو مال گزاری ادا کرتے ہیں ان لوگوں پر کس حساب سے غلہ میں صدقہ واجب ہے؟ (۲۱۰۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شامی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمین عشری وخراجی نہیں ہیں؛ اگر احتیاطاً عشر دے تو بہتر ہے، اور جو لوگ زمیندار کو مال گزاری ادا کرتے ہیں اس میں اختلاف ہے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۶/۶-۲۱۷، کتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية.

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

کہ عشر کس پر واجب ہے؛ امام صاحب زمیندار پر واجب فرماتے ہیں، اور صاحبین مستاجر پر، اور درمختار میں ہے: وبقولهما نأخذ [1] اور شامی نے بھی بعد تفصیل وتحقیق کے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور مفتی بہ وماخوذ بہ کہا ہے۔ حیث قال: فلا ینبغي العدول عن الإفتاء بقولهما في ذٰلك [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۱۸۵-۱۸۶)

کاشت کار مقروض ہو تب بھی اس پر عشر واجب ہے

سوال: (۲۷۱) جس شخص کے پاس ذاتی زمین نہ ہو اور وہ لگان پر زمین لے کر کاشت کرائے اور اس کے پاس لاگت بھی نہ ہو بلکہ سودی قرض لے کر صرف کرے تو ایسی حالت میں اس کے اوپر پیداوار میں سے عشر واجب ہے یا نہیں؟ (۹۳۵/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: قول صاحبین کے موافق زمین عشری کا عشر بہ ذمہ مستاجر ہے۔ في الدّرّ المختار: وقالا: علی المستأجر [3] اور باب العشر میں یہ بھی ہے: ویجب مع الدّین إلخ [4] ان روایات کے موافق عشر پیداوار کا اس پر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۱۵۸)

لگان اور سینچائی والی زمین میں کتنا عشر ہے؟

سوال: (۲۷۲) زید نے ایک زمین دار سے بیس روپے سالانہ لگان پر کاشت کرنے کے لیے زمین لی ہے، اور پینتیس روپے اس کی سینچائی وغیرہ میں صرف ہوئے ہیں، پیداوار سو روپے کی ہے، زید کو اس میں کس قدر زکاۃ دینی ہوگی؟ (۹۸۲/ ۱۳۳۵ھ)

---

(۱) پوری عبارت یہ ہے: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا: علی المستأجر کمستعیر مسلم، وفي الحاوي وبقولهما نأخذ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۰-۲۵۱، کتاب الزّکاۃ، باب العشر، قبیل مطلب: هل یجب العشر علی المزارعین في الأراضي السّلطانیة) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۱، کتاب الزّکاۃ، باب العشر، تحت قول وبقولهما: نأخذ.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۱، کتاب الزّکاۃ، باب العشر، مطلب: هل یجب العشر علی المزارعین في الأراضي السّلطانیة.

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۴۲، کتاب الزّکاۃ، باب العشر، مطلب مهمّ في حکم أراضي مصر والشّام السّلطانیة.

الجواب: اس صورت میں زمین اگر عشری ہے تو دسواں حصہ پیداوار کا اس کو فقراء کو دینا چاہیے جس قدر پیداوار ہوئی مثلاً سو روپے کی اسی کا دسواں حصہ دینا ہوگا [۱] فقط واللہ اعلم (۶/۱۵۸-۱۵۹)

مزدوری اور دیگر اخراجات کی وجہ سے عشر میں کمی نہیں ہوگی

سوال: (۲۷۳) عشری زمین میں جو مزدوروں کو مزدوری ادا کی گئی ہے تو اس کا حساب عشر میں وضع کیا جاوے گا یا کہ نہیں؟ (۲۰۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عشر میں مزدوروں کی مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہ ہوگی، لہٰذا دسواں حصہ اس میں سے دینا چاہیے۔ درمختار میں ہے: بلا رفع مُؤَن أي كُلَف الزّرع و بلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كلّ الخارج إلخ [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۸۵)

مزارعت کی صورت میں عشر زمین دار اور کاشت کار پر اپنے اپنے حصہ کے بہ قدر واجب ہوتا ہے

سوال: (۲۷۴) الف نے اپنی زمین جو بارانی ہے عمر کو اس شرط پر کاشت کو دے دی کہ کاشت پر تخم جس قدر خرچ ہوگا وہ میں ادا کروں گا، اور پیداوار بہ حصہ نصف نصف تقسیم کرلیں گے، لگان سرکاری بھی الف ادا کیا کرتا ہے، کل پیداوار زمین بالا سے بائیس من غلہ حاصل ہوا جو نصف حصہ ۱۱ من الف کو ملا، اجرت کلیانہ (؟) تقریباً ایک من اس کے علاوہ مشترکہ دی گئی، گویا کل پیداوار زمین ہٰذا ۲۳ من ہوئی، کیا الف پر عشر واجب ہے؟ اور کس قدر؟ ساری پیداوار کا عشر الف مالک زمین ہی ادا کرے یا صرف اپنے اپنے حصہ کا دیں گے؟ یا لگان والی زمین کی وجہ سے عشر ساقط ہوجاوے گا؟ (۱۱۱۹/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) وتجب في مسقي سماء .... وسيح كنهر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۲، كتاب الزّكاة، باب العشر، قبيل مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۵، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية.

الجواب: زمین عشری میں اگر وہ زمین زراعت پر دی جاوے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں ہے عشر زمین دار و کاشت کار پر بہ قدر اپنے اپنے حصہ کے واجب ہوتا ہے، اور ایک من جو اجرت میں مشترک صرف ہوا اس کا عشر دونوں پر واجب ہے اور یہ بھی فقہاء نے لکھا ہے جو زمین خراجی ہو اس میں عشر واجب نہیں ہوتا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۹/۶)

سوال: (۲۷۵) میرے پاس کچھ زمین ہے کسی زمین کا خراج ہندو زمین دار کو دیتا ہوں، اور کسی زمین کا خراج مسلمان زمین دار کو دیتا ہوں، اب ہم کو عشر دینا ہوگا یا نہیں؟ میں زمین کو بٹائی پر دیتا ہوں مگر بیج عامل دیتا ہے، اس حالت میں کس حساب سے عشر دینا ہوگا؟ اگر نصف بیج میں دوں اور نصف عامل دے تب کس حساب سے دینا ہوگا؟ (۵۶۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: شامی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی دارالحرب میں خراج وعشر کچھ نہیں ہے[2] اور جن اراضی عشریہ میں عشر لازم ہے اور فرض ہے اس میں فتویٰ اس پر لکھا ہے کہ مزارعت کی صورت میں زمین دار مالک پر بہ قدر حصہ عشر لازم آتا ہے یعنی جس قدر غلہ جس کے حصہ میں آوے وہ اس کا عشر ادا کرے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۱۶۷-۱۶۸)

---

(۱) وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه، ولو من العامل فعليهما بالحصّة (الدّرّ المختار) والحاصل أنّ العشرَ عند الإمام علىٰ ربّ الأرض مطلقًا، وعندهما كذٰلك لو البذر منه، ولو من العامل فعليهما، وبهٖ ظهر أنّ ما ذكره الشّارح هو قولُهما، اقتصر عليه لما علمت من أنّ الفتوى علىٰ قولهما بصحّة المزارعة ...... لكن ما ذكر من التّفصيل يخالفه ما في البحر والمجتبىٰ إلخ وغيرها من أنّ العشر علىٰ ربّ الأرض عنده، عليهما عندهما من غير ذكر هٰذا التّفصيل، وهو الظّاهر لما في البدائع من أنّ المزارعة جائزة عندهما، والعشر يجب في الخارج ، والخارج بينهما فيجب العشرعليهما. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۵۲/۳، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية) ظفير

(۲) و يحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (ردّ المحتار: ۲۳۴/۳، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز) ظفير

(۳) حوالہ؛ سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

زمین دار کون ہے؟ اور عشر کاشت کار پر ہے یا زمین دار پر؟

سوال: (٢٧٦) زمین دار وہی ہے جو حاکم وقت کو خراج دیتا ہے یا اور کوئی؟ اور جس نے اس سے اجرت پر لیا وہ مستاجر ہے یا نہیں؟ زمین دار خود مالک ہے یا سرکار سے مستاجر ہے؟ عشر کے لیے ملک شرط ہے یا نہیں؟ مستاجر اور مزارع پر عشر واجب ہونے کے لیے عشری زمین شرط ہے یا نہیں؟ (٥٦٨/١٣٣٧ھ)

الجواب: زمین دار وہی ہے جو سرکار کو خراج دیتا ہے، اور مالک زمین؛ زمیندار ہے، اور عشر کے لیے ملک شرط ہے، لیکن مزارعت واجارہ کی صورت میں صاحبین کا مذہب جو مفتی بہ ہے یہ ہے کہ مزارعت میں زمین دار اور مزارع دونوں پر بہ قدر حصہ عشر واجب ہے[1] اور اجارہ کی صورت میں عندالصاحبین مستاجر (کاشت کار) پر عشر واجب ہے، اور امام صاحب موجر (زمین دار) پر عشر واجب فرماتے ہیں، بعض فقہاء نے امام صاحب کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے؛ لیکن اس زمانہ میں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ دینا اقرب ہے، اور درمختار میں حاوی سے منقول ہے: **وبقولهما نأخذ، وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّة إلخ**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/١٦٤-١٦٥)

سوال: (٢٧٧) بر تقدیر وجوبِ عشر یا نصف عشر؛ کاشت کار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا یا زمیندار پر؟ کاشت کار وہ ہے جو زمین کی جملہ خدمت کرتا ہے، اور مالک اراضی یعنی زمیندار اس سے نصف یا ثلث پیداوار کا بہ حیثیت شرائط جنس پیداوار سے یا غیر جنس سے لیتا ہے، اور سرکاری مال گزاری زمیندار ادا کرتا ہے۔ (١٠٣٢/٣٢-١٣٣٣ھ)

الجواب: **والعشر على المؤجر كخراج موظف، وقالا: على المستأجر كمستعير**

---

(١) **والعشر يجب في الخارج، والخارج بينهما فيجب العشرعليهما.(ردّ المحتار: ٢٥٢/٣، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية)** ظفیر

(٢) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٥١-٢٥٢، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية.**

مسلم، وفي الحاوي: وبقولهما نأخذ، وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه، ولو من العامل فعليهما بالحصّة [1] (الدّرّ المختار) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر زمین کرایہ پر ہے، تو بہ قول مفتی بہ کاشت کار پر، اور اگر بٹائی پر ہے اور تخم بھی کاشت کار کا ہے تو زمیندار اور کاشت کار دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے قدر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۰/٦-۱۹۲)

سوال: (۲۷۸) مسلمان مزارعین پر خواہ زمیندار ہوں یا کاشت کار؛ پیداوار زراعت میں یکساں زکاۃ فرض ہے یا کچھ فرق ہے؟ اور کس قدر زکاۃ دینی چاہیے؟ (۱۰۳۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زمین کی پیداوار کی زکاۃ دسواں حصہ ہے یہ عشر کہلاتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو، خراجی نہ ہو، مزارعت کی صورت میں یعنی بٹائی کی صورت میں عشر دونوں پر ہے، یعنی جس قدر غلہ مالک زمین کے حصے میں آوے اس کا عشر وہ دیوے، اور جس قدر کاشت کار کے حصے میں آوے اس کا عشر وہ دیوے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۰/٦-۱۸۱)

ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی

سوال: (۲۷۹) حکم خراج مقاسمہ عقد مزارعت (بٹائی) سے سرفراز فرمائے گا کہ سب مالک زمین پر ہے یا مزارع پر بھی بالحصہ ہے جیسا کہ حکم عشر ہے، اگر دونوں پر مثل عشر ہے تو شامی کی اس عبارت ثمّ اعلم أنّ هٰذا كلّه في العشر أمّا الخراج فعلى ربّ الأرض إجماعًا كما في البدائع [3] کا کیا مطلب ہے؟ (٦٢٢/۱۳۴۰ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵۰-۲۵۲، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية.

(۲) وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّة (الدّرّ المختار) أنّ العشر علىٰ ربّ الأرض عنده، عليهما عندهما إلخ، وهو الظّاهر لما في البدائع من أنّ المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب في الخارج، والخارج بينهما فيجب العشر عليهما. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵۲، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية) ظفیر

(۳) ردّ المحتار: ۳/۲۵۲، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية.

الجواب: شامی جلد ثالث باب العشر والخراج والجزية میں درمختار کے قول وهو أي الخراج نوعان: خراج مقاسمة إلخ کی شرح میں ہے: وقد تقرّر أن خراج المقاسمة كالعشر لتعلّقه بالخارج ولذا يتكرّر بتكرّر الخارج في السّنة ، وإنّما يفارقه في المصرف فكلّ شيء يؤخذ منه العشر أو نصفه يؤخذ من خراج المقاسمة، وتجري الأحكام الّتي قرّرت في العشر وفاقًا وخلافًا إلخ [۱] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت منقولہ شامی: ثمّ اعلم أنّ هٰذا كلّه في العشر أمّا الخراج فعلى ربّ الأرض إجماعًا كما في البدائع [۲] میں خراج سے مراد خراج موظف ہے نہ خراج مقاسمہ، اور اصل مسئلہ کے متعلق ایک روایت شامی باب الرکاز ص:۴۵، میں یہ بھی ہے: ولهٰذا قال القهستاني بعد قوله في أرض خراج أوعشر: الأخصر في أرضنا سواء كانت جبلاً أوسهلاً مواتًا أوملكًا، واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب أهـ ، ثمّ رئيت عين ما قلته في شرح الشّيخ إسماعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دارالحرب ؛ فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر إلخ [۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی نہ عشری ہے اور نہ خراجی ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۱-۱۷۰/٦)

تھوڑی سی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۰) بکر اپنی تھوڑی سی مملوکہ زمین خود کاشت کرتا ہے، اور وہ ذریعہ رزق اس کے بال بچوں کا ہے، اس پر (کھیتی کی) [۴] پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ (۶۶۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ٦/۲۲۷، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب في خراج المقاسمة.

(۲) ردّ المحتار: ۲۵۲/۳، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية.

(۳) ردّ المحتار: ۲۳۴/۳، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز .

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (کھیتی کی) کی جگہ ''کسی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

الجواب: عشر و نصف عشر اس پر واجب ہے[1] فقط (لیکن ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی؛ اس لیے عشر اور نصف عشر واجب نہیں۔ محمد امین پالن پوری) (۶/۱۸۰-۱۸۱)

چارہ کے لیے جو کھیت بویا ہے اس میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۱) اگر بیلوں کے چارہ کے واسطے کسان چند کھیت بووے تو آیا اس کھیتی میں عشر دینا چاہیے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۱۷۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: عشر اس کھیتی میں بھی جو جانوروں کے چارہ کے لیے ہے اور غلہ (یا چارہ) اس میں پیدا ہوا واجب ہے، اگر زمین بارانی ہے تو دسواں حصہ اور آب پاشی کی زمین سے بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے[2] اور اگر کھیت کو بلا دانہ اور بلا پختگی کے کاٹ کر جانوروں کو کھلایا جاوے یعنی گھاس کو ہی کھلا دیا جاوے تو عشر واجب نہیں[3] فقط رشید احمد عفی عنہ[4] (۶/۱۸۶)

---

(۱) قال أبو حنيفةؒ: في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر سواء سقي سيحًا أو سقته السّماء إلاّ القصب والحطب إلخ وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر (الهداية: ۱/۲۰۱-۲۰۲، كتاب الزّكاة، باب زكاة الزّروع والثّمار) ظفیر

(۲) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

يجب العشر ......في مسقي سماء أي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب — إلى قوله — إلاّ فيما لايقصد به استغلال الأرض نحو حطب إلخ ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۰-۲۴۴، كتاب الزّكاة، باب العشر)

وفي الجوهرة: إذا اتخذ أرضه مَقصبةً أو مَشجرةً أو منبتًا للحشيش و ساق إليه الماء، و منع النّاس منه يجب فيه العشر إلخ. (الجوهرة النّيّرة: ۱/۱۵۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة الزّروع والثّمار) جمیل الرحمٰن

(۳) یعنی اگر کھیت غلہ کے لیے بویا لیکن تبدیل ارادہ سے کاٹ کر کھلا دیا تو عشر واجب نہیں، ورنہ بہ قصد چارہ اگر بویا ہے تو عشر واجب ہے، جیسا کہ عبارات مذکورہ سے ظاہر ہے۔ ظفیر

(۴) ''رشید احمد عفی عنہ'' یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاویٰ ہیں، رجسٹر نقول فتاویٰ سنہ ۲۹-۱۳۳۰ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ''رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاویٰ پر ہیں کوئی ناقل فتاویٰ ہے''۔

سبزیوں اورترکاریوں میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۲) سبزی میں اگر زکاۃ واجب ہے تو کس قدر؟ (۲۹۰۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: امام صاحب کے نزدیک عشر جو کہ زمین کی پیداوار کی زکاۃ ہے سبزیوں اور ترکاریوں پر آتا ہے، مگر جب تک شرائطِ عشر محقق نہ ہوں عشر واجب نہیں ہوتا، اور ہندوستان کی اراضی کے عشری ہونے میں تردُّد واختلاف ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۰/۶)

پھلوں میں عشر ہے، سوختہ میں نہیں

سوال: (۲۸۳) باغ کے ثمر یا سوختہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: باغ کے ثمر میں عشر واجب ہے سوختہ میں نہیں (۲) فقط واللہ اعلم (۱۹۲/۶-۱۹۳)

دھان میں عشر ہے

سوال: (۲۸۴) دھان جو زمین میں پیدا ہوتا ہے اس کی زکاۃ کا کیا حساب ہے؟ (۳۲۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دھان کی زکاۃ دسواں حصہ ہے جو کچھ پیداوار زمین کی ہو اس میں سے دسواں حصہ دیا جاوے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۸/۶)

اگر زمین عشری ہے تو تمباکو کی پیداوار میں عشر ہے

سوال: (۲۸۵) اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں تمباکو بویا تو اس کی پیداوار میں عشر لازم ہوگا یا نہ؟ (۵۷۱/۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر زمین عشری ہے تو عشر اس میں سے لازم ہوگا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۹/۶)

---

(۱) ويحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (ردّ المحتار: ۲۳۴/۳، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز) ظفير

(۲) قال أبوحنيفةؒ: في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سُقي سيحًا أوسقته السّماء إلاّ القصب والحطب والحشيش. (الهداية: ۲۰۱/۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة الزّروع والثّمار) ظفير

افیون میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸٦) افیون مال متقوم ہے یا نہیں؟ اور اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۵/۱۷۵۴ھ)

الجواب: أقول وبالله التوفيق: اس صورت میں صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ افیون مال متقوم ہے، اور اس میں عشر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۷۸)

پیداوار اخراجات سے کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں عشر یا نصف عشر واجب ہے

سوال: (۲۸۷)...... (الف) ایک کاشت کار نے اپنی زمین میں چھ سو روپیہ کل اخراجات کھیتی کے لگا کر پیداوار آٹھ سو روپیہ کی حاصل کی تو اس پر زکاۃ کتنی رقم کی واجب ہوگی؟

(ب) اسی طرح دوسری زمین میں چھ سو روپیہ لگا کر فصل پر کل پانچ سو روپیہ کی پیداوار ہوئی یعنی اصل لاگت سے بھی یک صد روپیہ کا نقصان رہا تو اب زکاۃ کی کیا شکل ہے؟

(ج) ایک کاشت کار مندرجہ سوال (الف) کے مطابق تمام اخراجات زمین برداشت کرتا ہے، اور بہ ذریعہ موٹھ چاہ سے پانی دے کر کھیت سے فصل حاصل کرتا ہے؛ وہ زکاۃ کس طرح پر ادا کرے؟ (۱۵۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-ج) جن اراضی میں عشر واجب ہے ان میں کل پیداوار کا عشر نکالنا واجب ہے بدون وضع کرنے اخراجات کما في الدّرّ المختار: بلا رفع مؤن ...... الذّرع إلخ[1] اور مزارعت میں کاشتکار اور مالک زمین پر بہ قدر حصہ عشر واجب ہے، اور شامی کی روایت باب الرکاز سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر نہیں۔ اور نمبر (ج) میں ایک دوسری تفصیل ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۴۵/۳، کتاب الزّکاۃ، باب العشر، مطلب مهمّ في حکم أراضي مصر و الشّام السّلطانية.

وہ یہ کہ اس میں بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے[1] باقی جواب بہ دستور مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۳/۶-۱۷۴)

زمین دار کی موروثی زمین میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۸) کوئی شخص زمین کو زمین دار سے لے کر کاشت کرتا ہے اور زمانہ دراز گزرنے کی وجہ سے کاشت کار موروثی ہوگیا، زمین نہر سے سیراب کی جاتی ہے اور اس کا محصول بھی دیا جاتا ہے اس زمین پر عشر ہے یا نہیں؟ (۱۳۷۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے[2] فقط (منشا یہی ہے کہ دارالحرب کی زمین عشری نہیں ہے۔ ظفیر) (۱۷۱/۶)

جس نہر کا محصول سرکار کو دیا جاتا ہے اس نہر کے پانی سے جس کھیت کی آب پاشی کی گئی ہے اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نصف عشر؟

سوال: (۲۸۹) کل اراضی نہری کہ از سعیٔ نصاری معمور شدہ است، وقبل ازیں بالکل ویران بود، آنچہ پیداوار شدے بہ سبب باراں شدے، واکنوں آب بہ ذریعہ نہر در ہر جا می رود ورسد، وخراج ہم بگیرند، بعض مولوی گویند کہ کل اراضی نہری در حکم عشر است کہ عشر دادہ می شود، وبعض عکس آں وبعض از بست یک حصہ؛ کدام قول راجح وکدام مرجوح است؟ (۱۳۴۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درشامی آوردہ کہ در اراضی دارالحرب عشر وخراج نیست، ازیں روایت معلوم شدہ کہ در اراضی ہندوستان عشر واجب نیست[2] ونیز فقہاء تصریح فرمودہ اند کہ اگر در زمین عشری

---

(۱) وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر على القولين لأنّ المؤنة تكثر فيه، وتقلّ فيما يسقىٰ بالسّماء أو سيحًا وإن سقي سيحًا وبدالية فالمعتبر أكثر السّنة كما هو في السّائمة. (الهداية: ۲۰۲/۱، كتاب الزّكاة، باب زكاة الزّروع والثّمار) ظفير

(۲) ويحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (ردّ المحتار: ۲۳۴/۳، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز) ظفير

مائے انہار دادہ شود کہ محصول آں و قیمت آں بہ سرکار دادہ می شود، دراں نصف عشر یعنی بستم حصہ واجب می شود (۱) وایں نیز تصریح است کہ عشر باخراج جمع نمی شود (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲/۱۷۲-۱۷۳)

ترجمہ سوال: (۲۸۹) تمام نہری زمینیں جو کہ نصاری کی کوشش سے آباد ہوئی ہیں اور اس سے پہلے بالکل ویران تھیں؛ جو کچھ پیداوار ہوتی تھی بارش کے سبب ہوتی تھی، اور اب نہر کے ذریعہ پانی ہر جگہ چلا جاتا اور پہنچ جاتا ہے، اور وہ لوگ خراج بھی لیتے ہیں، بعض مولوی حضرات کہتے ہیں کہ تمام نہری زمینیں عشر کے حکم میں ہیں یعنی عشر دیا جائے گا، اور بعض اس کے برعکس، اور بعض بیسواں حصہ، کونسا قول راجح اور کونسا قول مرجوح ہے؟

الجواب: شامی میں آیا ہے کہ دارالحرب کی اراضی میں عشر وخراج نہیں ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کی اراضی میں عشر واجب نہیں ہے، اور نیز فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر عشری زمین میں نہر کا پانی دیا جاتا ہو کہ جس کا محصول اور جس کی قیمت سرکار کو دی جاتی ہو؛ تو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہوگا، اور یہ بھی تصریح ہے کہ عشر خراج کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ فقط

جو زمین پہاڑ کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نصف عشر؟

سوال: (۲۹۰) ایک قطعہ زمین جو پہاڑ کے پانی سے سیراب ہوتی ہے، مگر محنت ومشقت سے بند دے کر سیراب کی جاتی ہے تو شرعاً اس پر عشر واجب ہے یا نصف عشر؟ (۱۰۹۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی باب الرکاز میں ہے: **واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب أهـ ثمّ رأيتُ عين ما قلته في شرح الشّيخ إسماعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر إلخ** (۳) اس عبارت سے

---

(۱) ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المئونة إلخ بلا رفع مئون إلخ الزّرع وبلا إخراج البذر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۴-۲۴۵، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية) ظفیر

(۲) لأنّه لا يجتمع العشر والخراج. (ردّ المحتار: ۳/۲۴۱، كتاب الزّكاة، باب العشر)

(۳) ردّ المحتار: ۳/۲۳۴، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز.

واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں اور نہ خراجی، اور اگر یہ صورت دارالاسلام کی زمین میں ہو تو وہاں بہ صورت مذکورہ عشر لازم ہوگا، کیوں کہ مسقی سماء وسیح میں عشر واجب ہوتا ہے۔ كذا في الدّرّ المختار[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۴/۶)

جس زمین کی آب پاشی بارش اور تالاب دونوں طرح سے ہو، اس میں غالب کا اعتبار ہے

سوال: (۲۹۱) کسی گاؤں کی بعض حصہ اراضی کی پیداوار کا دار ومدار صرف آسمانی پانی پر ہے، اور اس کی آب پاشی نہیں ہوتی اور بعض حصہ کی آب پاشی چاہات وتالاب وغیرہ وغیرہ سے ہوتی ہے، اور بعض حصۂ اراضی کی پیداوار بارش اور آب پاشی دونوں سے ہوتی ہے، یعنی صرف بارش پر اکتفا کرنے سے پیداوار کم ہوتی ہے، اگر اس میں آب پاشی کردی جاوے تو پیداوار زیادہ ہوتی ہے، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس اراضی کی آب پاشی ہوا کرتی تھی، وقت پر بارش ہونے سے آب پاشی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے تو ان سب صورتوں میں بر تقدیرِ وجوب عشر؛ عشر واجب ہوگا یا نصف عشر؟

(۱۰۳۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: وتجب (أي العشر) في مسقي سماء أوسيح كنهر —— إلٰى قوله —— ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة، وفي كتب الشّافعية: أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتأباه، ولو سقي سيحًا وبآلة اعتبر الغالب، ولو استويا فنصفه، وقيل: ثلاثة أرباعه[2] (الدّرّ المختار) قلت: واختلف التّرجيح والاحتياط في الثّاني اس سے معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں عشر ہے، اور آب پاشی چاہ وتالاب میں

---

(۱) وتجب (أي العشر) في مسقي سماء أي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۴۲/۳، كتاب الزّكاة، باب العشر، قبيل مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۴۲/۳-۲۴۴، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية.

نصف عشر اور جس زمین کی آب پاشی دونوں طرح ہو تو اس میں غالب کا اعتبار ہے، اگر دونوں برابر ہوں تو نصف پیداوار میں عشر اور نصف میں نصف عشر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۹۱-۱۹۲)

عشر اور چالیسویں میں فرق اور کاشت کاری وعشر کے چند مسائل

سوال: (۲۹۲)......(الف) عشر اور چالیسویں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

(ب) کاشتکاری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) کاشتکاری جس کی مال گزاری سرکار کو دی جاتی ہے میں عشر یا چالیسواں دینا واجب ہے یا نہیں؟

(د) زید تین قسم کی کاشت کرتا ہے؛ اولاً یہ کہ وہ کسی رئیس امیر سے کچھ کاشت لیے ہوئے ہے جس کی پیداوار کے نصف نصف حصے آپس میں تقسیم ہوتے ہیں، مال گزاری مالک دیتا ہے۔ دوم یہ کہ زید اپنی زمین مملوکہ میں کاشت کرتا ہے، اس کی مال گزاری زید ہی سے متعلق ہے۔ سوم یہ کہ زید کے پاس معافی زمین ہے اس میں کاشت کرتا ہے اور مال گزاری دینا نہیں پڑتی؛ تینوں صورتوں میں زید پر عشر دینا واجب ہے یا نہیں؟

(ہ) عشر چالیسواں دینا فرض ہے یا واجب ہے یا مستحب؟

(و) عشر چالیسواں سال بھر میں ایک مرتبہ دینا چاہیے یا ہر فصل پر؟

(ز) عشر چالیسواں کے مصارف کون ہیں؟ (۱۲۵۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف-ز) کاشت کاری جائز ہے جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے، اور جو صورتیں کاشتکاری کی سوال میں لکھی ہیں وہ سب درست ہیں [۱] اور عشر دسواں حصہ زمین کی پیداوار کا ہے، اور چالیسواں حصہ زکاۃ میں دینا ہوتا ہے جو کہ روپیہ، اشرفی، مال تجارت وغیرہ پر لازم ہوتا ہے، پس زمینوں کی پیداوار میں سے جو دسواں حصہ پیداوار کا دینا ہوتا ہے؛ اس کا نام عشر ہے، اور روپے وغیرہ میں سے بعد سال بھر کے جو چالیسواں حصہ دیا جاتا ہے وہ زکاۃ ہے، اور شامی کی

(۱) وعندهما جائزة والفتویٰ علیٰ قولهما لحاجة النّاس. (الفتاوی الهندية: ۵/۲۳۵، كتاب المزارعة، الباب الأوّل في شرعيتها و تفسيرها و ركنها إلخ) ظفیر

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر نہیں ہے، لیکن جس جگہ عشر لازم ہوتا ہے وہاں ہر ایک فصل پر زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ مثلاً دس من میں سے ایک من دینا لازم ہوتا ہے، اور زکاۃ روپے وغیرہ کی سال بھر میں ایک دفعہ دینا فرض ہے، اور عشر جس جگہ لازم ہے وہاں ہر ایک فصل پر جو آمدنی زمین کی ہو اس میں سے عشر؛ یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا لازم ہے[1] اور مصارف عشر اور زکاۃ کے فقراء ومساکین وغیرہ ہیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ١٦٨-١٦٩)

زمین کی پیداوار میں چالیسواں حصہ دینے کا حکم نہیں اور غیر مسلم پر عشر واجب نہیں

سوال: (۲۹۳) اگر کوئی زمین کسی غیر مذہب کی ہو یعنی ہندو کی، اس کے بعد کسی نصاری نے اس پر قبضہ کرلیا ہو تو اس کی پیداوار میں چالیسواں حصہ نکالنا چاہیے یہ صحیح ہے یا غلط؟ (۱۳۶۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: زمین کی پیداوار میں مالک زمین پر یا دسواں حصہ آتا ہے یا بیسواں، چالیسویں حصے کے دینے کا حکم زمین کی پیداوار میں نہیں ہے[3] ویسے بہ طریق صدقہ نفلی جس قدر چاہیں دے دیں مگر فرض نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ١٦٦-١٦٧)

وضاحت: صورتِ مسئولہ میں زمین چوں کہ غیر مسلم کی ہے؛ اس لیے اس میں عشر نہ ہوگا۔ وأخذ الخراج من ذمّي غير تغلبي اشترى أرضًا عشريّةً من مسلم وقبضها منه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۴۶، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية) ظفير

---

(۱) يجب العشر إلخ في ...... أرض غير الخراج إلخ بلا شرط نصاب إلخ وبلا شرط بقاء وحولان حول. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۴۰-۲۴۲، كتاب الزّكاة، باب العشر) ظفير

(۲) مصرف الزّكاة والعشر إلخ هو فقير وهو مَن له أدنیٰ شيء أي دون نصاب إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵٦-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۳) يجب العشر إلخ في مسقي سماء أي مطر وسيح إلخ ويجب نصفه في مسقي غرب إلخ ودالية إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۴۰-۲۴۴، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية) ظفير

کیا غلہ کی قیمت کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دیا جائے گا؟

سوال: (۲۹۴) غلہ کی قیمت کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دینا بعد فروخت کرنے غلہ کے ہے یا کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۵/۲۱۱۴ھ)

الجواب: اس صورت میں غلہ کی قیمت کا چالیسواں حصہ زکاۃ میں دینا بعد حولان حول لازم ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۸/۶)

جس غلہ کا عشر نہ نکالا ہو وہ حلال ہے یا حرام؟

سوال: (۲۹۵) زید نے غلہ کا دسواں حصہ زکاۃ نہیں نکالی تو وہ غلہ حرام ہوگا یا حلال؟ (۱۳۳۴-۳۳/۹۴۲ھ)

الجواب: وہ غلہ حلال ہے زید زکاۃ نہ دینے سے گنہ گار اور فاسق ہو جاوے گا۔ فقط (۱۸۰/۶)

وضاحت: چوں کہ ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری؛ اس لیے عشر نہ دینے سے کوئی گناہ نہ ہوگا؛ البتہ عشر نکالنا بہتر ہے۔ محمد امین پالن پوری

خراجی زمین میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۶) خراجی زمین میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۳۱۳ھ)

الجواب: یہ مسئلہ متفق علیہا بین الحنفیہ ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتا، لہٰذا خراجی زمین میں عشر کے وجوب کا فتویٰ دینا ان کے نزدیک صحیح نہ ہوگا[2] یہ امر آخر ہے کہ اگر اس زمین سے جو کہ عشری ہے حکام نے خراج لے لیا تو مابینہ وبین اللہ اس شخص کو عشر دے دینا چاہیے، اور یہ احتیاط ہے، اور یہ امر بھی محقق ہے کہ امام مجتہد کا کسی روایت سے استدلال کرنا اس حدیث کی صحت اور حجیت کی دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۱/۶)

---

(۱) تجب في كلّ مائتي درهم خمسة دراهم إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۸، كتاب الزّكاة، الباب الثّالث في زكاة الذّهب والفضّة والعروض، الفصل الأوّل في زكاة الذّهب والفضّة)

(۲) أشار إلى أنّ المانع من وجوبه كون الأرض خراجيّة لأنّه لا يجتمع العشر والخراج. (ردّ المحتار: ۳/۲۴۱، كتاب الزّكاة، باب العشر) ظفیر

عشر وخراج کے جمع نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

سوال: (۲۹۷) مولانا عبدالحی صاحبؒ در مجموعۂ فتاویٰ: ۲/ ۳۱۸ نوشتہ اند کہ ہر کہ در زمین مملوکہ خود بہ آبِ باران کاشت کرد، عشر غلہ برو واجب الاداء است، مگر درصورتیکہ خراج زمین مذکورہ بہ حاکم وقت دادہ شود، دران وقت عشر ساقط است بہ حکم عبارت ردالمحتار وغیرہ: **لایجتمع العشر و الخراج** [1] انتھیٰ تفصیل ایں مسئلہ چگونہ است؟ وقولہ: **لا یجتمع العشر والخراج** [2] چہ معنی دارد؟ فقط (۱۰٦۲/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: **معنی قولہ: لا یجتمع العشر والخراج** [2] **أنّہ لا یؤخذ من الأرض الخراجیّۃ العشر، ولا من العشریۃ الخراج، ولکن إن أخذ من العشریۃ الخراج فھل یسقط العشر فھو محلّ تأمّل،** پس ظاہر آں است کہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم حکم زمین خراجی نوشتہ اند کہ اگر از زمین خراجی حکام خراج گرفتند ادائے عشر لازم نخواہد شد لیکن اگر از زمین عشری خراج گرفتہ شد ظاہر آن است کہ دیانۃً بہ ذمہ مالک ادائے عشر لازم است [3] فقط (٦/ ۱۸۱-۱۸۲)

ترجمہ سوال: (۲۹۷) مولانا عبدالحی صاحبؒ نے مجموعہ فتاویٰ: ۲/ ۳۱۸ پر لکھا ہے کہ جو شخص اپنی مملوکہ زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی کرے؛ تو اس پر غلہ کا عشر واجب الاداء ہے، مگر اُس صورت میں جب کہ مذکورہ زمین کا خراج حاکم وقت کو دیا جاتا ہو؛ اس وقت عشر ردالمحتار کی عبارت **لا یجتمع العشر والخراج** کے بہ موجب ساقط ہے، اس مسئلے کی تفصیل کس طرح ہے؟ اور **قولہ: لا یجتمع العشر والخراج** کا کیا مطلب ہے؟

---

(۱) مجموعۃ فتاویٰ مولانا عبدالحی قدیم: ۲/ ۱۹۴-۱۹۵، کتاب الملک، شش سوالات متعلقہ باب الملک، تحت استفتاء نمبر: ۱۰۸، مطبوعہ: مطبع یوسفی لکھنؤ۔

(۲) **ردّ المحتار: ۳/ ۲۴۱، کتاب الزّکاۃ، باب العشر.**

(۳) **أخذ البغاۃ والسّلاطین الجائرۃ زکاۃَ الأموال الظّاھرۃ کالسّوائم والعشر والخراج لا إعادۃ علیٰ أربابھا إن صرف المأخوذ في محلّہ الآتی ذکرہ وإلاّ یصرف فیہ فعلیھم فیما بینھم وبین اللّٰہ إعادۃ غیر الخراج. (الدّرّ المختار) ویظھر لي أنّ أھل الحرب لو غلبوا علیٰ بلدۃ من بلادنا کذٰلک لتعلیلھم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۱۹۸-۱۹۹، کتاب الزّکاۃ، باب زکاۃ الغنم)** ظفیر

الجواب: علامہ شامی کے قول: **لایجتمع العشر والخراج** کا مطلب یہ ہے کہ خراجی زمین سے عشر اور عشری زمین سے خراج نہیں لیا جائے گا، لیکن اگر عشری زمین سے خراج لے لیا تو کیا عشر ساقط ہو جائے گا، تو یہ بات محل تأمل ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ مولانا صاحب مرحوم نے خراجی زمین کا حکم لکھا ہے، یعنی اگر حکام خراجی زمین سے خراج لے لیں تو عشر کا ادا کرنا واجب نہیں ہوگا، لیکن اگر عشری زمین سے خراج لیا گیا ہو ظاہر یہ ہے کہ دیانۃً مالک کے ذمہ عشر کا ادا کرنا واجب ہے۔ فقط

سرکاری محصول کی وجہ سے عشر ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۸) سرکار زمین سے جو محصول لیتی ہے اس سے عشر ساقط ہوتا ہے یا نہ؟

(۱۲۱۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عشری زمین سے محصول لینا مسقطِ عشر نہیں ہے[1] **هٰذا هو الاحتياط** ہاں اگر زمین عشری ہی نہ ہو بلکہ خراجی ہو تو محصول دے دینا کافی ہے، یعنی عشر اس میں واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۱۸۲/٦)

سوال: (۲۹۹) کونسی زمین عشری اور کونسی خراجی ہے؟ اگر زمین عشری سے خراج سرکاری لے لیا جاوے تو عشر ساقط ہو جاتا ہے یا نہ؟ (۱۲۸۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اراضی مملوکہ مسلمانان را کہ حال آنہا معلوم نیست احتیاطاً عشری باید شمرد و عشر از آنہا باید داد، و از زمین عشری اگر خراج گرفتہ شود عشر ساقط نمی شود[2] فقط (۱۸۳/٦)

ترجمہ جواب: مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کو جن کا حال معلوم نہیں ہے؛ احتیاطاً عشری شمار کرنا چاہیے، اور ان میں سے عشر دینا چاہیے، اور عشری زمین سے اگر خراج لے لیا جائے تو عشر ساقط نہیں ہوتا ہے۔ فقط

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔ ۱۲

(۲) **أخذ البغاة والسّلاطين الجائرة زكاةَ الأموال الظّاهرة كالسّوائم والعشر والخراج لا إعادة علٰى أربابها إن صرف المأخوذ في محلّه الآتى ذكره وإلّا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين اللّٰه إعادة غير الخراج. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹۸/۳-۱۹۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم)** ظفیر

جس زمین کا محصول سرکار لیتی ہے اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۰) اشیاء کاشت دھان، گندم، تل، سرسوں، سن، پاٹ وغیرہ زراعت کی زکاۃ کیوں کر دینی ہوگی؟ زمین مزروعہ کا خزانہ سالانہ تو زمین دار کو دیا جاتا ہے اب پیداوار میں عشر یا زکاۃ دینے کا کیا طریقہ ہے؟ (۴۶۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: دسواں حصہ یا بیسواں حصہ کل پیداوار کا دینا یہ عشر اور نصف عشر کہلاتا ہے، اور جس زمین کا محصول سرکار لیتی ہے اس میں عشر و نصف عشر نہیں ہے[1] فقط (منشا یہ ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے، اس لیے عشر نہیں ہے، یہ مطلب نہیں ہے سرکاری محصول کی وجہ سے عشر نہیں ہے، یا سرکاری محصول عشر کے قائم مقام ہے۔ ظفیر) (۱۶۶/٦)

مال گزاری والی زمین خراجی ہے یا عشری؟

سوال: (۳۰۱) ...... (الف) جس اراضی کی مال گزاری ادا کی جاتی ہے، وہ خراجی ہے، یا عشری؟

(ب) جس اراضی کی مال گزاری معاف ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، اوّل: وہ اراضی کسی دوسری اراضی کے عوض میں ہے، یعنی اس اراضی کی مال گزاری دوسری اراضی میں محسوب ہوتی ہے۔ دوم؛ وہ اراضی کسی امر کے صلہ میں یا اور جائداد کے عوض میں عطا ہوتی ہے، تو یہ ہر دو قسم اراضی معاف شدہ مال گزاری خراجی ہوگی یا عشری؟ (۳۴-۱۰۳۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) مال گزاری کے اوپر اس کا مدار نہیں، اگر کوئی زمین عشری ہو اور اس پر مال گزاری مقرر کر دی جاوے تو وہ عشری رہے گی۔

(ب) اس کا جواب بھی مثل جواب سابق کے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۰/٦-۱۹۲)

---

(۱) ویحتمل أن یکون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها لیست أرض خراج أو عشر. (ردّ المحتار: ۲۳۴/۳، کتاب الزّکاۃ، باب الرّکاز) ظفیر

جس زمین کا ٹیکس دینا پڑتا ہے اس میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۲) جس زمین کی ملکیت ہوگئی اور بیچنے کا اختیار ہے راجاؤں کو خراج دینے پڑتے ہیں اور اراضی آسمانی پانی سے سیراب ہوتی ہے تو اس پر عشر ہے یا نہیں؟ (٦/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: عشر لازم ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۸۹)

وضاحت: ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی؛ اس لیے عشر لازم نہیں، البتہ دے دینا بر بنائے احتیاط بہتر ہے۔ واللہ اعلم محمد امین پالن پوری

جس زمین پر خراج ہے اس میں عشر نہیں

سوال: (۳۰۳) کتاب الفاروق مصنفہ مولانا شبلی نعمانی کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمین پر خراج ہو اس پر عشر واجب نہ تھا؟ بینوا توجروا؟ (۱۴۹۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فقہاء حنفیہ نے ایسا ہی لکھا ہے کہ جس زمین سے محصول لیا جاوے اس میں عشر نہیں ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۸۳-۱۸۴)

سوال میں مذکور تین قسم کی زمین میں سے کس میں عشر ہے؟

سوال: (۳۰۴) میرے پاس تین قسم کی زمین ہے، ان میں سے کونسی زمین پر خراج ہے اور کونسی پر عشر یا کیا؟ قسم اوّل: جنگل سرکاری پڑا ہوا تھا، سرکار میں درخواست کی گئی وہ مجھے ملی، اور میری

---

(۱) أخذ البغاة والسّلاطين الجائرة زكاةَ الأموال الظّاهرة كالسّوائم والعشر والخراج لا إعادة علىٰ أربابها إن صرف المأخوذ في محلّه الآتي ذكره وإلّا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين اللّٰه إعادة غير الخراج (الدّرّ المختار) ويظهر لي أنّ أهل الحرب لو غلبوا علىٰ بلدة من بلادنا كذٰلك لتعليلهم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۹۸-۱۹۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم) ظفیر

(۲) ولا يؤخذ العشر من الخارج من أرض الخراج لأنّهما لا يجتمعان. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٦/۲۳۵، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب لو رحل الفلاّحُ من قرية لا يجبر على العود) ظفیر

ملک میں ہے۔ قسم دوم: ایک کافر سے خریدی گئی جو میری ملک ہے۔ قسم سوم: سرکاری زمین مثلاً ایک سال یا زیادہ کے لیے زراعت کے واسطے دی جاتی ہے۔ (۱۲۷۶/۶-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: در قسم اوّل زمین عشر لازم است۔ لأنّ العشر أليق بالمسلم (زمین کی پہلی قسم میں عشر لازم ہے؛ کیوں کہ عشر مسلمان کے لیے لائق تر ہے) وما أسلم أهله طوعًا أو فُتح عَنوةً وقُسم بين جيشنا والبصرة أيضًا بإجماع الصّحابة عشرية، لأنّه أليق بالمسلم (الدّرّ المختار) قوله: (لأنّه أليق بالمسلم) أي لما فيه من معنى العبادة (ردّ المحتار) وفيه: ولو أنّ المسلم أو الذمّيّ سقاها مرّةً بماء العشر، ومرّةً بماء الخراج فالمسلم أحقّ بالعشر والذّمّي بالخراج إلخ[۱] ودر قسم دوم خراج است (اور دوسری قسم میں خراج ہے) أو اشترى مسلم من ذمّيّ أرض خراج يجب الخراج إلخ[۲] (الدّرّ المختار) ودر قسم سوم عشر در خارج لازم است (اور تیسری قسم میں پیداوار میں عشر لازم ہے) لأنّهم قد صرّحوا ...... بأنّ الملك غير شرط فيه ...... وبأنّ سبب وجوبه الأرض النّامية بل الشّرط ملك الخارج[۳] (أي لاملك الأرض كما في الأراضي الموقوفة) كذا في ردّ المحتار فقط (۱۸۲/۶-۱۸۳)

غیر مسلم سے خریدی ہوئی زمین خراجی ہی رہتی ہے عشر لازم نہیں ہوتا

سوال: (۳۰۵) جو زمین کسی کافر سے خریدی گئی اس میں عشر ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس صورت میں وہ زمین خراجی ہی رہتی ہے عشر لازم نہیں ہوتا۔ قال في الشّامي: فصار شراء المسلم من الذّمّيّ بعد ما صارت خراجيّةً فتبقٰى علٰى حالها إلخ[۴] (شامي: ج:۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۲/۶-۱۹۳)

---

(۱) الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۲۱۶/۶-۲۱۷، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية.
(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۳۳/۶-۲۳۴، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، قبيل مطلب فيما لو عجر المالك عن زراعة الأرض الخراجيّة.
(۳) ردّ المحتار: ۲۱۹/۶، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، مطلب: أراضي المملكة والحوز لاعشريّة و لا خراجيّة .
(۴) ردّ المحتار: ۲۴۶/۳، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر و الشّام السّلطانية.

مہاجن سے لی ہوئی زمین اور ہندوستان کی دوسری زمینوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۶) زمین عشری کی کیا تعریف ہے؟ اور کیا اپنی طرف سب زمین عشری ہے، اور سب کا عشر دینا واجب ہے، حالانکہ سرکار بھی مال گزاری لیتی ہے اور جو زمین مہاجن سے مسلمان نے لی ہے، اس کی آمدنی پر بھی عشر دیا جاوے اور عشر مالک کے ذمہ ہے یا کاشت کار کے؟ اگر مالک خود کاشت کرے تو کیا حکم ہے؟ (۵۹۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عشری زمین کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین میں عشر واجب ہو وہ عشری ہے [۱] جس وقت پورا حال معلوم نہ ہو جیسا کہ اس وقت ہے تو عموماً یہ حکم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری سمجھی جاتی ہے، اور کفار کی مملوکہ اراضی خراجی، پس مسلمان کے پاس جو زمین مثلاً معافی کی چلی آتی ہے یا اس نے کسی مسلمان سے خریدی ہے وہ عشری ہے، اور جو زمین کافر سے خریدی ہے وہ خراجی رہے گی، اور بعض حضرات نے ایسا بھی لکھا ہے کہ جب سرکار سب زمینوں کا محصول لیتی ہے تو سب خراجی ہی ہیں، مگر مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں، زمین اگر اجارہ پر دی گئی تو امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر ہے، رقم اجارہ میں سے دسواں حصہ صدقہ کرے [۲] اگر مالک خود کاشت کرے تو تمام پیداوار کا دسواں حصہ نکالے، محصول سرکاری وغیرہ

---

(۱) عشری زمین ایسی زمین کہلاتی ہے جس کے مالک مسلمان ہوگئے یا قوت کے ذریعہ سے کوئی خطہ فتح کیا گیا اور اس کی زمین مجاہدین پر تقسیم کردی گئی ہو۔ وكلّ أرض أسلم أهلها أو فُتحت عنوةً وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر. (الهداية: ۵۹۰/۲، كتاب السّير، باب العشر والخراج) ظفیر

(۲) والعشر على المؤجر كخراج موظف (الدّرّ المختار) أي لو آجر الأرض العشرية فالعشر عليه من الأجرة كما في التّتارخانية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۵۰/۳-۲۵۱، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية) ظفیر

کچھ وضع نہ ہوگا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/١٧٩-١٨٠)

ہندوستان میں جو زمین دار خود کاشت نہیں کرتے اُن پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۷)......(الف) ہندوستان میں جو لوگ زمین دار ہیں اور خود کاشت نہیں کرتے رعایا کاشت کرتی ہے، زمین دار کو جو روپیہ رعایا سے ملتا ہے، اسی میں سے مال گزاری سرکاری ادا کر کے باقی زمین دار اپنے صرف میں لاتے ہیں، ایسے زمین داروں پر بعد ادائے مال گزاری کے کیا اور بھی کوئی حق شرعی خراج وغیرہ ادا کرنا لازم ہے یا کیا؟

(ب) اسی طرح پر جن لوگوں کے پاس آم وغیرہ کے باغ ہیں ان کو بھی کوئی حق شرعی اگر ادا کرنا ہے تو اس کی صراحت فرمائی جاوے؟ (١٧٤٧/١٣٣٥ھ)

الجواب: (الف) جن اراضی میں خراج یعنی محصول سرکاری دیا جاتا ہے ان میں عشر یعنی دسواں حصہ دینا ضروری نہیں ہے؛ اگر دیوے تو بہتر ہے، اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ دوسروں سے کاشت کرانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نقد روپیہ پر بہ طریق اجارہ زمین دی جاوے، دوسری یہ کہ بٹائی غلہ پر دی جاوے، ثانی صورت میں اگر تخم مزارع کا ہے تو ہر ایک مالک اور مزارع اپنے اپنے حصہ کے غلہ میں سے دسواں حصہ دیویں اور پہلی صورت میں صرف مستاجر پر ہے، اور یہ قول صاحبین کا ہے اور اس پر درمختار میں فتویٰ نقل کیا ہے: **والعشر على المؤجر كخراج موظفٍ، وقالا: على المستأجر كمستعير مسلم. وفي الحاوي: وبقولهما نأخذ، وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّة**[2] **(الدّرّ المختار)** وفي

---

(١) أخذ البغاة والسّلاطين الجائرة زكاةَ الأموال الظّاهرة كالسّوائم والعشر والخراج لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محلّه الآتى ذكره وإلّا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله إعادة غير الخراج. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٩٨-١٩٩، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم) ظفیر

(٢) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٥٠-٢٥٢، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية.

الشّامي: قوله: (أرض غير الخراج) أشار إلى أنّ المانع من وجوبه كون الأرض خراجيّةً لأنّه لا يجتمع العشر والخراج إلخ[1] (۲/۴۹، باب العشر)

(ب) اس میں بھی وہی حکم ہے جو نمبر (الف) میں ہے کہ اگر اس زمین میں محصول سرکاری دیا جاتا ہے تو باغ کے پھلوں پر عشر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۵۹-۱٦۱)

وضاحت: دلیل بہ ظاہر وہی ہے جو مجیب علامؒ نے پہلے مسئلہ میں نقل کی، قوله: (أرض غير الخراج) أشار إلى أنّ المانع من وجوبه كون الأرض خراجيّةً لأنّه لا يجتمع العشر والخراج إلخ (ردّ المحتار: ۳/۲۴۱، كتاب الزّكاة، باب العشر) مگر خاکسار کے خیال میں یہ دلیل درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ صرف سرکار کا محصول لینا محصول کو خراج نہیں بناتا، جیسا کہ اگلے سوال کے جواب میں خود مجیب علامؒ نے یہ بات صاف کردی کہ سرکار جو محصول لیتی ہے وہ خراج نہیں کہلاتا، پس معلوم ہوا کہ یہ جواب ہندوستان کی موجودہ پوزیشن کے تحت ہے کہ یہاں کی زمین میں دارالحرب ہونے کی وجہ سے نہ عشر ہے، نہ خراج، لہٰذا حوالہ میں جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ غالباً تسامح ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

سرکار جو محصول لیتی ہے وہ خراج نہیں کہلاتا

سوال: (۳۰۸) زمین مزروعہ ہندوستان جو اَب زیر حکومت انگریزوں کے ہے عشری ہے یا خراجی؟ بہر دو تقدیر جب کہ ٹھیکہ ادا کیا جاوے عشر فرض ہوگا یا خراج یا کچھ نہیں؟ بہ صورت وجوب جن زمینوں پر سرکار نہر کا پانی پہنچاتی ہے، اور آب پاشی بہ صورت قیمت پانی کے لیتی ہے، ایسی زمین کا عشر دینا ہوگا یا نصف عشر؟ بہ صورت وجوب کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بہ قدر ٹھیکہ سرکاری کاٹ کر باقی کا عشر فرض ہو؟ اور ریاست بھاول پور کی زمین کا حکم جس کا حکمراں مسلمان ہے امورِ مستفسرہ مذکورہ میں باقی زمین جیسا ہے یا کہ متفاوت؟ (۱۷۸۹/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: عبارت شامی میں یہ تصریح ہے کہ اراضی ہندوستان میں عشر و خراج کچھ نہیں نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی، پس جو کچھ سرکار محصول لیتی ہے وہ خراج نہیں کہلاتا: عبارت شامی یہ ہے:

(۱) ردّ المحتار: ۳/۲۴۱، كتاب الزّكاة، باب العشر.

فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر إلخ[1] (باب الرّكاز) جہاں عشر واجب ہوتا ہے، وہاں کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے کچھ وضع نہیں ہوتا، اور جن اراضی میں پانی کا محصول دیا جاوے ان پر نصف عشر ہے، اور ریاست اسلامیہ میں عشر دینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۶۱-۱۶۲)

نہری زمین اور جس زمین کا محصول سرکار لیتی ہے اس میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۹)...... (الف) نہری زمینوں میں عشر ہے یا نصف عشر؟

(ب) وہ زمین جس کی پیداوار سے بہ مشکل محصول سرکاری ادا ہوسکتا ہے یا بہت معمولی بچت ہوتی ہے اس پر عشر فرض ہے یا نہ؟ (۲۲۹۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف) نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ كما في الدّرّ المختار: ويجب نصفه في مسقي غرب ...... ودالية إلخ وفي كتب الشّافعية: أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه إلخ[2]

(ب) ایسی زمین میں عشر واجب نہیں ہے، اور روایت شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کسی زمین پر بھی عشر واجب نہیں ہے، کیوں کہ دارالحرب کی اراضی کو عشری اور خراجی کچھ نہیں شمار کیا جاتا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۷۲)

ہندوستان کی زمین میں عشر نہ ہونے کی مفصّل بحث اور علمائے دیوبند کا عمل

سوال: (۳۱۰)...... (الف) مفتی صاحب! السلام علیکم: میں دو روز سے بے حد کوفت میں ہوں اللہ تعالیٰ سہل کردے، میں آج تک غافل رہا اور نہیں ذہن میں تھا کہ عشرِ غلہ ہمچو زکاۃ واجب الاداء ہے

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۲۳۴، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۴، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر و الشّام السّلطانية.

(۳) حوالہ؛ سابقہ جواب میں گزر چکا ہے۔

غلہ آنے پر معمولاً للہ کچھ دیا جاتا تھا، بہ احتیاط دسواں حصہ وصول کا نہیں دیا گیا، سالہائے گزشتہ کا کیا کروں؟ کچھ حساب کتاب نہیں، کیا معاف کیا جاسکتا ہے؟

(ب) مدرسہ میں غلہ بھیجنا دشوار ہے، قیمت بھیج سکتا ہوں؟

(ج) نصف عشر کے کیا معنی ہیں؟ میں عشر دوں یا نصف؟ املاک کا عموماً غلہ مقرر ہے، وصول ہوتا ہے اور بڑی مقدار رہ جاتی ہے، جو نالشیں کر کے نقدی میں وصول ہوتا ہے، اس نقدی کا رقم کے ساتھ زکاۃ نقد میں ادا ہوتا ہے، غالباً اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا؟ (۱۱۸۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: والا نامہ پہنچا پہلے ایک زمانہ تک یہی علم رہا کہ ہندوستان کی عشری زمینوں میں عشر واجب ہے، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت گنگوہی) کی بعض تحریرات کے موافق یہ فیصلہ کیا، اور بہت جگہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کو عموماً عشری ہی سمجھنا چاہیے اور عشر دینا چاہیے کیوں کہ اراضی عشریہ میں عشر یا نصف عشر کا نکالنا بہ حکم آیت: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۱۴۱) مثل زکاۃ کے فرض ہے، پھر کچھ زمانہ کے بعد مالا بدمنہ میں حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اور تصریح نظر پڑی کہ ہم نے اپنی کتاب میں زکاۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں عشری زمینیں نہیں ہیں، اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا کیوں کہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ حضرات کے ہم عصر ہیں، اور سب حضرات باہم متفق ہیں، باہم کوئی خلاف نہیں ہے، ضرور ہے کہ یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں، پھر اس کے ساتھ عموماً یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکاۃ کے نہیں کرتا، تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا، اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا؟! ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے عملاً یہ متروک ہوگیا ہے، چند سال ہوتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ یا اور کسی صاحب نے یہ فرمایا کہ شامی باب الرکاز میں یہ روایت ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر واجب نہیں ہے، وہاں کی اراضی نہ عشری ہیں اور نہ خراجی، اس روایت کو دیکھا اور اس کو دیکھ کر حضرت قاضی

ثناء اللہ کی تحریر کی وجہ معلوم ہوئی کہ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے کیوں کہ ہندوستان کو وہ حضرات دارالحرب سمجھتے تھے۔ شامی باب الرکاز کی عبارت یہ ہے: واحترز بہٖ عن دارہٖ وأرضہٖ وأرض الحرب إلخ فإن أرضها لیست أرض خراج أو عشر إلخ (۱) اور عبارت مالا بدمنہ کی یہ ہے: ''وتفصیل نصاب اَجناس سوائم وقدر واجب آں طول دارد، ودریں دیار ایں اموال بہ قدر وجوب زکاۃ نمی باشد، لہٰذا مسائل زکاۃ آں مذکور نکردہ شد، وہم چنیں احکام عشر زمین عشری کہ دریں دیار نیست، ومسائل عاشر کہ بر طرق وشوارع باشد مذکور نہ کردہ شد'' (۲)

اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وجوبِ عشر کا حکم فرماتے تھے، اور تحریرًا اور تقریرًا اس کو ظاہر فرمایا ہے، غالبًا جناب کو بھی یاد ہوگا یا معمول حضرت کا معلوم ہوگا، اور اس میں شک نہیں نصوص آیات واحادیث کا مقتضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ امام صاحب جمیع ما اخرجت الارض میں وجوبِ عشر کا حکم فرماتے ہیں، اور جیسا کہ زکاۃ دارالحرب میں ساقط نہیں ہوتی، بلکہ صاحب مال بہ طور خود ادا کرتا ہے، اسی طرح عشر بھی ہر جگہ واجب ہونا چاہیے، ہاں چوں کہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا ضروری ہے اور جب کہ یہ کہا جاوے کہ دارالحرب کی اراضی عشریہ نہیں ہیں تو پھر وجوبِ عشر کی بھی کوئی وجہ نہ ہوگی، اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قول وفعل احتیاط پر مبنی کیا جاوے۔ چنانچہ ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ محمد رفیع الدین صاحب قدس سرہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے، اور اس بناء پر حضرت والد ماجد صاحب جو کچھ محاصلِ غلہ میں سے بہ قدر حصہ بندہ کو دیا کرتے تھے کہ وہ دس بیس دھڑی تقریبًا ہوتا تھا، تو بندہ گھر کہہ دیتا تھا کہ دس دھڑی میں سے ایک دھڑی اللہ واسطے دے دو۔

(ب) قیمت عشر دینا جائز ہے (۳)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۲۳۴، کتاب الزّکاۃ، باب الرّکاز.

(۲) مالا بدمنہ، ص: ۸۰-۸۱، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: دارالکتاب دیوبند۔

(۳) حتّی یجوز أداء قیمته. (ردّ المحتار: ۳/۲۴۹، کتاب الزّکاۃ، باب العشر، مطلب مهمّ في حکم أراضي مصر و الشّام السّلطانیة)

(ج) نصف عشر بیسواں حصہ ہے (جیسا کہ عشر دسواں حصہ ہے، اسی طرح نصف عشر بیسواں حصہ ہے)[۱] اور یہ فرق پانی کی قیمت وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے، یعنی اراضی عشریہ میں اصل عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا واجب ہے، لیکن اگر زمین کو پانی دینے میں مزدوری زیادہ صرف ہوئی اور مشقت ہوئی اور خرچ بڑھ گیا تو پھر بجائے عشر کے نصف عشر دینا واجب رہ جاتا ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے: **وتجب في مسقي سماء أي مطر وسيح إلخ . ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة، وفي كتب الشّافعية: أو سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تأباه**[۲] اور علامہ شامی نے کہا کہ وجہ یہی ہے کہ جب خرچ زیادہ ہوگا بجائے عشر کے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب رہ جاوے گا۔ فقط (۶/۱۷۴-۱۷۷)

سوال: (۳۱۱) ہندوستان کی زمین بہ حالتِ موجودہ خراجی ہے یا عشری؟ جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد غدر کے سلطنت کی باگ اپنے قبضہ واقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کرلی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے، اگر صاحب اراضی دعویٰ کرکے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی؛ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کرکے بینہ قائم کیے ان کو وہی اراضی یا بہ عوض ان کو دیگر اراضی عطا ہوئی، اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی، اور مال گزاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی اور بعض کو معاف کردی۔ (۱۰۳۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ضبط کرنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں، ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ زمین عشری نہیں رہی، دوسرا قبضہ مِلکانہ اور حاکمانہ اور منتظمانہ، اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بہ حالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ اراضی عشری نہ تھیں یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کی زمین کے عوض میں دے دی، یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی کہ چوں کہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی۔ فقط واللہ اعلم (۶/۱۹۰-۱۹۱)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۲-۲۴۴، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية .**

وضاحت: اس جواب میں مفتی صاحب قدس سرہٗ نے ہندوستان کی بعض زمینوں کو عشری قرار دیا ہے؛ لیکن یہ حضرت کی پہلی رائے تھی، بعد میں آپ کی رائے بدل گئی تھی، جیسا کہ سابقہ جواب میں مذکور ہے کہ ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی، واللہ اعلم۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند :۶/ ۸) محمد امین پالن پوری

ہندوستان کی زمینوں اور باغوں سے متعلق تحقیقی حکم

سوال: (۳۱۲) آم کے باغ میں کیری بالکل چھوٹے کچے آم توڑ کر چٹنی وغیرہ میں کھانے لگتے ہیں تو عشر کا اندازہ کیا ہوگا اور کس طرح ادا کریں یا عشر نہیں ہے؟ (۶۸۳/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: روایات فقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں اور باغوں میں عشر نہیں ہے۔ فقط (کیوں کہ یہ ملک دارالحرب ہے اور دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر. ردّ المحتار :۲۳۴/۳، كتاب الزّكاة ، باب الرّكاز) فقط واللہ اعلم (۱۶۲/۶)

سوال: (۳۱۳) آپ نے (مندرجہ بالا) استفتاء نمبر ۶۸۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ روایت فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں اور باغوں میں عشر نہیں ہے، اس میں شبہ یہ ہے کہ ''الامداد شعبان'' میں یہ لکھا ہے کہ پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے، خواہ غلہ ہو خواہ پھل، پس کھیت اور باغ دونوں میں واجب ہے، اسی قسم کا جواب حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہ کا منقول ہے اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۷۴۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس بارے میں پہلے بے شک احقر نے بھی یہی لکھا ہے جو آپ نے فرمایا، اور ''الامداد'' وغیرہ میں بھی یہ مضمون موجود ہے، اب چند مدّت ہوئی ہے کہ شامی جلد ثانی باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی جو ذیل میں درج ہے، اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراضی دارالحرب نہ عشری ہیں نہ خراجی، اور یہ مسئلہ فقہاء کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم معلوم ہوتا ہے، اس عبارت کے دیکھنے کے بعد اس کی اصل معلوم ہوئی جو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ نے مالا بدمنہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مسائل عشر اس کتاب میں اس وجہ سے نہیں لکھے گئے کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں یا یہاں کی

زمینوں پر عشر نہیں ہے[۱] أو کما قال .

الغرض تصریح شامی کے بعد اور تحقیق قاضی صاحب مرحوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب احقر یہ لکھنے لگا کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں، با ایں ہمہ احتیاط عشر نکالنے میں ہے وہ عبارت یہ ہے:(تَنْبِیْہٌ): قال في فتح القدیر: قیّد بالخراجیّة والعشریّة لیُخرج الدّار فإنّه لا شيء فیھا لٰکن ورد علیہ الأرض اللّتي لا وظیفة فیھا کالمفازة إذ یقضي أنّه لا شيء في المأخوذ منھا، ولیس کذٰلك، فالصّواب أن لا یُجعل ذٰلك لقصد الاحتراز بل للتّنصیص علٰی أنّ وظیفتھما المستمرّة لا تمنعُ الأخذ ممّا یوجد فیھما — إلٰی أن قال:— وأقول: یمکن الجواب بأنّ المراد بالعشریة والخراجیة ما تکون وظیفتھا العشر أو الخراج سواء کانت بید أحد أولا، فتشمل المفازة وغیرھا بدلیل ما قدّمناه عن الخانیة من أنّ أرض الجبل عشریّة، فیکون المراد الاحتراز بھا عن دار الحرب، ویدلّ علیه أنّه في متن درر البحار عبر بمعدن غیر الحرب، فعلم أن المراد معدن أرضنا، ولھذا قال القھستاني: بعد قوله "في أرض خراج أو عشر": الأخصر في أرضنا سواء کانت جبلاً أو سھلاً مواتا أو ملگا، واحترز به عن دارہٖ وأرضه وأرض الحرب اھ.ثمّ رأیت عین ما قلته في شرح الشّیخ إسماعیل حیث قال: ویحتمل أن یکون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضھا لیست أرض خراج أو عشر إلخ[۲]

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض حرب نہ عشری ہے نہ خراجی؛ اس لیے اب بہ وجہ تصریح فقہاء؛ ہندوستان کی اراضی سے عشر کی نفی لکھنی پڑتی ہے، اور اس کے خلاف اب تک کہیں دیکھا نہیں گیا کہ اراضی حرب میں وجوبِ عشر کی تصریح ہو، لہٰذا پہلے جو فتویٰ حسب قواعد عامہ وجوب عشر کا دیا جاتا تھا اب اس کو چھوڑنا پڑا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۶۲-۱۶۳)

---

(۱) وہم چنیں احکام عشر زمین عشری کہ دریں دیار نیست الخ، مذکور نہ کردہ شد۔ (مالابد منہ،ص:۸۱، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: دارالکتاب دیوبند)

(۲) ردّ المحتار: ۳/۲۳۴، کتاب الزّکاة، باب الرّکاز .

قاضی ثناء اللہ کے نزدیک ہندوستان کی زمین عشری نہیں

سوال: (۳۱۴) ہندوستان کی زمین عشری ہے یا نہیں؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مالا بد منہ میں لکھا ہے کہ ''زمین عشری کہ دریں دیار نیست الخ''؟[1] (۱۶۰۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)[2]

الجواب: یہ محقق نہیں کہ حضرت قاضی صاحب نے مالا بد منہ میں یہ الفاظ: ''زمین عشری کہ دریں دیار نیست الخ''[1] کس بنا پر تحریر فرمائے ہیں؟ باقی ظاہر نصوص وروایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی مملوکہ زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے، شاید قاضی صاحب نے اس بناء پر نفی عشر کی فرمائی ہو کہ سرکار نے محصول مقرر فرما دیا ہے؛ لہٰذا وہ اراضی خراجی ہو گئیں، اور خراجی زمین میں عشر نہیں ہے، لیکن اوّل تو کل اراضی ایسی نہیں ہیں کہ ان پر محصول مقرر ہو، معافیات بھی ہیں، شاید قاضی صاحب کے قرب وجوار میں معافیات نہ ہوں، ثانیاً اگر زمین عشری سے خراج لے لیا جاوے تو عشر اس سے ساقط نہیں ہوتا، بہرحال احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی میں موافق تشریح مولانا اشرف علی صاحب در پرچہ القاسم عشر واجب کہا جاوے، عشر پیداوار پر ہوتا ہے جس وقت زمین عشری میں کچھ غلہ وغیرہ پیدا ہوا اور حاصل ہوا اسی وقت عشر لازم ہے، حولان حول شرط نہیں ہے، پانی کا محصول (لینے کی وجہ سے)[3] نصف عشر (یعنی بیسواں) نہ ہوگا عشر (دسواں) ہی واجب رہے گا، جیسا کہ عموم روایات فقہیہ اس پر دال ہیں۔ وتجب في مسقي سماء أي مطر وسيحٍ كنهر إلخ[4] (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸٦/٦-۱۸۷)

وضاحت: یہ جواب سنہ ۳۲-۱۳۳۳ھ میں لکھا گیا ہے، اس وقت حضرت مفتی علام کی یہی رائے تھی، بعد میں حضرت نے اس سے رجوع فرما لیا تھا، تفصیل کے لیے سابقہ جواب ملاحظہ فرمائیں۔ محمد امین پالن پوری

---

(۱) مالا بد منہ، ص: ۸۰، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند۔

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۴۲/۳، كتاب الزّكاة، باب العشر، قبيل مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية.

==

ہندوستان کی زمین میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۱۵) ہماری زمین میں عشر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو انگریز لوگ جو چار آنہ فی کنال ہم سے لیتے ہیں اس کو خراج کہا جائے گا یا چٹی (ڈنڈ، تاوان) اگر (چٹی)[1] کہا جائے گا تو کس روسے؟ اور ثانیاً یہ ہے کہ عشر کے لیے شرط ہے زمین کا عشری ہونا کہ کسی بادشاہ اسلام نے اگر عشر رکھا ہو تو وہ عشری ہوگی، (اگر خراج رکھا ہے تو خراجی ہوگی)[2] تو ہند اور پنجاب کی زمین پر کسی تواریخ سے معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں بادشاہ نے یہاں عشر رکھا ہے، خصوصًا جہاں گیر وا کبر بادشاہ یا گزشتہ جو گزر چکے ہیں، ثالثاً یہ کہ دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ اگر دارالحرب ہے تو کیا دارالحرب میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر دارالاسلام ہے تو کن شرائط سے دارالاسلام ہے؟ الغرض یہاں کے بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں ہرگز عشر نہیں ہے، اور بعض عشر کے قائل ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟ (۱۹۸۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وما أسلم أهله طوعًا أو فُتح عنوةً وقسم بين جيشنا إلخ عشريّة لأنّه أليق بالمسلم . وفي ردّ المحتار: و لو قال : بيننا لشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين ؛ فإنّه عشريّ لأنّ الخراج لا يوظف على المسلم ابتداءً ، ذكره القهستاني درّ منتقى**[3] **(شامي: ۳۵۱/۳) وفيه أي الدّرّ المختار: ولو ترك (أي السّلطان)**

== **قال الشّامي: قد صرّحوا بأنّ فرضيّة العشر ثابتة بالكتاب والسّنّة والإجماع والمعقول وبأنّه زكاة الثّمار والزّروع ــــ إلىٰ أن قال ــــ لعموم قوله تعالىٰ: ﴿أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ﴾ ...... وقوله تعالىٰ ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ...... وقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ما سقت السّماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر إلخ. (الشّامي: ۲۱۹/۶، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية)** ظفیر

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (چٹی) کی جگہ ''چٹی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) **الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۲۱۶/۶-۲۱۷، كتاب الجهاد ، باب العشر و الخراج والجزية .**

العشر لا يجوز إجماعًا ويخرجه بنفسه للفقراء [1] (درمختار) شامی میں ہے: وذكره في الزّكاة لأنّه منها قال في الفتح: قيل: إنّ تسميته زكاةً على قولهما لاشتراطهما النّصاب والبقاء بخلاف قوله وليس بشيء إذ لا شكّ أنّه زكاة حتّى يصرف مصارفها، واختلافهم في إثبات بعض شروط لبعض أنواع الزّكاة ونفيها لا يخرجه عن كونه زكاةً إلخ [2] ان عبارات سے چند امور معلوم ہوئے ایک یہ کہ مسلمان کی اراضی کا اصل وظیفہ عشر ہے، دوم یہ کہ اگر بادشاہ عشر نہ لیوے تو عشر ساقط نہیں ہوتا بلکہ خود مالک زمین کو عشر نکالنا چاہیے اور فقراء کو دینا چاہیے، سوم یہ کہ عشر بھی زکاۃ ہے، پس جب کہ اصل وظیفہ مسلم کا عشر ہے تو جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں تو یا اصل میں عشری تھیں کہ سلاطینِ اہل اسلام نے ان کو فتح کر کے مسلمانوں کو دے دی تھیں، یا ان کا حال سابق کچھ معلوم نہیں؛ ان دونوں صورتوں میں اس میں عشر لازم ہے، اگر درحقیقت کسی زمین میں عشر مقرر ہونا چاہیے اور بادشاہ اسلام نے یا غیر نے عشر مقرر نہ کیا تو اس سے عشر ساقط نہیں ہوتا، اور وہ زمین عشری ہونے سے خارج نہیں ہوتی، اور جب کہ عشر بہ منزلہ زکاۃ ہے تو جیسا کہ زکاۃ اموال ہر جگہ واجب ہے بلاد اسلام ہوں یا غیر، اسی طرح عشر بھی ہر جگہ لازم ہوگا، اور واضح ہو کہ زمین عشری سے اگر خراج لے لیا جاوے تب بھی عنداللہ عشر ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا صاحب زمین کو عشر نکال کر فقراء کو دینا چاہیے، الحاصل احوط یہی ہے کہ مسلمانان اپنی اراضی کی پیداوار زمین سے عشر ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ١٨٧-١٨٩)

وضاحت: یہ جواب بھی سنہ ۳۲-۱۳۳۳ھ میں لکھا گیا ہے، اس وقت حضرت مفتی علام کی یہی رائے تھی، بعد میں حضرت نے اس سے رجوع فرما لیا تھا، جیسا کہ سابقہ وضاحت میں گزرا۔ محمد امین پالن پوری

ہندوستان کی زمین میں نہ خراج واجب ہے نہ عشر

سوال: (۳۱٦) فقہاءؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے، یہ ان کا فرمانا حکومتِ

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٦/ ۲۳٦، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية، قبيل مطلب في أحكام الإقطاع من بيت المال.

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۲٤۰، كتاب الزّكاة، باب العشر.

مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے کہ جس زمین کا خراج لیا جائے اس کا عشر نہیں لیا جاسکتا، یا کہ حکومت غیر اسلام کے لیے بھی حکم یہی ہوگا، شامی جلد ثانی میں تصریح ہے کہ کفار حربی جب ہمارے ملک پر غالب آجائیں تو ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو بغاۃ کا ہے؛ یعنی اموال ظاہرہ کی زکاۃ جس طرح باغیوں کے لینے سے مالک سے ساقط ہوجاتی ہے؛ ایسا ہی متغلب حربی کے لینے سے بھی ساقط ہوجاتی ہے، علامہ کی یہ رائے قابل قبول ہے یا نہیں؟ غرض کہ ہندستان کی زمین میں عشر واجب ہے یا خراج؟

(۸۷۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: علامہ شامی نے باب الرکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ دارالحرب کی اراضی نہ خراجیہ ہیں اور نہ عشریہ؛ یعنی وہاں نہ خراج واجب ہے اور نہ عشر، کفار نے جو کچھ خراج لیا گویا وہ خراج شرعی نہیں ہے اور نہ واجب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں جب کہ اس کو دارالحرب کہا جاوے جیسا کہ محققین کی رائے ہے عشر واجب نہیں ہے، احتیاطاً اگر کوئی دے دے تو یہ امر آخر ہے، اور اس کی تائید حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی تصریح سے بھی ہوتی ہے جو کہ انہوں نے مالا بدمنہ میں فرمائی ہے کہ ہم نے مسائل عشر اس لیے نہ لکھے کہ ان بلاد میں عشر واجب نہیں ہے [(۱)] پس اگر ہندستان کی زمینوں کو عشری اور خراجی کہا جاتا تو پھر یہ حکم یہاں بھی جاری ہوتا کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ ہندستان میں جس زمین کا خراج لیا جاتا ہے اس پر عشر نہیں ہے، اور اسی قاعدہ سے استدلال فرمایا ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے [(۲)] اور علامہ شامی کی یہ تحقیق: **ويظهر لي أن أهل الحرب لو غلبوا على بلدة من بلادنا كذلك إلخ** [(۳)] صحیح معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) وہم چنیں احکام عشر زمین عشری کہ دریں دیار نیست الخ، مذکور نہ کردہ شد۔ (مالا بدمنہ، ص:۸۱، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: دارالکتاب دیوبند)

(۲) مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحی قدیم: ۲/۱۹۴-۱۹۵، کتاب الملک، شش سوالات متعلقہ باب الملک، تحت استفتاء نمبر: ۱۰۸، مطبوعہ: مطبع یوسفی لکھنؤ۔

(۳) **ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۱۹۸، کتاب الزّکاۃ، باب زکاۃ الغنم، مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقلید فیها من أقران سیبویه.**

عبارتِ بابِ الرکاز یہ ہے: واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب ...... ثمّ رأيت عين ما قلته في شرح الشّيخ إسماعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر إلخ[1] (الشّامي: ۲/۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۷۷-۱۷۸)

ہندوستان جیسے ملک میں کوئی زمین عشری اور خراجی نہیں ہے اور عشر کے لیے حولانِ حول ضروری نہیں

سوال: (۳۱۷) ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟ اور عشر میں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ جو کہ زمین داران کاشتکاری کرتے ہیں اور اراضی کا لگان سرکار کو دیتے ہیں، اور جس قدر ان کو منظور ہوتا ہے اپنی کاشت میں رکھتے ہیں، جو اراضی خود کاشت کرتے ہیں اس کی پیداوار میں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ زکاۃ؛ غلہ وتجارت کے مال میں سے جو نکالی جاتی ہے اس میں سال کی قید ہے یا غلہ تیار ہونے پر، اور زکاۃ پورے غلہ کے حساب سے دی جاوے یا خرچ اخراجات منہا کر کے؟

(۱۶۳۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ردالمحتار باب الرکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں کوئی زمین عشری اور خراجی نہیں ہے، بناءً علیہ جو محصول سرکار لیتی ہے اس کو خراج نہ کہیں گے، اور جب کہ کوئی زمین ہندوستان کی عشری نہیں ہے تو عشر بھی واجب نہ ہوگا[2] لیکن اگر احتیاطاً مسلمان اپنی اراضی کا عشر دے دیں تو اچھا ہے، اور عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا جس جگہ واجب ہے کل پیداوار پر واجب ہے، اور جس وقت غلہ پیدا ہو اسی وقت واجب ہے، سال کی قید اس میں نہیں ہے، اور مال تجارت میں سال بھر کے بعد زکاۃ لازم آتی ہے، اور زمین عشری اگر مزارعت پر دی جاوے تو اس کی پیداوار میں عندالصاحبین حسب حصہ ہر ایک پر یعنی کاشتکار اور مالک زمین پر عشر لازم آتا ہے، اور اجارہ کی

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۲۳۴، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز.

(۲) ويحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (ردّ المحتار: ۳/۲۳۴، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز) ظفیر

صورت میں امام صاحب موجر پر اور صاحبین مستاجر پر عشر لازم فرماتے ہیں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۱۶۶-۱۶۵/٦)

معافی زمین عشری ہے یا نہیں؟ اور ایسی زمین کسی کو لگان یا بٹائی پر دے دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۳۱۸) زید کے قبضہ میں کچھ زمین معافی ہے یہ عشری ہے یا نہیں؟ زید نے زمین مذکورہ کو اگر خود کاشت کی تو اس پر بلا لحاظ صاحب نصاب ہونے کے اگر زکاۃ واجب ہوگی تو کس قدر اور اگر زید نے یہ معافی زمین کسی غیر شخص کو لگان یا بٹائی پر دیدی تو بھی زکاۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ اگر دینی ہوگی تو کس قدر اور ایک کو یا دونوں کو؟ (۱۴۴۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: روایت شامی باب الرکاز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے بلاد کی اراضی عشری وخراجی نہیں ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ اس زمین کی پیداوار میں عشر دیا جاوے یعنی اگر خود کاشت کی ہے تو تمام پیداوار کا عشر خود ادا کرے اور اگر کسی کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے تو بہ قدر حصہ ہر ایک عشر دیوے اور نقد اجارہ پر دینے میں عشر بہ ذمہ موجر ہے یا مستاجر علی اختلاف القولین [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۱٦۷)

کل پیداوار میں عشر ہے یا لگان کاٹ کر؟

سوال: (۳۱۹) ممالک متحدہ آگرہ واودھ میں کوئی اراضی ایسی نہیں ہے جو پرتہ مال گزاری

---

(۱) والعشر على المؤجر كخراج موظف ، وقالا: على المستأجر كمستعير مسلم، وفي الحاوي: وبقولهما نأخذ، وفي المزارعة إن كان البذر من ربّ الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصّة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۰-۲۵۲، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية) ظفير

(۲) والعشر على المؤجر كخراج موظف، وقالا: على المستأجر كمستعير مسلم، وفي الحاوي: وبقولهما نأخذ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۰-۲۵۱، كتاب الزّكاة، باب العشر، مطلب: هل يجب العشر على المزارعين في الأراضي السّلطانية) ظفير

سرکار سے مستثنیٰ ہو، پس بہ حالت متذکرہ زمین دار یا کاشتکار کو پیداوار اراضی سے غلہ بہ قدر قیمت رقم مال گزاری سرکار یا لگان زمیندار خارج کر کے بقیہ غلہ پر زکاۃ دینی چاہیے یا کل پیداوار پر بلا منہائے رقم مال گزاری وغیرہ؟ (۱۰۳۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زمین عشری ہے تو کل پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہیے خرچ سرکاری وغیرہ منہا نہ کیا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۸۰-۱۸۱)

نئی آباد کردہ زمین میں عشر ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان زمینوں کے بارے میں جو ہنوز نو آباد ہوئی ہیں یا ہو رہی ہیں؛ جیسے ملک پنجاب میں شہر لائل پور[2] وسرگودھا آباد شدہ وشہر منٹگمری اب آباد ہو رہی ہے کہ آیا ان زمینوں پر عشر ہے یا عشر نہیں؟ باقی بہ حیثیت محنت ومشقت ومحصول سرکاری کے لحاظ سے تو یہ زمینیں چاہی زمین سے زائد ہیں، اس لیے کہ چاہی زمین کا محصول تو چار آنہ کنال[3] ہے پنجاب میں، اور ان زمینوں کا محصول ایک آنہ کنال ہے، اور علی ہذا القیاس اضافہ محنت کہ کبھی انسان مزارعت کے کام سے تحصیل تفریغ بالکلیہ نہیں کرسکتا۔ بینوا توجروا (۱۷۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شامی میں منقول ہے: احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر إلخ[4] اس روایت کے موافق عشر لازم نہیں؛ لیکن اگر ایسی اراضی دارالاسلام

---

(۱) وتجب في مسقي سماء ...... وسيح ...... بلا شرط نصاب ...... و ...... بقاء وحولان حول إلخ يجب العشر، ويجب نصفه في مسقي غرب ...... ودالية ...... لكثرة المؤنة إلخ بلا رفع مؤن ...... الزّرع وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كلّ الخارج . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۲-۲۴۵، كتاب الزّكاة ، باب العشر، مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية) ظفیر

(۲) رجسٹر نقول فتاویٰ میں (شہر لائل پور) کی جگہ ''نہر لائل پور'' ہے، اس کو مفتی ظفیر الدین صاحب نے بدلا ہے۔۱۲

(۳) کنال: بیگھے کا چوتھا حصہ۔ (فیروز اللغات) ۱۲

(۴) ردّ المحتار: ۳/۲۳۴، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز.

میں ہوں گی تو عشری ہوں گی، ان میں عشر دینا لازم ہوگا، لہٰذا اگر احتیاطاً دیا جاوے تو عشر دیا جائے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۸۴)

وجوبِ عشر کے لیے دَین مانع نہیں

سوال: (۳۲۱) ایک شخص مقروض ہے جو کچھ روپیہ اخراجات سے بچتا ہے وہ قرض میں ادا کرتا ہے مگر جو گھر میں کھیتی ہوتی ہے اس غلہ سے وہ زکاۃ نکالتا ہے درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۳۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار باب العشر میں ہے: ویجب مع الدّین[۲] یعنی عشر باوجود قرض کے بھی لازم ہوتا ہے، پس جس جگہ عشر لازم ہے وہاں وجوب عشر کے لیے دین مانع نہیں ہے، اور جہاں عشر واجب نہیں ہے وہاں بھی دے دینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کما ہو ظاہر. فقط (۶/۱۶۵-۱۶۶)

مدیون پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور دوسرا شخص اس کو عشر دے تو وہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۲۲) مدیون پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اگر دوسرا اس کو دیوے تو وہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں عشر کا مال لگانا درست ہے یا نہیں؟ اور مدارس اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مدیون پر عشر واجب ہے۔ کما في الدّرّ المختار: ویجب مع الدّین إلخ[۲] اور دوسرا شخص اگر اس کو دے تو دیکھا جائے گا کہ بعد ادائے دَین وہ مالک نصاب رہتا ہے یا نہیں، اگر بہ قدر نصاب اس کے پاس بعد ادائے دین باقی نہ رہے تو لینا درست ہے۔ مسجد کی تعمیر و مرمت میں عشر کا مال لگانا درست نہیں ہے؛ مگر بعد حیلۂ تملیک کے، اسی طرح مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں جائز نہیں

---

(۱) قال أبو حنیفةؒ: في قلیل ما أخرجته الأرض وکثیره العشر سواء سُقي سیحًا أو سقته السّماء إلاّ القصب والحطب والحشیش. (الهدایة: ۱/۲۰۱، کتاب الزّکاة، باب زکاة الزّروع والثّمار) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۴۲، کتاب الزّکاة، باب العشر قبیل مطلب مهمّ في حکم أراضي مصر والشّام السّلطانیة.

لیکن طلبہ کے لیے دینا جائز ہے کہ اس میں تملیک شرط ہے جیسا کہ زکاۃ میں [۱] فقط واللہ اعلم (٦/٣٠١)

کیا ادائے عشر میں طلب عامل شرط ہے؟

سوال: (۳۲۳) زید کہتا ہے کہ ادائے عشر کے واسطے طلب عامل شرط ہے؛ جب تک عامل طلب نہ کرے ادا کرنا واجب نہیں؟ (۹۷۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: زید کا قول صحیح نہیں ہے، صاحب زمین عشری اگر خود اس کا عشر ادا کردے تو یہ بھی درست ہے۔ ویسقط عن صاحب الأرض کما لو أدّی بنفسہٖ إلخ [۲] (شامي) البتہ یہ بحث جداگانہ ہے کہ دارالحرب میں عشر واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ شامی نے تصریح کی ہے باب الرکاز میں کہ دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی [۳] تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں عشر واجب نہیں ہے اگر استحباباً دیویں تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/١٧٤)

عشر صاحبِ نصاب اور غیر صاحبِ نصاب سب پر واجب ہے

سوال: (۳۲۴) کھیتی کا عشر صاحب نصاب پر واجب ہے یا سب پر؟ (۲۰۳۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

وشرط أدائه ما مرّ في الزّكاة. (الفتاوی الهندية: ١/١٨٥، كتاب الزّكاة، الباب السّادس في زكاة الزّرع والثّمار)

وفي الجوهرة النّيّرة في بيان مصارف الزّكاة: لا تدفع إلٰى غنيّ ...... وبني هاشم ...... ولا يدفع المزكّي زكاته إلٰى أبيه وجدّه وإن علا ...... ولا إلٰى ولدهٖ إلخ، وإن سفل.

وفيها: ولا يبنٰى بها مسجد ولا يكفن بها ميّت إلخ ، ولا يبنى بها السّقايات ولا يحفر بها الآبار و لا يجوز إلّا أن يقبضها فقير لأنّها تمليك ولا بدّ فيها من القبض . (الجوهرة النّيّرة: ١/١٥٥-١٥٦، كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقة إليه و من لا يجوز) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ٣/٢٤٢، كتاب الزّكاة، باب العشر، قبيل مطلب مهمّ في حكم أراضي مصر والشّام السّلطانية.

(۳) و يحتمل أن يكون احترازًا عمّا وجد في دار الحرب فإنّ أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (ردّ المحتار: ٣/٢٣٤، كتاب الزّكاة، باب الرّكاز) ظفیر

الجواب: اگر زمین عشری ہے تو صاحبِ نصاب وغیر صاحب (نصاب) عشر نکالے اور محتاجوں کو دے، اور جو فقیر مانگنے والے ہیں اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں تو ان کو عشر وزکاۃ دینا درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱) (۶/۱۸۴-۱۸۵)

جائداد سکنائی کے کرایہ میں عشر واجب نہیں

سوال: (۳۲۵) جائداد سکنائی کے کرایہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۱۹۳)

امام کو اجرت میں عشر دینا درست نہیں

سوال: (۳۲۶) امام کو اجرت میں عشر کا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ناجائز کہنے والے کو جو شخص معتزلہ کہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۷۶۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: مصرف عشر کا وہی ہے جو مصرف زکاۃ کا ہے؛ جیسا کہ شامی باب مصرف زکاۃ میں لکھا ہے: **وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة إلخ** (۲) پس جیسا کہ زکاۃ کو اجرتِ امامت میں دینا ناجائز ہے، اسی طرح عشر وصدقۂ فطر بھی اجرتِ امامت میں دینا ناجائز ہے، اور اس صورت میں عشر وصدقۂ فطر وغیرہ صدقات واجبہ ادا نہ ہوں گے، اور عدمِ جواز کے قائلین تمام فقہاء عظام ہیں، پس کافر ومعتزلہ کہنے والا قائلین عدم جواز کا سخت خاطی اور فاسق وظالم ہے اور قول اس کا غلط اور باطل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۷۵-۲۷۶)

❑❖❑

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں اس جواب کا ابتدائی حصہ غائب تھا، احقر نے سنہ ۱۴۰۹ھ میں جب اس جلد کا ضمیمہ لکھا تھا اس وقت اس کا اضافہ رجسٹر نقول فتاویٰ سے کیا تھا۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۸) محمد امین

(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۲۵۶، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف.

مصارفِ زکاۃ کا بیان

مسکین کس کو کہتے ہیں؟

سوال: (۳۲۷) مسکین کس کو کہتے ہیں؟ (۹۴۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو اور وہ محتاج ہو اس کو فقیر اور مسکین کہتے ہیں، اور کتبِ فقہ میں اس کی پوری تفصیل لکھی گئی ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۴/۶)

زکاۃ کا عمدہ مصرف کیا ہے؟

سوال: (۳۲۸) زکاۃ کا عمدہ مصرف کیا ہے؟ (۲۲۹۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مصرف زکاۃ کے فقراء اور مساکین اور یتیم بچے اور بیوہ عورتیں وغیرہ ہیں، اور جو زیادہ

---

(۱) ومسكين مَن لا شيء له على المذهب لقولهٖ تعالىٰ: ﴿أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ ...... وآية السّفينة للتّرحّم (الدّرّ المختار) قوله: (على المذهب) من أنّه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل على العكس والأوّل أصحّ؛ بحر، وهو قول عامّة السّلف، إسماعيل، وأفهم بالعطف أنّهما صنفان وهو قول الإمام وقال الثّاني صنف واحد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح میں مسکین اُسے کہا جاتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو بالکل بدحال ہو، اور جو صاحبِ نصاب نہ ہو مگر کھاتا پیتا ہو تو اصطلاح میں اُسے فقیر کہتے ہیں۔ **فقير وهو مَن له أدنىٰ شيء أي دون نصاب (ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف)** اردو کے محاورہ میں مسکین اور فقیر ایک ہی معنی میں بولا جاتا ہے، یعنی جو مستحق زکاۃ ہو، واللہ اعلم۔ ظفیر

محتاج ہو اور رشتہ دار بھی ہو اس کو دینا زیادہ اچھا ہے، اور مدارس اسلامیہ میں طلبہ مساکین کے لیے بھیجنا بھی زیادہ ثواب رکھتا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۱۲۷-۱۲۸)

زکاۃ کا مستحق کون ہے؟

سوال: (۳۲۹) ......(الف) ایک شخص کی سالانہ آمدنی دس من غلہ اور پانچ روپیہ نقد ہے، اور دو بہن بھائی بھی کھانے والے ہیں، اور آمدنی کبھی وصول ہوتی ہے کبھی نہیں، تو یہ شخص زکاۃ لے سکتا ہے یا نہ؟

(ب) ایک شخص کی آمدنی ۵۰ یا ٦۰ روپے ہے تو یہ شخص بھی زکاۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۸۴۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) لے سکتا ہے (۲)

(ب) اس صورت میں وہ غنی ہے، زکاۃ نہیں لے سکتا (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲۰۲)

صدقۂ فطر جس پر واجب ہے وہ مصرف زکاۃ نہیں

سوال: (۳۳۰) جس پر صدقۂ فطر واجب ہے وہ مصرف زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۵۹۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نہیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲٦۰)

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنیٰ شيء أي دون نصاب إلخ ومسكين إلخ ، وفي سبيل الله إلخ وابن السّبيل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵٦-۲٦۲، كتاب الزّكاة باب المصرف) ظفیر

(۲) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنیٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵٦-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۳) ولا إلیٰ غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲٦٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) یہ سنہ ۱۳۳۲ھ کی بات ہے، اب چالیس پچاس روپیہ کمانے والا غنی نہیں ہوسکتا، واللہ اعلم۔ ظفیر

صدقہ وخیرات اور نذر ونیاز کس کو دینا بہتر ہے؟

سوال: (۳۳۱)......(الف) صدقہ خیرات کا حق دار زیادہ کون ہے؟

(ب) نیاز یا نذر جو خدا تعالیٰ کے نام کی مانی جائے اور وہ طعام کی صورت میں دی جائے اس کے لیے حق دار مقدم کون ہے؟

(ج) لوگ جو وقتاً فوقتاً اولیاء کرام یا بزرگان دین کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لیے صدقہ اور خیرات کرتے ہیں اس میں مقدم مستحق کون ہے؟ (۱۶۷۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) قریبی رشتہ دار زیادہ احق بالصدقہ ہے[1]

(ب) اس میں رشتہ داروں کو مقدم کرے اس کے بعد عام محتاجوں کو دینا چاہیے۔

(ج) اس میں بھی وہی رعایت رکھے جو باقی صدقات میں ہے کہ اقرباء مساکین کو مقدم کرے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲۱۵-۲۱٦)

ایک آدمی کو کتنی زکاۃ دینی چاہیے؟

سوال: (۳۳۲) ایک آدمی کو کتنی زکاۃ دینی چاہیے؟ (۱۱۹۳/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: ایک آدمی محتاج کو نصاب سے کم زکاۃ دینی چاہیے، نصاب کی قدر دینا مکروہ ہے،

---

(۱) وكره نقلها إلاّ إلٰى قرابة ؛ بل في الظّهيرية : لا تقبل صدقة الرّجل وقرابته محاويج حتّى يبدأ بهم فيسدّ حاجتهم . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۴/۳، كتاب الزّكاة ، باب المصرف ، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفیر

(۲) عن أبي هريرة مرفوعًا إلى النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم أنّه قال : يا أمّة محمّد! والّذي بعثني بالحقّ لا يقبلُ اللّٰهُ صدقةً مِن رجلٍ وله قرابةٌ محتاجون إلٰى صلتهٖ ويصرفها إلٰى غيرهم إلخ ، وفي القريب جمع بين الصّلة والصّدقة إلخ .

وفي القهستاني: والأفضل إخوته وأخواته ثمّ أولادهم ، ثمّ أعمامه وعمّاته ، ثمّ أخواله، وخالاتُه ، ثمّ ذَوُو أرحامهٖ ، ثمّ جيرانُه ثمّ أهل سِكتهٖ ، ثمّ أهل بَلَدهٖ. (ردّ المحتار : ۲۷۴/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

لیکن اگر وہ مقروض ہو تو نصاب یا نصاب سے زیادہ دینا بھی درست ہے[1] فقط (٦/٢٧٣-٢٧٤)

زکاۃ کا مال اقارب میں سے کس کو دینا درست ہے؟

سوال: (٣٣٣) زکاۃ کا مال کس کو اقارب میں سے نہیں دیا جاتا؟ (١٥٦٦/٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: سوائے اصول وفروع وزوجین کے سب اقرباء کو دے سکتا ہے[2] فقط (٦/٢٠٦)

وکیل زکاۃ کی رقم موکل کی اجازت سے اپنی ذات پر صرف کر سکتا ہے

سوال: (٣٣٤) میں جس شخص کے یہاں ملازم ہوں اس نے زکاۃ نکالی، اور یہ کہا کہ تین روپیہ تم خود لے لینا تو اب میں بلا دریافت کیے لے سکتا ہوں یا نہیں؟ (٤٦٨/١٣٤٥ھ)

الجواب: جب کہ اس نے یعنی مالک نے اجازت دے دی تو لینا درست ہے، بہ نیت زکاۃ لے کر اپنے کام میں لاوے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/١٩٤-١٩٥)

وکیل زکاۃ کی رقم اپنے موکل کو نہیں دے سکتا

سوال: (٣٣٥) زید کی ہمشیرہ ہندہ کا انتقال ہوا، ترکہ میں زید نے بھی کچھ زیور پایا، اور اس کو ہمشیرہ کی زکاۃ واجبہ میں شرعًا دینے کے لیے اپنے بڑے بھائی بکر کو دے دیا، بکر نے یہ دیکھ کر کہ زید خود مصرفِ زکاۃ ہے اور بہت مقروض ہے، اس زیور کو فروخت کر کے اس کی قیمت زید کو بہ نیتِ زکاۃِ ہمشیرہ دے دی، اس صورت میں زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ شبہ یہ ہے کہ زید موکل ہے، اور

---

(١) وكره إعطاء فقير نصابًا أو أكثر إلّا إذا كان المدفوع إليه مديونًا أو كان صاحبَ عيال إلخ فلا يكره، فتح. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٧٤، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفیر

(٢) ولا إلٰى مَن بَينهُما وِلادٌ أو بينهُما زوجيّة (الدّرّ المختار) وقُيّدَ بالوِلَادِ لِجَوازِهِ لِبَقِيَّةِ الأقارِبِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٦٤-٢٦٥، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(٣) وللوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته لا لنفسه إلّا إذا قال ربُّها: ضَعْهَا حيث شئت. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/١٧٥-١٧٦، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

بکر صرف وکیل ہے، اور وکیل کا فعل عین موکل کا فعل ہوتا ہے تو یہ صورت ہوگئی کہ زید گویا خود ہی زکاۃ دیتا ہے، اور خود ہی رکھ لیتا ہے۔ (۸۱۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: وہ زیور جو زید کو ترکہ ہمشیرہ میں سے میراث میں ملا وہ مملوکہ زید کا ہے، اور جب کہ زید کے وکیل نے اس کو فروخت کر کے پھر زید کو ہی دے دیا تو اس طرح زکاۃ ادا نہیں ہوئی، کیوں کہ اس صورت میں زید کا مملوکہ روپیہ زید کے پاس ہی رہا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۱۲۷)

زکاۃ کی رقم وصی یا وکیل اپنے اصول وفروع کو دے سکتا ہے موصی اور موکل کے اصول وفروع کو نہیں دے سکتا

سوال: (۳۳٦)......(الف) زید نے وصیت کی کہ میرے ذمے زکاۃ باقی ہے، بعد میری وفات کے میرے ترکہ سے ادا کر دینا؛ تو وصی کو اس رقم زکاۃ کا زید کے حاجت منداصول وفروع کو دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح وصی اپنے حاجت منداصول وفروع کو یہ رقم زکاۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۸۹۳/۱۳۳۹ھ)

(ب) زید نے اپنی حیات میں کسی کو وکیل کیا کہ یہ رقم زکاۃ کی مستحقین پر تقسیم کر دو تو وکیل اس کو زید کے اصول وفروع محتاجین پر تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اپنے اصول وفروع پر بھی تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۸۹۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) زید کے اصول وفروع کو دینا درست نہیں ہے[۱] اور وصی اپنے اصول و فروع فقراء کو دے سکتا ہے۔ وللوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته إلخ[۲] (الدّرّ المختار)

(ب) زید کے اصول وفروع کو نہیں دے سکتا اور اپنے اصول وفروع فقراء کو دے سکتا ہے۔ کما مرّ[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲۴۸-۲۵۰)

(۱) ولا إلٰى مَن بَينهُما وِلادٌ (الدّرّ المختار) أي أصله وإن علا كأبويه وأجداده وجدّاته من قبلهما وفرعه وإن سفل إلخ كأولاد الأولاد إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۲٦۴، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۵-۱۷٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو زکاۃ دینا جائز نہیں

سوال: (۳۳۷) خاوند بیوی کو یا بیوی خاوند کو زکاۃ دے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۶۴۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۱/۶)

سوال: (۳۳۸) مرد اپنی عورت کو یا عورت اپنے خاوند کو زکاۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟ (۳۴۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: نہیں[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۲/۶)

وکیل زکاۃ کی رقم اپنی مسکین بیوی کو دے سکتا ہے

سوال: (۳۳۹) زید نے عمر کو زکاۃ کا روپیہ دیا کہ وہ مستحق پر تقسیم کردے عمر صاحبِ نصاب ہے مگر زوجہ اس کی مسکین ہے تو عمر اپنی زوجہ کو زید کی زکاۃ میں سے کچھ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۴۸۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں عمر اپنی زوجہ کو زکاۃ کا روپیہ دے سکتا ہے[2] فقط (۱۹۶/۶)

اپنی بیٹی کو زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (۳۴۰) زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر سے کیا، بکر قرض دار ہے اس وجہ سے زوجہ کے

---

(۱) ولا إلٰی مَن بَینهُما وِلادٌ إلخ أو ...... زوجیّة ولو مبانة، وقالا: تدفع هي لزوجها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۴/۳-۲۶۵، کتاب الزّکاة، باب المصرف)

ولا یدفع المزکّي زکاة ماله إلٰی أبیه إلخ، ولا إلٰی امرأته للاشتراك في المنافع عادةً، ولا تدفع المرأة إلٰی زوجها عند أبي حنیفة لما ذکرنا، وقالا تدفع إلیه لقوله علیه السّلام: لك أجران: أجر الصّدقة وأجر الصّلة، قاله لامرأة ابن مسعودؓ وقد سألته من التّصدّق علیه، قلنا: هو محمول علی النّافلة. (الهدایة: ۲۰۶/۱، کتاب الزّکاة، باب من یجوز دفع الصّدقات إلیه ومن لایجوز) ظفیر

(۲) وللوکیل أن یدفع لولده الفقیر و زوجته لا لنفسه إلّا إذا قال ربُّها: ضَعْهَا حیث شئت. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۵/۳-۱۷۶، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

نفقہ کا متحمل نہیں ہوسکتا، اگر زید اپنی لڑکی کو زکاۃ دے تو جائز ہے یا نہیں؟ (٢٥٦/ ١٣٣٧ھ)

الجواب: زکاۃ دینا اپنی دختر کو جائز نہیں ہے، درمختار میں ہے: **ولا إلیٰ من بینهما ولاد إلخ**[(١)] (باب المصرف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٢٣٦/٦)

اپنے بالغ لڑکے کو چرم قربانی دینا درست ہے اس کی قیمت دینا درست نہیں

سوال: (٣٤١) زید غنی ہے اور قربانی کرتا ہے، اس کے ایک لڑکا بالغ غریب ہے، زید اپنے لڑکے مذکورہ کو قربانی کا چمڑا یا اس کی قیمت دے سکتا ہے یا نہیں؟ (١٣٥١/ ١٣٣٩ھ)

الجواب: چمڑے کا دے دینا جائز ہے، اور قیمت چرم قربانی کا دینا درست نہیں ہے مثل زکاۃ کے[(٢)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٢٥٠/٦)

زکاۃ کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال: (٣٤٢) زکاۃ ہمشیرۂ خود، قریبی یتیم، قریبی یتیم وغریب، ہمسایہ غریب، بیوہ عورت، مقروض آدمی، مسکین مثلاً لولے، لنگڑے، اندھے، عالم، امام مسجد، مدرسۂ یتامی و دینیہ ان سب کی موجودگی میں کس کا حق اوّل ہے؟ (١٦٧١/ ١٣٣٥ھ)

الجواب: زکاۃ کا مصرف غریب محتاج شخص ہے جو مالک نصاب نہ ہو، اگر اپنا قریبی رشتہ دار سوائے اصول وفروع کے محتاج ہو تو اس کو دینا زیادہ ثواب ہے؛ مثلاً بھائی بہن غریب ہوں تو ان کو دینے میں ثواب زیادہ ہے، اور عالم محتاج ہو تو اس کو بھی دینا درست ہے[(٣)] اور امام مسجد کو بہ معاوضہ

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٦٤/٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(٢) ولا إلیٰ مَن بَینهُما وِلادٌ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٦٤/٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(٣) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو مَن له أدنى شيء إلخ مسكين إلخ يصرف المزكّي إلیٰ كلّهم أو إلیٰ بعضهم إلخ، وكره نقلها إلاّ إلیٰ قرابة بل في الظّهيرية لا تقبل صدقة الرّجل وقرابته محاويج حتّى يبدأ بهم فيسدّ حاجتهم أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٥٦/٣-٢٧٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

امامت دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۱۵-۲۱۶)

اپنے نانا نانی کو زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (۳۴۳) حقیقی بہن و بھائی و چچا و پھوپھو و نانا و نانی و خالہ و ماموں ان میں کون مصرف زکاۃ ہیں اور کون نہیں؟ (۳۴۲/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: نانی نانا نہیں، باقی سب مصرف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۹۲)

اپنے ماں باپ کو زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (۳۴۴) اپنے ماں باپ یا خوش دامن وخسر یا خالہ زاد یا چچا زاد یا برادر و ہمشیرۂ خود و ان کی اولاد؛ اِن میں سے کس کس کو زکاۃ کی رقم دینی یا نہ دینی چاہیے؟ (۸۲۸/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ان مذکورین میں سے سوائے ماں باپ کے سب کو زکاۃ دینا درست ہے (۱) فقط (۶/ ۲۰۵)

والدین کی حیات میں اپنے نابالغ بھائی بہنوں کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۴۵) ایک شخص بہ حیات والدین صاحب زکاۃ عسیر المعاش، طویل الکنبہ وقلیل المدخل اپنے نابالغ بھائی بہنوں کو جو قُوت وکسوۃ (خوراک و پوشاک) سے تنگ رہتے ہوں تو وہ ان کو زکاۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر والدین صاحبِ زکاۃ نہیں تو اس صورت میں وہ اپنے برادران و ہمشیرگان نابالغ کو زکاۃ دیوے یا نہ؟ (۱۲۹۸/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بھائی بہنوں کو جو کہ مالک نصاب نہیں ہیں اور نہ وہ غنی کی اولاد نابالغہ ہیں زکاۃ دینا

(۱) ولا إلٰی مَن بَینهُما وِلادٌ (الدّرّ المختار) وقُیِّدَ بالوِلاَدِ لِجَوازِهِ لِبَقِیَّةِ الأقاربِ کالإخْوَةِ والأعْمامِ والأخوالِ الفقراء بل هم أولٰی لأنه صِلةٌ وصدقةٌ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲۶۴/۳، کتاب الزّکاة، باب المصرف) ظفیر

درست ہے، اور اگر بھائی بہن بالغ ہیں اور وہ مالک نصاب نہیں ہیں تو پھر اگرچہ والدین غنی بھی ہوں تب بھی ان کو زکاۃ دینا درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۲/۶)

اپنے چھوٹے بھائی کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۴۶) اپنے چھوٹے بھائی کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعد بلوغ بھی تاوقتیکہ وہ خود کمانے کے لائق نہ ہو زکاۃ کی رقم بدستور اس پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۹۵/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: بھائی نادار کو جو کہ مالک نصاب نہ ہو زکاۃ دینا جائز ہے، مگر زکاۃ میں مالک بنانا ضروری ہے، لہٰذا جو کچھ بہ مد زکاۃ اپنے بھائی کے کام میں لگایا جاوے، اس کا اس کو مالک کر دیا جاوے؛ مثلاً کبھی کچھ نقد روپیہ بہ نیت زکاۃ اس کو دے دیا، اور کبھی کپڑا خرید کر اس کو دے دیا، اسی طرح دوسری اشیاء خوردنی وغیرہ میں کیا جاوے، اور بالغ ہونے کے بعد بھی جب تک وہ نادار رہے رقم زکاۃ اس کو دینا درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۹/۶)

داماد اور بھائی بہن کو زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (۳۴۷) داماد اور بھائی بہن کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۶/۶)

سوال: (۳۴۸) داماد اگر غریب ہو اس کو (زکاۃ) دینا خواہ اس کی بیوی صاحبِ نصاب ہو، یا کسی مستحق کو دی جاوے؟ یا غرباء کو کھانا کھلا دیا جاوے؟ (۱۷۱/۱۰۷-۱۳۳۷ھ)

الجواب: اولاد کو دینا بھی درست نہیں ہے[2] اور داماد اگر صاحب نصاب نہ ہو تو اس کو دینا

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

نوٹ: اس جواب میں ترکہ تھا، احقر نے ضمیمہ لکھتے وقت رجسٹر نقول فتاویٰ ۳۵-۱۳۳۶ھ سے اس کی تصحیح کی تھی۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۱/۶) محمد امین پالن پوری

(۲) ولا إلیٰ مَن بَینهُما وِلادٌ (الدّرّ المختار) أي بینه وبین المدفوع إلیه لأن منافع الأملاك بینهم متّصلة إلخ، أي أصله وإن علا كأبویه إلخ وفرعه وإن سفل إلخ كأولاد الأولاد إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۶۴/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

درست ہے [۱] اور دیگر مستحقین یعنی فقراء ومساکین وایامی کو دینا بھی درست ہے، اور اس روپے کا کھانا پکا کر غرباء کو تقسیم کر دینا بھی درست ہے، مگر بیٹھا کر نہ کھلاوے؛ بلکہ ان کو تقسیم کر دے اور مالک بنا دیوے، پھر خواہ وہ وہاں اس کو کھالیں یا اپنے ساتھ لے جاویں [۲] فقط واللہ اعلم (٦/ ۲۳۷)

اپنے بھانجے کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۳۴۹) ایک شخص کے پاس دوسو اڑھائی سو روپے نقد ہیں؛ خرچ سے علیحدہ، اور اسی قدر زیور ہے، مگر استعمال میں نہیں آتا تو یہ شخص اپنے مال کی زکاۃ فیصدی اڑھائی روپیہ نکال کر اپنے بھانجے کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۹۷٦/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: سب زیور اور نقد کی زکاۃ بہ حساب ڈھائی سیکڑہ (2.5%) دینی چاہیے، بھانجے نادار ومفلس کو زکاۃ دینا درست ہے، ماموں اپنے مال کی زکاۃ اپنے بھانجہ کو دے سکتا ہے [۳] فقط واللہ اعلم (٦/ ۲۳۸)

اپنے بیٹے کی بیوی کو زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (۳۵۰)...... (الف) زید زکاۃ کا روپیہ یا اس سے کپڑا خرید کر اپنے بیٹے کی زوجہ کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

(ب) زید نے پسر کی زوجہ کے لیے کپڑا بنایا ابھی اس کو دیا نہیں؛ تو اب بہ نیت زکاۃ اس کو وہ کپڑا دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۷۳۵/ ۱۳۳۸ھ)

---

(۱) قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب إلخ . (ردّ المحتار: ۲٦۴/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۲) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲٦۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۳) ولا إلى مَن بينهما وِلادٌ (الدّرّ المختار) وقُيِّدَ بالوِلَادِ لِجوازِهِ لِبَقِيَّةِ الأقاربِ كالإخْوَةِ والأعْمامِ والأخوالِ الفقراء بل هم أولى لأنّه صِلةٌ وصدقةٌ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲٦۴/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

الجواب: (الف) زید اپنے بیٹے کی زوجہ کو زکاۃ دے سکتا ہے جب کہ وہ مصرف زکاۃ ہو اور کپڑا وغیرہ بھی زکاۃ کے روپے سے بنا کر دے سکتا ہے [١]

(ب) وہ کپڑا بہ نیت زکاۃ اپنی بہو یعنی زوجۂ پسر کو دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم (٦/ ٢٤٥)

اپنی خوش دامن کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (٣٥١) خوش دامن کو زکاۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟ (١٦٩/ ٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: اپنی خوش دامن کو جب کہ وہ مالکِ نصاب نہ ہو زکاۃ دینا جائز اور درست ہے، مگر اس کو بالکل مالک بنا دیا جاوے جہاں چاہے خرچ کرے [١] فقط واللہ اعلم (٦/ ١٩٦)

اپنے شوہر کی اولاد کو زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (٣٥٢) ہندہ اپنے شوہر کی اولاد کو جو اس کی پہلی بیوی سے ہے زکاۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟ (١٥٣/ ١٣٤٣ھ)

الجواب: دے سکتی ہے [١] فقط واللہ اعلم (٦/ ٢٧٩)

زکاۃ کس کو دینا زیادہ بہتر ہے؟

سوال: (٣٥٣) زید کے اقرباء واحباب محتاج ہیں مگر دوسری بستی میں ہیں تو زید کو زکاۃ ان کو دینی چاہیے، یا اپنی بستی کے محتاجوں کو یا مدارس اسلامیہ کے طلبہ کو دے، غرض کہ کس کو دینا زیادہ بہتر ہے؟ (٨٩/ ١٣٤٢ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ دوسری بستی کی طرف زکاۃ کو منتقل کرنا مکروہ ہے، مگر جب کہ دوسری بستی میں اس کے اہل قرابت ہوں یا زیادہ محتاج ہوں الخ [٢] پس اہل قرابت کا خیال مقدم ہے،

---

(١) حوالۂ سابقہ۔١٢

(٢) وكره نقلها إلاّ إلى قرابة؛ بل في الظّهيرية: لا تقبل صدقة الرّجل وقرابته محاويج حتّى يبدأ بهم فيسدّ حاجتهم أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/ ٢٧٤، كتاب الزّكاة ، باب المصرف ، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفير

اگر چہ وہ دوسری بستی میں ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: لا یقبل اللّٰہ صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلی صلته الحدیث [۱] الحاصل اپنے شہر کے محتاجوں کو بھی دیوے اور اپنے اہل قرابت کو دیوے، اگر چہ وہ دوسری بستی میں ہوں، اور مدارس کے طلبہ کو بھی دیوے، اگر چہ وہ دوسری بستی میں ہوں، غرض یہ ہے کہ سب کا خیال رکھے، اور اگر گنجائش زکاۃ کے روپیہ پیسہ میں ہے تو حتی الوسع ہر ایک صاحبِ حاجت اور اہلِ قرابت کو دیوے، اور اگر گنجائش کم ہو تو اہل قرابت کو مقدم کرے، پھر دوسرے محتاجوں اور طلبہ کا خیال کرے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۶/۶-۲۶۷)

زکاۃ اقارب غرباء کو دینے میں ثواب زیادہ ہے

سوال: (۳۵۴) جو لوگ خویش مفلس کو چھوڑ کر دوسروں کو زکاۃ دیتے ہیں ان کا یہ عمل کیسا ہے؟
(۱۳۴۷-۴۶/۳۷۶ھ)

الجواب: مقدم وہ لوگ ہیں جو خویش و اقارب غریب و مفلس ہیں، ان کے بعد دوسرے شہر کے غرباء و فقراء ہیں، تھوڑا تھوڑا جس جس کو ہو سکے دے دے، کچھ اقرباء محتاجوں کو دے اور کچھ دوسرے غرباء کو دے، الحاصل زکاۃ ہر ایک غریب مفلس کو دینے سے ادا ہو جاتی ہے، لیکن اقارب غرباء کو دینے میں ثواب زیادہ ہے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۸/۶)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲۷۴/۳، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّة.

(۲) وکره نقلها إلاّ إلٰی قرابة؛ بل في الظّهیریة: لا تقبل صدقة الرّجل وقرابته محاویج حتّی یبدأ بهم فیسدّ حاجتهم أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمین. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۴/۳، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّة) ظفیر

(۳) وکره نقلها إلاّ إلٰی قرابة ؛ بل في الظّهیریّة ؛ لا تقبل صدقة الرّجل وقرابته محاویج ، حتّی یبدأ بهم فیسدّ حاجتهم (الدّرّ المختار) عن أبي هریرة مرفوعًا إلی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أنّه قال: یا أمّة محمّد! والّذي بعثني بالحقّ لا یقبل اللّٰه صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلٰی صلته ، ویصرفها إلٰی غیرهم والّذي نفسي بیده لا ینظر اللّٰه إلیه یوم القیامة ...... والمراد بعدم القبول عدم الإثابة علیها، وإن سقط بها الفرض لأنّ المقصود منها سدّ خلّة المحتاج وفي القریب جمع بین الصّلة والصّدقة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۷۴/۳، کتاب الزّکاۃ باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّة) ظفیر

قرابت دار مسکین بے نمازی ہے، اور غیر قرابت دار نمازی، تو زکاۃ کسے دینی چاہیے؟

سوال: (۳۵۵) دو قرابت دار تندرست مسلمان مسکین عیال دار بے نمازی کو زکاۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟ اور اجنبی نمازی رشتہ دار بے نمازی سے افضل ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۵٦۷ھ)

الجواب: اہل قرابت جو محتاج ہیں ان کو زکاۃ دینا زیادہ ثواب ہے، اور نماز کی ان کو نصیحت کرے، اگر وہ عمل نہ کریں ان پر گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۳٦)

بے نمازی محتاج کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: (۳۵٦) بے نمازیوں کو مالِ زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہواری رسالہ میں لکھا ہے کہ بے نمازی خواہ کتنا ہی مسکین ہو اس کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی؛ دوبارہ ادا کرنی واجب ہوگی؟ (۱۳۴۳/۱۳۵۳ھ)

الجواب: بے نمازی محتاج کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، کیوں کہ عند الحنفیہ ترکِ نماز سے مسلمان کافر نہیں ہوتا؛ البتہ ترکِ نماز فسق اور گناہ کبیرہ ہے، مگر کفر نہیں ہے، لہٰذا تارکِ نماز کو جب کہ وہ محتاج ہو زکاۃ دینا درست ہے اور زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے کہ تارکِ نماز کافر نہیں ہے [۱] غیر مقلدوں کا عقیدہ ہے کہ تارک نماز کافر ہو جاتا ہے اور جمہور اہل سنت کے نزدیک وہ حدیث مؤوّل ہے جس میں ترک نماز پر کفر کا اطلاق آیا ہے [۲] فقط (٦/۲۸۴)

(۱) وتارك الصّلاة عمدًا كسلاً يضرب ضربًا شديدًا حتّى يسيل منه الدّم إلخ، ولايقتل بمجرّد ترك الصّلاة والصّوم مع الإقرار بفرضيتهما؛ إلاّ إذا جحد افتراض الصّلاة أو الصّوم لانكاره ما كان معلومًا من الدّين إجماعًا إلخ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطّحطاوي: ص: ۳٧۳، كتاب الصّلاة، قبيل باب الوتر وأحكامه) ظفیر

(۲) عن بُريدة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: العهد الّذي بيننا و بينهم الصّلاةُ، فمن تركها فقد كفرَ. (جامع التّرمذي: ۲/۹۰، أبواب الإيمان، باب ما جاء في ترك الصّلاة)

==

بے نمازی کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۳۵۷) بے نمازی کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر وہ بے نمازی محتاج و مصرف زکاۃ ہے تو دینا اس کو درست ہے (۱) فقط (۲۰۵/٦)

جن مسلمانوں کے عقائد و اعمال بہت زیادہ خراب ہوں ان کو زکاۃ دینا کیسا ہے؟

سوال: (۳۵۸) کچھ روپیہ زکاۃ کا یہاں مساکین کے لیے رکھ لیا تھا؛ لیکن چند روز سے ارادہ بدل گیا وجہ یہ ہوئی کہ اکثر یہاں کے لوگ محض نام کے مسلمان ہوتے ہیں، کوئی بات ان میں مسلمانی کی نہیں ہے، عقائد، عبادات، معاملات سب خراب ہیں، عقائد کی یہ حالت ہے کہ ایک قوم یہاں فقیر ہے جو بہت مشرک سمجھی جاتی ہے، ان کی یہ حالت ہے کہ ایک شخص جو میرے یہاں ملازم ہے، چوری وغیرہ کے تذکرہ پر کہنے لگے کہ صاحب! اگر آپ کا کچھ غلہ وغیرہ میں چوری کرتا ہوں تو دوسرے

== وعن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : بين العبد وبين الكفر ترك الصّلاة، رواه مسلم. (مشكاة، ص:۵۸، كتاب الصّلاة، الفصل الأوّل)

ملاعلی قاری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں بہ ذیل حدیث: بين العبد وبين الكفر ترك الصّلاة تحریر فرماتے ہیں: ثمّ من التّأويلات أن يكون مستحلًّا لتركها أوتركها يؤدّي إلى الكفر، فإنّ المعصية بريد الكفر أو يخشى على تاركها أن يّموت كافرًا أو فعله شابه فعل الكافر. (مرقاة المفاتيح: ۲/۲۵۴، أوائل كتاب الصّلاة، الفصل الأوّل، رقم الحديث:۵٦۹)

اور شرح فقہ اکبر میں ہے: وَلاَ نُكَفِّرُ إلخ أي لا ننسب إلى الكفر مسلمًا بذنب من الذّنوب أي بارتكاب معصية كثيرة ، وإن كانت كبيرة أي كما يكفر الخوارجُ مرتكبَ الكبيرة إذا لم يَسْتَحِلَّهَا أي لكن إذا لم يكن يعتقد حلّتها لأنّ من استحلّ معصية قد ثبت حرمتها بدليل قطعيّ فهو كافر، ولا نُزِيْلُ عنه اسمَ الإيمان أي ولا نسقط عن المسلم بسبب ارتكاب كبيرة وصف الإيمان كما يقوله المعتزلة إلخ . (شرح الفقه الأكبر، ص:۸٦، قبيل سبّ الشّيخين إلخ ، مطبوعة: مطبع مجتبائي دهلي)

(۱) حوالۂ سابقہ۔

جنم میں بیل ہوکر آپ کا دانہ دانہ بھروں؛ یہ حالت اچھے لوگوں کی ہے، عوام تو ان سے بڑھ کر ہیں؛ ایسے شخص کو مسلمان کہنا یا مسلمان کا برتاؤ کرنا کیسا ہے؟ شرک، بدعت، تعزیہ پرستی وغیرہ ان کا کام ہے، اللہ و رسول کو جانتے ہی نہیں، نماز نہ روزہ، جھوٹ، فریب، زنا، چوری کو برا نہیں جانتے؛ بچنا تو درکنار، بعث بعد الموت کو جانتے ہی نہیں، ایسی حالت میں ان کو زکاۃ دینا کیسا ہے؟ اگر جائز ہو تو خیر ورنہ شاہ آباد و آرہ کے مظلومین کی حالت تو آپ نے اخباروں میں دیکھی ہوگی میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے پاس بھیج دوں؛ لیکن وہاں بھی مذکورہ بالا شبہ ہے، بلکہ گمان غالب ہے کہ وہ اس سے بدتر حالت میں ہوں گے اس صورت میں کیا کیا جاوے؟ (٤٦٦/٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: اپنی بستی کے ان لوگوں کو جن کا حال آپ نے لکھا ہے زکاۃ دینا درست ہے، پس جو کچھ رقم زکاۃ کی آپ نے ان لوگوں کے لیے رکھی ہے؛ وہ انہیں کو دینا مناسب ہے، کیوں کہ اپنے اہل شہر غرباء کا بھی حق ہے بلکہ زیادہ حق ہے، اور شاہ آباد و آرہ کے مظلومین اگر چہ زیادہ مستحق ہیں مگر اس میں خرچ کرنے والے کی بے احتیاطی کا اندیشہ ہے جس سے یہ خوف ہے کہ زکاۃ ادا نہ ہو؛ کیوں کہ ادائے زکاۃ میں تملیک فقراء کی شرط ہے جس کی وجہ سے کسی مسجد اور مکان وغیرہ کی مرمت و درستی میں صرف کرنا اس کا درست نہیں ہے، اور تجہیز و تکفین میت میں بھی صرف کرنا درست نہیں ہے، پس معلوم نہیں کہ جس کے پاس رقم بھیجی جاوے گی وہ اس شرط کا پورا لحاظ کرے گا یا نہ کرے گا، اور وہ مصارفِ زکاۃ سے پوری طرح واقف ہو یا نہ ہو، آپ کے اہل شہر جن کا حال آپ نے لکھا ہے اگر چہ خرابی ان کے اعمال اور عقائد کی ظاہر ہے، مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کہ وہ کلمہ گو اور مدعیٔ اسلام ہیں اگر چہ اعمال و عقائد ان کے خراب ہوں تو عموماً ان کی تکفیر کا حکم نہیں کیا جا سکتا، ہاں جس خاص شخص سے کوئی کلمہ موجبِ کفر سنا گیا یا اس کا حال محقق طور سے معلوم ہو گیا کہ اس کے عقائد کفریہ ہیں تو اس پر حکم کفر کر دیا جاوے گا، مگر عموماً عام مسلمانوں پر ایسا حکم نہ کیا جاوے گا؛ پس جب حکم کفر عموماً ان پر عاید نہیں کیا جا سکتا تو زکاۃ دینا ان کو درست ہے کہ غریب و محتاج ہیں، اور اپنے پڑوسی ہیں زکاۃ کے دینے میں اسی جزو کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ اپنے شہر کے ہیں، غریب و محتاج ہیں، اس سے زیادہ کنج کاوی (تجُسس) کی حاجت نہیں ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا صدقہ دینے کا (عام ہے کہ وہ صدقہ نفل ہو یا فرض یعنی زکاۃ) اوّل دن چور کو دیا گیا، پھر دوبارہ زانیہ

عورت کو دیا گیا، پھر غنی کو دیا گیا، اس کو اس کا افسوس ہوا، اس کو خواب میں یہ کہا گیا کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہوے کہ چور کو شاید عبرت ہو وہ چوری سے تائب ہوجاوے، اور زانیہ زنا سے توبہ کرلیوے، اور غنی کو نصیحت ہو کہ وہ بھی صدقہ، زکاۃ وغیرہ دینے لگے انتہی مختصراً[۱] اور ان تینوں صورتوں میں ہمارے فقہاء حنفیہ بھی ادائے زکاۃ کے قائل ہیں، درمختار میں ہے: دفع بتحرّ لمن يظنّهٗ مصرفًا فبان أنّه عبده أو مكاتبه أو حربيّ ولو مستأمنًا أعادها لما مرّ، وإن بان غناه أو كونه ذمّيًّا أو أنّه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشميّ لايعيد؛ لأنّه أتى بما في وسعه إلخ[۲] (باب المصرف الدرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۲۱-۲۲۲)

محتاج بدعتی کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۳۵۹) جو جاہل مسلمان ارکانِ اسلام سے ناواقف ہوں اور تعزیہ داری وغیرہ بدعات میں رہتے ہوں ان کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۶۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ان جہلاء میں جو محتاج وفقیر ہیں ان کو زکاۃ دینا جائز ہے[۳] فقط (۶/۲۳۶)

---

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: قال رجلٌ: لأ تصدّقنّ بصدقةٍ فخرج بصدقته فوضعها في يد سارقٍ فأصبحوا؛ يتحدّثون تصدّق اللّيلةَ علىٰ سارق، فقال: اللّٰهمّ لك الحمدُ علىٰ سارق، لأتصدّقنّ بصدقة، فخرج بصدقته فوضعها في يد زانيةٍ؛ فأصبحوا يتحدّثون تصدّق اللّيلة علىٰ زانيةٍ، فقال: اللّٰهمّ لك الحمد على زانيةٍ، لأتصدّقنّ بصدقة فخرج بصدقته فوضعها في يد غنيّ؛ فأصبحوا يتحدّثون تصدّق اللّيلة على غنيّ، فقال: اللّٰهمّ لك الحمد على سارق و زانية وغنيّ؛ فأُتي فقيل له أمّا صدقتك على سارق، فلعلّه أن يستعفّ عن سرقته، وأمّا الزّانية فلعلّها أن تستعفّ عن زناها، وأمّا الغنيّ فلعلّه يعتبر فيُنفق ممّا أعطاه الله، متّفق عليه، ولفظه للبخاري. (مشكاة المصابيح: ص:۱۶۵، كتاب الزّكاة، باب الإنفاق وكراهية الإمساك، الفصل الثّالث)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(۳) مصرف الزّكاة إلخ، هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

بھنگ وافیون کے عادی کوزکاۃ دینا جائز ہے یانہیں؟

سوال: (۳۶۰) ایک شخص نہایت مفلس اور غریب ہے، لیکن بھنگ وافیون وغیرہ کا ازحد مرتکب ہے، اس کوزکاۃ دینا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ کتاب تنبیہ الغافلین میں یہ حدیث لکھی ہے فرمایا حضرت ﷺ نے: من أطعم شارب الخمر لقمة سلّط الله علیٰ جسدہٖ حیّةً وعقربًا في قبرہ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۸۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ صدقات وخیرات صلحاء کودینا افضل ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے: ولیأکل طعامکم الأبرار[2] یعنی چاہیے کہ تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، لیکن فاسق وفاجر، شراب خور جب کہ مفلس ہے اس کوزکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہوجاتی ہے، اگرچہ بہتر یہ ہے کہ صلحاء فقراء کودیوے، اور کتاب مذکور سے جو حدیث نقل کی ہے اس کا حال بندہ کو معلوم نہیں ہے کہ وہ ثابت ہے یانہیں[3] اگر ثابت ہوتو اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ شارب الخمر کو اگر محبت کے ساتھ کچھ کھلاوے پلاوے تو ایسی وعید کا مستحق ہے، بہرحال ادائے زکاۃ میں کچھ تامل نہیں[4] بہتر ہونا نہ ہونا دوسری بات ہے،

---

(۱) روت عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها عن رسول الله صلّی الله علیه وسلّم أنّه قال: من أطعم شارب الخمر الحدیث. (تنبیه الغافلین للسّمرقندي، ص:۱۰۹، باب الزّجر عن شرب الخمر، رقم الحدیث:۱۸۷، المطبوعة: مکتبة الإیمان، مصر)

(۲) عن أنس أن النّبيّ صلّی الله علیه وسلّم جاء إلیٰ سعد بن عبادة فجاء بخبز وزیت فأکل ثمّ قال النّبيّ صلّی الله علیه وسلّم: أفطر عندکم الصّائمون وأکل طعامکم الأبرار وصلّت علیکم الملائکة. (سنن أبي داؤد: ۵۳۸/۲، کتاب الأطعمة، باب في الدّعاء لربّ الطّعام)

(۳) تنبیہ الغافلین کے حاشیہ میں مذکور ہے:

ذکرہ المصنّف أیضًا في قرّة العیون، وله شواهد واهیة، ذکرها ابن عراق في تنزیه الشّریعة. (هامش تنبیه الغافلین بتحقیق السّیّد العربي، ص:۱۱۰، باب الزّجر عن شرب الخمر رقم الحدیث:۱۸۷، المطبوعة: مکتبة الإیمان، مصر)

(۴) مصرف الزّکاة إلخ هو فقیر وهو مَن لهٗ أدنیٰ شيء أي دون نصاب إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۵۶/۳-۲۵۷، کتاب الزّکاة، باب المصرف) ظفیر

اور مفلس ومحتاج اگر چہ فاسق ہو اس کو دینے میں بھی ثواب ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ ہر ایک ذی روح کے دینے میں اجر ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٣٤-٢٣٥)

غنی کی نابالغ محتاج اولاد کو زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (٣٦١) ان اطفال غیر بالغین کو (زکاۃ) دیں کہ خود مفلس محض ہوں، لیکن والدین ان کے ذی نصاب ہوں، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور زکاۃ وغیرہ ادا ہوگی یا نہ؟ (١٢٠٧/١٣٣٥ھ)

الجواب: غنی کی[2] اولاد صغار کو زکاۃ وغیرہ صدقات واجبہ دینا درست نہیں ہے، اس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢١٢)

نابالغ کو زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (٣٦٢) نابالغ کو زکاۃ دی جاتی ہے یا نہیں؟ (٢١٦١/١٣٣٨ھ)

---

(١) عن أبي هريرة أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال : بينما رجل يمشي فاشتدّ عليه العَطش فنزل بئرًا فشرِب منها ثمّ خرج فإذا هو بكلب يلهث يأكل الثّرى من العطش، فقال: لقد بلغ هذا مثل الّذي بلغ بي فنزل بئرًا فملأ خُفّهٗ ثمّ أمسكه بفيه ثمّ رقي فسقى الكلبَ فشكر الله له فغفر لهٗ ، فقالوا: يارسول الله! وإنّ لنافي البهائم أجرًا؟ قال في كلّ كبدٍ رَطبةٍ أجرٌ. (صحيح البخاري:١/٣١٨، كتاب المساقاة، باب فضل سقي الماء) محمد امین

وعنه (أي عن أنس) قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : أفضل الصّدقة أن تُشبع كبِدًا جائعًا ، قال الطّيبي : يعمّ المؤمنَ و الكافرَ و النّاطقَ وغيرَه اهـ . (مرقاة المفاتيح: ٤/٣٧٨،الفصل الثّاني ،كتاب الزّكاة ، باب أفضل الصّدقة ، الفصل الثّالث ، رقم الحديث: ١٩٤٦) ظفير

(٢) مطبوعہ فتاویٰ میں 'کی' کے بعد 'محتاج' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ 'محتاج' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔١٢

(٣) ولا إلٰى طفله (الدّرّ المختار) أي الغني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٦٩، كتاب الزّكاة ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفير

الجواب: نابالغ محتاج کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے[1] (اگر وہ قبضہ کرنے کو جانتا ہو کہ لے کر پھینک نہ دے، ورنہ اس کے ولی کے سپرد کرنی چاہیے۔ ظفیر) (۲۴٦/٦)

سوال: (۳٦۳) نابالغ کو زکاۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: [ادا][2] ہو جاتی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰٦/٦)

وضاحت: بہ شرطیکہ اس کا باپ غنی نہ ہو اور نابالغ بچہ سمجھ دار ہو۔ محمد امین

جائداد کے باوجود گزارہ نہ ہو تو نابالغین کو زکاۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۳٦۴) نابالغان کے پاس کافی جائداد ہے، لیکن نابالغ ہونے کی وجہ سے گزارہ نہیں چلتا، ان کو زکاۃ دینا یا ان کا قرضہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۳۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: ان نابالغوں کا گزارہ جب کہ ان کی جائداد کی آمدنی سے نہیں ہوتا تو ان کو زکاۃ کا روپیہ دینا درست ہے۔ کما نقل عن محمدؒ کذا في الشّامي[3] اور ان کا قرض اس طرح ادا کرنا جائز ہے کہ اوّل زکاۃ کا روپیہ ان یتیموں کی ملک کر دیا جاوے، پھر وہ اپنے قرض میں دے دیں یا ان سے کہہ کر خود ان سے وہ روپیہ لے کر ان کا قرض ادا کر دیا جاوے۔ فقط واللہ اعلم (۲۷٦/٦)

---

(۱) دفع الزّکاۃ إلٰی صبیان أقاربہ برسم عید أو إلٰی مبشر أو مھدي الباکورۃ جاز (الدّرّ المختار) قولہ: (إلٰی صبیان أقاربہ) أي العقلاء وإلاّ فلا یصحّ إلاّ بالدّفع إلٰی ولي الصّغیر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۷۷، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّۃ) اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ اس عمر میں ہو کہ وہ پیسے کو جانتا ہو، ضائع نہ کرے۔ ظفیر

(۲) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۳) سئل محمّد عمّن لہٗ أرضٌ یَزْرعُھا أو حانوتٌ یَستَغِلُّھا، أو دارٌ غلّتُھا ثلاثۃ آلافٍ ولا تکفي لنفقتہٖ ونفقۃ عِیالہٖ سَنَۃً؟ یحلُّ لہ أخذُ الزّکاۃِ وإن کانت قیمتُھا تَبْلُغُ أُلُوْفًا وعلیہ الفتوی. (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۲٦۷، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف، قبیل مطلب في جھاز المرأۃ ھل تصیر بہٖ غنیّۃً؟) ظفیر

زکاۃ کے روپے سے غریب لڑکیوں کی تعلیم درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳٦۵) زکاۃ کے روپے سے غریب لڑکیوں کی تعلیم وتدریس جائز ہے یا نہیں؟

(۵۲/۷۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زکاۃ میں تملیک شرط ہے، یعنی کسی محتاج کو اس کا مالک بنا دینا چاہیے، پس غریب لڑکیوں کو اگر نقد یا کپڑا یا کھانا زکاۃ سے دے دیا جاوے تو درست ہے؛ لیکن معلّمہ کی تنخواہ یا دیگر ملازمین کی تنخواہ دینی زکاۃ سے درست نہیں ہے [۱] اور باقی زکاۃ کے مسائل کی تحقیق اور اس کے مصارف کی تفصیل دہلی کے علماء سے پوری طرح تحقیق کر لیے جاویں، یا بہشتی زیور وغیرہ کتابوں میں دیکھ لیا جاوے، تحریر میں سب امور کا لانا اور سمجھنا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۰۴-۲۰۵)

مالکِ نصاب بیوہ عورت کے نابالغ بچوں کو زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (۳٦٦) ایک عورت بیوہ کے پاس مال زکاۃ دینے کے لائق ہے، اس کے کئی چھوٹے بچے ہیں، ان کو زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۱۵۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جو عورت مالک نصاب ہے، اس کو اور اس کے نابالغ بچوں کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے اس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی؛ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ٦٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۸۲)

استدراک: اس جواب میں تسامح ہے، بیوہ مال دار عورت کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے؛ لیکن اس کے نابالغ بچوں کو زکاۃ دینا درست ہے۔ **وطفل الغنيّة فيجوز لإنتفاء المانع (الدّرّ المختار) قوله: وطفل الغنية أي ولو لم يكن له أب ...... والمانع أنّ الطّفل يعدّ غنيًّا بغنىٰ أبيه بخلاف الكبير، فإنّه لا يعدّ غنيًّا بغنىٰ أبيه ...... ولا الطّفل بغنىٰ أمّه. (الدّرّ المختار و**

---

(۱) قوله: (لشخص مخصوص) هو أن يكون فقيرًا ونحوه من بقية المصارف غير هاشميّ ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كلّ وجه للّٰه تعالىٰ. (حاشية الطّحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، ص:۱۴۷، كتاب الزّكاة) محمد امین پالن پوری

ردّ المحتار: ٣/٢٦٩-٢٧٠، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)
(ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٦/١٢)

نابالغ بچہ اگر سمجھ دار ہو تو خود اسے زکاۃ دی جاسکتی ہے؛ لیکن اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ سامان اور رقم وغیرہ کے قبضہ کرنے کی سمجھ نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی؛ بلکہ اس کے ولی کو زکاۃ دینا لازم ہوگا۔قوله:(إلى صبيان أقاربه) أي العقلاء، وإلّا فلا يصحّ إلّا بالدّفع إلى ولي الصّغير. (ردّ المحتار: ٣/٢٧٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة) محمد امین پالن پوری

زکاۃ کے روپے سے یتیم بچوں کے کپڑے بنا دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال:(٣٦٧) دو یتیم بچے اپنے ایک عزیز کے پاس رہتے ہیں اگر زکاۃ کے روپیہ سے وہ شخص ان بچوں کے کپڑے بنادے تو زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟(٤٧٢/٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپیہ سے ان یتیم بچوں کو کپڑے بنا دینا درست ہے زکاۃ ادا ہو جاوے گی [١] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٢٣)

وضاحت: بہ شرطیکہ یہ نابالغ یتیم سمجھ دار ہو۔فلو أطعم يتيمًا ناويًا الزّكاة لا يجزيه إلّا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض (الدّرّ المختار) قوله:(بشرط أن يعقل القبض) ...... لأنّ التّمليك في التّبرّعات لا يحصل إلّا بهٖ فهو جزء من مفهومهٖ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/١٦١، كتاب الزّكاة) محمد امین

یتیم خانہ میں زکاۃ دینا کیسا ہے؟

سوال:(٣٦٨) یتیم خانہ میں زکاۃ کا روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ نابالغ کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے؟(٢٨٧٩/١٣٣٩ھ)

---

(١) ولا إلٰى مَن بَينهُما وِلادٌ (الدّرّ المختار) وقيّد بالولاد لجوازه لبقيّة الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولٰى لأنّه صلة وصدقة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٦٤-٢٦٥، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

الجواب: نابالغوں کو زکاۃ دینا درست ہے، پس یتیم خانہ میں یتامی کے خرچ کے لیے زکاۃ کا روپیہ دینا درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۵۷)

مال دار باپ کا بالغ لڑکا جو مالکِ نصاب نہیں اُس کو زکاۃ وغیرہ دینا جائز ہے

سوال: (۳۶۹) جو مصرف زکاۃ نہیں اس کا لڑکا بالغ جو اس کے ساتھ کھاتا ہے وہ مصرف ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۴۰ھ)

الجواب: فقیر کا لڑکا جو کہ خود بھی مالکِ نصاب نہیں ہے، مصرف زکاۃ وغیرہ ہے[2] فقط (یعنی جو شخص مستحق زکاۃ نہیں ہے اس کے اس بالغ لڑکے کو زکاۃ دینی درست ہے جو مالکِ نصاب نہیں۔ ظفیر) (۶/ ۲۵۷-۲۵۸)

وضاحت: سائل نے جو مصرفِ زکاۃ نہیں یعنی مال دار ہے، اُس کے بالغ لڑکے کے بارے میں پوچھا ہے کہ اُس کو زکاۃ وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور حضرت مجیب قدس سرہ نے فقیر کا لڑکا جو مالکِ نصاب نہیں اس کا حکم تحریر فرمایا ہے؛ اس لیے حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب نے بین القوسین وضاحت فرمائی ہے کہ جو شخص مستحق زکاۃ نہیں، یعنی مال دار ہے الخ۔ محمد امین پالن پوری

زکاۃ کی رقم سے مستحق لڑکی کی شادی کرانا یا اس کے لیے زیور بنوانا کیسا ہے؟

سوال: (۳۷۰)...... (الف) ہندہ پر اس کے زیور کی زکاۃ دو سال کی واجب ہے جو قریب

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ و مسكين إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

بلوغ کی قید نہیں ہے؛ اس لیے نابالغ، بالغ دونوں کو دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) ولا يجوز إلٰى صغير والدهٗ غني فإن كان الابن كبيرًا جاز. (الفتاوی الخانية على هامش الفتاوی الهندية: ۱/ ۲۶۶، كتاب الزّكاة، فصل فيمن توضع فيه الزّكاة) ظفیر

چالیس روپیہ کی ہوتی ہے، اس کے پاس ایک لڑکی کئی سال سے رہتی ہے جس کو اس نے قرآن شریف پڑھایا ہے، اور اس کے کھانے کپڑے وغیرہ (کا) صرفہ بھی برداشت کرتی ہے، اور وہ لڑکی ہندہ کا کام بھی کرتی ہے، اس لڑکی کے والدین جو مستحق زکاۃ ہیں اس کی شادی کرنے والے ہیں، ہندہ چاہتی ہے کہ زکاۃ کا روپیہ اس لڑکی کی شادی میں اس کو زیور یا برتن یا کپڑے بنادے تو اس کی زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(ب) یا زکاۃ کا روپیہ لڑکی کے والدین کو دے کر کہہ دیا جاوے کہ اس لڑکی کی شادی میں زیور وغیرہ میں صرف کردیں۔

(ج) اگر کچھ ہدایت نہ کی جاوے اور روپیہ زکاۃ کا دے دیا جاوے تو کیا حکم ہے؟

(د) اگر کل رقم اس کے واسطے صرف نہ کی جاوے بلکہ کوئی جزو صرف کیا جاوے تو کیا حکم ہے؟

(ہ) اگر قبل یا بعد شادی کے اس لڑکی کو نقد دے دیا جاوے تو کیا حکم ہے؟ (۲۲۱۳/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف۔ب) اس لڑکی کے والدین کو زکاۃ کا روپیہ دے دیا جاوے کہ وہ اس لڑکی کے نکاح میں صرف کردیں یہ درست ہے، اور خود اس لڑکی کو اگر برتن وغیرہ خرید کردے دیئے جاویں تو یہ بھی درست ہے[1]

(ج) کچھ ہدایت کی جاوے یا نہ کی جاوے ہر طرح درست ہے۔

(د) کل رقم بھی صرف کرنا اور دینا جائز ہے۔ (اور بعض رقم دینا بھی جائز ہے۔ محمد امین)

(ہ) یہ بھی جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۴۶-۲۴۷)

تنگ دست بچے والی عورت کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۳۷۱) ایسی عورت کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں جس کے تین بچے ہوں اور جو بہ وجہ اپنے خاوند کی عیاشانہ زندگی کے اور شراب خوری کی وجہ سے نہایت ہی عسرت میں ہے؟

(۵۶۰/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة ومسكين مَن لا شيء له إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

الجواب: اس عورت کو جب کہ وہ محتاج ہے اور مالک نصاب نہیں ہے زکاۃ دینا درست ہے؛ بلکہ ایسے محتاج بچوں والی عورت کو زکاۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۳/۶)

فی سبیل اللہ میں کون کون سے مصارف داخل ہیں؟

سوال: (۳۷۲) آیت کریمہ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآء الآیة﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۶۰) میں وفی سبیل اللہ میں کون کون سے مصارف داخل ہیں؟ عملۂ دفاتر انجمن ہائے تبلیغ وحفاظت اسلام کی تنخواہ اور مصارفِ خوراک وسفر وغیرہ اس میں داخل ہیں یا نہیں؟ (۱۰۸۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة، وقيل: الحاج، وقيل: طلبة العلم، وفسّره في البدائع بجميع القرب إلخ[2] غرض یہ ہے کہ سبیل اللہ میں بے شک موافق تفسیر صاحب بدائع کے جملہ مصارف خیر داخل ہیں، لیکن جو شرط ادائے زکاۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ بلا معاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے، اس لیے حیلۂ تملیک اوّل کر لینا چاہیے، تاکہ تملیک کے بعد تبلیغ وغیرہ کے ملازمین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست ہو جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۲/۶)

مسافر کو زکاۃ لینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۷۳) اگر مسافر اپنے وطن سے روپیہ منگا سکے تب بھی زکاۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۱۵۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسافر کو زکاۃ لینا درست ہے، جب کہ اس کے پاس مال بہ قدر نصاب نہ ہو، اگر چہ اس کے مکان پر ہو[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۳/۶)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔ ۱۲

(۲) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۱/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف .

(۳) وابن السّبيل وهو كلّ من له مال لا معه إلخ يصرف المزكّي إلى كلّهم أو إلى بعضهم (الدرّ المختار) قوله: (وابن السّبيل) هو المسافر سمّي به للزومه الطّريق . (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

مقروض مسافر کو زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۷۴) میں اہلِ نصاب مال دار ہوں، میرے مال کی زکاۃ کا روپیہ میرے وطن میں موجود ہے، کیا اس روپے سے کسی ایسے شخص کا قرض ادا ہو سکتا ہے جو عالم ہو، شریف ہو مسافر ہو، بال بچہ دار ہو، مقروض ہو؟ (۱۳۴۳/۹۰۴ھ)

الجواب: اگر وہ عالم مسافر مالک نصاب نہیں ہے، بلکہ مقروض ہے اور سید نہیں ہے تو اس کو زکاۃ دینا اور اس قدر روپیہ زکاۃ کا دینا جس سے اس کا قرض اتر جاوے درست ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۱/۶)

گھر پر صاحبِ نصاب ہے اور پردیس میں مفلوک الحال تو وہ زکاۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۷۵) اگر کوئی شخص اپنے مکان پر صاحب نصاب ہے اور وطن سے باہر سو دو سو کوس پر ہے وہاں صاحب نصاب نہیں بلکہ تنگ دست ہے، اور امامت کرتا ہے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ گزر کا نہیں، ایسے شخص کو زکاۃ وصدقۂ فطر اور قربانی کی کھالوں کا پیسہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ (۱۹۶۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مسافر اگر سفر میں تنگ دست ہو اس کو زکاۃ وغیرہ دینا اور لینا درست ہے[1] لیکن امام مسجد کو بہ وجہ امامت کے زکاۃ وصدقۂ فطر وقیمت چرمِ قربانی لینا اور دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۲۳۵/۶)

زکاۃ میں تملیک کی شرط لگانے کی وجہ

سوال: (۳۷۶) مالِ زکاۃ سے مدرسینِ مدرسہ یا مؤذن وامام کو مشاہرہ دینا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) وابن السّبيل وهو كلّ من له مال لا معه، وفي الشّامي: وألحق به كلّ من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده لأن الحاجة هي المعتبرة وقد وجدت لأنّه فقير يدًا وإن كان غنيًا ظاهرًا إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۶۲/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

چوں کہ یہ لوگ دین کی خدمت انجام دیتے ہیں، ان کی امداد زکاۃ سے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے تملیک کی شرط کیوں لگائی ہے؟ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الآیة﴾ میں لام منفعت کے لیے بھی ہوسکتا ہے، اس کو تملیک پر محمول کرنے کا کیا منشا ہے؟ اس بارے میں کوئی صریح حدیث ہے یا نہ؟

(١٥١٤/١٣٤٢ھ)

الجواب: زکاۃ میں تملیکِ فقراء وغیرہم شرط ہے، جیسا کہ آیت: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ٦٠) مستفاد ہے، کیوں کہ اوّل تو صدقہ کا لفظ ہی تملیکِ فقیر کو چاہتا ہے، اور پھر لامِ تملیک اس کی صریح دلیل ہے، اور نفع کے لیے کہنا بھی اس کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ نفع تام بعد تملیک کے مملک لہ کو ہوسکتا ہے، اور حدیث: تؤخذ من أغنیائهم فتردّ علیٰ فقرائهم[١] بھی اس کی دلیل ہے، کیوں کہ تؤخذ سے خروج عن ملک الاغنیاء ثابت ہے، اور تردّ علیٰ فقراءهم ملک فقراء کو مقتضی ہے، بہرحال جب کہ زکاۃ میں تملیکِ فقراء ضروری ہوئی، اور صدقہ کا لفظ اس کو چاہتا ہے کہ بلا کسی معاوضہ کے ہو، ورنہ صدقہ نہ رہے گا، تو ملازمین و مدرسین کی تنخواہ میں دینا زکاۃ کا جائز نہ ہوا، اور ایسے مصارف میں صرف کرنے کے لیے حیلۂ تملیک ضروری ہے ورنہ زکاۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں: ولا یبني بها مسجد ولا یکفّن بها میّت لانعدام التّملیك وهو الرّکن[٢] فتح القدیر میں ہے: قوله: (لانعدام التّملیك وهو الرّکن) فإنّ الله تعالیٰ سمّاها صدقةً، وحقیقة الصّدقة تملیك المال من الفقیر إلخ[٣] (فتح) ولا یدفع إلی مدبّرہٖ ومکاتبہٖ إلخ لفقدان التّملیك إلخ[٤] دیکھئے صاحبِ ہدایہ جگہ جگہ عدمِ تملیک کو علتِ عدمِ جواز قرار دیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٧٤-٢٧٥)

(١) عن ابن عبّاس أنّ رسول الله صلّی الله علیه وسلّم بعث معاذًا إلی الیمن فقال: ـــ إلی قوله ـــ تؤخذ من أغنیائهم الحدیث. (مشکاة المصابیح، ص:١٥٥، کتاب الزّکاة، الفصل الأوّل)

(٢) الهدایة: ١/٢٠٥، کتاب الزّکاة، باب من یجوز دفع الصّدقات إلیه ومن لایجوز.

(٣) فتح القدیر: ٢/٢٧٢، کتاب الزّکاة، باب من یجوز دفع الصّدقات إلیه ومن لایجوز.

(٤) الهدایة: ١/٢٠٦، کتاب الزّکاة، باب من یجوز دفع الصّدقات إلیه ومن لایجوز.

حیلہ کے ذریعہ اصول وفروع پر زکاۃ صرف کرنا مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۳۷۷) مزکی اپنے مال کی زکاۃ اپنے اصول وفروع کو جو مصرف زکاۃ نہیں ہیں، بہ حیلۂ تملیک الغیر زکاۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟ (۱۳۰۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: وقدّمنا أنّ الحيلة أن يتصدّق على الفقير ثمّ يأمره بفعل هٰذه الأشياء إلخ [۱] لیکن شامی میں ہے کہ اصول وفروع کو اس حیلہ سے زکاۃ دینا مکروہ تحریمی ہے: فرع: يكره أن يحتال في صرف الزّكاة إلى والديه المعسرين بأن تصدّق بها على فقير، ثمّ صرفها الفقير إليهما كما في القنية، قال في شرح الوهبانية: وهي شهيرة مذكورة في غالب الكتب إلخ [۱] (شامي: ٦٣/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٤٢-٢٤٣)

سوال: (۳۷۸) اگر عوام یہ حیلہ کریں کہ کسی مصرف زکاۃ کو زکاۃ دے کر یہ کہیں کہ تم میرے بیٹے کو للہ دے دو تو انھیں اس حیلہ کی اجازت ہوگی یا نہیں، اور زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟ (۸۴۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ حیلہ جائز ہے اور زکاۃ ادا ہو جاوے گی۔ كذا في الدّرّ المختار [۱] فقط (٦/٩٢)

وضاحت: لیکن شامی میں ہے کہ اصول وفروع کو اس حیلہ سے زکاۃ دینا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ سابقہ جواب میں خود مفتی علام رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔ محمد امین پالن پوری

چرمِ قربانی کی قیمت میں تملیک ضروری ہے

سوال: (۳۷۹)...... (الف) {چرم قربانی مہتمم مدرسہ اسلامیہ کو برائے اخراجات مدرسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟}

(ب) مدرسے کا مہتمم چرم قربانی اپنی جانب سے فروخت کر کے داخل تحویلِ مدرسہ کر دیتا ہے، کیا اس میں تملیک شرط ہے، اور بلا تملیک مثل دیگر مدات کے وہ صرف کر سکتا ہے یا نہ؟

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٦٤-٢٦٥، كتاب الزّكاة، باب المصرف .

(ج) اگر مہتمم مدرسہ نے بلاتملیک اس قیمت چرم کو صرف کردیا تو قربانی کنندہ کو دوبارہ چرم کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگی؟ (۱۳۴۲/۲۹۲۵ھ)

الجواب: (الف - ج) (چرم قربانی برائے اخراجات مدرسہ؛ مدرسہ میں دینا جائز ہے، لیکن)[1] مہتمم مدرسہ کو چاہیے کہ چرم قربانی کو فروخت کرنے کے بعد ان کی قیمت کی تملیک مثل زکاۃ کے کرکے مدرسہ کے جس مصرف میں چاہے صرف کرے، اگر مہتمم مدرسہ نے اس قیمت کو بلاحیلۂ تملیک ایسے مصرف میں صرف کیا جو مصرف قیمت چرم قربانی وزکاۃ نہیں ہے، مثلاً ملازمین ومدرسین کی تنخواہ میں دے دیا تو قربانی کنندہ کو اس قیمت کی قدر صدقہ کرنا واجب ہوگا، اور اگر طلبہ کے مصرف میں صرف کیا تو قربانی ادا ہوگئی، دوبارہ اس قیمت کا صدقہ کرنا مالک پر واجب نہ ہوگا[2] فقط واللہ اعلم (۲۷۸/٦)

صاحب نصاب عالم کے لیے اپنا مال بیوی کی ملک کرکے زکاۃ لینا کیسا ہے؟

سوال: (۳۸۰) جو علماء تعلیم وتعلم میں شاغل ہوں، اور صاحبِ نصاب ہوں ان کو اخذ زکاۃ جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنا مال زوجہ کی ملک کردے تو اس حیلہ سے اخذ زکاۃ جائز ہے یا نہ؟

(۱۳۴۲/۱۸۴ھ)

الجواب: جو مولوی صاحبِ نصاب ہو اس کو زکاۃ لینا منع ہے، اور حیلہ مذکورہ کے بعد زکاۃ لینا ظاہرِ فتویٰ کی رو سے جائز ہوجاوے گا[2] فقط (مگر اس کا یہ فعل نہایت برا اور قابل مؤاخذہ ہے۔ ظفیر) (۲٦۷/٦)

---

(۱) سوال (الف) اور جواب میں قوسین والی عبارت کا اضافہ رجسٹر نقول فتاویٰ سے کیا گیا ہے ۱۲

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق على فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

زکاۃ میں حیلہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۸۱) اکثر مدارس میں چندہ دوامی بہت کم ہے اور مدِ زکاۃ وصدقہ واجبہ مثل کفارہ وچرم قربانی وغیرہ وغیرہ جمع ہوجاتا ہے، چوں کہ چندہ دوامی سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہوتی، اور زکاۃ کا روپیہ جمع ہوتا ہے، اس لیے اراکینِ مدرسہ نائب مہتمم سے اس طرح حیلہ کراتے ہیں کہ کسی غریب شخص کو وہ روپیہ دے کر مالک بنادیتے ہیں، اور اس سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ تم اپنی طرف سے مدرسہ میں دے دو اس طرح حیلہ کرکے زکاۃ کا روپیہ مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۱۵۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ حیلہ درست ہے اور بعد اس حیلہ کے تنخواہ مدرسین میں خرچ کرنا اس روپیہ کا جائز ہے، اور جس قدر روپیہ کا حیلہ چاہے ایک وقت میں کرے، اس میں قدر نصاب کی شرط لازمی نہیں ہے، صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق ہے اور حیلہ کرنے والوں اور کرانے والوں کو کچھ گناہ نہیں، نیت صالحہ پر ثواب کی امید ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۳/٦-۱۰۴)

زکاۃ لینے کے لیے حیلہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۸۲) اگر غنی برائے زکاۃ گرفتن بکدام وجہ حیلہ سازد، چنانچہ مال خود را ملک زوجہ وغیرہ مثل ولد صغیر سازد تا بہ ایں حیلہ صدقہ بگیرد؛ آیا ایں حیلہ کردن جائز است؟ وصدقہ گرفتن او را حلال می باشد یا نہ؟ واز ذمۂ مصدق ساقط می شود یا نہ؟ (۱۱٦۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بدین حیلہ صدقہ گرفتن او را حلال خواہد شد، اگرچہ ایں حیلہ مکروہ است۔ لأنّه لا زكاة على الواهب اتّفاقًا لعدم الملك، وهي من الحيل، ومنها أن يهَبَهُ لطفله قبل التّمام بيوم[2] (الدّرّ المختار، كتاب الزّكاة) ودر کراہت وعدم کراہت حیلہ اسقاط زکاۃ اختلاف بین الصاحبینؒ معروف است۔ في الشّامي: قال أبو يوسف: لا يُكره لأنّهُ امتناعٌ عن الوجوب لا إبطالُ حقّ

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۲۱/۳، كتاب الزّكاة، قبيل باب العشر.

الغیر. وفي المحیط: أنّهُ الأصحّ، وقال محمّد: یُکرہ، واختارہ الشّیخ حمید الدّین الضّریر لأنّ فیه إضرارًا بالفقراء ـــــ إلٰی أن قال ـــــ وقیل: الفتوی في الشّفعة علٰی قول أبي یوسف، وفي الزّکاۃ علٰی قول محمّد، وھٰذا تفصیل حسن إلخ [1] (الشّامي: ۲/ ۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۶)

ترجمہ سوال: (۳۸۲) اگر مال دار زکاۃ لینے کے واسطے کسی بھی شکل کا حیلہ کرتا ہے، چنانچہ اپنے مال کو بیوی وغیرہ مثلاً چھوٹے بچے کی ملکیت کردیتا ہے، تاکہ اس حیلہ سے صدقہ لے، آیا یہ حیلہ کرنا جائز ہے؟ اور اس کے لیے صدقہ لینا حلال ہوجائے گا یا نہ؟ اور صدقہ کرنے والے کے ذمے سے زکاۃ ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: اس حیلے سے اس کے لیے صدقہ لینا حلال ہوجائے گا، اگرچہ یہ حیلہ کرنا مکروہ ہے، درمختار میں ہے: **لأنّه لا زکاۃ علی الواھب اتّفاقًا لعدم الملك، و ھي من الحیل إلخ**، اور زکاۃ ساقط کرنے کے حیلہ کی کراہت اور عدم کراہت کے بارے میں صاحبین کے درمیان اختلاف معروف ہے۔ شامی میں ہے: **قال أبویوسف: لا یکرہ لأنّه امتناع عن الوجوب لا إبطال حقّ الغیر إلخ.**

زکاۃ کو حیلہ کرکے تنخواہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۳۸۳)...... (الف) مہتمم یا اراکینِ مدرسہ اس حیلہ سے کہ اوّل قیمت چرم قربانی یا زکاۃ بلا اجازت عطا کنندگان کے کسی طالب کو دے دے، پھر ان سے واپس لے کر تنخواہ مدرسین وملازمین میں صرف کردے یہ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) حیلہ مذکورہ سے زکاۃ معطی ادا ہوجاوے گی یا نہیں؟

(ج) اگر زکاۃ نہ ادا ہوگی تو اس کا ضمان صَرف کرنے والے پر ہوگا یا نہیں؟

(۱۹۷۷/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/ ۱۹۳، کتاب الزّکاۃ، باب زکاۃ الغنم.

الجواب: (الف) ایسے حیلہ کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ کذا في الدّرّ المختار (۱)

(ب) ادا ہوگئی (۱)

(ج) جب کہ زکاۃ ادا ہوگئی، ضمان کسی پر واجب نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۰۸و ۶/۱۰۱-۱۰۲)

زکاۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ میں حیلہ کے بغیر صرف کرنا درست نہیں

سوال: (۳۸۴) اگر روپیہ زکاۃ در مصارفِ مدرسہ مثلاً خور ونوش ولباس وکتب وغیرہ طلبہ مساکین ادا کردہ شود زکاۃ ادا خواہد شد یا نہ؟ وبرائے یک طالب علم صد روپیہ صرف کردن جائز است یا نہ؟ وبرائے تنخواہ مدرسین وملازمین از زکاۃ کدام حیلہ است؟ (۴۲۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: در زکاۃ تملیکِ فقراء شرط است، پس طلبہ اگر مساکین باشند در خوراک ولباس شاں صرف کردن زرِ زکاۃ درست است، وکتب اگر از زرِ زکاۃ خریدہ ملک اوشاں کردہ شود، ایں ہم صحیح است (۲) اگر بدیں طور بر یک طالب علم صد روپیہ صرف شوند صحیح خواہد شد، وبرائے تنخواہ مدرسین و ملازمین ایں حیلہ بجواز است کہ اوّلاً زرِ زکاۃ بشخصے مسکین دادہ شود، وآں کس بعد ملک از جانب خود در تنخواہ مدرسین وغیرہ بدہد ایں جائز است (۱) فقط (۶/۲۱۰)

ترجمہ سوال: (۳۸۴) اگر زکاۃ کا روپیہ مصارف مدرسہ مثلاً مسکین طلبہ کے کھانے پینے، کپڑے اور کتابوں وغیرہ میں ادا کیا جاوے تو زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہ؟ اور ایک طالب علم کے لیے سو روپیہ خرچ کرنا جائز ہے یا نہ؟ اور زکاۃ سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ کے واسطے کونسا حیلہ ہے؟

الجواب: زکاۃ میں فقراء کی تملیک شرط ہے، پس طلبہ اگر نادار ہوں تو ان کے خوراک اور

---

(۱) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علٰى فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) مصرف الزّكاة إلخ، هو فقير إلخ و مسكين إلخ وفي سبيل الله إلخ يصرف المزكّي إلٰى كلّهم أو إلٰى بعضهم إلخ ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحة (الدّرّ المختار) فلا يكفي فيها الإطعام إلّا بطريق التّمليك. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

پوشاک میں زکاۃ کی رقم صرف کرنا درست ہے، اور اگر زکاۃ کی رقم سے کتابیں خرید کران کی ملک کی جاویں تو یہ بھی درست ہے، اگر اس طرح سے ایک طالب علم پر سو روپیہ خرچ ہوجائیں تو صحیح ہوجائے گا، اور مدرسین و ملازمین کی تنخواہ کے واسطے حیلۂ جواز یہ ہے کہ اوّلاً زکاۃ کی رقم کسی مسکین شخص کو دے دی جاوے اور ملکیت کے بعد وہ شخص اپنی جانب سے مدرسین وغیرہ کی تنخواہ میں دے دے، یہ جائز ہے۔ فقط

سوال: (۳۸۵) زکاۃ کسی مدرسہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور مدرسین کی تنخواہ میں یا تعمیر مدرسہ میں صرف کرنا کیسا ہے؟ (۹۸۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: زکاۃ کا روپیہ مدرسہ کی تعمیر میں اور مدرسین کی تنخواہ میں بدون حیلہ کے صرف کرنا درست نہیں ہے [۱] البتہ طلبہ کی خوراک و پوشاک میں صرف ہوسکتا ہے۔ فقط (۶/ ۲۱۰-۲۱۱)

مطبخ میں بٹھا کر طلبہ کو کھانا کھلانے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی

سوال: (۳۸۶) اگر مہتمم مدرسہ زکاۃ کے روپیہ سے مطبخ قائم کرے، اور بلا تملیک طلبۂ مدرسہ کو کھانا کھلاوے تو اس صورت میں تملیک ہوجائے گی یا نہیں؟ حالانکہ طلباء کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے کھانے کو لے جاویں یا جس کو جی چاہے کھلاویں، اگر نہیں تو کون سی ایسی صورت ہوگی جس سے زکاۃ کا روپیہ اپنے مصرف میں صرف ہو؟ (۱۷۱۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زکاۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ صورت طلبہ کو کھانا کھلانے کی جو آپ نے لکھی ہے تملیک کی صورت نہیں ہے اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس زکاۃ کی تملیک کرا دی جاوے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جاوے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۳۴)

---

(۱) ویشترط أن یکون الصّرف تملیکًا لا إباحةً ...... لا یصرف إلٰی بناء نحو مسجد ولا إلٰی کفن میّت و قضاء دَینه . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۶۳، کتاب الزّکاة ، باب المصرف) ظفیر

(۲) وحیلة التّکفین بها التّصدّق علٰی فقیر ثمّ هو یکفن فیکون الثّواب لهما، وکذا في تعمیر المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۷۷، کتاب الزّکاة ، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

زکاۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مدرسے کے ملازمین کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے

سوال: (۳۸۷) ایک مدرسہ جس میں مستطیع اور غیر مستطیع طلبہ تعلیم پاتے ہیں، مدزکاۃ سے جو روپیہ حاصل ہو کسی نادار طالب علم کو دے دیا جاوے وہ اس روپے کو اپنی جانب سے مدرسہ میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا صرف کرنا مدرسین وملازمین پر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ علاوہ اس کے کوئی دوسری صورت جواز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۲۷۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس حیلہ تملیک کے بعد یعنی کسی نادار طالب علم کی ملک کردیا جاوے اور وہ اس کو داخل مدرسہ کردیوے، ملازمین اور مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا اس مال زکاۃ کا درست ہے[1] فقط واللہ اعلم (۲۵۰/۶)

سوال: (۳۸۸) ایک مدرسہ اسلامیہ قصبہ ہذا میں کھولا گیا ہے، تنخواہ معلمین کی چندہ سے دی جاتی ہے، قصبہ بہت چھوٹا ہے، یہاں کے مسلمان متمول نہیں ہیں، مدرسہ کا قیام مشکل ہے، ایسے مدرسے میں واسطے دینے تنخواہ معلمین کے؛ زکاۃ سے اگر مال دار لوگ کچھ رقم دے دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی ایک شخص کو اس کام کے واسطے مقرر کیا جاوے جو مال زکاۃ کا لے کر مدرسہ میں دیوے، اوّل تو وہ مال شرعًا اس کا ہوجاوے گا، پھر وہ مدرسہ میں دیوے یا نہیں؟ اور چند آدمی اگر ایک شخص کو مال زکاۃ دے دیں تو وہ صاحبِ نصاب ہوجاوے گا، غرض یہ ہے کہ زکاۃ میں جو تملیک شرط ہے وہ زکاۃ مدرسے میں دینے کی وجہ سے اٹھ سکتی ہے یا نہیں؟ (۸۹۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زکاۃ میں جو تملیکِ فقراء وغیرہم ضروری ہے یہ شرط کسی وقت اور کسی طرح ساقط نہیں ہوسکتی[2] مدارس کے طلباءِ غرباء کو البتہ زکاۃ دینا درست ہے، اور معلمین وملازمین مدرسہ کی

---

(۱) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثمّ يأخذها عن دَينه ...... وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۷/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولا إلىٰ كفن ميّت إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

تنخواہ میں دینا درست نہیں ہے، لیکن ایسے مواقع کے لیے یہ حیلہ جواز کا ہے کہ مالِ زکاۃ اوّل کسی ایسے شخص کی ملک کردیا جاوے جو مالک نصاب نہ ہو، پھر وہ اپنی طرف سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں دے دے یا مہتمم مدرسہ کواس غرض کے لیے دے دیوے[1] اور ایک شخص کو اگر اتنا مال زکاۃ کا دیا گیا کہ وہ صاحبِ نصاب ہوگیا تو پھر اس کو زکاۃ لینا درست نہیں ہے، لیکن جب وہ اس کو خرچ کر دے صاحبِ نصاب نہ رہے تو پھر اس کو زکاۃ دینا اور اس کو زکاۃ لینا درست ہے۔ فقط (٦/۲۹۰-۲۹۱)

سوال: (۳۸۹) زید نے اس نیت سے زکاۃ وصدقات کا روپیہ جمع کیا کہ حیلۂ تملیک کر کے یتیموں پر اور مدرسہ اسلامیہ کے معلموں کی تنخواہ میں صرف کریں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۹۸۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: حیلۂ تملیک کے بعد زکاۃ وصدقات واجبہ کا روپیہ مدرسے کے ملازمین ومعلمین کی تنخواہ میں صرف کرنا درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۸۱-۲۸۲)

تملیک کرا کر زکاۃ کا روپیہ درس گاہ کی تعمیر میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۹۰) اگر کوئی صاحب زکاۃ علم دین کی ان ضروریات میں امداد کرنا چاہے جہاں زکاۃ کا روپیہ صرف نہیں ہوسکتا؛ مثلاً تعمیر درس گاہ یا تعمیر دارالطلبہ وغیرہ اور تملیک کرا کر زکاۃ کا روپیہ صرف کردے تو اس کی زکاۃ اس صورت میں بلا شبہ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ اور علمی امداد کی نیت سے ایسی صورت اختیار کرنے میں معطی کو علم دین کی امداد کا ثواب بھی ملے گا یا نہیں؟ یا فقط ادائے زکاۃ ہی کا ثواب ملے گا؟ (۴۸۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ بلا شبہ ادا ہوجاوے گی، اور شامی میں منقول ہے کہ بہ طریق مذکور زکاۃ دینے میں معطی کو بھی ثواب علم دین کی امداد کا ملے گا۔ وقد يقال: إنّ ثواب التّكفين

(۱) وحيلة التّكفين بها التّصدّق على فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

يثبت للمزكّي أيضًا لأنّ الدّالّ على الخير كفاعله، وإن اختلف الثّواب كمًّا و كيفًا، ط.
قلت: وأخرج السّيوطيّ في الجامع الصّغير: لو مرّت الصّدقة علىٰ يدي مائة لكان لهم من الأجر مثل أجر المبتدي من غير أن ينقص من أجره شيء إلخ[1] فقط (۶/۲۵۹-۲۶۰)

بہ ذریعہ حیلہ زکاۃ کے روپے سے قبرستان کے لیے زمین خریدنا کیسا ہے؟

سوال: (۳۹۱) ایک شخص زکاۃ کے روپے سے قبرستان کے لیے زمین خرید کر وقف کرنا چاہتا ہے، اس طور پر کہ زکاۃ کا مال کسی محتاج کو دیا جاوے، اور وہ زمین خرید کر قبرستان کے لیے وقف کردے تو زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہوگی تو ثواب صرف محتاج کو ہوگا یا زکاۃ دہندہ کو بھی؟

(۴۲۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس طریق سے زکاۃ ادا ہوجاوے گی، اوّل کسی محتاج کو وہ روپیہ زکاۃ کا دے دیا جاوے، اوراس کو مالک بنادیا جاوے، پھراس کو یہ مشورہ دیا جاوے کہ وہ اس روپے سے زمین خرید کر برائے قبرستان وقف کردے؛ تو یہ صورت جائز ہے، لیکن بعد مالک ہونے کے اس کو اختیار ہے کہ وہ ایسا کرے یا نہ کرے، اوراگر وہ ایسا کرے تو ثواب دونوں کو ہوگا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۸۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۱۷۸، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاء.

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما وكذا في تعمير المسجد وتمامه في حيل الأشباه (الدّرّ المختار) قوله: (ثمّ هو) أي الفقير يكفن والظّاهر له أن يخالف أمره لأنّه مقتضى صحّة التّمليك ...... قوله: (فيكون الثّواب لهما) أي ثواب الزكاة للمزكي و ثواب التّكفين للفقير، وقد يقال: إنّ ثواب التّكفين يثبت للمزكي أيضًا، لأنّ الدّال على الخير كفاعله، وإن اختلف الثّواب كمًّا و كيفًا، ط. قلت: وأخرج السّيوطيّ في الجامع الصّغير: لو مرّت الصّدقة على يدي مائة لكان لهم من الأجر مثل أجر المبتدي من غير أن ينقص من أجره شيء إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۷-۱۷۸، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

حیلۂ تملیک کر کے زکاۃ کی رقم جس مد میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں

سوال: (۳۹۲) اگر مدرسہ کی حالت تنزل پر ہو تو اس میں مال زکاۃ صرف کرنا کس طرح اور کس مد میں درست ہے؟ (۱۷۳۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایسی صورت میں حیلۂ تملیک کر کے زکاۃ کے روپیہ کو جس مد میں چاہیں صرف کر سکتے ہیں، اور حیلۂ تملیک یہ ہے کہ زکاۃ کا روپیہ کسی ایسے شخص کی ملک کر دیا جاوے جو کہ مالک نصاب نہ ہو پھر اس کی طرف سے مصارف (مذکورہ)[1] میں صرف کر دیوے[2] فقط واللہ اعلم (۶/ ۱۹۷-۱۹۸)

سوال: (۳۹۳) یہ مدرسہ چند دنوں سے جاری ہوا ہے، اب لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں صدقات اور زکاۃ، عشر، وغیرہ دے دیا جاوے تو کون شخص اس کے مصرف ہو سکتے ہیں؛ مثلاً جو مدرس غنی ہیں وہ تنخواہ اس میں سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۶۴۷/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زکاۃ اور عشر اور تمام صدقات واجبہ جیسے صدقۂ فطر اور کفارات مدرسوں کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، طلبۂ مساکین وغرباء کے صرف میں جائز ہے، پس مدرسہ میں اگر زکاۃ آوے تو اوّل اس کو تملیک کسی فقیر غیر مالک نصاب کی کر دیا جاوے، پھر اس کی طرف سے مدرسہ کے مصارف میں صرف کر دیا جاوے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۰۷)

مدرسین کی تنخواہ اور تعمیر مساجد و مدارس میں زکاۃ کی رقم صرف کرنا درست نہیں

سوال: (۳۹۴) ایسے مدارس میں جن میں حنفی اور دینی نیز انگریزی زبان صرف بہ طور زبان دانی حسبِ ضرورت پڑھائی جائے، زکاۃ کا روپیہ مثلاً خوراکِ طلباء و تنخواہ مدرسین و عمارت وغیرہ میں

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (مذکورہ) کی جگہ ''زکاۃ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق على فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر مہتمم کی ملک کردیا جائے تو زکاۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہ؟ (۱۴۰۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: زکاۃ کا روپیہ خوراک و پوشاک طلبۂ مساکین میں خرچ ہوسکتا ہے، اگرچہ وہ صنعت وحرفت وعلم دین کے ساتھ انگریزی بھی بہ غرض زبان دانی سیکھتا ہو [۱] اور تنخواہ مدرسین وتعمیر مساجد ومدارس میں زکاۃ کا روپیہ صرف کرنا درست نہیں ہے، اوراس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ اصل یہ ہے کہ زکاۃ کی ادا کے لیے یہ شرط ہے کہ کسی محتاج کو بلا معاوضہ اس کا مالک بنا دیا جاوے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۰/۶-۲۵۱)

سوال: (۳۹۵) مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں زکاۃ صرف کرنا کیسا ہے؟ (۱۰۷۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں زکاۃ کو صرف کرنا درست نہیں ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۷/۶)

انجمن یا مدرسہ میں زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۹۶) انجمن یا مدارس اسلامیہ میں زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۶۷۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زکاۃ میں فقراء کا مالک بنانا ضروری ہے بدون اس کے زکاۃ ادا نہیں ہوتی [۲] پس اگر انجمن میں طلبہ محتاج ہوں تو ان کو زکاۃ دینا درست ہے، اور ملازمین انجمن اور واعظین کی تنخواہ میں زکاۃ دینا درست نہیں ہے، اس میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، زکاۃ کا مال خاص محتاجوں کی ملک میں بلا کسی معاوضہ کے جانا چاہیے، انجمن کے مختلف اخراجات میں زکاۃ کا مال خرچ کرنے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور مدارس اسلامیہ میں جو زکاۃ کا روپیہ آتا ہے وہ بھی خاص طلبۂ مساکین کی خوراک و پوشاک میں صرف ہوتا ہے کسی مدرس و ملازم کی تنخواہ میں دینا یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۳/۶-۲۳۴)

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۵۶/۳-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) و يشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

مدرسین کی تنخواہ اور تعمیرِ درس گاہ میں زکاۃ کا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۳۹۷) ایک صاحب انجمن میں زکاۃ کا روپیہ دینا چاہتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا زکاۃ کا روپیہ طلباء و تعمیر درس گاہ و تنخواہ مدرسین میں (سے کسی میں یا ان سب میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟)[۱] (۱۹۲۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: طلباء کے مصارفِ خوراک و پوشاک وغیرہ میں زکاۃ کا روپیہ صرف کرنا چاہیے، تعمیر درس گاہ اور تنخواہ مدرسین میں زکاۃ کا روپیہ صرف نہیں ہوسکتا، مگر اس حیلہ سے کہ وہ روپیہ کسی غیر صاحب نصاب کی ملک کرا دیا جاوے کہ زکاۃ ادا ہو جاوے، پھر وہ شخص اپنی طرف سے تعمیر مدرسہ وغیرہ میں صرف کر دیوے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۰۷-۲۰۸)

زکاۃ کا روپیہ مدرسہ کے فرش میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۹۸) زکاۃ کے روپے سے مدرسے میں فرش لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۰۴۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپے سے فرش مسجد اور مدرسہ کا بنانا درست نہیں ہے، زکاۃ اس میں ادا نہ ہوگی[۳] اور حیلہ جواز کا بہ ضرورت یہ ہے کہ وہ روپیہ زکاۃ کا اوّل کسی ایسے شخص کی تملیک کر دیا جاوے جو کہ صاحب نصاب نہ ہو، پھر وہ شخص اپنی طرف سے اس روپیہ سے فرش بنا سکتا ہے۔

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۷۷، كتاب الزّكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۳) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولا إلىٰ كفن ميّت إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

هٰكذا في كتب الفقه (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۲۴-۲۲۵)

جس مدرسہ میں تنخواہ کے علاوہ کوئی مدنہ ہوزکاۃ دینا جائز نہیں

سوال: (۳۹۹) زکاۃ ایسے مدارس اسلامیہ میں دینا جس میں علاوہ تنخواہ مدرسین صاحبِ نصاب کے دوسرا مدنہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۴۵۷ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے اور زکاۃ ادا نہ ہوگی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۵۱)

مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے زکاۃ وغیرہ کی رقم وصول کی مگر مدرسہ قائم نہ ہوسکا تو کیا کرے؟

سوال: (۴۰۰) کسی نے زکاۃ، فطرہ، قربانی کا روپیہ وصول کیا تھا کہ فلاں جگہ مدرسہ قائم کروں گا، وہ مدرسہ کسی سبب سے قائم نہیں ہوا تو دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہ؟ اگر بالکل خرچ نہ کرے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۲۰۶ھ)

الجواب: زکاۃ کو اس کے مصرف میں صرف کر دینا چاہیے اگر ایک مصرف میں کسی وجہ سے صرف نہیں ہوسکا تو دوسرے میں صرف کردے جس کا بہترین مصرف طلبہ علم دین ہیں، اگر یہ شخص اس کو اس کے مصرف میں صرف نہیں کرے گا تو عنداللہ ماخوذ ہوگا، اس کو اس کے خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۸۳)

---

(۱) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ و مسكين إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۳) ولايجوز دفع الزّكاة إلىٰ من يملك نصابًا أي مال كان. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۹، كتاب الزّكاة، الباب السابع في المصارف)

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته لا لنفسه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۵-۱۷۶، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

مدرسہ میں روپیہ جمع کرانے سے زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۰۱) اوقاف میں بلکہ خاص مدارس اسلامیہ میں بغیر قبض کرانے طلباء وغیرہم کے کسی کی معرفت خزانہ میں یا خزانچی کے سپرد کرنے سے زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲۳۸۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زکاۃ اسی وقت ادا ہوگی جس وقت طلبہ کو وہ رقم کسی صورت سے پہنچ جاوے مثلاً کپڑا یا کھانا یا نقد ان کی ملک کر دیا جاوے، اور مدارس میں اکثر ایسا کر لیا جاتا ہے کہ مہتمم مدرسہ وکارکنان مدرسہ اوّل ہی رقمِ زکاۃ کی تملیک کرا کر خزانہ میں رکھتے ہیں تاکہ پھر حسب ضرورت صرف کرتے رہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۹/۶)

زکاۃ کا روپیہ تعمیرات میں نہیں لگ سکتا

سوال: (۴۰۲) زکاۃ کا روپیہ اسلامیہ مدارس دینی یا دُنیوی دینی مشترکہ یا اسلامی بورڈنگ ہاؤس یا سوائے مساجد کے دیگر اسلامی عمارتوں پر لگ سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۴۶۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: زکاۃ کا روپیہ ان تعمیرات میں نہیں لگ سکتا ہے، زکاۃ میں یہ شرط ہے کہ کسی محتاج کو اس کا مالک بنایا جاوے، خواہ وہ طالب علم مسکین ہو یا کوئی دوسرا محتاج ہو (۲) فقط واللہ اعلم (۲۴۳/۶)

زکاۃ کے روپے سے مدرسہ کی تعمیر درست نہیں

سوال: (۴۰۳) زکاۃ کے روپے سے مدرسہ کی تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہ؟ (۸۲۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء . (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۶/۳، کتاب الزّکاة ، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

(۲) ویشترط أن یکون الصّرف تملیکًا لا إباحةً ...... لا یصرف إلٰی بناء نحو مسجد ولا إلٰی کفن میّت إلخ (الدرّ المختار) کبناء القناطر والسّقایات وإصلاح الطّرقات وکری الأنهار والحجّ والجهاد وکلّ ما لا تملیك فیه؛ زیلعي. (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، کتاب الزّکاة، باب المصرف) ظفیر

الجواب: زکاۃ کے روپے سے مدرسہ یا مسجد کی تعمیر کرانا درست نہیں ہے، کیوں کہ زکاۃ میں تملیکِ فقراء شرط ہے، بدون مالک بنانے فقراء کے زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔ هٰكذا في كتب الفقه[1] والحيلة لمثل هذه الأفعال مذكورة في الدّرّ المختار وغيره[2] فقط واللہ اعلم (۲۰۱/۶)

زکاۃ کے روپے سے مدرسہ کے لیے مکان خریدنا جائز نہیں

سوال: (۴۰۴) زید وعمر وغیرہ کی طرف سے ایک مدرسہ اسلامیہ جاری ہے، اب ان کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ وہ مدرسہ کا خرچ نہیں اٹھا سکتے، اور زکاۃ کے روپیہ سے مکان خرید کر اس کی آمدنی سے تنخواہ مدرسین وغیرہم کی دینا چاہتے ہیں یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۹۶ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپے سے مکان خریدنا بہ غرض مذکور شرعًا جائز نہیں ہے، اس میں زکاۃ ادا نہیں ہوتی، لیکن فقہاءؒ نے اس قسم کے امور کے جواز کی یہ صورت لکھی ہے کہ زکاۃ کا روپیہ اوّل کسی ایسے شخص کی ملک کر دیا جاوے جو کہ مصرف زکاۃ ہو یعنی وہ شخص مالک نصاب نہ ہو، پھر وہ شخص اس روپے کو اپنی ملک اور قبضہ میں لے کر غرض مذکور میں صرف کر دے[2] فقط واللہ اعلم (۲۷۸/۶-۲۷۹)

زکاۃ کے روپے سے باؤلی بنانا درست نہیں

سوال: (۴۰۵) زکاۃ کے روپے سے باؤلی (پکا کنواں) بنانا درست ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۲/۱۱۹۳ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپیہ سے ایسا کام کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ زکاۃ کے ادا ہونے کی یہ شرط ہے کہ غرباء کو اس کا مالک بنایا جاوے، مسجد یا مدرسہ اس سے بنانا یا چاہ و باؤلی وغیرہ میں

---

(۱) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً كما مرّ لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد ولا إلٰى كفن ميّت إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علٰى فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد وتمامه في حيل الأشباه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۷/۳-۱۷۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء) ظفیر

صَرف کرنے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، اس کو پھر زکاۃ دینی لازم ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۷۳)

مسجد یا گاؤں کے کنویں میں زکاۃ کا پیسہ لگانا درست نہیں

سوال: (۴۰۶)......(الف) ایک کنواں نصف مسجد کے فرش میں ہے تو اس میں زکاۃ کا پیسہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) گاؤں میں ایک کنواں بنانے کی ضرورت ہے تو اس میں زکاۃ کا پیسہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف – ب) دونوں صورتوں میں کنویں کی تعمیر میں زکاۃ کا روپیہ پیسہ صَرف کرنا درست نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۳۸)

غیر مسلم کے قبضہ سے مساجد کی واگزاری کے لیے زکاۃ کے روپے خرچ نہیں کر سکتے

سوال: (۴۰۷) ہمارے شہر میں چند مساجد اور مقابر غیر مسلم کے قبضے میں آگئے ہیں، اور ان میں نہایت بے ادبی ہوتی ہے؛ آیا ان کو چھڑانے میں زکاۃ کا روپیہ کام آسکتا ہے یا نہ؟ (۱۹۰۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپے سے یہ کام نہیں ہوسکتا کیوں کہ زکاۃ کے ادا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی محتاج یا چند محتاجوں اور مساکین کو بلا معاوضہ اس روپیہ کا مالک بنادیا جاوے[1] فقط (۶/۲۶۶)

زکاۃ وعشر مسجد میں صرف کرنا درست نہیں

سوال: (۴۰۸) زکاۃ وعشر وصدقہ عید الفطر وبقرعید وعقیقہ ومنت ان سب مدوں کے مال سے

---

(۱) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً كما مرّ لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد ولا إلٰى كفن ميّت وقضاء دَينه (الدّرّ المختار) قوله: (نحو مسجد) كبناء القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار والحجّ والجهاد وكلّ ما لا تمليك فيه؛ زيلعي. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

مسجد بنانا یا مسجد میں چراغ جلانا وغیرہ ضروریات میں صرف کرنا جائز ودرست ہے یا نہیں؟ اور مال مذکورہ کو مدرسہ اسلامیہ میں دینے کا زیادہ ثواب ہے یا اس فقیر کو جو زکاۃ کی آمدنی نشہ کی چیزوں میں صرف کرے؟ (۱٦۴/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: زکاۃ وعشر وصدقۂ فطر وغیرہ صدقات واجبہ کو مسجد کی تعمیر ومرمت وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے، اس میں تملیکِ فقراء ضروری ہے[۱] مگر ایسے فقیروں کو نہ دیا جائے جو کہ اس کو معصیت میں صرف کریں مدرسہ کے طلبہ کو دینا زیادہ ثواب ہے کہ وہ علم دین حاصل کریں گے۔ فقط (٦/۲۱۷-۲۱۸)

تعمیر مسجد اور احاطۂ قبرستان میں زکاۃ کا روپیہ لگانا درست نہیں

سوال: (۴۰۹)......(الف) زکاۃ کا روپیہ تعمیر مسجد میں خرچ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(ب) ایک تکیہ (قبرستان) میں ایک مسجد واقع ہے، اور اس تکیہ کے چار طرف تالاب ہے، بہ غرض حفاظت اراضی تکیہ کے جس میں ایک مسجد بھی واقع ہے زکاۃ کا روپیہ احاطہ تکیہ کی دیوار یا گل اندازی وغیرہ میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۲۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف-ب) دونوں جگہ زکاۃ کا روپیہ صرف کرنا درست نہیں ہے۔ كما في عامّة كتب الفقه[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۱۳)

---

(۱) مصرف الزّكاة (الدّرّ المختار) وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغيره ذٰلك من الصّدقات الواجبة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲٦۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) ولايجوز أن يبنى بالزّكاة المسجد وكذا القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار والحجّ والجهاد وكلّ ما لا تمليك فيه. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۸، كتاب الزّكاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

چرمِ قربانی کی قیمت؛ صدقات واجبہ کا حکم رکھتی ہے

سوال: (۴۱۰) قیمت چرم قربانی حکم صدقات فریضہ دارد یا نافلہ؟ (۶۴۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: حکم صدقات واجبہ دارد (۱) فقط (۲۰۳/۶)

ترجمہ سوال: (۴۱۰) چرمِ قربانی کی قیمت؛ صدقات واجبہ کا حکم رکھتی ہے یا نافلہ کا؟

الجواب: صدقات واجبہ کا حکم رکھتی ہے۔ فقط

عقیقہ کے چرم کی قیمت اپنے مصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۱۱) پوستِ عقیقہ فروخت کر کے قیمت اپنے مصرف میں لائی جاسکتی ہے؟
(۲۹۲۱/۱۳۴۵ھ)

الجواب: نہیں لاسکتے (۲) فقط واللہ اعلم (۲۸۸/۶)

چرمِ قربانی کی رقم سے دیگ خریدنا، یا مسجد یا غسل خانہ میں لگانا درست نہیں

سوال: (۴۱۲) ...... (الف) ایک محلّہ کے آدمیوں کا چرم قربانی بہ اتفاق فروخت کر کے کوئی شئے خرید کرنا جس سے محلّہ والوں کو نفع رہے مثل دیگ یا فرش وغیرہ کے بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) جامع مسجد کے لیے سائبان جمعہ کے لیے بنانا جائز ہے یا نہیں؛ چرم قربانی کے روپیہ سے؟

---

(۱) اس سوال کا جواب مطبوعہ فتاویٰ میں ترتیب میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا، اسے ضمیمہ لکھتے وقت رجسٹر نقول فتاویٰ سے بڑھایا گیا تھا۔ ۱۲ محمد امین

(۲) اس لیے کہ بیچنے کے بعد اس کی قیمت واجب التصدق ہوتی ہے، جس طرح قربانی کے جانور کی کھال کی قیمت واجب التصدق ہے۔ ويتصدّق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب إلخ ، أو يبدله بما ينتفع به باقيًا كما مرّ لا بمستهلك كخلّ ولحم ونحوه كدراهم، فإنّ بيع اللّحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدّق بثمنه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۸/۹، كتاب الأضحية) ظفير

(ج) غسل خانہ میں یا سقاوہ میں چرم قربانی کا روپیہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(د) قربانی کرنے والا چرم قربانی کو اگر اپنے خرچ میں لگاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳۰۶/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) جائز نہیں ہے، بلکہ بعد فروخت کرنے کے فقراء پر خرچ کرے، قیمت چرم قربانی کا تصدق فرض ہے۔

(ب) یہ بھی جائز نہیں ہے۔

(ج) یہ بھی درست نہیں ہے۔

(د) چرم قربانی کو قبل از فروخت اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور استعمالی چیزیں بنا سکتا ہے، مگر بعد فروخت کرنے کے قیمت اپنے صرف میں نہیں لاسکتا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۱/۶)

چرم قربانی کی قیمت مسجد میں لگانا درست نہیں

سوال: (۴۱۳) زید کہتا ہے کہ چرم قربانی مسجد میں لگانی چاہیے، اور عمر کہتا ہے کہ چرم قربانی مؤذن کو یا کسی یتیم کو دینا چاہیے، یہاں پر ہمیشہ سے چمڑا قربانی کا مؤذن کو دیا جاتا تھا، امسال بعض لوگوں نے اس کو فروخت کیا، اور مسجد کے بنانے میں صرف کرنے کا خیال ہے، اب دریافت طلب امر ہے کہ یہ کس کا حق ہے؟ (۲۵۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: چرم قربانی مؤذن کو اس کی اجرتِ اذان و خدمتِ مسجد میں دینا، اور مسجد کی تعمیر و ضروریات میں لگانا درست نہیں ہے، بلکہ جب کھال کو فروخت کیا گیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہوگیا، اور اس کو انہیں مصارف میں صرف کرنا ضروری ہوگیا جو [زکاۃ][۲] کے مصارف ہیں[۳]

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

فإن بيع اللّحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدّق بثمنه (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۸/۹، كتاب الأضحية) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں [زکاۃ] کی جگہ ''صدقات واجبہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں ''مصارف ہیں'' کے بعد ''اور تملیک متحقق ہوجائے'' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

پس مؤذن کو حقِ خدمتِ مسجد و اجرتِ اذان میں دینا درست نہیں ہے (اور مسجد میں بھی اس کا صرف کرنا درست نہیں ہے)[1] **قال في الدّرّ المختار: لا يصرف إلى بناء نحو مسجد إلخ قال في الشّامي: قوله: (نحو مسجد) كبناء القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار —— إلى أن قال —— وكلّ ما لا تمليك فيه**[2] **(٢/٨٥، على هامش ردّ المحتار)** پس صورت مسئولہ میں نہ قول زید کا درست ہے نہ عمر کا، البتہ اگر مسجد میں ضرورت ہے تو اس قیمتِ چرم کو کسی غریب کو جو سید نہ ہو دے کر اور مالک بنا کر پھر ضروریاتِ مساجد میں صرف کر سکتے ہیں، بدون اس طریق کے درست نہیں[3] فقط　　کتبہ: رشید احمد عفی عنہ[4]

الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ (٦/٢٩٤-٢٩٥)

---

(١) مطبوعہ فتاویٰ میں قوسین والی عبارت کی جگہ ''اگر وہ غریب آدمی ہو، اور مالک نصاب نہ ہو تو اس کو بہ طور صدقہ دینا جائز ہے، بہ شرطیکہ وہ سید نہ ہو'' تھا، مگر اب ہم نے اس کو رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کر دیا ہے۔١٢

(٢) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/٢٦٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(٣) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

مساجد کی مرمت وتعمیر میں صرف کرنا ہو تو حیلۂ تملیک کے بغیر صرف کرنا درست نہیں ہے۔ **أنّ الحيلة أن يتصدّق على الفقير ثمّ يأمره بفعل هٰذه الأشياء (ردّ المحتار: ٣/٢٦٤) وفي الدّرّ المختار: مصرف الزّكاة والعشر. قال الشّامي: وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/٢٥٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) وفي الدّرّ المختار في باب الأضحية: فإنّ بيع اللّحم والجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدّق بثمنه إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٩/٣٩٨، كتاب الأضحية)** جمیل الرحمٰن

(٤) ''کتبہ: رشید احمد'' یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاویٰ ہیں، رجسٹر نقول فتاویٰ سنہ ٢٩-١٣٣٠ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ''رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاویٰ پر ہیں کوئی ناقل فتاویٰ ہے''۔

چرمِ قربانی کی قیمت سے مسجد وعیدگاہ وغیرہ کی تعمیر درست نہیں

سوال: (۴۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کبار وفضلاء نام دار اس بارے میں کہ قربانی کے جانوروں کی کھال کو بیچ کر اس کے روپے پیسے کو مسجد وعیدگاہ یا مدرسہ یا اسکول وغیرہ کارِ خیر میں صرف کرنا، اور اس سے مدرسوں کو تنخواہ دینا یا ماسٹروں کو شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر عدم جواز کے حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اور حکم اس کا مثل حکم صدقہ واجبہ کے ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ایسا کام کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے لیے ترغیب دیتا ہے اس پر شرعًا کیا حکم ہے؟ بیّنوا بالبرهان توجروا عند الرّحمان (۱۷۶۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: قیمتِ چرمِ قربانی کو مدرسہ، اسکول، عیدگاہ ومسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں، اور مدرسین وماسٹروں کی تنخواہ دینا اس سے جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے، کیوں کہ قیمتِ چرم قربانی واجب التصدق ہے، اور تملیکِ فقراء اس میں ضروری ہے مانند زکاۃ، پس واجب کا ترک حرام ہوتا ہے، درمختار میں ہے: فإن بيع اللّحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدّق بثمنه إلخ[1] (درّمختار، كتاب الأضحية) وفي باب المصرف منه، ومن الشّامي: باب المصرف أي مصرف الزّكاة والعشر —— إلى قوله —— هو فقير إلخ، قال الشّامي: قوله: (أي مصرف الزّكاة والعشر) إلخ وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة كما في القهستاني[2] پس معلوم ہوا کہ قیمتِ چرم قربانی وصدقۂ فطر وغیرہ صدقات واجبہ کا حکم مثل زکاۃ کے ہے، کہ تملیک فقیر اس میں ضروری ہے، جو شخص جائز کہتا ہے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا ہے وہ جاہل اور ناواقف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

کتبہ: عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (۲۹۶/۶)

مدرسہ کے مہتمم کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۱۵) مدرسہ دیوبند میں یا کسی اور اسلامی انجمن میں جب زکاۃ کا روپیہ بھیجا جاتا ہے

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۳۹۸، كتاب الأضحية .
(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵۶، كتاب الزّكاة، باب المصرف .

اس پر کسی مسکین مستحق کا قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ مہتمموں کے قبضے میں دی جاتی ہے، اور وہ مہتمم بھی مسکین نہیں ہوتے اس صورت میں زکاۃ ادا ہوگی یا نہ؟ (۱۹۰۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مدارس میں جو رقم زکاۃ کی آتی ہے اس میں مہتمم مدرسہ ایسی صورت کر لیتے ہیں جس سے معطی کی زکاۃ ادا ہونے میں کچھ شبہ نہ رہے وہ یہ کہ اس رقم زکاۃ کو اوّل کسی مسکین کو جو مصرف زکاۃ ہو دے دی جاتی ہے اور اس کی ملک کر دی جاتی ہے، پھر وہ شخص مدرسہ کے مصارف کے لیے مہتمم مدرسہ کو دے دیتا ہے؛ چوں کہ زکاۃ میں تملیکِ مسکین ضروری ہے [1] اس لیے طریقہ مذکورہ پہلے ہی کر لیا جاتا ہے تاکہ کچھ شبہ نہ رہے، علاوہ بریں طلبۂ مساکین عمدہ مصرف زکاۃ کے ہیں، ان کی خوراک و پوشاک میں رقم زکاۃ صرف کرنا بلاشبہ درست ہے، اور مدارس میں زکاۃ کا روپیہ طلبۂ مساکین کے مصارف میں صرف ہوتا ہے، بہرحال آپ کچھ تردد نہ کیجیے بے تکلف رقم زکاۃ سے امدادِ طلبہ فرمائیے کہ اس میں اجرِ مضاعف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۵/۶-۸۶)

مہتمم مدرسہ کے حوالہ کرنے سے زکاۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

سوال: (۴۱۶) مہتمم کے حوالہ کرنے سے زکاۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں؟ (۳۴۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مہتمم کے حوالہ کرنے سے زکاۃ ادا نہیں ہوئی جس وقت مستحقین کو پہنچے گی اس وقت زکاۃ ادا ہوگی [2] فقط (منتظمین مدارس حیلۂ تملیک کے بعد خزانہ میں جمع کرتے ہیں، حیلہ کے وقت زکاۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ظفیر) (۹۵/۶)

---

(۱) و يشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلى بناء نحو مسجد . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

وحيلة التّكفين بها التّصدّق على فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۷/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۶/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

زکاۃ کی رقم سے مہتمم یا اربابِ مدرسہ قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۴۱۷) مہتمم مدرسہ یا اراکین مدرسہ کو بلا اجازت معطیین کے زکاۃ یا دیگر صدقات میں سے قرض دینا یا قرض لے کر مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۴-۳۳/۱۹۷۷ھ)

الجواب: ظاہر ہے کہ جائز نہیں[۱] فقط واللہ اعلم (۲۰۸/۶)

مستحق زکاۃ مہتمم کو زکاۃ دی جائے اور وہ کتاب وغیرہ خرید کر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۱۸) اگر کسی مدرسہ اسلامیہ کا مہتمم مالک نصاب نہ ہو، اگر لوگ اس کو زکاۃ اور قیمت چرم قربانی دیں اور مہتمم اس پر خود قابض ہو کر اس روپے سے طلبہ کے لیے کتابیں خریدے اور ان کی خوراک پوشاک میں صرف کرے اور مدرسین کو تنخواہ دے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۹/۲۹۷۷ھ)

الجواب: اس طرح حیلۂ تملیک کر کے رقم زکاۃ و قیمت چرم قربانی مدرسین و ملازمینِ مدرسہ کی تنخواہ میں صرف کرنا، اور کتابیں خرید کر مدرسہ میں وقف کرنا اور طلبہ کی خوراک ولباس میں صرف کرنا درست ہے، چنانچہ درمختار کتاب الزکاۃ میں یہ حیلہ ذکر کیا ہے: **وحیلة التّکفین بها التّصدّق علی فقیر، ثمّ هو یکفن فیکون الثّواب لهما، وکذا في تعمیر المسجد، وتمامه في حیل الأشباه إلخ**[۲] (کتاب الزّکوٰۃ. الدّرّ المختار) فقط واللہ اعلم (۲۵۷/۶)

---

(۱) قوله: (لشخص مخصوص) هو أن یکون فقیرًا ونحوه من بقیة المصارف غیر هاشميّ ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من کلّ وجه للّٰه تعالیٰ. (حاشیة الطّحطاوي علیٰ مراقي الفلاح، ص:۷۱۴، کتاب الزّکاۃ) محمد امین پالن پوری

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷-۱۷۸، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً.

زکاۃ سے مدرسہ کے ملازمین کو تنخواہ دینا درست نہیں

سوال: (۴۱۹) ہمارا ارادہ ہے کہ ایک مدرسہ بناویں، اوراس کے اخراجات یعنی تنخواہ مدرسین وغیرہ اور طلبہ کا خرچ سب مدِ زکاۃ سے دیں، کیا تنخواہ ملازمین مدِ زکاۃ سے دینی درست ہے؟
(۲۱۰۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: معلم کو تنخواہ میں زکاۃ کا روپیہ دینا درست نہیں ہے، زکاۃ بلا کسی معاوضہ تعلیم وغیرہ کے للہ مساکین وغرباء کو دینا اوران کو مالک بنانا ضروری ہے۔ هٰکذا في کتب الفقه[1] فقط واللہ اعلم (۲۰۸/۶)

زکاۃ کی رقم حافظ کو تنخواہ میں دینا درست نہیں

سوال: (۴۲۰) اپنی زکاۃ میں سے اگر کوئی حافظ جو عام طور پر تعلیم قرآن شریف دے نوکر رکھ لوں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے نوکر سے اپنے لڑکے کو بلا تنخواہ پڑھوا سکتا ہوں یا علیحدہ اجرت دوں؟
(۱۵۸۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے[2] کذا في الدّرّ المختار[1] فقط واللہ اعلم (۲۱۴/۶-۲۱۵)

چرم قربانی کی قیمت تنخواہ میں دینا اور مدرسین کو لینا درست نہیں

سوال: (۴۲۱)...... (الف) چرم قربانی کی قیمت مہتمم کو ملازمین کی تنخواہ میں دینا کیسا ہے؟
(ب): مدرسین کو باوجود علم اس امر کے کہ تنخواہ چرم قربانی سے مہتمم دیتے ہیں تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟ (۲۶۱/۲۹-۱۳۳۰ھ)[3]

---

(۱) ویشترط أن یکون الصّرف تملیکًا لا إباحةً............ لایصرف إلٰی بناء نحو مسجد إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف) ظفیر

(۲) کیوں کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک بغیر عوض شرط ہے؛ اس لیے تعلیم قرآن کے عوض میں زکاۃ دینا جائز نہیں۔ محمد امین پالن پوری

(۳) حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے سوال: (الف) اور (ب) کو اختصار اور قدرے ترمیم کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ۱۲

الجواب: (الف) مہتمم مدرسہ کو ملازمین کی تنخواہ قیمت چرم قربانی سے دینا بلا حیلۂ تملیک ناجائز ہے۔

(ب): مدرسین کو باوجود علم کے لینا اس کا تنخواہ میں ناجائز ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/ ۲۹۱-۲۹۲)

پیش امام کو زکاۃ لینا کیسا ہے؟

سوال: (۴۲۲) پیش امام جو کہ صاحب نصاب اور سید وغیرہ بھی نہ ہو مالِ زکاۃ لے سکتے ہیں یا نہ؟ (۱۳۹۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: زکاۃ وفطرہ وغیرہ صدقات واجبہ کا بلا معاوضہ فقراء کو دینا ضروری ہے، پس ﴿ہر﴾[1] امام کو بہ معاوضۂ امامت اس میں سے دینا اور اس کو لینا درست نہیں ہے[2] فقط (البتہ اگر یہ رقم مشاہرہ کے علاوہ الگ سے محتاج سمجھ کردی جائے اور وہ مستحق زکاۃ ہے تو درست ہے۔ ظفیر)

(۶/ ۲۱۳-۲۱۴)

زکاۃ میں سے بہ طور نذرانہ پیش امام کو کچھ دینا جائز نہیں

سوال: (۴۲۳) دائنِ زکاۃ (زکاۃ دینے والے) کا پسر حافظ ہے، اور وہ رمضان میں قرآن پاک سناتا ہے، مسجد کے پیش امام جو حافظ ہیں اور سنانے والے کے استاذ بھی ہیں وہ پیچھے سنتے ہیں، ایسی صورت میں رقم زکاۃ سے بہ طور نذرانہ کچھ پیش امام کو دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۱۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: ان حافظ صاحب سامع کو زکاۃ دینا بہ معاوضہ اس سننے کے جیسا کہ دستور ہے جائز نہیں ہے، اور درحقیقت یہ نذرانہ نہیں ہے؛ معاوضہ ہے اس خدمت سننے قرآن شریف کا[2] فقط واللہ اعلم (۶/ ۲۱۲-۲۱۳)

---

(۱) ''ہر'' کا اضافہ رجسٹر نقول فتاویٰ سے کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۲) قال: الأصل فیه قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلفُقَرَاءِ الآیة﴾ إلخ (الهدایة: ۱/ ۲۰۴، کتاب الزّکاة، باب من یجوز دفع الصّدقات إلیه ومن لایجوز) یہ فقراء اور دوسرے مستحقین کا حق ہے، لہٰذا معاوضہ میں دینا درست نہ ہوگا۔ ظفیر

محتاج بالغ شاگرد کو زکاۃ دے کر تنخواہ میں لے لینا کیسا ہے؟

سوال: (۴۲۴) ایک مال دار نے اپنے لڑکے کی تنخواہ معلم کو دی اور کچھ باقی ہے، وہ معلم کو نہیں دیتا ہے، اور دیتا ہے تو بہت تاخیر کر کے؛ اس حالت میں معلم لڑکے مذکور بالغ محتاج کو زکاۃ کا روپیہ دے کر اپنی تنخواہ میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر وہ لڑکا شاگرد بالغ ومحتاج ہے تو معلم اس کو زکاۃ دے سکتا ہے، پھر وہ لڑکا اگر چاہے معلم کو اس کی تنخواہ میں دیوے؛ مگر معلم جبر نہیں کر سکتا، چاہے وہ لڑکا دیوے یا نہ دیوے، اگر دیوے تو معلم کو لینا درست ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۹/٦-۲۹۰)

عیال دار مالکِ نصاب معلم کو زکاۃ وعشر وغیرہ دینا درست نہیں

سوال: (۴۲۵) ایک شخص صاحبِ زکاۃ ہے، اگر ایک ایسے شخص کو مالِ زکاۃ دیوے جو تعلیم و تعلم کے کام میں ہمیشہ مصروف ہے، قدر نصاب کے خود بھی مال رکھتا ہے، ہاں عیال دار ضرور ہے، آیا اس شخص مذکور (کو دینے) سے زکاۃ ادا ہو جاتی ہے؟ اور یہ مدرس عیال دار مصرف غلۂ عشر و چمڑا قربانی کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۴۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جب کہ وہ معلم مالکِ نصاب ہے زکاۃ دینا اس کو درست نہیں، اور زکاۃ ادا نہ ہوگی، اور استاد مدرسہ جو مالک نصاب ہے وہ بھی مصرف زکاۃ نہیں ہے [2] اور مدرس اگر چہ مالک نصاب نہ ہو تب بھی اس کی تنخواہ میں زکاۃ کا روپیہ دینا درست نہیں ہے، اور مدرس عیال دار جو کہ خود مالک نصاب ہے مصرف عشر وغیرہ نہیں ہے [2] قیمتِ چرمِ قربانی اسی کو دینا درست ہے جس کو زکاۃ دینا

(۱) وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثمّ يأخذها عن دَينه ...... وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقيرثمّ هويكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۲) ولا إلىٰ غني يملك قدرنصاب فارغ عن حاجتهِ الأصليّة من أي مال كان (الدّرّ المختار) فإن كان له فضل عن ذٰلك ـــــ أي الحاجة الأصليّة ـــــ تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصّدقة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲٦٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

درست ہے؛ اس کو چرمِ قربانی (کی قیمت) اور عشر بھی دینا درست ہے[١] اور جس کو یہ دینا درست نہیں اس کو چرمِ قربانی (کی قیمت) وعشر بھی دینا درست نہیں، مدرسہ میں اگر زکاۃ وغیرہ صدقات واجبہ مساکین کے لیے دیے جاویں تو درست ہے، طلبہ ومساکین پر وہ روپیہ صرف ہوسکتا ہے[٢] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۰۹)

معذور ومستحق استاذ کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۴۲٦) آج کل زکاۃ کا روپیہ عمومًا مدارس اسلامیہ میں بھیجا جاتا ہے؛ لیکن میرے استاذ معذور اور صاحب عیال ومقروض ہیں، تو میرے لیے یہ بہتر ہے یا نہیں کہ میں زکاۃ کا روپیہ ان کو دوں؟ (۲۳۴٦/۱۳۳۹ھ)

الجواب: بے شک یہ بہتر اور موجبِ اجر وثواب ہے کہ زکاۃ کا روپیہ بہ قدر ضرورت اپنے استاذ صاحبِ عیال کو دیا جاوے اور مابقی دیگر غرباء ومساکین (واقرباء مساکین)[٣] وطلبۂ مساکین کو دیا جاوے[٤] مدارس اسلامیہ اس زمانے میں اس وجہ سے زیادہ تر مستحق ایسی خدمات کے ہیں

(١) مصرف الزّكاة والعشر إلخ هو فقير (الدّرّ المختار) وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة كما في القهستاني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٥٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(٢) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ ومسكين إلخ وفي سبيل اللّٰه وهو منقطع الغزاة، وقيل: الحاج، وقيل: طلبة العلم إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٥٦-٢٦١، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(٣) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔١٢

(٤) مصرف الزّكاة إلخ، هو فقير إلخ ومسكين إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٥٦-٢٥٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

لأنّه لو نقلها إلٰى فقير في بلد آخر أورع وأصلح كما فعل معاذ رضي اللّٰه عنه لا يكره، ولهٰذا قيل: التّصدّق على العالم الفقير أفضل كما في المعراج. (البحر الرّائق: ٢/٤٣٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

کہ طلبۂ مساکین مہمانانِ رسول اللہ ﷺ ہیں، اوران کے بارے میں فاستوصوا بھم خیرًا[١] حدیث شریف میں وارد ہے، یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کی خدمت ومدارات کرنے کی وصیت فرمائی ہے، اوران کے ذریعہ سے اشاعت علم دین ہے جوصدقہ جاریہ ہے (اوراس وقتِ خاص میں مظلومین سمرنا (Smyrna) وغیرہ بھی جن کا حال پر ملال معروف ومشہور ہے زیادہ مستحق اس قسم کے صدقات وخیرات کے ہیں)[٢] الغرض سبھی کوحتی الوسع تھوڑا تھوڑا پہنچانا چاہیے۔فقط (٦/٢٥٤)

مطلق ملکِ نصاب مانع اخذِ زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (٤٢٧) ملکِ نصاب مطلقاً مانع اخذ زکاۃ مفروضہ ہے یا نہیں؟ جو شخص عالم غنی کے لیے زکاۃ لینا جائز کہتا ہے، یعنی نصاب کو مطلقاً مانع نہیں کہتا اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ (٣٦٩/١٣٤٣ھ)

الجواب: مطلق ملکِ نصاب مانع اخذ زکاۃ مفروضہ نہیں، عامل ساعی اور عاشر کے لیے اخذِ زکاۃ کو جائز رکھا گیا ہے اگرچہ وہ غنی بھی ہوں، اسی طرح طالب علم کے لیے فقہاء کی عبارات میں اخذِ زکاۃ کا جواز پایا جاتا ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وبهٰذا التّعليل يقوى ما نسب للواقعات من أنّ طالب العلم يجوز له أخذ الزّكاة ولوغنيًّا إذا فرّغ نفسَهٗ لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلٰى مالابدّ منه كذا ذكره المصنّف إلخ[٣] (درّ مختار: باب المصرف) یعنی جو شخص علم شرعی کے پڑھنے میں اپنے آپ کو کسب وپیشہ سے فارغ رکھ کر علوم شرعیہ کے حاصل کرنے میں یا دوسروں کو اس سے مستفید کرنے میں مشغول ہے، اس شخص کو اخذِ زکاۃ جائز ہے، اگرچہ وہ صاحبِ نصاب بھی کیوں نہ ہو، رہا یہ کہ عالم غنی جس کے کمانے کے ذرائع موجود ہوں، اس کے لیے زکاۃ کے اخذ کا جواز عبارات فقہاء سے نہیں نکلتا، بلکہ طالب علم کے حق میں بہ شرائط مذکورہ بالا اجازت دے دی گئی ہے، اور علامہ شامی نے طالب علم غنی صاحب نصاب کے لیے بھی

---

(١) عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إنّ النّاس لكم تَبعٌ وإنّ رجالاًيأتونكم من أقطارالأرض، يتفقّهون في الدّين؛ فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيرًا رواه التّرمذي. (مشكاة المصابيح، ص:٣٤، كتاب العلم، الفصل الثّاني)

(٢) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(٣) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٥٨، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

اخذِ زکاۃ کی حرمت کو راجح فرمایا ہے، اور اس جزیۂ واقعات کو ضعیف اور غیر معتمد قرار دیا ہے۔ حیث قال: وهٰذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد، ط، قلت: وهو كذٰلك والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخّصًا لجواز سؤاله من الزّكاة وغيرها وإن كان قادرًا على الكسب إذ بدونه لا يحلّ له السّؤال إلخ [1] فقط (٦/ ۲۸۰)

مال دار مدرس اور طالب علم کو زکاۃ لینا درست نہیں

سوال: (۴۲۸) مدرس اور طالب علم کو زکاۃ لینا جائز ہے یا نہیں؛ اگر چہ وہ غنی ہوں؟ قال في الدّرّ المختار: إنّ طالب العلم يجوز له أخذ الزّكاة و لو غنيًّا إذا فرّغ نفسَهٗ لإفادة العلم واستفادته بعجزه عن الكسب والجاجة داعية إلى ما لا بدّ منه [1] بینوا توجروا

(۱۵۰۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: أقول: قد ردّه في ردّ المحتار بقوله: وهٰذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد؛ ط، قلت: وهو كذٰلك، والأوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخّصًا لجواز سؤاله من الزّكاة وغيرها وإن كان قادرًا على الكسب إلخ [1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طالب علم غنی کو زکاۃ دینا درست نہیں، طالب علمی کی مشغولی کی وجہ سے صرف یہ رخصت ہے کہ کسب میں مشغول ہونا اس کو ضروری نہیں ہے زکاۃ لے سکتا ہے بہ وجہ فقر کے، اور مدرس غنی کو عدم جواز کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تنخواہ میں زکاۃ دینا درست نہیں ہے، اور بہ وجہ غناء کے بھی درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲۴۴)

کیا عالم غنی اور مال دار طلبہ کو زکاۃ دینا درست ہے؟

سوال: (۴۲۹) درمختار میں ہے: وبهٰذا التّعليل يقوى ما نسب للواقعات من أنّ طالب العلم يجوز له أخذ الزّكاة ولو غنيًّا إذا فرّغ نفسَه لإفادة العلم إلخ [2] اور نواب

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۸، كتاب الزّكاة، باب المصرف .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۸، كتاب الزّكاة، باب المصرف .

صدیق حسن خان کتاب روضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں: ومن جملة سبيل اللّٰه الصّرف في العلماء الّذين يقومون بمصالح المسلمين الدّينيّة ، فإنّ لهم في مال اللّٰه نصيبًا سواء كانوا أغنياء أو فقراء إلخ[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غنی اور طلبہ اغنیاء کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور اس کی تائید ایک حدیث میں بھی ہے: عن أبي سعيد أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: تحلّ الصّدقة للغنيّ إذا كان في سبيل اللّٰه عزّ وجلّ، أخرجه أبو داؤد الطّيالسي (۲۹۲)[2]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۵۳/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: أقول وبالله التّوفيق: عالم غنی مالک نصاب کو زکاۃ وصدقات واجبہ دینا اور اس کو لینا صحیح مذہب کے موافق جائز نہیں ہے[3] اور فی سبیل اللہ میں اگرچہ طلبۂ علم داخل ہو سکتے ہیں لیکن محتاج ہونا ان کا شرط ہے۔ كما نقل الشّامي : عن البدائع إذا كان محتاجًا إلخ[4] وفيه أيضًا: قوله: (لا يملك نصابًا) قيّد به لأنّ الفقر شرط في الأصناف كلّها إلّا العامل وابن السّبيل إذا كان له في وطنه مال بمنزلة الفقير إلخ[4] وفيه أيضًا عن النّهر: علىٰ أنّ الأصناف كلّهم سوى العامل يعطون بشرط الفقر إلخ[5] (شامی، ص: ۸۴، جلد ثانی) پس باوجود ان تصریحات کے عالم غنی کو جائز نہیں ہے کہ وہ زکاۃ اور صدقات واجبہ لیوے اور بہ صورت اختلاف روایات بھی ارجح نہ لینا ہی ہوگا۔ كما هو ظاهر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۵۲-۲۵۳)

---

(۱) الرّوضة النّديّة شرح الدّرر البهيّة: ۱/ ۲۰۷، كتاب الزّكاة ، باب مصارف الزّكاة ، المطبوعة : دار الجيل بيروت .

(۲) مسند أبي داوُد الطّيالسي: ۳/ ۶۴۶-۶۴۷، رقم الحديث: ۲۳۰۸، المطبوعة: دار هجر، بيروت .

(۳) وهٰذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد؛ ط، قلت: وهو كذٰلك والأوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخّصًا لجواز سؤاله من الزّكاة وغيرها، وإن كان قادرًا على الكسب إلخ . (ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۸، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۴) ردّ المحتار: ۳/ ۲۶۱، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(۵) ردّ المحتار: ۳/ ۲۶۲، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

مدرسہ اسلامیہ کا طالب علم زکاۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۳۰)......(الف) کوئی طالب علم مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوکر نصاب نظامیہ درسی کو حاصل کرنا چاہے، اوراسی شوق علم میں ترک وطن کرکے مسافر ہواتو ایسے طالب علم کی جاگیر وتعلیم کی نسبت شرعًا کوئی قید ہے یا نہیں؟ یا وہ مستحق جاگیر وتعلیم کا ہے؟

(ب) طالب علم مذکور کی حیثیت ذاتی کچھ نہیں ہے، ایسا طالب علم مستحق جاگیر وتعلیم کا ہے یا نہیں؟

(ج) طالب علم مذکور صرف عربی مذہبی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے مورث صرف بہ صورت تعلیم انگریزی امداد خرچ کرنے کو تیار ہے؛ ایسا طالب علم مجبوراً مستحق تعلیم وجاگیر کا ہے یا نہیں؟

(د) طالب علم کی حیثیت ذاتی کی تحقیقات لازمی ہے یا محض طالب علم ہونے کی حیثیت سے جاگیر وتعلیم کا مستحق ہے؟

(ہ) مدرسہ اسلامیہ میں جاگیر خالی ہیں لیکن مستحق طالب علم کو محروم کیا اور غیر مستحق کو دیا یہ جائز تھا یا نہیں؟

(و) جو ابواب آمدنی جاگیر طلباء کے لیے ہے وہی تنخواہ مدرسین کے لیے بھی ہیں؛ دونوں کے لیے حکم واحد ہے یا کیا؟ (۱۳۳۹/۲۷۴۲ھ)

الجواب: (الف) جب کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اگرچہ اس کے گھر پر مال ہوتو اس کو زکاۃ اور خیرات دینا درست ہے (۱)

(ب) ایسا طالب علم مصرف زکاۃ وصدقات واجبہ ہے (۲)

(ج) مستحق ہے (۲)

(د) محض طالب علم ہونے کی حیثیت سے بلا تحقیق مستحق وظیفہ وجاگیر کا ہوسکتا ہے۔

---

(۱) لأنّ الفقرَ شرط في الأصناف کلّها إلاّ العاملَ، وابن السّبیل إذا کان له في وطنه مالٌ بمنزلة الفقیر. (البحر الرّائق: ۴۲۲/۲، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف)

(۲) مصرف الزّکاۃ إلخ هو فقیر وهو من له أدنیٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غیر نام مستغرق في الحاجة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۵۷، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف)

(ہ) باوجود گنجائش کے مستحق طالب علم کو محروم کرنا بلا وجہ برا ہے۔
(و) طلبہ کے لیے زکوۃ وخیرات کی آمدنی صرف ہوسکتی ہے، اور مدرسین کی تنخواہ میں زرزکاۃ دینا درست نہیں ہے [۱] ان کی تنخواہ چندہ دوامی ویکمشت سے علاوہ زکاۃ کے دی جاتی ہے۔فقط واللہ اعلم (٦/ ۲۵۵-۲۵٦)

مسافر طالب علم کے پاس بہ قدرِ نصاب روپیہ اپنے وطن میں ہے اور جب چاہے منگا سکتا ہے اس کو اپنے روپے کی زکاۃ دینی چاہیے اور اس کے لیے زکاۃ لینا اچھا نہیں

سوال: (۴۳۱) ایک طالب علم مسافر ہے جس کے پاس مبلغ دوسو روپے نقد اس کے مملوکہ اس کے گھر میں ہیں، مکان مسکونہ ذاتی نہیں یعنی اپنی ملک نہیں، مبالغ مذکورہ پر قدرت تامہ ہے جس وقت اور جہاں چاہے منگا سکتا ہے، ایسی حالت میں مبالغ مذکورہ پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ ایسے طالب علم کو زکاۃ لینا اور اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد میں جو کھانا آتا ہے وہ کھانا کیسا ہے؟ مسجد کے تیل سے مطالعہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱٦۷۵/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: درّ مختار باب المصرف میں ہے: **وابن السّبيل وهو كلّ من له مال لا معه إلخ** [۲] پس طالب علم مسافر مذکور کو اس روایت کے موافق زکاۃ لینا درست ہے، مگر ایسے شخص کو زکاۃ لینا اور صدقہ کا کھانا وتیل وغیرہ لینا اچھا نہیں ہے، بلکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسا شخص قرض لے کر اپنی کارروائی کرے اور اپنے روپے میں سے ادا کردیوے۔ کما في الشّامي: **والأولىٰ له أن يستقرض إن قدر ولا يلزمه ذٰلك إلخ** [۲] (شامي) اور زکاۃ اس روپے کی اس کے ذمہ بعد ملنے روپیہ مذکورہ کے سنین ماضیہ کی بھی لازم ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲٦۵-۲٦٦)

غنی طالب علم کو زکاۃ دینا اور اس کو لینا جائز نہیں

سوال: (۴۳۲) طالب علم غنی غیر مسافر مستحق زکاۃ وفطرہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۲۷۹/ ۱۳۴۰ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۲٦۲، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف.

الجواب: طالب علم غنی کو زکاۃ دینا اور اس کو لینا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے اور زکاۃ ادا نہ ہوگی، چنانچہ علامہ شامی نے فرع جواز اخذ کی نقل کر کے لکھا ہے: **وهٰذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد، ط. قلت: وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقير إلخ** (١) **وقال بعده: قوله: (لا يملك نصابًا) قيّد به لأنّ الفقر شرط في الأصناف كلّها إلّا العامل وابن السّبيل إذا كان له في وطنه مال بمنزلة الفقير إلخ** (٢) **ثمّ قال: للاتّفاق على أنّ الأصناف كلّهم سوى العامل يعطون بشرط الفقر إلخ** (٣) (شامي) پس معلوم ہوا کہ طالب علم غنی غیر مسافر کو زکاۃ اور صدقۂ فطر دینا جائز نہیں ہے اور ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم (٦/٢٦٢-٢٦٣)

مسافر طالب علم کے لیے زکاۃ لینا درست ہے اگرچہ اپنے گھر میں صاحب نصاب ہو

سوال: (۴۳۳) طالب علم بہ قدر سہ یا چہار یا پنج میل برائے طلب علم سفر کردہ باشد، و در خانہ خود ذی نصاب باشد؛ آیا مستحق گرفتن زکاۃ ہست یا نہ؟ (۸۸۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: گرفتنِ زکاۃ او را جائز است۔ **قال في الدّرّ المختار: وابن السّبيل وهو كلّ من له مال لا معه، وفي الشّامي: وألحق به كلّ من هو غائب عن ماله وإن كان في بلده لأنّ الحاجة هي المعتبرة وقد وجدت لأنّه فقير يدًا وإن كان غنيًا ظاهرًا إلخ** (٤) (شامی: ۲/ ٦۲) فقط (٦/٢٢٤)

ترجمہ سوال: (۴۳۳) جس طالب علم نے حصول علم کے واسطے تین یا چار یا پانچ میل کے بہ قدر سفر کیا ہو، اور وہ اپنے گھر میں صاحب نصاب ہو، آیا وہ زکاۃ لینے کا مستحق ہے یا نہ؟

الجواب: اس کے لیے زکاۃ لینا جائز ہے۔ درمختار میں ہے: **وابن السّبيل إلخ.**

---

(١) ردّ المحتار: ٣/ ٢٥٨، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(٢) ردّ المحتار: ٣/ ٢٦١، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(٣) ردّ المحتار: ٣/ ٢٦٢، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(٤) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/ ٢٦٢، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

جوطلبہ قوانین مدرسہ کی پابندی نہیں کرتے اُن کو زکاۃ دینے سے ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

سوال: (٤٣٤) قواعد مدرسہ جو طلبہ پر ضروری ہیں اگر وہ ان کو پورا کرنے میں کمی کریں تو زکاۃ جوان کو دی جاتی ہے وہ ادا ہو جاتی ہے یا کیا؟ (٤٣/ ٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: قاعدہ مدارس کا یہ ہے کہ زکاۃ کے مال کی اوّل تملیک کرادی جاتی ہے، پھر اس مالک کی طرف سے وہ روپیہ مدرسہ کے مصارف کے لیے لے لیا جاتا ہے، لہٰذا قواعد مدرسہ طلبہ کے متعلق جاری کرنے میں زکاۃ کی ادائیگی میں کچھ فرق نہیں ہوتا، زکاۃ پہلے ہی بہ وقت تملیک ادا ہوجاتی ہے (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٢١٧)

طلبہ کو زکاۃ دینے سے پہلے اُن کی اہلیت کی تفتیش ضروری ہے

سوال: (٤٣٥) ...... (الف) زکاۃ طلبہ کو دینا بلا قید اہلیتِ زکاۃ جائز ہے یا نہیں؟ یعنی یہ دیکھنا کہ وہ صاحب نصاب ہے یا سید ہے یا قریشی ہے؟ اور یہ خیال کرنا کہ ان کے ماں باپ پرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں یا نہیں؟ اگر ان کے ماں باپ یا پرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں لیکن لڑکوں کو کتابیں کپڑے نہیں دیتے تو ایسے سامان کا دینا ان طلبہ کو جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر مہتمم کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے ماں باپ یا پرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں یا نہیں تو ایسی حالت میں طالب علم کی استعانت مدِ زکاۃ سے جائز ہے یا نہیں؟ (٢٦٤/ ٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: (الف) یہ قید طلبہ میں بھی ہے کہ وہ بھی مصرف زکاۃ ہوں یعنی مالکِ نصاب نہ ہوں، سید نہ ہوں، اور اگر وہ طلبہ نابالغ ہیں تو ان کے والدین صاحب نصاب اور غنی نہ ہوں، بالغ کے لیے تو ماں باپ کا غنی ہونا مانع نہیں ہے جب کہ وہ خود فقیر ہوں، اور زکاۃ سے کپڑے یا کتابیں

---

(١) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء ...... وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/ ١٧٦-١٧٧، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

اسی وقت دینا درست ہے کہ وہ مصرف ہوں غنی نہ ہو اور اغنیاء کی اولادِ صغار نہ ہوں [۱] اس کی تحقیق کر لینی چاہیے [۲]

(ب) معلوم کرنا ضروری ہے لیکن اگر طالب علم خود کہے کہ میں غریب ہوں اور میرے والدین بھی غریب ہیں تو موافق اس کے کہنے کے اس کو زکاۃ دینا درست ہے [۳] فقط (٦/۲۱۹-۲۲۰)

زکاۃ کی رقم حیلہ کے ذریعہ تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۴۳٦) بعض حضرات زکاۃ کا روپیہ تبلیغ کے لیے دیتے ہیں، اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ حیلہ کر لیا جاوے جب کہ اس حیلۂ تملیک میں لینے والا اور دینے والا دونوں بہ خوبی جانتے ہیں کہ تملیک مقصود نہیں ہے تو اس حیلہ سے زکاۃ بھی ادا ہو جاتی ہے؟ اور وہ روپیہ اس غرض کے لیے جائز بھی ہو جاتا ہے؟ (۱۰۸۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ حیلہ فقہاء نے لکھا ہے اور شرعاً جائز ہے، اور یہ امور جن کو آپ نے لکھا ہے مانع اس حیلہ سے نہیں ہیں، یعنی باوجود ان جملہ خیالات کے یہ حیلہ صحیح ہے اور اس حیلہ کا کر لینا ضروری ہے تا کہ زکاۃ دینے والے کی زکاۃ فوراً ادا ہو جائے، پھر مہتمم وغیرہ منتظمین کو اختیار ہو جاتا ہے کہ جس مصرف مناسب میں چاہیں صرف کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۱۹۹)

وضاحت: حیلہ کے مسائل کا حوالہ بار بار دیا جا چکا ہے، حیلہ کی اصل یہ ہے کہ قانونی اور اصولی بات طے ہو جاتی ہے، مثلاً زکاۃ کا مصرف فقیر و مستحق ہے؛ وہ اسے مل گئی، اب وہ بہ حیثیت

---

(۱) ولا إلی غني یملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أي مال کان إلخ ولا إلی طفله بخلاف ولده الکبیر إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲٦٦-۲٦۹، کتاب الزّکاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّة)

(۲) لو دفع بلا تحرٍّ لم یجز إن أخطأ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۴، کتاب الزّکاة باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّة) ظفیر

(۳) إذا شكّ وتحرّی فوقع في أکبر رائه أنّه محلّ الصّدقة فدفع إلیه أو سأل منه فدفع أو رآه في صفّ الفقراء فدع فإن ظهر أنّه محلّ الصّدقة جاز بالإجماع، وکذا إن لم یظهر حاله عنده. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۸۹-۱۹۰، کتاب الزّکاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

مالک ہونے کے جو چاہے کرسکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ حیلہ خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکاۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحقین ہیں وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم ۔ ظفیر

ممالک یورپ میں تبلیغ پر زکاۃ کا روپیہ صرف کرنا درست نہیں

سوال: (۴۳۷) ممالک یورپ میں اشاعت وتبلیغ اسلام کے کام میں زکاۃ کا روپیہ خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۰۶۱/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس میں زکاۃ ادا نہ ہوگی، زکاۃ کے بارے میں پوری احتیاط لازم ہے، زکاۃ میں مالک بنانا محتاج کو ضروری ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۴۲)

تبلیغی جلسے پر زکاۃ صرف کرنا جائز نہیں

سوال: (۴۳۸) تبلیغ اسلام کے لیے اگر جلسے یا مجالس قائم کی جائیں جن کی غرض محض پبلک کو دعوت الی الحق ہو ان کے اخراجات میں (زکاۃ کا روپیہ) صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۴۶۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ان کاموں میں بھی زکاۃ کا روپیہ نہیں لگ سکتا (۱) فقط واللہ اعلم (۶/ ۲۴۳-۲۴۴)

مبلغین کا تقرر زکاۃ کی رقم سے درست نہیں

سوال: (۴۳۹) فی زمانہ جب کہ جہالت کا زور ہے مبلغین کا تقرر زکاۃ کے روپے سے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۶۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۴۳-۲۴۴)

---

(۱) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلى بناء نحو مسجد (الدّرّ المختار) كبناء القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار والحجّ والجهاد وكلّ ما لا تمليك فيه ؛ زيلعي . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

زکاۃ سے مبلغین اور طلبہ کو وظائف دینا کیسا ہے؟

سوال: (۴۴۰) زکاۃ سے مبلغینِ انجمنِ تبلیغ وطلباء کو وظائف دینا جائز ہے؟ (۱۵۱٦/۱۳۴۲ھ)

الجواب: طلبۂ مساکین کو وظیفہ دینا زکاۃ سے جائز ہے[١] اور مبلغین کی تنخواہ دینے میں حیلۂ تملیک ضروری ہے۔ فقط (بغیر حیلہ دینا درست نہیں ہے، کیوں کہ زکاۃ کے لیے تملیک شرط ہے۔ ظفیر) (۲/۲۷۵)

زکاۃ کی رقم جلسہ تبلیغ پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۴۴۱) اکبرآباد ضلع بجنور میں ۴۰، ۵۰ کس خاکروب آباد ہیں، اور ملحقات میں ہنود آباد ہیں، ہنود نے تقریباً پانچ ہزار چمار جمع کر کے جلسہ کیا، ان لوگوں کو عام طور سے مسلمانوں سے علیحدگی کی ترغیب دی کہ مسلمانوں سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھا جاوے، اس کے خلاف میرا ارادہ یہ ہے کہ اکبرآباد میں جلسہ کر کے چند مقرروں کو بلایا جاوے، اور آگرہ وغیرہ سے چار مقرروں کو بلایا جاوے، اور ہنود سے علیحدہ رہنے کی دعوت دی جاوے، اور اکبرآباد کے خاکروبوں کو مسلمان ہونے کی دعوت دی جاوے، لیکن اکبرآباد میں اس جلسہ کے اخراجات کے واسطے روپیہ نہیں ہے، اگر شرعاً اجازت ہو تو پیشگی زکاۃ کے مد سے روپیہ فراہم کر کے جلسہ میں خرچ کیا جاوے۔ بینوا توجروا

(۵۳٦/۱۳۴۲ھ)

الجواب: زکاۃ میں یہ شرط ہے کہ تملیکِ فقراء ہو یعنی محتاجوں کو اس کا مالک بنایا جاوے، اور اگر تملیکِ فقراء نہ ہوئی تو زکاۃ ادا نہیں ہوتی[٢] پس اگر سوائے زکاۃ کے اور کوئی صورت چندہ کی نہیں ہے

---

(١) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ و مسكين إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٥٦-٢٥٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(٢) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد (الدّرّ المختار) كبناء القناطر والسّقايات وإصلاح الطّرقات وكرى الأنهار والحجّ والجهاد وكلّ ما لا تمليك فيه؛ زيلعي . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٦٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

توزکاۃ کے روپے کواس کام میں خرچ کرنے کے جواز کی یہ صورت ہے کہ رقمِ زکاۃ کا مالک اوّل کسی ایسے شخص کو بنادیا جاوے کہ وہ مالک نصاب نہ ہو، پھر وہ اپنی طرف سے جلسہ مذکورہ کے مصارف میں صرف کردے تواس صورت میں زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ بھی ادا ہوجاوے گی، اور جلسہ کے مصارف کا بھی انتظام ہوجاوے گا، اوراس کی تشریح زبانی کسی واقف سے کرلیں وہ اس صورتِ تملیک کو پوری طرح سمجھادیں گے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۶۸-۲۶۹)

صاحبِ نصاب کو حج کے لیے زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (۴۴۲) ایک شخص صاحب نصاب ہے، اس کو حج کے لیے زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۳۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس شخص کو جو کہ صاحب نصاب ہے زکاۃ دینا درست نہیں ہے[۲] فقط (۶/ ۲۴۴)

زکاۃ کے روپے سے حج کرانا کیسا ہے؟

سوال: (۴۴۳) زکاۃ کے روپے سے لوگوں کو حج کرانا کیسا ہے؟ (۱۱۹۳/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: اگر حج کرنے والے کی وہ روپیہ ملک کردیا جاوے کہ وہ اپنا حج کرے یا جس خرچ میں چاہے لاوے تو یہ درست ہے اور زکاۃ ادا ہوجاتی ہے[۳] فقط واللہ اعلم (۶/ ۲۷۲-۲۷۳)

---

(۱) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۷۷، كتاب الزّكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) ولا إلىٰ غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۶۶، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۳) وكره إعطاء فقير نصابًا أو أكثر إلاّ إذا كان المدفوع إليه مديونًا أو كان صاحبَ عيال بحيث لوفرّقه عليهم لايخصّ كلاًّ أو لا يفضُلُ بعد دينه نصابٌ فلا يكره، فتح (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۷۴، كتاب الزّكاة ، باب المصرف ، مطلب في الحوائج الأصليّة) اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کو اتنی رقم زکاۃ سے حج کے لیے دینا مکروہ ہے، گو وہ فقیر مالک ہونے کے بعد اس سے حج کرے تو جائز ہوگا، مگر زکاۃ کے روپے سے حج کرنا کرانا مصارفِ زکاۃ کے منشاء کے سراسر خلاف ہے؛ جس سے اجتناب ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

سوال: (۴۴۴) کیا زکاۃ کے روپے سے حج کرایا جاسکتا ہے؟ اگر حج کرایا جاسکتا ہے تو کیا اپنے عزیز واقارب کو بھی کراسکتے ہیں؟ (۲۷۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: زکاۃ کے روپے سے اپنا حج کرانا درست نہیں ہے، البتہ یہ جائز ہے کہ کسی فقیر کو زکاۃ کے روپے کا مالک بنادیا جاوے، پھر خواہ وہ اپنا حج کرے یا دیگر مصارف میں صرف کرے اس کو اختیار ہے، غرض یہ ہے کہ زکاۃ کے روپے میں مالک بنادینا محتاج کو شرط ہے، بدون اس کے زکاۃ ادا نہ ہوگی [۱] فقط (مگر اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم رہے کہ ایک شخص کو اتنی رقم دینا کراہت سے خالی نہیں ظفیر) (۶/۲۷۷-۲۷۸)

زکاۃ کا استعمال افطارِ صوم میں درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۴۵) استعمالِ زکاۃ برائے افطارِ صوم جائز است یا نہ؟ (۱۸۸۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر بہ طور اباحت باشد؛ چنانچہ دستور عام ہماں است جائز نیست۔ كما في الدّرّ المختار: تحت قولہٖ تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيمًا ناويًا الزّكاة لا يجزيه إلّا اذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض [۲] (۱/۱۳۱، مطبوعہ: مصر) واگر مقدار واجب را از جنس مطعوم ومشروب بدیں طور ادا کند کہ فقراء ومساکین را بہ وقت افطار بہ طور تملیک می دہد، وآنہا تعقل قبض ہم داشتہ باشند، اندریں صورت زکاۃ ادا تواند شد، ومراد از تعقل قبض آنکہ آنچناں طفل خرد راندہد کہ تعقل قبض ندارد۔ كما مرّ من الدّرّ المختار [۲] فقط (۶/۲۸۴)

ترجمہ سوال: (۴۴۵) زکاۃ کا استعمال روزہ افطار کرانے کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر بہ طور اباحت ہو جیسا کہ عام دستور یہی ہے تو جائز نہیں ہے۔ كذا في الدّرّ المختار تحت قولہٖ تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيمًا ناويًا الزّكاة لا يجزيه إلخ: اور اگر کھانے پینے کی چیزوں سے مقدار واجب کو اس طرح ادا کرے کہ فقراء ومساکین کو افطار کے وقت

---

(۱) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً كما مرّ لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد ولا إلٰى كفن ميّت. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۶۰-۱۶۱، كتاب الزّكاة.

بہ طور تملیک دے دے اور وہ لوگ قبضہ کرنے کی سمجھ بھی رکھتے ہوں؛ تو اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جائے گی، اور مراد قبضے کی سمجھ سے یہ ہے کہ انہیں اس چھوٹے بچے کی طرح نہ دے جو قبضے کی سمجھ نہیں رکھتا ہے۔ كما مرّ من الدّرّ المختار. فقط

زکاۃ کا روپیہ مردہ کے ایصال ثواب کے لیے دینا درست نہیں

سوال: (۴۴۶) زکاۃ کا روپیہ مردہ کو دینا اس طور سے کہ اس کی طرف سے کھانا پکوا کر فقیروں کو دیا جائے جائز ہے یا نہیں؟ (۶۶۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زکاۃ کا روپیہ مردہ کو دینا جس طریق سے کہ آپ نے لکھا ہے درست نہیں ہے [۱] مردہ کی طرف سے (اس روپے کا کھانا وغیرہ کھلانا درست نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے اس روپیہ کو محتاجوں کو دینا چاہیے یا) [۲] اس روپیہ کا کھانا پکوا کر کھلایا جاوے یا کپڑا محتاجوں کو دیا جاوے، غرض یہ ہے جس طرح دیا جاوے اپنی طرف سے ہی زکاۃ کی نیت سے دیا جاوے، اس کا ثواب کسی میت کو نہ پہنچایا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۴/۶)

مسلمان سپاہی پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۴۴۷) جنگ میں جو مسلمان سپاہی مجروح ہوتے ہیں ان کی ضروریات کا سامان مال زکاۃ سے خرید کر بھیجنا یا نقد روپیہ اس واسطے بھیجنا کہ ان کی ضروریات میں صرف کیا جاوے درست ہے یا نہیں؟ زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۵۱۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زکاۃ میں تملیک فقیر ضروری ہے یعنی مالک بنانا ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو لازم ہے، پس اگر مجروحین مسلمین کے پاس پہنچنا زکاۃ کا جو کہ مالک نصاب نہ ہو یقینی ہے تو زکاۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۲/۶-۲۳۳)

---

(۱) ولا يكفن بها ميّت لانعدام التّمليك وهو الرّكن. (الهداية: ۲۰۵/۱، كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقات إليه ومن لايجوز) ظفیر

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) و يشترط أن يكون الصّرف تمليكا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

اسلامیہ اسکول میں زکاۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۴۸) انجمن امدادی اسلامیہ اسکول کا لکانے ایک زنانہ مدرسہ واسطے تعلیم نسواں تیار کیا ہے؛ جس کی وجہ سے انجمن ہذا مبلغ آٹھ سو روپیہ کی قرض دار ہے، ظاہراً ادائیگی کی کوئی صورت نہیں، زکاۃ وصدقۂ فطر اس قرضہ کی ادائیگی میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۵۰٦ھ)

الجواب: رقمِ زکاۃ وصدقۂ فطر بعد حیلۂ تملیک کے اس قرضہ کی ادائیگی میں صرف ہوسکتی ہے، اور حیلۂ تملیک درمختار میں یہ لکھا ہے کہ اوّل وہ رقمِ زکاۃ وغیرہ ایسے شخص کی ملک کردی جاوے جو مالک نصاب نہ ہو، پھر وہ شخص اپنی طرف سے مدرسۂ مذکورہ میں دے دے کہ اس رقم سے قرض ادا کیا جاوے اور دیگر ضروریاتِ مدرسہ میں صرف کی جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۸۵)

شفاخانہ میں زکاۃ کا روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۴۹)......(الف) اگر گورنمنٹ کی امداد سے کوئی شفاخانہ کھولا جاوے، اس میں زکاۃ کا روپیہ حیلہ کر کے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اور اگر کوئی شفاخانہ خاص مسلمان مساکین کے لیے کھولا جاوے تو ایسے شفاخانہ میں زکاۃ کا روپیہ حیلہ کر کے دینا جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۲/۱۱۸۷ھ)

الجواب: (الف-ب) اصل یہ ہے کہ زکاۃ کے ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ ﴿کسی محتاج شخص مسلمان کو زکاۃ کا مالک مفت بنایا جاوے اور نیز یہ شرط ہے کہ﴾[2] جس شخص غریب کی ملک کی جاوے وہ سید نہ ہو، درمختار میں ہے: **تمليك ...... جزء مال ...... عيّنه الشّارع ...... من مسلم فقير ...... غير هاشمي ولا مولاه**[3] انتھیٰ ملخّصًا اور چوں کہ زکاۃ میں تملیکِ فقیرِ مسلم شرط ہے، اس لیے تجہیز وتکفینِ میت یا تعمیرِ مسجد ومدرسہ وغیرہ میں اس کا صرف کرنا درست نہیں ہے،

---

(۱) حوالۂ سابقہ ۱۲

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱٦۰-۱٦۲، كتاب الزّكاة، قبيل مطلب في أحكام المعتوه.**

اور اس کے جواز کا حیلہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اوّل زرِ زکاۃ کسی فقیر کی ملک کردی جاوے، پھر اس سے کہا جاوے کہ وہ اپنی طرف سے مواقع مذکورہ میں وامثالہا میں صرف کردے، درمختار کتاب الزکاۃ میں ہے: **وحلية التّكفين بها التّصدّق علىٰ فقير، ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، و كذا في تعمير المسجد، وتمامه في حيل الأشباه إلخ**[1] پس اس حیلہ مذکورہ سے ہر دو صورت مسئولہ فی السوال میں زکاۃ کا روپیہ خرچ ہوسکتا ہے اور زکاۃ ادا ہوجاوے گی، صورت اس کی یہ ہے کہ اوّل وہ رقمِ زکاۃ کسی ایسے محتاج مسلمان کی ملک کردی جاوے جو کہ مصرفِ زکاۃ ہو، پھر اس سے کہا جاوے کہ وہ اپنی طرف سے شفاخانہ مذکورہ میں وہ روپیہ دے دیوے، کیوں کہ اب وہ زکاۃ کا روپیہ نہیں رہا، بلکہ زکاۃ مالک کی اس محتاج شخص کو دینے سے ادا ہوگئی، اور وہ مالک اس کا ہوگیا، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ جس موقع پر چاہے اس کو صرف کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۱/۶-۲۷۲)

نہر زبیدہ کی صفائی میں زکاۃ خرچ کرنا درست نہیں

سوال: (۴۵۰) نہر زبیدہ کی صفائی میں زکاۃ کا روپیہ اگر صرف کیا جاوے تو زکاۃ ادا ہوجاوے گی یا نہ؟ (۷۹۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: زکاۃ کے ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ کسی محتاج کو اس کا مالک بنایا جاوے، اسی وجہ سے فقہاء لکھتے ہیں کہ مسجد کی تعمیر میں بھی صرف کرنا زکاۃ کا درست نہیں ہے، پس نہر مذکور کی صفائی میں خرچ کرنے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۱/۶)

اہلِ سمرنا اور تھریس مصرفِ زکاۃ ہیں یا نہیں؟

سوال: (۴۵۱) ...... (الف) سمرنا (Smyrna) اور تھریس (Thrace) کے لیے زکاۃ کو مصرف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۷/۳-۱۷۸، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

(۲) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً كما مرّ لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولا إلىٰ كفن. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

(ب) سمرنا اور تھریس کے جو چندے وصول کیے جاتے ہیں ان میں سے مقررین اور محصلین واعظین کی تنخواہ اور محصول ڈاک دیا جاتا ہے تو شرعًا زکاۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ نیز چندہ میں زکاۃ وغیر زکاۃ کو مختلط کر دیا جاتا ہے؟ (۲۰۹۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) سمرنا اور تھریس کے مظلومین و بیوگان و یتامی جو کہ مفلس و محتاج وغیر مالک نصاب ہیں، وہ بالیقین مصرف زکاۃ و جمیع صدقات واجبہ ہیں بلکہ بہتر مصارف ہیں، اسی طرح تمام ترک جو محتاج و مظلوم ہیں وہ بھی عمدہ مصرفِ زکاۃ و صدقات واجبہ ہیں، اس میں کچھ جائے شک و تردد نہیں ہے۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۶۰)

(ب) ان چندوں میں جو زکاۃ دی جاتی ہے وہ اس وقت ادا ہوگی جس وقت مظلومین مساکین سمرنا وغیرہ کے پاس پہنچ جاوے گی، اور خلط کرنا جو کہ بہ اجازت چندہ دہندہ ہے مانع عن أداء الزّكاة نہیں ہے، گویا وکلاء یعنی قابضینِ چندہ کو اجازت ہے کہ خلط کر دیں، اور پھر زکاۃ کو علیحدہ کر کے صاحبِ نصاب کی طرف سے مساکین کو پہنچا دیں (۱) مگر اس قسم کے شبہات و ترددات کی وجہ سے بہتر ہے کہ یہاں حیلۂ تملیک کر لیا جاوے، تاکہ پھر کسی مد میں صرف کرنے میں کچھ حرج نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۵۳-۲۵۴)

ہلالِ احمر کو چندے میں زکاۃ و صدقات واجبہ دینا کیسا ہے؟

سوال: (۴۵۲) حامدًا و مصلّیًا: عثمانیہ سلطنت دُنیا میں مسلمانوں کی بڑی سلطنت ہے، جو محافظِ حرمین شریفین ہونے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم کی ہمدردی کی مستحق ہے، اس وقت اس سلطنت کو بلقان ایک سخت خونریز جنگ سے سابقہ پڑا ہے؛ جس میں مجروحوں اور شہیدوں کی مقدار زیادہ ہوگئی، تمام مہذب سلطنتیں مجروحوں کی مرہم پٹی اور شہیدوں کے پسماندہ یتیم اور بیوہ کی امداد کے لیے

(۱) ولو خلط زكاة موكليه ضمن و كان متبرّعًا إلّا إذا و كلّه الفقراء (الدّرّ المختار) قوله: (ضمن و كان متبرّعًا) لأنّه ملكه بالخلط وصار مؤدّيًا مال نفسه قال في التّتارخانية: إلّا إذا وجد الإذنَ أو أجاز المالكان أهـ. أي أجازا قبل الدّفع إلى الفقير إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

خیراتی چندہ دینا انسانی فرض خیال کرتی ہیں، مسلمانوں میں قسطنطنیہ سے لے کر ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں تک اس مطلب کے لیے جس قدر انجمنیں روپیہ جمع کر رہی ہیں، سب ہلال احمر کہلاتی ہیں، ہلال احمر قسطنطنیہ کے صدر حسین حلیمی پاشا؛ ہند کے تمام مسلمانوں سے ہلال احمر کے لیے چندہ مانگ رہے ہیں، ٢٨/ اکتوبر کا تار جوانہوں نے کلکتہ دیا، اس کے بعض الفاظ یہ ہیں: ہم مسلمانانِ ہند کی گرم جوشانہ ہمدردی اور خیر خواہی کے پورے طور پر متیقن ہیں، اور اسی طرح ہم کو اپنی کثیر التعداد زخمیوں کی راحت کے لیے مالی امداد کا کچھ کم یقین نہیں، محبانِ سلطنتِ عثمانیہ اور مسلمانانِ انگلستان ہم کو چار شفاخانوں کا ضروری سامان بھیج رہے ہیں، انجمن ہلال احمر کو امید ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بھائی بھی ہسپتالوں کے اخراجات پورے کرنے میں شرکت کریں گے۔

جنگ طرابلس کے شروع میں ہزایکس لنسی وائے سرائے (His Excellency Viceroy) اسی قسم کے چندوں کے متعلق اپنی رضا مندی ظاہر کر چکے ہیں، اور بمبئی کے ٢٦/ اکتوبر کے جلسے میں پولیس کمشنر بمبئی جیسا ذمہ دار اظہار ہمدردی کے لیے شریک ہوا، اور تین سو (٣٠٠) روپے چندہ دیا، ایسے حالات دیکھ کر مسلمانوں کو شرعی حکم سے مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں؛ اس لیے عموماً اور علمائے دیوبند سے خصوصاً امید ہے کہ مفصلہ ذیل صورتوں کا جواب نہایت مشرح صاف صاف لکھ دیں؛ تاکہ تمام مسلمانوں کو اپنے فرض ادا کرنے کی طرف توجہ ہو:

(الف) ہلال احمر میں چندہ دینا ہر ایک مسلمان کے ذمے شرعاً کس درجہ ضروری ہے؟

(ب) زکاۃ اور صدقات واجبہ اور چرم قربانی ہلال احمر کے لیے کس طرح دیئے جاسکتے ہیں؟

(ج) تمام مساکین اور محتاج یا علمی تحریکیں —— قومی مدارس ہوں یا مذہبی —— جہاں اب تک صدقات وغیرہ مختلف قسم کے چندے صرف کیے جاتے ہیں؛ ہلال احمر کے مقابلے میں مستحق سمجھے جائیں گے یا نہیں؟ (١٨٩٦/٢٩-١٣٣٠ھ)

الجواب: (الف) ہلال احمر یعنی مجروحینِ اہلِ اسلام اور ان کی بیوگان اور یتیم بچوں کے لیے مسلمانوں کو چندہ دینا اور اپنا مال بھیج کر ان کی مدد کرنا فرض ہے؛ خواہ مال سے ہو یا زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کے کھانے پینے کی خبر گیری سے، احادیث معتبرہ کثیرہ اس کی بابت صریح موجود ہیں: مشکاۃ،

كتاب الجهاد، ص:۳۳۲، عن خُريم بن فاتك قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من أنفق نفقةً في سبيل الله؛ كُتب لهٗ بسبع مأة ضِعفٍ، رواه الترمذي والنّسائي . وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: أفضل الصّدقات ظلُّ فسطاطٍ في سبيل الله، ومنحةُ خادمٍ في سبيل الله، أو طروقةُ فحلٍ في سبيل الله، رواه الترمذي (۱) وعن علي وأبي الدّرداء وأبي هريرة وأبي أمامة وعبد الله بن عُمر وعبد الله بن عَمرو وجابر بن عبد الله وعمران بن حُصين رضي الله عنهم أجمعين، كلّهم يُحدِّث عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أنّه قال : من أرسل نفقةً في سبيل الله، وأقام في بيتهٖ؛ فله بكلّ درهم سبع مأة درهم، ومن غزا بنفسهٖ في سبيل الله، وأنفق في وجههٖ ذٰلك؛ فله بكلّ درهم سبع مأة ألف درهم، ثمّ تلا هٰذهِ الآية: ﴿وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾ رواه ابن ماجة (۲) (مشكاة شريف، ص:۳۳۵)

خلاصہ روایات مذکورہ کا یہی ہے کہ جب دشمن مسلمانوں پر لڑنے کو موجود ہوں، اور ان پر ظلم کرنا چاہیں تو سب صدقات میں افضل صدقہ یہ ہے کہ ان مسلمانوں کی مدد جس طرح ہو سکے فرض ہے، خواہ ان کو سایہ کے لیے خیمہ دے دے، یا خدمت کرنے کو کوئی خادم بھیج دے، یا سواری کو اونٹنی دے دے، اور ایک درہم سے ان کی ہمدردی کرے گا تو سات سو درہم کا ثواب ملے گا، اس فرض عین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب تک ترکوں کے پاس ہلال احمر کے مصارف کے واسطے روپیہ کافی نہ ہو جائے گا اس حد تک یہ فرضیت برابر چلی جائے گی، مثلاً مسلمانانِ ہند اگر روپیہ کافی جمع کر دیں تو یہ فرضیت آگے کو نہ چلے گی، ورنہ اسی طرح شرقًا اور غربًا یہ فرضیت تمام دُنیا کے مسلمانوں پر عام ہوگی، اب ہندوستان کے مسلمان دیکھ لیں کہ ہلال احمر کو مالی امداد کی حاجت ہے یا نہیں، اگر حاجت نہیں ہے تو پھر ہلال احمر کی مالی امداد فرض عین نہ ہوگی، اگر مالی امداد کریں گے تو حسب روایاتِ سابقہ ثواب عظیم ہوگا، اور نہ کریں گے تو گنہ گار نہ ہوں گے، اور اگر ہلال احمر کو امداد مالی کی حاجت ہے تو

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۳۳۲، كتاب الجهاد، الفصل الثّاني.

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۳۳۵، كتاب الجهاد، الفصل الثّالث.

جس مسلمان کو یہ خبر پہنچے گی اس پر فرض عین ہوگا کہ ان کی اعانت مالی کرے، اور سب مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ حسبِ روایات فقہ(۱) مال، اور دُعا سے جس طرح ممکن ہو ان کی اعانت کریں، اور جو مسئلے سے واقف ہیں وہ ناواقفوں کو اس حکم فرض عین سے مطلع کریں، ورنہ گنہ گار ہوں گے۔

(ب) زکاۃ اور صدقات واجبہ مثل صدقۂ عید الفطر وغیرہ اور چرم قربانی؛ ان سب کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ کسی کو مالک بنا دیا جاوے، اگر کسی ایسے مصرفِ خیر میں صرف کیے جاویں گے جس میں تملیک نہ ہو تو ادا نہ ہوں گے، مثلاً تعمیرِ مسجد یا خرید کتب وقفیہ برائے استعمال طلباء اس لیے اس کی سہل صورت یہ ہے کہ زکاۃ وصدقات کسی ایسے حاجت مند کو بہ طریقۂ تملیک دے دیئے جاویں کہ وہ اپنی رضا سے ان کو چندۂ ہلال احمر میں دے دے، (اور چرم قربانی میں فقیر کی تخصیص نہیں غنی کو بھی تملیک کر سکتے ہیں)(۲) چنانچہ جملہ مدارس اسلامیہ میں ان صدقات وزکاۃ کو اسی صورت پر صرف کرتے ہیں، اور اس ضرورت شدیدہ کی حالت میں یہی امر افضل ہے کہ زکاۃ وصدقات کو اس طریقہ سے ہلال احمر کے چندہ میں دیا جاوے(۳)

(ج) عام مساکین اور علمی سلسلے خواہ قومی ہوں یا مذہبی ان سب کے مقابلے میں اس ضرورت شدیدہ کی حالت میں ہلال احمر بے شک مستحق تر ہے؛ جیسا کہ روایاتِ حدیث اور فقہ سے ظاہر ہوتا ہے

(۱) وکره نقلها إلّا إلٰی قرابة؛ بل في الظّهيرية: لا تقبل صدقة الرّجل وقرابته محاويج حتّى يبدأ بهم فيسدّ حاجتهم أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۴، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)

ويكره نقل الزّكاة من بلد إلى بلد إلّا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۰، كتاب الزّكاة، الباب السّابع في المصارف)

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

يصرف المزكّي إلٰی كلّهم أو إلى بعضهم ...... تمليكا ...... لا يصرف إلٰی بناء نحو مسجد ولا إلٰی كفن ميّت وقضاء دَينه (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۶۲-۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

اس لیے مسلمانانِ ہند کو ضروری ہے کہ جب تک ضرورت موجودہ باقی رہے اس وقت تک صدقات مذکورہ میں ہلال احمر کو اور سب موقعوں سے مقدم سمجھیں، ہاں کوئی موقع فوری ضرورت کا ہو مثلاً کوئی آنکھوں کے سامنے بھوکا مرتا ہے اس کا استثناء ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن

جواب عین صواب ہے، اور (ب) میں جو تملیک کی شرط ہے وہ بہت زیادہ اہتمام کے قابل ہے، اور احقر کا معمول تملیک میں ایک خاص طریق ہے جس کو میں راجح سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اوّل کوئی مسکین مثلاً کسی سے قرض لے کر چندہ میں دے دے، پھر صدقہ دینے والا اپنی رقم اس کو بہ تملیک حقیقی دے دے، اور پھر وہ مسکین اس سے اپنا قرض ادا کردے تو اس طریق سے حیلے کا بھی ارتکاب کرنا نہیں پڑتا۔ فقط۔ کتبہ: اشرف علی (التھانویؒ)[1] (۶/ ۲۹۶-۳۰۰)

زکاۃ کی رقم سے مظلومین اور معذورین کی امداد کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۵۳)...... (الف) زکاۃ کی رقم مظلومین ملیبار کے لیے؟

(ب) مظلومین سمرنا کی امداد کے لیے؟

(ج) انگورہ فنڈ میں حکومت انگورہ کی امداد کے لیے؟[2]

(د) یا کسی بیت المعذورین یا محتاجین میں معذوروں اور محتاجوں کی امداد کے لیے دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(ہ) کیا کسی ایسے فنڈ میں رقم زکاۃ بھیجتے ہوئے یہ شرط لگانا ضروری ہے کہ یہ رقم مسلمانوں ہی پر صرف کی جائے؛ کیوں کہ اس کا اگر یقین نہیں تو غالب ظن تو یہی ہے کہ ایسے فنڈ سے بلا لحاظ مذہب فائدہ پہنچایا جاتا ہوگا۔ (۲۳۳۲/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف-ہ) زکاۃ میں مسلمان محتاج کو مالک بنانا رقم زکاۃ کا ضروری ہے، پس جس موقع میں یہ شبہ ہو کہ مسلمانوں کو پہنچے گی یا غیر اہل اسلام بھی اس میں شریک ہوں گے، یا یہ شبہ ہو کہ یہ روپیہ ہتھیار وغیرہ سامان حرب خریدنے میں شاید صرف ہو کسی کی ملک نہ کیا جاوے تو ایسے

---

(۱) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) سوال میں (الف-ج) کو رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

مواقع میں حیلۂ تملیک یہاں کرلیا جاوے اور پھر وہاں روپیہ زکاۃ کا دیا جاوے[۱] (پس اسی بناء پر مظلومین ملیبار وسمرنا وانگورہ میں زکاۃ کا روپیہ اگر دیا جاوے تو حیلۂ تملیک ضرور کرلیا جاوے؛ تاکہ ادائے زکاۃ میں کچھ تردد نہ رہے، اور حیلۂ تملیک یہ ہے کہ یہاں اوّل وہ رقم کسی ایسے شخص کو جو کہ مصرف زکاۃ ہو دی جاوے، اور پھر وہ اپنی طرف سے مدات مذکور میں دے دیوے اور بھیج دیوے)[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۶۲)

طرابلس کے مصیبت زدوں کو چرم قربانی کی رقم بھیجنا کیسا ہے؟

سوال: (۴۵۴) ملک طرابلس الغرب کے پسماندگان ومصیبت زدگان کو ویتیم وبیوہ عورتوں کو بہ طور امداد قیمت چرم قربانی وغیرہ بھیجنا درست ہے یا نہیں؟ (۳۰۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: چوں کہ قیمت چرم قربانی کی تملیک فقیر کو واجب ہے، اس لیے بدون حیلۂ شرعی اس سے ذمہ بری نہیں ہوسکتا، یہاں کسی کو ملک کردینا چاہیے، وہ اپنی طرف سے اگر وہاں بھیج دے گا تو بلا تردد درست ہوجاوے گا، البتہ اگر وہ لوگ جن کے پاس روپیہ بھیجا جاتا ہے اس کو علیحدہ رکھ کر مصرفِ زکاۃ میں صرف کریں تو پھر یہاں سے کسی قسم کی تدبیر کی ضرورت نہیں۔ فقط (بندہ محمد یحییٰ[۳] عفی عنہ، وارد حال مدرسہ سہارن پور)[۴] (۶/۲۹۵)

---

(۱) ولا تدفع إلی ذمّي لحدیث معاذ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۲، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلیّۃ) ظفیر

وحیلۃ التّکفین بھا التّصدّق علی فقیر ثمّ ھو یکفن فیکون الثّواب لھما، وکذا في تعمیر المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

(۲) جواب میں قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) غالبًا اس سے مراد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ (متوفی: ۱۳۳۴ھ) ہیں، جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے والد محترم ہیں۔ ۱۲

(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

قربانی ترک کر کے قربانی کی رقم بلقانی مسلمانوں کو دینا درست نہیں

سوال: (۴۵۵) امسال قربانی کا تمام وکمال روپیہ اپنے بلقانی بے بس بھائیوں کی مرہم پٹی اوران کی بیوگان ویتامی کی امداد کے لیے ٹرک بھیج دیا جاوے، اور ایسی حالت میں جب کہ اسلام کے دروازہ پر قیامت بپا ہے قربانی نہ کی جائے (شرعا اس کا کیا حکم ہے؟) (۱۸۹۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: قربانی اس طرح ادا ہوگی کہ قربانی یہاں کی جاوے، چرم قربانی (کی قیمت) کو وہاں بھیج دینے کا اہتمام کرنا چاہیے، اور کیا اچھا ہو کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے وہ اپنا تمام وکمال نصاب وہاں بھیج دیں کہ قربانی ذمے پر نہ رہے، اللہ تعالیٰ اگر مسلمانوں کو ایسی توفیق دے دیوے تو اس سے بہتر کیا ہے، الحاصل یہ درست نہیں کہ صاحبِ نصاب مالکِ نصاب رہیں اور قربانی نہ کریں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۳۰۰-۳۰۱)

زکاۃ دوسرے ممالک میں بھیجنا کیسا ہے؟

سوال: (۴۵٦) کیا زکاۃ کا روپیہ غیر ممالک اسلامیہ میں بھی بھیجا جاسکتا ہے؟ اور غیر ممالک کے مسلمانوں کی امداد میں صرف ہوسکتا ہے؟ (۲۷۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: زکاۃ کا روپیہ غیر ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں، محتاجوں کو دینا بھی درست ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ جن کو دیا جاوے وہ مالک نصاب نہ ہوں اوران کو مالک بنادیا جاوے، اور اولیٰ

---

(۱) درج ذیل عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

لو تصدّق بها حيّةً في أيّام النّحر لا يجوز لأنّ الأضحيّة الإراقة (الجوهرة النّيّرة: ۲/۲٦۸، كتاب الأضحية، المطبوعة: دار الكتاب ديوبند)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے: ومنها أنّه لا يقوم غيرها مقامها في الوقت حتّى لو تصدّق بعين الشّاة أو قيمتها في الوقت لا يجزئه عن الأضحية . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۳-۲۹۴، كتاب الأضحية، الباب الأوّل في تفسيرها وركنها وصفتها و شرائطها إلخ) اس لیے ایک واجب کو ترک کر کے اس کی قیمت چندہ میں دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

یہ ہے کہ اپنے ملک بلکہ اپنے شہر کے غرباء، فقراء کو تقسیم کیا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۷۷)

غریب سید اور صاحبِ نصاب کو زکاۃ دینے کی ممانعت اور جواز کا حیلہ

سوال: (۴۵۷)......(الف) زید کا چچا قوم کا سید ہے، غریب آدمی ہے، دوسو روپے کا قرض دار ہے، سود بڑھتا جاتا ہے، دو لڑکیاں نابالغہ ہیں، اور زید کی چچی قوم کی پٹھانی ہے، سو روپے کا زیور موجود ہے، جو کہ پچیس روپیہ میں گروی ہے، زید اپنے چچا یا چچی وغیرہ کو مال زکاۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۴۷۴ھ)

(ب) کسی غریب مستحق کو مالِ زکاۃ اس شرط پر دینا کہ تم زید کے چچا کو دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۶-۳۵/۱۴۷۴ھ)

الجواب: (الف) سید غریب کو زکاۃ دینے کے جواز کی یہ صورت ہے کہ کسی غریب شخص کو جو سید نہ ہو زکاۃ دی جاوے، اور اس کو مالک بنا دیا جاوے، پھر وہ اپنی طرف سے اس سید کو دے دیوے یہ صورت جواز کی ہے، اور درمختار میں یہ حیلہ جواز کا لکھا ہے[2] اور چچی پٹھانی کے پاس جب کہ زیور سو روپے کا موجود ہے تو اس کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے، اگر وہ صاحب نصاب نہ رہے تو اس کو زکاۃ دینا درست ہے، مگر بہ حالت موجودہ درست نہیں ہے کیوں کہ پچیس روپے قرض کے وضع کر کے پھر بھی نصاب باقی رہتا ہے[3] فقط (نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہے۔ ظفیر)

---

(۱) وكره نقلها إلاّ إلٰى قرابة إلخ أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين (الدّرّ المختار) قوله : (وكره نقلها) أي من بلد إلٰى بلد آخر لأنّ فيه رعاية حقّ الجوار، فكان أولٰى زيلعي، والمتبادر منه أنّ الكراهة تنزيهيّة تأمّل؛ فلو نقلها جاز لأنّ المصرف مطلق الفقراء . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۷۴، كتاب الزّكاة ، باب المصرف ، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفير

(۲) وحيلة التّكفين بها التّصدّق علٰى فقير ثمّ هو يكفن فيكون الثّواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(۳) ولا إلٰى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲٦٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

(ب) [اوّل یہ شرط نہ کی جاوے بعد دینے کے کہہ دیا جاوے کہ تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، اور شرط کر لینے سے بھی زکاۃ ادا ہو جاتی ہے فقط][1] (۶/۲۱۴)

سوال: (۴۵۸) جس سید کے کنبہ بہت ہو اور وہ نابینا حاجت مند ہو تو اس کو زکاۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۳۰۹ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے موافق اور ظاہر الروایت کے مطابق سید کو کسی حال زکاۃ دینا درست نہیں ہے۔ کما في الدرّ المختار: ثمّ ظاهر المذهب إطلاق المنع إلخ[2] فقط (ایسے مجبور سید کو بہ طور حیلہ زکاۃ لینے کی گنجائش ہے۔ ظفیر) فقط واللہ اعلم (۶/۲۱۲)

موجودہ زمانے میں بھی سادات کو زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (۴۵۹) اس زمانے میں جب کہ خمس کا نام بھی لوگ بھول گئے غریب اولاد رسول اللہ ﷺ کو زکاۃ عندامام ابوحنیفہؒ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۶۹۹ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب صحیح یہ ہے کہ اس زمانے میں بھی جب کہ خمس الخمس بنی ہاشم کو نہیں دیا جاتا، زکاۃ دینا ان کو یعنی سادات بنی ہاشم کو درست نہیں ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: ولا إلٰی بني هاشم —— إلٰی أن قال —— ثمّ ظاهر المذهب إطلاق المنع (الدرّ المختار) يعني سواء في ذلك كلّ الأزمان وسواء في ذٰلك دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم إلخ[3] (ردّ المحتار شامي جلد: ۲، باب المصرف) فقط (۶/۲۳۷)

سوال: (۴۶۰) عام طور سے مشہور ہے کہ زکاۃ وصدقہ کا مال آل محمد ﷺ کے لیے حرام ہے حال میں ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ ایسا مال آل محمد ﷺ کے لیے بعض حالات میں مباح بھی ہے

---

(۱) جواب (ب) کی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۲) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۰، کتاب الزّکاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)

(۳) الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۷۰، کتاب الزّکاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)

اوران دریں باب علماء نے فتویٰ دے دیا ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کن حالات میں مال زکاۃ وصدقہ سادات بنی فاطمہ کے لیے حرام ہے اوراگر مباح ہے تو کن حالات میں؟ (۲۵۹۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مفتی بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانے میں بھی زکاۃ اورصدقات واجبہ مثل قیمتِ چرم قربانی وصدقۂ فطر وغیرہ دینا حرام ہے، اورزکاۃ وغیرہ ادانہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: إنّ هذه الصّدقات إنّما هي أوساخ النّاس، وأنّها لا تحلّ لمحمّد ولا لآل محمّد (رواہ مسلم)[1] اوردرمختار میں ہے: ولا إلى بني هاشم إلخ، ثمّ ظاهر المذهب إطلاق المنع إلخ، وهٰكذا في الشّامي[2] پس یہ قول صحیح نہیں ہے جوکہ کسی نے کہا کہ بعض حالات میں مباح ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۲۳۹-۲۴۰)

موجودہ زمانہ میں بنو ہاشم کوزکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۶۱) کفایہ[3] وغیرہ میں اس زمانے میں بنی ہاشم کو زکاۃ دینا جائز لکھا ہے، یہ قول آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ (۱۴۱۵/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) عن عبد المطلب بن ربيعة قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: إن هذه الصّدقات الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۱۶۱، كتاب الزّكاة، باب من لا تحلّ له الصّدقة، الفصل الأوّل)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۷۰، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(۳) قوله: (ولا تدفع إلى بني هاشم) وفي شرح الآثار للطّحاوي رحمه اللّٰه عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه: لا بأس بالصّدقات كلّها على بني هاشم، والحرمة في عهد النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم للعوض وهو خمس الخمس، فلمّا سقط ذٰلك بموته حلّت لهم الصّدقة، وفي النّتف: يجوز الصّرف إلى بني هاشم في قوله، خلافًا لهما، وفي شرح الآثار: الصّدقة المفروضة والتّطوّع محرّمة على بني هاشم في قولهما، وعن أبي حنيفة رحمه اللّٰه روايتان فيها، قال الطّحاوي رحمه اللّٰه: وبالجواز نأخذ. (الكفاية مع فتح القدير: ۲/۲۷۷، كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقة إليه ومن لا يجوز)

الجواب: احقر فتویٰ منع پر ہی دیتا ہے، اگر ضرورت ہو تو تملیک کر کے بنی ہاشم کو دے دی جاوے۔ کما قال صاحب الدّرّ المختار: ثمّ ظاهر المذهب إطلاق المنع إلخ [۱] فقط واللہ اعلم (۲۵۱/۶)

چرم عقیقہ کی قیمت سید کو دینا جائز نہیں

سوال: (۴۶۲) چرمِ عقیقہ فروخت کر کے اس کی قیمت سید کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ [۲]

(۴۲۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: چرم عقیقہ فروخت کر کے اس کی قیمت سید کو دینا جائز نہیں ہے [۳] (۶/۲۹۲-۲۹۳)

سیّد کی مفلس بیوہ جو شیخ ہے اُسے زکاۃ دے سکتے ہیں

سوال: (۴۶۳) ایک عورت قوم شیخ اور اس کا شوہر سید تھا، وہ مر گیا چند بچے اور بیوہ چھوڑی ہے، اب اس عورت کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ عورت نہایت مفلس ہے اور میری رشتہ دار ہے، دوسری ایک عورت قوم شیخ شوہر سید زندہ ہے عورت مفلس ہے اس کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶۴۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ان دونوں عورتوں کو جو کہ مفلس ہیں زکاۃ دینا درست ہے، شوہر کے سید ہونے کی

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۰/۳، کتاب الزّكاة، باب المصرف .

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) لو أراد بعضهم (أي بعض شركاء الأضحيّة) العقيقة عن ولد ...... فإذا قصد بها (أي العقيقة) الشّكر أو إقامة السّنّة فقد أراد القربة إلخ (ردّ المحتار: ۳۹۵/۹، کتاب الأضحية)

وفي جامع الرّموز: ۴۵۸/۳، فإنّ بيع الجلد (أي جلد الأضحية) —— إلىٰ قولهٖ —— يتصدّق بثمنهٖ لأنّ القربة انتقلت إليه إلخ (جامع الرّموز: ۴۵۸/۳، کتاب الأضحية، المطبوعة: مطبع نول كشور، لكهنو) چوں کہ عقیقہ بھی قربت میں قربانی کے مثل ہے، اس لیے بہ علت قربت؛ قربانی کی کھال کی قیمت واجب التصدق ہے؛ اس لیے علت کی بناء پر قیمتِ چرمِ عقیقہ بھی واجب التصدق ہے۔ ظفیر

وجہ سے عورت کو جو کہ خود مفلس ہے اور مالک نصاب نہیں ہے زکاۃ دینا منع نہیں ہے، بلکہ زکاۃ ادا ہو جاتی ہے، اور قرابت دار مفلس کو زکاۃ دینے میں ثواب زیادہ ہے، اور سوائے اولاد و ماں باپ اور زوجین کے سب قرابت داروں مفلسوں کو زکاۃ دینا درست ہے[1] فقط واللہ اعلم (٦/٢٢٣-٢٢٤)

اہلِ نصاب اور سادات کے بچوں کو زکاۃ سے وظیفہ دینا جائز نہیں

سوال: (۴٦۴)...... (الف) اہل نصاب کے بچوں کو زکاۃ کے مد سے وظیفہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) [ایسے لڑکے اگر سید ہوں تو ان کو وظیفہ زکاۃ سے مل سکتا ہے یا نہیں؟][2]

(۱۰۴۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: (الف-ب) غنی صاحبِ نصاب [اور سادات] کے بچوں کو زکاۃ کی رقم سے وظیفہ دینا جائز نہیں ہے[3] [اور صحیح یہ ہے کہ سادات کو اس زمانے میں بھی زکاۃ دینا درست نہیں ہے[4] (ہدایہ وشامی ودرمختار)] (٦/٢٨٩)

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/٢٥٦-٢٥٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

ولا إلىٰ مَن بَينهُما وِلادٌ (الدّرّ المختار) وقيّد بالولاد لجوازه لبقيّة الأقارب إلخ بل هم أولىٰ لأنّه صلة وصدقة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/٢٦۴-٢٦٥، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) سوال وجواب میں قوسین والی عبارات کا اضافہ رجسٹر نقول فتاویٰ سے کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) ولا يجوز دفعها إلىٰ ولد الغني الصّغير كذا في التّبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/١٨٩، كتاب الزّكاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

(۴) ولا إلىٰ بني هاشم ...... ثمّ ظاهر المذهب إطلاق المنع (الدّرّ المختار) قوله: (إطلاق المنع إلخ) يعني سواء في ذلك كلّ الأزمان، وسواء في ذلك دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/٢٧٠، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)

هٰكذا في الهداية: ۱/٢٠٦، كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقات إليه ومن لايجوز.

سید اور ہندو مفلس کا قرضہ زکاۃ سے ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۶۵)......(الف) ایک سید کے ذمے ایک مسلمان کا قرضہ ہے آیا وہ قرضہ مدزکاۃ سے ادا کیا جاسکتا ہے؟

(ب) ایک ہندو مفلس کے ذمے کسی غریب مسلمان کا قرضہ ہے یہ قرضہ زکاۃ سے ادا ہوسکتا ہے؟ (۸۲/۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف-ب) ان دونوں صورتوں میں زکاۃ کے روپے سے قرضہ ادا نہیں کیا جاسکتا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۴۲)

غیر مسلم کو زکاۃ دینا درست نہیں

سوال: (۴۶۶) زکاۃ کا دینا کافروں کو درست ہے یا نہیں؟ آیت کریمہ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ سے کیا مراد ہے؟ (۱۳۴۲/۲۶۲۱ھ)

الجواب: زکاۃ کی تعریف درمختار وغیرہ میں یہ کی ہے: تمليك ...... جزء مال ...... عيّنه الشّارع ...... من مسلم فقير إلخ[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ زکاۃ شریعت میں اس کو کہتے ہیں کہ اپنے مال کا ایک حصہ معینہ جو کہ شارع علیہ السلام نے معین فرمایا ہے؛ مثلاً چالیسواں حصہ مسلمان محتاج کو دیا جاوے اور اس کو مالک بنا دیا جاوے، پس معلوم ہوا کہ زکاۃ کے ادا کے لیے یہ شرط لازمی ہے کہ مسلمانوں کو دی جاوے جو کہ مصرفِ زکاۃ ہوں، اور آیت کریمہ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ الآية﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۶۰) میں فقراء و مساکین سے مراد مسلمان فقراء و مساکین ہیں بہ اجماع امت، البتہ نفلی صدقہ ذمیوں یعنی کافروں کو دیا جاسکتا ہے، ایسا ہی لکھا ہے درمختار میں:

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

ولا تدفع إلٰى ذمّي لحديث معاذ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۲/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۶۰/۳-۱۶۲، كتاب الزّكاة، قبيل مطلب في أحكام المعتوه.

وجاز دفع غيرها وغير العشر و الخراج إليه أي الذّمّي[1] یعنی زکاۃ وعشر وخراج کے سواء دوسرے صدقات ذمی ـــــ کافر ـــــ کو دینا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (٦/٢٧٦-٢٧٧)

ہندو فقیر کو زکاۃ دینا درست نہیں، نفلی صدقہ دینا درست ہے

سوال: (٤٦٧) ہندو فقیر کو اللہ واسطے دینا یا زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ (٦٦١/٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: ہندو فقیر ومحتاج کو اللہ واسطے دینا درست ہے؛ لیکن زکاۃ کا روپیہ پیسہ ہندو کو دینا درست نہیں ہے[2] {نفلی صدقہ دے سکتا ہے}[3] فقط واللہ اعلم (٦/٢٠٤)

زکاۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ، غیر مسلم کو دینا کیسا ہے؟

سوال: (٤٦٨) مال زکاۃ اور گوشت قربانی اور صدقۂ فطر اور صدقہ نذر اللہ غیر مذہب والوں کو دینا درست ہے یا نہیں؟ (٤٦٤/٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: مال زکاۃ غیر مذہب والوں کو دینا درست نہیں ہے۔ کما ورد: تؤخذ من أغنيائهم الحديث[4] البتہ سوائے مال زکاۃ کے صدقہ نذر اللہ یا گوشت قربانی اور صدقۂ فطر غیر مذہب والوں کو دینا درست ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وجاز دفع غيرها إلخ ـــــ أي غير زكاة ـــــ إليه أي الذّمّي و لو واجبًا كنذر و كفّارة وفطرة إلخ[5] فقط واللہ اعلم

(١) اس عبارت سے پہلے یہ عبارت ہے: ولا تدفع إلى ذمّي لحديث معاذ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٧٢/٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة) ظفیر

(٢) ولا يجوز أن يدفع الزّكاة إلى ذمّي ويدفع إليه ما سوى ذٰلك من الصّدقة. (الهداية: ٢٠٥/١، كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقات إليه ومن لا يجوز) ظفیر

(٣) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(٤) عن ابن عبّاس أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بعث معاذًا إلى اليمن فقال: ـــ إلى قوله ـــــ تؤخذ من أغنيائهم فتردّ على فقرائهم الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:١٥٥، كتاب الزّكاة، الفصل الأوّل)

(٥) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٧٢/٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(مگر مسلمان فقراء کو دینا بہتر ہے[۱] ظفیر) (۲۲۰/٦)

عیسائی اور ہندو یا اُن کے مدرسہ کو زکاۃ دینی درست نہیں

سوال: (۴٦۹) کیا ہندو محتاج یا ہندو مدرسہ میں زکاۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے؟ اسی طرح عیسائی شخص اور مدرسہ کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۲۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا نہ ہوگی زکاۃ مسلمان محتاج کو دینی ضروری ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۲۴۷-۲۴۸)

زکاۃ کی رقم میں سے قرض دینا اور تجارت میں لگانا کیسا ہے؟

سوال: (۴۷۰) کیا زکاۃ کا روپیہ تجارت میں لگایا جا سکتا ہے؟ اور اس سے جو منافعہ ہو وہ اپنے ذاتی صرف میں لایا جا سکتا ہے، جب کہ اصل مامون و محفوظ ہو؟ (۸۲/۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا نہ ہوگی، زکاۃ کے روپیہ کا مالک بنانا ایسے مسلمان کو

---

(۱) واختلفوا في صدقة الفطر والنّذور والكفّارات، قال أبو حنيفة ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالٰى يجوز إلّا أنّ فقراء المسلمين أحبّ إلينا كذا في شرح الطّحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۸، كتاب الزّكاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

(۲) ولا تدفع ـــ أي الزّكاة ـــ إلٰى ذمّي لحديث معاذ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۲/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)

حدیث معاذ یہ ہے جو فتح القدیر سے شامی نے نقل کی ہے: ولفظُ الحَديثِ على ما في الفتحِ مِن روايةِ أصحابِ الكُتُبِ السِّتَّة: إنّك ستأتي قومًا أهلَ كتابٍ فادعُهُمْ إلٰى شهادةِ أن لآ إلٰه إلّا اللّٰه وأنّي رسولُ اللّٰهِ، فإن هُم أطاعوكَ لذٰلكَ فأعْلِمْهُمْ أنّ اللّٰهَ افترضَ عليهم خَمسَ صَلواتٍ في كلّ يومٍ وليلةٍ، فإن هُم أطاعوكَ لذٰلك فأعلمهُم أنّ اللّٰهَ افترضَ عليهم صدقةً تؤخذُ مِن أغنيائهم فتُردُّ علٰى فقرائهم إلخ .... وضمير فقرائهم للمسلمينَ فلا تدفع إلٰى مَن كان من المؤلّفة كافرًا أو غنيًّا وتدفع إلٰى مَن كان منهم مسلمًا فقيرًا بوصف الفقر. (ردّ المحتار: ۲٦۰/۳-۲٦۱، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

جو کہ مالکِ نصاب نہ ہو اور سید نہ ہو ضروری ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۵/۶)

سوال: (۴۷۱) کسی نے سو روپے مثلاً زکاۃ کے نکال کر علیحدہ رکھ دیا، لیکن اسی کے قبضہ میں ہے، بلا کسی کی تملیک کرائے ہوئے وہ اس روپیہ میں سے کسی کو قرض دے سکتا ہے یا نہ؟ یا زکاۃ کے روپے کو تجارت میں لگا دے اور نفع کو بھی زکاۃ والوں کا حق سمجھے تو جائز ہے یا نہ؟ (۲۱۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جب تک وہ روپیہ جو بہ نیت زکاۃ علیحدہ رکھ دیا ہے فقراء ومساکین کو نہ دیدیا جاوے اور ان کو مالک نہ بنادیا جاوے اس وقت تک وہ روپیہ صاحب نصاب کی ملک ہے [2] اگر اس کو کسی کو قرض دے دیوے یا تجارت میں لگا دیوے درست ہے، لیکن پھر جس وقت وہ روپیہ بعد واپس لینے کے یا اور روپیہ اپنے پاس سے زکاۃ میں دیوے تو پھر نیت زکاۃ کی کرنی چاہیے، اور تجارت میں جو نفع ہو وہ روپیہ والے کا ہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۸/۶)

وضاحت: اس سوال کے جواب کے آخر میں مرتب رحمہ اللہ نے یہ استدرا کی نوٹ لکھا تھا کہ ''صورت مسئولہ میں زکاۃ ادا نہ ہوگی، زکاۃ کی رقم سے بلا تملیکِ مستحق تجارت میں لگانا اور قرض دینا درست نہیں ہے۔ ظفیر''

حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا استدرا کی نوٹ غالباً سابقہ سوال کے پیش نظر لکھا ہے، حالانکہ دونوں جواب اپنی اپنی جگہ بالکل درست ہیں، نہ کسی وضاحت کی حاجت ہے نہ کسی استدراک کی؛ اس لیے یہ نوٹ حذف کیا گیا ہے۔

دونوں جوابوں کا حاصل یہ ہے کہ زکاۃ کی رقم تجارت میں لگا دینے سے یا قرض دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، مگر چوں کہ تملیکِ مستحق سے پہلے بہ نیت زکاۃ علیحدہ رکھی ہوئی رقم صاحبِ نصاب ہی کی ملک ہے؛ اس لیے اس میں سے قرض دینا جائز ہے اور تجارت کی صورت میں نفع بھی اسی کا ہے اور دونوں صورتوں میں زکاۃ اس کے ذمہ دَین ہے۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۰-۱۱) محمد امین

---

(۱) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۲) ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء (الدّرّ المختار) قوله: (ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لا تسقط عنه الزّكاة، ولو مات كان ميراثًا عنه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۷۶/۳، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

زکاۃ کی رقم جمع کر کے تجارت میں لگانا درست نہیں

سوال: (۴۷۲) اگر چند اشخاص دولت مند کئی ہزار روپیہ زکاۃ کا جمع کر کے چند فقیر لوگوں کے سپرد اس غرض سے کردیں کہ وہ روپیہ حق داران زکاۃ کو حسبِ ضرورت دیتے رہیں، وہ لوگ جن کی سپردگی میں مال زکاۃ دیا گیا ہے وہ اس مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲۶۴۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ جائز ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص اپنے مال کی زکاۃ کا روپیہ نیت زکاۃ سے علیحدہ کر کے رکھ لیں، یا کسی کے سپرد کردیں کہ وہ شخص حسب ضرورت اس رقم زکاۃ کو فقراء ومساکین پر صدقہ کرتا رہے[1] مگر اس شخص کو یہ درست نہیں ہے کہ اس مال زکاۃ کو تجارت میں لگاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۴۰)

قیمت چرم قربانی سے تجارت کرنا اور اس کا نفع مستحقین کو پہنچانا درست نہیں

سوال: (۴۷۳) قیمت چرم قربانی بہ مجرد وصول مستحقین کو دے دی جاوے یا اندوختہ کر کے بہ تدریج اس سے مستحقین کا تکفل کیا جاوے تو کچھ قباحت تو نہیں ہے؟ اگر اس اندوختہ سے کوئی تجارت کر کے اس کے منافع سے مستحقین کی کفالت کی جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہ؟ اگر چرم قربانی جمع کر کے کسی مہتمم مدرسہ کی ملک قرار دی جائے یا کسی کے اختیار میں دے دی جائے تو اس سے وہ مالک یا مختار مدرسین علوم دینیہ کی تنخواہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۹۱۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بہتر ہے کہ بہ مجرد وصول مستحقین کو دے دی جاوے، طلبہ ہوں یا غیر طلبہ اور مدارس میں دے کر اگر طلبہ کے خرچ کے لیے رکھا جاوے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے، اور اس اندوختہ

(۱) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء إلخ أو مقارنة بعزل ما وجب كلّه أو بعضه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳-۱۷۶، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

سے تجارت کرنا اوراس کا نفع مستحقین کو پہچانا درست نہیں ہے، بلکہ اس قیمت چرم قربانی کو صدقہ کرنا فقراء پر واجب ہے اور مالک بنانا ان کو شرط ہے [1] اور مہتمم مدرسہ کو جو کہ مالکِ نصاب ہو دینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر مہتمم مدرسہ کو وکیل اس کا بنایا جاوے کہ وہ اس قیمت کو اپنے پاس رکھے اور اپنی تحویل میں لیوے اور وقتاً فوقتاً طلبہ کی ضروریات میں صرف کرے تو یہ جائز ہے، اور ملازمین اور مدرسین کی تنخواہ دینا اس میں سے جائز نہیں ہے، البتہ بعد حیلۂ تملیک ایسا ہوسکتا ہے جیسا کہ زکاۃ کا حکم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲٦۳-۲٦۴)

مستحق دوست کو زکاۃ دینا اور اس کی طرف سے تجارت میں لگانا کیسا ہے؟

سوال: (۴۷۴) ایک شخص صاحبِ نصاب ہے اور وہ زکاۃ اپنے مال سے علیحدہ کرکے اپنے کسی رفیق کو دیتا ہے، بلکہ اس رقم زکاۃ سے اس رفیق کے فائدہ کے لیے تجارت کرتا ہے آیا وہ زکاۃ تنہا ایک رفیق کو جو ایک قبیل دار ہے درست ہے یا نہیں؟ (۱۴۳۳/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ تو شرعًا درست ہے کہ کسی صاحبِ حاجت غیر مالکِ نصاب صاحبِ عیال کو زیادہ رقم زکاۃ کی دے دیوے؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس شخص کو وہ رقم دے دی جاوے اور اس کو مالک کردیا جاوے، پھر چاہے وہ تجارت میں لگاوے یا خرچ کرے؛ پس یہ صورت جو سوال میں درج ہے کہ صاحبِ نصاب خود ہی اس رفیق کے لیے رقم زکاۃ کو تجارت میں لگادیوے درست نہیں ہے، اور اس سے زکاۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ صورت جواز یہ ہے کہ پہلے وہ رقم زکاۃ اس رفیق کو دے دی جاوے پھر چاہے وہ رفیق اپنی طرف سے تجارت میں لگانے کے لیے اسی کو دے دیوے

(۱) مصرف الزّكاة إلخ (وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة إلخ. شامي) هو فقير وهو مَن لهٗ أدنىٰ شيء أي دون نصاب إلخ، ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۵٦-۲٦۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

جس نے زکاۃ دی ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۶۴)

مصارف زکاۃ سے متعلق چند ضروری مسائل

سوال: (۴۷۵)......(الف) ایسے پیشہ ور گداگروں کو جو محنت ومزدوری کر سکتے ہوں زکاۃ کا روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اکثر مقامات پر جمعہ کے دن فقیروں کو غلہ، روپیہ تقسیم کیے جاتے ہیں اور فقیروں میں مستحقین وغیر مستحقین کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہوتا، پس اس طریقہ پر خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی خیرات سے کوئی ثواب حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(ج) جن گداگروں کی نسبت گمان غالب ہو کہ وہ لوگ خیرات یا زکاۃ لے کر ناجائز کاموں میں صرف کرتے ہیں تو ان لوگوں کو خیرات یا زکاۃ دینا گناہ ہے یا نہیں؟

(د) زکاۃ کا بہترین مصرف موجودہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے کیا ہے؟

(ہ) زکاۃ کا روپیہ مساجد ومکاتب اور یتیم خانوں پر صرف کرنا بہترین مصرف ہے یا نہیں؟

(و) زکاۃ کے روپیہ سے طلبہ کو وظائف دیئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۲۴۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اولاً چند امور تمہیداً لکھے جاتے ہیں ان کے بعد جواب سوالات نمبروار لکھا جاوے گا:

تمہیداً اوّل: مصارف زکاۃ وصدقات واجبہ فقراء اور مساکین وغیرہما ہیں جو آیت: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۶۰) میں مذکور ہیں۔

دوم: زکاۃ اور صدقات واجبہ میں تملیک یعنی مالک بنانا شرط ہے؛ جیسا کہ ﴿لِلْفُقَرَآءِ﴾ کے لام سے یہ مطلب مفہوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ لام تملیک کا ہے اور فقہاء حنفیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ زکاۃ میں مالک بنانا محتاج کا شرط ہے؛ جس جگہ تملیک نہ پائی جاوے گی وہاں صرف کرنے

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو مَن له أدنٰى شيء أي دون نصاب إلخ ، ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا إلخ إعطاء فقير نصابًا أو أكثر إلاّ إذا كان المدفوع إليه مديونًا أو كان صاحب عيال بحيث لو فرّقه عليهم لايخُصّ كلاّ أو لا يفضل بعد دَينهٖ نصاب فلايكره، فتح. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۷۴، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

سے زکاۃ ادا نہ ہوگی؛ جیسے تعمیر ومرمت مساجد یا تعمیر مدارس وغیرہ یا تکفین میت کہ ان چیزوں میں صَرف کرنے سے زکاۃ ادا نہ ہوگی (۱)

سوم: یہ کہ جن مصارف میں صرف کرنے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی جیسے تعمیر مساجد وغیرہ وتکفین میت ان میں صرف کرنے کے لیے فقہاء نے یہ حیلہ لکھا ہے کہ اوّل کسی ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو رقم زکاۃ اس کی ملک کردی جاوے، بعد مالک ہونے کے وہ شخص اپنی طرف سے تعمیر ومرمت مسجد وغیرہ یا تکفین میت میں صرف کردیوے۔ کما في الدّرّ المختار: وحیلة التّکفین بها التّصدّق علیٰ فقیر ثمّ هو یکفّن فیکون الثّواب لهما، وکذا في تعمیر المسجد (۲) اور حیلہ میت پر کفن ڈالنے کا مال زکاۃ سے یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکاۃ دیا جاوے، پھر وہ اپنی طرف سے میت کے کفن میں صرف کرے؛ سو حاصل ہوگا ثواب دونوں کو، اور یہی حیلہ ہے تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنے کا، اور شامی نے کہا کہ دونوں کو ثواب حاصل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زکاۃ دینے والے کو زکاۃ دینے کا ثواب حاصل ہوگا، اور کفن ڈالنے کا ثواب اس فقیر کو ہوگا جس نے اپنی طرف سے کفن ڈالا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زکاۃ دینے والے کو تکفین کا بھی ثواب ملے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے: الدّال علی الخیر کفاعله، ایسا ہی ہے طحطاوی میں، اور امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔ لو مرّت الصّدقة علی یدي مائة لکان لهم من الأجر مثل أجر المبتدي من غیر أنّ ینقص من أجره شیءٌ (۳) ترجمہ: اگر صدقہ سو ہاتھوں پر کو گزرے تو ہر ایک کو ان میں سے ابتداءً دینے والے کے برابر ثواب ہوگا؛ بدون اس کے کہ ابتداء کرنے والے کے ثواب میں کچھ

---

(۱) ویشترط أن یکون الصّرف تملیکًا لا إباحةً .... لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد ولا إلیٰ کفن میّت إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۳، کتاب الزّکاة، باب المصرف)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۷/۳، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً.

(۳) أي ثواب الزکاة للمزکي و ثواب التّکفین للفقیر، وقد یقال: إنّ ثواب التّکفین یثبت للمزکّي أیضًا، لأنّ الدّال علی الخیر کفاعله، وإن اختلف الثّواب کمًّا وکیفًا، ط. قلت: وأخرج السّیوطيّ في الجامع الصّغیر: لو مرّت الصّدقة علی یدي مائة إلخ. (ردّ المحتار: ۱۷۷/۳-۱۷۸، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

کمی ہو، اور سو ہاتھوں پر گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے نے کسی کو صدقہ دیا پھر اس نے دوسرے کو صدقہ دے دیا اور اس نے تیسرے کو دے دیا اس طرح سلسلہ چلتا رہا۔

چہارم: یہ کہ اگر کسی کو محتاج سمجھ کر زکاۃ دی گئی اور بعد میں ثابت ہوا کہ جس کو زکاۃ دی گئی وہ غنی صاحب نصاب تھا تو زکاۃ ادا ہوگئی، دوبارہ دینا لازم نہیں، اور دینے والے کو ثواب پورا ہوا۔ درمختار میں ہے: **دفع بتحرّ لمن يظنّهٗ مصرفًا فبان أنّه عبده إلخ أعادها ...... وإن بان غناه إلخ لايعيد** (۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اپنے گمان میں کسی کو مصرف سمجھا اور مصرف سمجھ کر اس کو زکاۃ دی تو اگر بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ زکاۃ دینے والے کا غلام ہے تو زکاۃ ادا نہیں ہوئی؛ دوبارہ زکاۃ ادا کرے، اور اگر اس کا غنی صاحب نصاب ہونا ظاہر ہوا تو زکاۃ ادا ہوگئی؛ دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، اور مشکاۃ شریف میں بہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحیح بخاری و مسلم سے نقل کیا ہے: **أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰـه عليه وسلّم قال: قال رجلٌ لأ تصدّقنّ بصدقةٍ فخرج بصدقتهٖ فوضعها في يد سارقٍ فأصبحوا؛ يتحدّثون تصدّق اللّيلةَ علٰى سارق، فقال: اللّٰهمّ لك الحمدُ علٰى سارق، لأتصدّقنّ بصدقة، فخرج بصدقته فوضعها في يد زانيةٍ؛ فأصبحوا يتحدّثون تصدّق اللّيلة علٰى زانيةٍ، فقال: اللّٰهمّ لك الحمد على زانيةٍ، لأتصدّقنّ بصدقة فخرج بصدقته فوضعها في يد غنيّ؛ فأصبحوا يتحدّثون تصدّق اللّيلة على غنيّ، فقال: اللّٰهمّ لك الحمد على سارق و زانية وغنيّ؛ فأُتي فقيل له أمّا صدقتك على سارق، فلعلّه أن يستعفّ عن سرقته، وأمّا الزّانية فلعلّها أن تستعفّ عن زناها، وأمّا الغنيّ فلعلّه يعتبر فيُنفق ممّا أعطاه اللّٰه، متّفق عليه، ولفظه للبخاري** (۲) اس حدیث سے جیسا کہ غنی کو (دینے سے) بہ وجہ لاعلمی کے زکاۃ و دیگر صدقات کے ادا ہو جانے حکم معلوم ہوا، ویسا ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ سارق اور زانیہ کو بہ وجہ لاعلمی کے زکاۃ و صدقات دینے سے ثواب حاصل ہوگا، اور زکاۃ ادا ہو جاوے گی، اور شامی میں ہے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۳/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(۲) عن أبي هريرة أن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: قال رجلٌ الحديث (مشكاة المصابيح: ص:۱۶۵، كتاب الزّكاة، باب الانفاق و كراهية الإمساك، الفصل الثّالث)

کہ جس کو زکاۃ دی جاوے، اگر وہ صورت فقیرانہ ومفلسانہ رکھتا ہے یا فقیروں کے ساتھ ہو کر آیا، یا اس نے سوال کیا اور اس پر زکاۃ دینے والے نے اس کو زکاۃ دے دی تو زکاۃ ادا ہوگئی، اگر چہ بعد میں ظاہر ہو کہ وہ غنی تھا اور مصرف زکاۃ نہ تھا، عبارت شامی یہ ہے: **واعلم أنّ المدفوع إليه لو كان جالسًا في صفّ الفقراء يصنع صُنعهم أو كان عليه زِيُّهم أو سألهُ فأعطاه كانت هذه الأسباب بمنزلة التّحرّي، وكذا في المبسوط حتّٰى لو ظهر غناه لم يعدّ**(۱)

پنجم: یہ کہ تندرست کمانے اور محنت کی طاقت رکھنے والے کو اور اس شخص کو جس کے پاس ایک دن کا کھانے کو ہے سوال کرنا حرام ہے، اور تندرست کمانے کی طاقت رکھنے والے کو عندالبعض دینا بھی گناہ ہے، لیکن طالب علم وغیرہ کو بہ وجہ مشغولی تحصیل علم باوجود صحیح مکتسب ہونے کے دینا اور اس کو لینا درست ہے۔ درمختار میں ہے: **ولا يحلّ أن يسئل شيئًا من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوّة كالصّحيح المكتسب، ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرّم، ولو سأل للكسوة أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد أو طلب العلم جاز لو محتاجًا**(۲) اور عندالبعض کی قید اس لیے لگائی گئی کہ بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ قیاس اگر چہ اس کو مقتضی ہے کہ ایسے لوگوں کو دینا گناہ ہو لیکن بہ تاویل ہبہ اس کو جائز کہہ سکتے ہیں، اور غنی اور غیر محتاج کو ہبہ کرنے میں گناہ نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ زکاۃ میں یہ تاویل نہیں چل سکتی الغرض حاصل یہ ہے کہ باوجود علم کے دینا نہ چاہیے اور لاعلمی میں جو دیا جاوے اس پر مواخذہ نہیں ہے، ان تمہیدات کے بعد جواب مسائل نمبروار حسب تفصیل ذیل ہے:

(الف) اگر وہ گداگر بہ صورت حال محتاج معلوم ہوتے ہیں تو ان کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہوجاوے گی؛ اگر چہ فی الحقیقت وہ مستحق نہ ہو(۳)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۲۷۳، کتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۶، کتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(۳) واعلم أنّ المدفوع إليه لو كان جالسًا في صفّ الفقراء يصنع صُنعهم أو كان عليه زِيُّهُمْ أو سأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التّحرّي وكذا في المبسوط حتّى لو ظهر غناه لم يعدّ. (ردّ المحتار: ۳/۲۷۳، کتاب الزّكاة، باب المصرف)

(ب) دینے والے کو بہ قاعدہ إنّما الأعمال بالنّیات[۱] ثواب حاصل ہوگا، اور زکاۃ بھی ادا ہوجاوے گی۔

(ج) گمان غالب اگر ایسا ہے تو بے شک ان کو زکاۃ وخیرات دینا ناجائز ہے اور گناہ ہے، کیوں کہ یہ اعانت علی المعصیت ہے اور اعانت علی المعصیت حرام ہے۔قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۲)

(د) طالبان علم دین اس زمانے میں بہترین مصارفِ زکاۃ میں سے ہیں، چنانچہ ﴿فِیْ سَبِیْلِ اللّٰــہ﴾ میں فقہاء نے طلبہ علم کو داخل فرمایا ہے، اور طلبہ ابن سبیل میں بھی داخل ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے طالبان علم دین کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کی وصیت فرمائی ہے اور تاکید فرمائی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله [۲] وعن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إن النّاس لكم تبعٌ، وإنّ رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض، يتفقّهون في الدّين؛ فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيرًا. رواه التّرمذي[۲]

(ہ) مساجد کا حکم تمہید دوم سے معلوم ہوا کہ مال زکاۃ کو تعمیر و مرمت مساجد اور فرش وغیرہ ضروریات مساجد میں صرف کرنا درست نہیں ہے؛ مگر بہ حیلہ مذکورہ تمہید سوم، لیکن مکاتب و مدارس دینیہ اور یتیم خانوں کے طلبہ و یتامی غرباء کو زکاۃ دینا درست ہے، اور یہ بہترین مصارف میں سے ہے۔

(و) دیئے جاسکتے ہیں[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۲۵-۲۳۰)

جن کے لیے مانگنا حرام ہے ان کو کچھ دینا کیسا ہے؟

سوال: (۴۷۶) ہر شخصے کہ سوال شرعًا حرام است اُورَا دادن چہ حکم دارد؟ (۶۴۲/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

(۱) الأشباه و النّظائر مع غمز عيون البصائر: ۱/۶۴، الفنّ الأوّل في القواعد الكلّيّة، القاعدة الأولی: لا ثواب إلّا بالنّيّة، المطبوعة: مكتبه زكريا، ديوبند.

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۳۴، كتاب العلم، الفصل الثّاني.

(۳) وفي سبيل الله إلخ، وقيل: طلبة العلم إلخ. (الـدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۶۱، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

ترجمہ سوال: (٤٧٦) جس شخص پر سوال کرنا شرعًا حرام ہے اس کو دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرّم [1] (درّ مختار) اور شامی میں شرح مشارق سے یہ نقل کیا ہے کہ قیاس یہی ہے کہ دینے والا آثم ہو؛ لیکن اس کو ہبہ علی الغنی خیال کر کے دینے والے کو آثم نہ کہا جاوے گا، پھر اس میں بھی کچھ بحث کی ہے [2] بہر حال باوجود علم حال سائل وغناء اُو دینا اچھا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٠٣)

جن کا پیشہ مانگنے کا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ مال دار ہیں ان کو دینا درست نہیں

سوال: (٤٧٧) جو لوگ سوال پیشہ ہیں ان کو [3] دینا درست ہے یا نہ؟ (٦٦١/٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: ایسے فقیروں کو جن کا پیشہ مانگنے کا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ اکثر متمول ہوتے ہیں دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٠٤)

غریب جو مال دار کے ساتھ کھانا پکاتا ہے مصرف زکاۃ ہے

سوال: (٤٧٨) مال دار اور غریب ایک ساتھ کھانا پکاتے ہیں غریب مصرف زکاۃ ہے یا نہ؟ (٥٩٤/١٣٤٠ھ)

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٧٦، کتاب الزّکاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

(٢) قال الأکمل في شرح المشارق: وأمّا الدّفع إلی مثل هذا السّائل عالمًا بحاله فحکمهٗ في القیاس الإثم به؛ لأنّهٗ إعانةٌ علی الحرم، لکنّهٗ یجعل هبة، وبالهبة للغني أو لمن لایکون محتاجًا إلیه لا یکون آثمًا أهـ ، أي لأنّ الصّدقة علی الغنيّ هبة إلخ . (ردّ المحتار: ٣/٢٧٦، کتاب الزّکاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة)

(٣) مطبوعہ فتاویٰ میں ''ان کو'' کے بعد ''زکاۃ'' تھا، مگر رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کیا ہے۔ ١٢

الجواب: وہ غریب مصرف زکاۃ ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۰/۶)

باپ کی مال داری بالغ اولاد کے لیے زکاۃ لینے سے مانع نہیں

سوال: (۴۷۹) والد کی زندگی میں جو چیز وراثت میں ملے گی وہ مانع زکاۃ ہے یا نہیں؟ (۵۹۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: والد کی حیات میں اس کی اولاد مالک اس کے مال کی نہیں ہے، لہٰذا وہ مانع عن اخذ الزکاۃ اولاد بالغین کے لیے نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۸/۶)

جس کے پاس اتنی جائداد ہے کہ حوائج ضروریہ بہ مشکل پورے ہوتے ہیں اس کے لیے زکاۃ لینا درست ہے

سوال: (۴۸۰) ایک شخص کی جائداد قیمت کے اعتبار سے نصابِ زکاۃ سے بہت زیادہ ہے، مثلاً سودوسوروپیہ منافع کی ہے، لیکن سال بھر میں منافع خرچ ہوکر کچھ نہیں بچتا، بلکہ حوائج ضروری بہ مشکل پورے ہوتے ہیں تو ایسے شخص کو زکاۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۹۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: شامی میں ہے: سئل محمّد عمّن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلّها أو دار غلّتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنةً يحلّ له أخذ الزّكاة إلخ[2] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو زکاۃ لینا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۵/۶)

جس کے پاس ۳۰، ۴۰ بیگھہ زمین ہے مگر گزارے کے بہ قدر آمدنی نہیں ہوتی اس کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۴۸۱) ایک بیوہ عورت کے پاس ۳۰، ۴۰ بیگہ زمین ہے، مگر گرانی وخشک سالی کی

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ ومسكين إلخ (الدّرّالمختار مع ردّالمحتار: ۲۵۶/۳-۲۵۷ كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۲۶۷/۳، الزّكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنيّةً؟

وجہ سے اس کے پاس گزارہ کے موافق آمدنی نہیں، اگر کوئی رشتہ دار اس کو زکاۃ دے دے تو ادا ہوجاوے گی یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۹۷۱ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا ہوجاوے گی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۰/۶-۲۶۱)

جس کے پاس صرف کاشت کی زمین ہے وہ زکاۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۸۲) جس کے پاس اراضی ہو اور نقد روپیہ نہ ہو اس کو زکاۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۱۵۷ھ)

الجواب: اگر گزر کے موافق جائداد اور زمین نہ ہو تو اس کو زکاۃ و صدقات لینا درست ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۳/۶)

جس کے پاس رہائش کے علاوہ دوسرا مکان ہے وہ مصرفِ زکاۃ ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۸۳) کسی کے پاس علاوہ رہنے کے مکان کے دوسرا مکان ہے جس کی قیمت نصاب سے زیادہ ہے تو وہ مصرفِ زکاۃ ہے یا نہیں؟ اور اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۵۳ھ)

الجواب: اگر اس کے پاس علاوہ مکان کے اور مال بہ قدر نصاب نہیں ہے، اور کرایہ کی آمدنی اس کے پاس بہ قدر نصاب جمع نہیں ہے، اور وہ حاجت مند ہے، اور وہ دوسرا مکان تجارت کے لیے نہیں ہے تو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے، اور اس پر قربانی واجب نہیں ہے (۱) فقط واللہ اعلم (۲۷۹/۶)

---

(۱) وذُكر في الفتاوى فيمن له حوانيتُ و دورٌ للغلّة لكنّ غلّتها لا تكفيه وعيالهُ أنّه فقير ويحلّ له أخذ الصّدقة عند محمّد إلخ، وفيها: سئل محمّد عمّن له أرض يزرعها أو حانوتٌ يستغلّها أو دارٌ غلّتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنةً يحلّ له أخذ الزّكاة، وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفًا وعليه الفتوى. (ردّ المحتار: ۲۶۷/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنيّةً؟) ظفير

ایک تنگ دست کے نیوتا کا روپیہ نصاب کے برابر ہو مگر وصول نہیں ہوا ہے تو ایسے شخص کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۸۴) ایک شخص کے پاس نوتا کا روپیہ ہے جو نصاب کو پہنچتا ہے اور وہ وقت معہود پر ملے گا لیکن اس وقت وہ فقیر اور مسکین کے برابر ہے، ایک شخص نے اس کو زکاۃ کا روپیہ دے دیا تھا، آیا اس کی زکاۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ (۱۲۴۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نوتا کا روپیہ جو لوگوں کی ذمہ ہے اس کے آنے نہ آنے اور وصول ہونے اور نہ ہونے میں تردد ہے، اس لیے اس کو اگر زکاۃ دی جاوے گی ادا ہو جاوے گی، کیوں کہ سردست وہ فقیر ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۳۰)

جس کی آمدنی کافی ہے مگر صاحبِ نصاب نہیں اس کو زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (۴۸۵) جس شخص کی آمدنی ماہواری تو معقول ہو لیکن سال بھر تک اس کے پاس قدر نصاب جمع نہیں رہتا، اور وہ صاحب زکاۃ نہیں ہے؛ ایسے شخص کو مال زکاۃ یا صدقہ نافلہ سے دینا اور اس کو لینا کیسا ہے؟ (۱۵۱۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس کو مال زکاۃ یا صدقۂ نافلہ دینا درست ہے اور اس کو لینا بھی جائز ہے [۲] فقط (۶/ ۲۳۲-۲۳۳)

جس کی آمدنی ناکافی ہو اس کو زکاۃ دینا جائز ہے

سوال: (۴۸۶) ایک شخص کو سو روپیہ سالانہ کی آمدنی اپنے مکان سے ہے اور خرچ اس کا تین سو روپیہ سالانہ کا ہے اس کو زکاۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۶۴۱/ ۱۳۳۷ھ)

---

(۱) ویجوز صرفها إلی من لا یحلّ له السّوال إذا لم یملك نصابًا. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۸۹، کتاب الزّکاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

(۲) ویجوز دفعها إلی من یملك أقلَّ من النّصاب، وإن کان صحیحًا مکتسبًا، کذا في الزّاهدي. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۸۹، کتاب الزّکاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

الجواب: وہ شخص مصرف زکاۃ ہے اس کو زکاۃ دینا جائز ہے[۱] کذا في الشّامي کتاب الزّکاۃ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٤٠)

جس کی آمدنی کافی ہے مگر مقروض ہے اس کو زکاۃ دینا درست ہے

سوال: (۴۸۷) جس شخص کو آمدنی کافی ہو لیکن وہ مقروض ہو اور قرض ادا نہ کر سکے تو اس کو زکاۃ دینے سے زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۹۷۱ھ)

الجواب: اس صورت میں زکاۃ ادا ہو جاوے گی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٦١)

صاحبِ جائداد صحرائی مقروض ہے تو مالِ زکاۃ سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے؟

سوال: (۴۸۸) اگر کوئی شخص مقروض ہے اور اس کے پاس صحرائی جائداد ہے تو مالِ زکاۃ سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ادا کیا جاسکتا ہے تو زیادہ سے زیادہ کتنا روپیہ اس کے قرض میں دیا جاسکتا ہے؟ (۱۵٦٦/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مالِ زکاۃ قرض میں محسوب ہوگا، مثلاً اس صورت میں روپیہ جو موجود ہے وہ قرض کے ادا کے لیے مقرر کیا جائے گا نہ جائداد صحرائی، درمختار میں ہے: ولو له نصب صرف الدّین

(۱) ولا إلیٰ غني یملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیّة (الدّرّ المختار) قال في البدائع: قدر الحاجة هو ما ذکره الکرخي في مختصره فقال: لا بأس أن یعطی من الزّکاة من له مسکن، وما یتأثّث به في منزله وخادم وفرس وصلاح وثیاب البدن وکتب العلم إن کان من أهله إلخ، وذکر في الفتاوی فیمن له حوانیتُ و دورٌ للغلّة لکن غلّتها لا تکفیه وعیاله أنّه فقیر و یحلّ له أخذ الصّدقة عند محمّد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲٦٦-۲٦۷، کتاب الزّکاة، باب المصرف، قبیل مطلب فی جهاز المرأة هل تصیر به غنیّةً؟) ظفیر

(۲) ومنها الغارم وهو مَن لزمه دَین، ولا یملك نصابًا فاضلاً عن دینه، أو کان لهٗ مال علی النّاس لا یمکنه أخذه ...... والدّفع إلیٰ من علیه الدّین أولیٰ من الدّفع إلی الفقیر. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۸۸، کتاب الزّکاة، الباب السّابع في المصارف) ظفیر

لأیسرها قضاءً شامی میں ہے: كأن يكون عنده دراهمُ ودنانيرُ وعروضُ التّجارة وسوائمُ يُصرف الدّين إلى الدّراهم والدّنانير إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۰۶-۲۰۷)

وضاحت: اس سوال کے جواب پر حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے یہ نوٹ لکھا تھا کہ ''بہ ظاہر سوال سے جواب کو کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔۱۲ظفیر''

یہ نوٹ اُس صورت میں صحیح ہے جب کہ سوال میں مذکور لفظ ''مالِ زکاۃ'' سے مراد کسی دوسرے شخص کے مال کی زکاۃ ہو، اور یہی معنی متبادر ہیں اور اس صورت میں جواب یہ ہوگا: ''مالِ زکاۃ سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے اور قرض کے بہ قدر روپیہ دیا جا سکتا ہے''؛ لیکن حضرت مجیب قدس سرہٗ نے ''مالِ زکاۃ'' سے ''نصابِ زکاۃ'' سمجھا ہے، اور اسی کے پیشِ نظر جواب لکھا ہے، یعنی ایک شخص کے پاس صحرائی جائداد بھی ہے، اور مالِ زکاۃ یعنی روپے، سونا، چاندی وغیرہ بھی ہے اور وہ مقروض بھی ہے؛ تو قرضہ میں حاجتِ اصلیہ سے زائد صحرائی جائداد محسوب ہوگی اور مال کی زکاۃ واجب ہوگی؟ یا جو روپیہ موجود ہے وہ قرض میں محسوب ہوگا، اور زکاۃ واجب نہ ہوگی؛ جب کہ قرض سے فاضل مال بہ قدر نصاب نہ بچے؟ حضرت مجیب قدس سرہٗ نے جواب ارقام فرمایا ہے کہ ''صحرائی جائداد قرض میں محسوب نہ ہوگی بلکہ جو روپیہ موجود ہے وہ قرض میں محسوب ہوگا''۔ اسی بناء پر حضرت نے دُرمختار اور شامی سے یہ حوالہ نقل فرمایا ہے کہ جس نصاب سے قرض کی ادائیگی آسان تر ہو اس سے قرض ادا کیا جائے گا، اور ظاہر ہے کہ روپیہ سے قرض ادا کرنا بہ نسبت صحرائی جائداد کے آسان ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مجیب قدس سرہٗ نے سوال میں درج لفظ ''مال زکاۃ'' سے جو کچھ سمجھا ہے اس کے پیش نظر جواب سوال کے مطابق ہے اور درست ہے، مگر ''مال زکاۃ'' کے یہ معنی غیر متبادر ہیں، متبادر معنی کے پیش نظر حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کا نوٹ صحیح ہے۔ محمد امین پالن پوری

بیوہ کا قرض اس نیت سے ادا کرنا کہ زکاۃ میں وضع کرتا رہوں گا درست نہیں

سوال: (۴۸۹) ایک عورت بیوہ مستحقِ زکاۃ ہے، اگر کوئی شخص اس عورت کا قرض اس نیت

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۶۹، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

سے ادا کردے کہ آئندہ زکاۃ میں اس روپے کو وضع کرتا رہے گا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۳۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس طرح سے قرض ادا کر دینے سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی، بلکہ ادائے قرض کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ جس قدر روپیہ دینا ہو وہ روپیہ اس بیوہ کو دے کر اس کی ملک کردی جاوے، پھر اس سے لے کر اس کے قرض میں دے دیا جاوے، اس طرح زکاۃ بھی ادا ہوجاوے گی اور قرض بھی ادا ہوجاوے گا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۹/۶)

بیوہ کو زکاۃ سے وظیفہ دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۹۰) کسی مسماۃ بیوہ کی تنخواہ ماہانہ مقرر کی جاے اور نیت یہ ہو کہ یہ تنخواہ[2] زکاۃ میں سے دی جاوے گی جو آئندہ واجب الاداء ہوگی، یہ کارروائی اس حیثیت سے ادائے زکاۃ کے واسطے کافی ہے یا کیا؟ (۲۵۴۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ادائے زکاۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس وقت اس بیوہ کو ماہوار کچھ دیا جاوے یا اس کے دینے کے لیے کچھ روپیہ مثلاً سال بھر یا چھ ماہ کا علیحدہ رکھ دیا جاوے اور بہ وقت علیحدہ کرنے کے نیت زکاۃ کی کی جاوے، پھر وقتاً فوقتاً اگر اس میں سے اس بیوہ کو کچھ دیا جاوے گا تو پھر نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے زکاۃ ادا ہوجاوے گی[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۳۸-۲۳۹)

اپنے باندی غلام کو زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۹۱) اپنے یہاں جو لونڈی غلام ہوں ان کو زکاۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ (۲۵۸۳/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) وحيلةُ الجوازِ أنْ يُعْطِيَ مَدْيُونَهُ الفقير زكاته ثمّ يأخذها عن دَينهِ (الدّرّ المختار) قوله: (وحيلة الجواز) أي فيما إذا كان له دَين علىٰ معسر إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

(۲) یہاں تنخواہ سے مراد وظیفہ ہے۔ محمد امین پالن پوری

(۳) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۴، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفیر

الجواب: اپنے باندی غلام کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے، اور جو لوگ شرعی باندی غلام نہیں ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر خادم وخادمہ جو گھروں میں رہتے ہیں اور وہ باندی غلام نہیں ہیں ان کو زکاۃ دینا جب کہ وہ محتاج ہوں درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢٥٤-٢٥٥)

محتاج خادمہ کو زکاۃ وفطرہ دینا کیسا ہے؟

سوال: (٤٩٢) زکاۃ یا فطرہ کے دام اپنی خادمہ کھانا پکانے والی کو اگر غریب ہووے سکتے ہیں یا نہیں؟ (١٧٨٢/١٣٣٨ھ)

الجواب: اپنی خادمہ پکانے والی کو زکاۃ وفطرہ اس وجہ سے دینا کہ وہ محتاج وغریب ہے اور تنخواہ میں نہ دی جاوے تو یہ درست ہے، البتہ تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے[2] فقط (٦/٢٤٥-٢٤٦)

یتیم لڑکی جو خادمہ ہے اس کے لیے زکاۃ سے زیور کپڑا بنانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (٤٩٣) زید کے یہاں ایک یتیم لڑکی صرف روٹی کپڑا پاتی ہے؛ تو زید زکاۃ کے روپیہ سے اس کے لیے کچھ کپڑا یا زیور بنا سکتا ہے، اور جو عورت زکاۃ کو معاوضہ خدمت کا سمجھے اس کو دینا درست ہے یا نہیں؟ (٩٨٢/١٣٣٥ھ)

---

(١) لا إلیٰ ذمّي إلخ وعبده ومكاتبه ومدبّره وأمّ ولده ...... أي لا يجوز الدّفع إلیٰ هؤلاء لعدم التّمليك أصلاً في غير المكاتب ولعدم تمامه فيه. (البحر الرّائق: ٢/٤٢٣-٤٢٦، كتاب الزّكاة باب المصرف)

وكذا (أجزأه) ما يدفعه إلى الخدم من الرّجال والنّساء في الأعياد وغيرها بنيّة الزّكاة. (الفتاوى الهندية: ١/١٩٠، كتاب الزّكاة، الباب السّابع في المصارف) ظفير

(٢) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

وكذا (أجزأه) ما يدفعه إلى الخدم من الرّجال والنّساء في الأعياد وغيرها بنيّة الزّكاة. (الفتاوى الهندية: ١/١٩٠، كتاب الزّكاة، الباب السّابع في المصارف) ظفير

الجواب: یتیم لڑکی جس کی تنخواہ مقرر نہیں کی گئی صرف روٹی کپڑا دینا مقرر کیا ہے، اس کو زیور زکاۃ سے بنوا دینا درست ہے، یا اس کو نقد دے دے یہ بھی درست ہے[1] کپڑا جو اس کا مقرر ہے وہ زکاۃ میں سے نہ بناوے، اور اس دوسری عورت خادمہ کو دینا درست نہیں ہے جو اس کو معاوضہ اپنی خدمت کا سمجھے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢١٠-٢١١)

خبر نہ ہونے کی وجہ سے مالکِ نصاب کو زکاۃ دے دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۹۴) مالِ زکاۃ یا فطرہ یا دیگر صدقات واجبہ اگر ایسے شخص کو دیں کہ وہ مالک نصاب ہو لیکن دینے والے کو خبر نہ ہو؟ (١٢٠٧/١٣٣٥ھ)

الجواب: اگر دینے والے کو اس کے صاحب نصاب ہونے کا علم نہ ہو تو زکاۃ ادا ہو جاوے گی۔ وإن بان غناه إلخ لا يعيد إلخ[2] (درّ مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢١١-٢١٢)

مال دار کے لیے صدقہ ونذر اور زکاۃ لینا حرام ہے

سوال: (۴۹۵) مال دار کو صدقہ اور زکاۃ اور نذر کا مال لینا کیسا ہے؟ (١١٩٠/١٣٣٥ھ)

الجواب: حرام ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٢١١)

---

(١) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ ومسكين إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٥٦-٢٥٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(٢) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٧٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة .

(٣) ولا إلٰى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان (الدّرّ المختار) فإن كان له فضل عن ذٰلك تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصّدقة (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/٢٦٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

مصرف الزّكاة (الدّرّ المختار) وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة كما في القهستاني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٥٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

مال دار پیشہ ور فقراء کو زکاۃ کی رقم دینا درست نہیں

سوال: (۴۹۶) ہمارے یہاں مساکین فقراء ایسے نہیں، جو صدقۂ فطر لینے کے قابل ہوں چوں کہ آج کل فقراء مال داروں سے بہ درجہا بہتر ہیں، اور خاص کر قصبہ ہذا کے فقیر صاحبِ نصاب ہیں، اوران پر زکاۃ فرض ہے، اگر شرعاً یہی حکم ہو کہ ایسے فقراء کو دی جاوے تو ہم کو کوئی عذر نہیں ہے، اور اگر ایسے فقراء کو دینا جائز نہیں تو مدرسہ اسلامیہ میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۸۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ایسے نام کے فقراء کو جو کہ مال دار اور صاحبِ نصاب ہیں صدقۃ الفطر و زکاۃ و دیگر صدقات واجبہ نہ دینا چاہیے[1] بلکہ مدرسہ میں لے کر طلبۂ مساکین وغرباء پر صرف کرنا چاہیے، اور اگر تملیکِ فقیر کے بعد مدرس کی تنخواہ میں دیا جاوے تو درست ہے، اور تملیکِ فقیر کی یہ صورت ہے کہ صدقۃ الفطر یا زکاۃ پہلے ایسے شخص کی ملک کردی جاوے جو کہ واقعی فقیر ہو اور مالکِ نصاب نہ ہو، پھر وہ اپنی طرف سے اس کو داخلِ مدرسہ کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۶/۶)

جو تاجر سرِ دست صاحبِ نصاب نہیں اس کی تملیک جائز ہے

سوال: (۴۹۷) جو شخص صاحب نصاب نہیں ہے اور تجارت کرتا ہے، اور اس میں صرف منافعہ اس کو ملے گا جس کی مقدار اس کو معلوم نہیں ہے، اور اس پر پورا سال بھی نہیں ہے، احتمال ہے کہ پچاس سے زائد ہو، ایسی حالت میں اس کی تملیک جائز ہے یا نہیں؟ (۲۶۴/۱۳۳۶ھ)

الجواب: ایسی حالت میں اس کو اس وقت زکاۃ دینا درست ہے[2] اور جب اس کو نفع مل جاوے گا اور وہ بہ قدر نصاب ہوگا تو اگرچہ سال بھر نہ گزرے تو پھر اس کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۹/۶-۲۲۰)

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو مَن لهُ أدنىٰ شيء أي دون نصاب إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۵۶/۳-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

(۲) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۵۶/۳-۲۵۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفير

جس عالم کے پاس کتب خانہ ہو اُسے زکاۃ لینا کیسا ہے؟

سوال: (۴۹۸) مال زکاۃ عالم کو ـــــ جس کے پاس نقد تو بالکل نہیں مگر کتب خانہ جمع ہے ـــــ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۷۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عالم کے پاس اگر ضرورت سے زیادہ کتابیں نہیں ہیں مثلاً ہر ایک فن کی کتابوں کا ایک ایک نسخہ ہے تو اس کو زکاۃ لینا درست ہے، اور اگر ایک نسخہ سے زیادہ کئی کئی نسخے ہر ایک کتاب کے ہیں یا فقہ وحدیث وتفسیر وغیرہ علوم دینیہ کے سوا دیگر فنون معقولات و تاریخ وغیرہ کی کتابیں نصاب کے قدر ہیں تو اس کو زکاۃ لینا درست نہیں ہے، شامی میں یہ تفصیل مذکور لکھی ہے، اور یہ بھی اس میں ہے کہ کتابیں جو بہ نیت تجارت نہ ہوں وہ عالم کے لیے پاس ہوں یا غیر عالم کے اور ضرورت کے موافق ہوں یا زیادہ ان پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اور اس شخص کو جس کے پاس کتابیں ہیں زکاۃ لینے اور نہ لینے کے بارے میں وہ تفصیل ہے جو اوپر لکھی گئی[1] فقط واللہ اعلم (۲۳۱/۶-۲۳۲)

---

(۱) ولا في ثياب البدن إلخ ، و دور السّكنىٰ ونحوها، وكذا الكتب، وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتّجارة غير أنّ الأهل له أخذ الزّكاة وإن ساوت نصبًا إلّا أن تكون غير فقه و حديث وتفسير أو تزيد علىٰ نسختين منها هو المختار إلخ، وفي الأشباه: الفقيه لا يكون غنيًّا بكتبه المحتاج إليها ، إلّا في دَين العباد فتباع له (الدّرّ المختار) استدراكٌ على التّعميم المأخوذ مِن قولہٖ: ”وإن لم تكن لأهلها“ أي أنّ الكتب لا زكاة فيها على الأهل وغيرهم من أي علم كانت لكونها غير نامية، وإنّما الفرق بين الأهل وغيرهم في جواز أخذ الزّكاة والمنع عنه فمن كان من أهلها إذا كان محتاجًا إليها للتّدريس والحفظ والتّصحيح؛ فإنّه لا يخرج بها عن الفقر فله أخذ الزّكاة إن كانت فقهًا أو حديثًا أو تفسيرًا ولم يفضل عن حاجتہٖ نُسخٌ تُساوي نصابًا، كأن يكون عنده من كلّ تصنيف نسختان، وقيل: ثلاث لأنّ النّسختين يحتاج إليهما لتصحيح كلّ من الأخرى ، والمختارُ الأوّل أي كون الزّائد على الواحدة فاضلاً عن الحاجة ، وأمّا غير الأهل فإنّهم يُحرمون بالكتب مِن أخذ الزّكاة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۱۷۰/۳-۱۷۱، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

جس کے پاس صرف ایک جانور ہے اس کو زکاۃ لینا جائز ہے

سوال: (۴۹۹) ایک شخص کے پاس صرف ایک جانور چالیس پچاس روپے قیمت کا ہے اس کو زکاۃ صدقہ وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۰۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس کو زکاۃ وغیرہ لینا جائز ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۶/٦-۲۵۷)

غیر مستحق کو زکاۃ وغیرہ دینا درست نہیں

سوال: (۵۰۰) زکاۃ اور چرم قربانی وصدقۂ فطر کا روپیہ برادری کے چودھری اگر جبراً وصول کر کے غیر مستحقین کو دیویں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۷٦/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جائز نہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸٦/٦)

مصارف فدیہ کی تفصیل

سوال: (۵۰۱) ...... (الف) مصارفِ فدیہ مفصل تحریر فرمائیں اور فدیہ کی رقم مندرجہ ذیل مصارف میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ غرباء ومساکین مکہ معظّمہ، مظلومین سمرنا، خلافت کمیٹی، تعمیر چاہات ومسافر خانہ ومساجد وغیرہ، خرید کتب احادیث برائے مدرسہ؛ فدیہ کی رقم میں سے کسی عالم یا مولوی مستحق زکاۃ کو ہزار پانچ سو روپیہ کی کتابیں خرید کر دینا جائز ہے یا اُسے نقد روپیہ دے دیا جاوے کہ وہ خود کتابیں خرید کرلے؟

(ب) فدیہ کی رقم کسی یتیم خانہ کے مصارف میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کسی یتیم نابالغ کے ولی کو اس نابالغ کے صرف کے لیے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) فدیہ کی رقم سے کسی مفلس قرض دار کا قرض جائز ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وہ قرض خود ادا کردیا جاوے یا اسے روپیہ دے کر ادا کرادیا جاوے؟

---

(۱) وإن كان عنده طعام شهر وهو يساوي مائتي درهم يجوز صرف الزّكاة إليه. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية: ۱/۲٦٦، كتاب الزّكاة، فصل فيمن توضع فيه الزّكاة) ظفير

(۲) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ٦۰)

(د) فدیہ کی رقم میں سے مدرسہ دینیات کی خرید کتب وغیرہ میں صرف کیا جاوے تو جائز ہے یانہیں؟ (۴۱۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف) فدیہ واجبہ کے مصارف وہی ہیں جو زکاۃ کے مصارف ہیں، اس میں محتاج ومفلس کو مالک بنانا ضروری ہے، خواہ وہ غرباء ومساکین مکہ معظّمہ ہوں، یا مظلومین سمرنا وغیرہ، ان کی ملک ہوجانا ضروری ہے، پس جن مصارف میں تملیک کسی کی نہیں ہوتی ان مصارف میں صرف کرنا اس رقم فدیہ کا درست نہیں ہے، جیسے تعمیر مسجد ومدرسہ وچاہ وخرید کتب احادیث وفقہ وغیرہ؛ اس میں صرف کرنا بلا کسی کی تملیک کے جائز نہیں ہے، اور یہی حکم انگورہ فنڈ وخلافت کمیٹی کا ہے کہ اس میں زکاۃ وفدیہ واجبہ صرف نہیں ہوسکتا، مگر اس حیلہ سے کہ کسی غیر مالک نصاب کی ملک کرکے اس کی طرف سے انگورہ فنڈ وغیرہ میں دے دیا جاوے[1]

(ب) یتیم ونابالغ مفلس کے مصارف میں صرف کرنے کے لیے اسے ولی کو دے دینا درست ہے

(ج) اس رقم سے خود قرض ادا کردینا کسی مقروض مفلس کا درست نہیں ہے؛ البتہ اس مقروض مفلس کو دے دینا درست ہے کہ وہ اپنا قرض ادا کردیوے[1]

(د) خرید کتب وغیرہ اس رقم سے درست نہیں ہے[1] البتہ کسی مدرسہ کے طلبہ مساکین کے مصارف میں صرف کرنا اس رقم کا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۵۸-۲۵۹)

رمضان کے روزہ کا فدیہ ایک فقیر کو دینا ضروری نہیں

سوال: (۵۰۲) ایک شخص کے پاس تخمیناً چار روپے نقد قیمت فدیہ روزہ رمضان شریف کی

---

(۱) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير إلخ ومسكين إلخ ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا لا إباحةً ...... لا يصرف إلٰى بناء نحو مسجد ولا إلٰى كفن ميّت إلخ (الدّرّ المختار) وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة إلخ (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

وحيلة التّكفين بها التّصدّق علٰى فقير ثمّ هو يكفّن فيكون الثّواب لهما وكذا في تعمير المسجد إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

جمع ہے، وہ ایک ہی مسکین کو دی جائے یا دو کو بھی دے سکتے ہیں، دو مسکین کے دینے میں ادائیگیٔ فدیہ میں تو کچھ نقص نہیں آتا؟ (۱۱۵/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: ایک شخص کو دینا اس کا ضروری نہیں ہے، کئی اشخاص مساکین کو بھی دینا درست ہے، فدیہ میں اس سے کچھ نقصان لازم نہ آوے گا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲۴۷-۲۴۸)

قضا نمازوں کے فدیہ کی رقم مستحق اصول وفروع یا شوہر کو دینا درست نہیں اور ایک مستحق کو چند نمازوں کا فدیہ یکبارگی دینا درست ہے

سوال: (۵۰۳)...... (الف) ہندہ فوت ہوئی اور اس نے مثلاً سو روپے کے متعلق یہ وصیت کی کہ یہ رقم میری چار سو قضا نمازوں کے فدیہ میں دے دی جاوے تو وصی کو اس رقم کا حاجت مند اصول وفروع یا زوجِ ہندہ کو دے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اس رقم کا کسی ایک مستحق کو یکبارگی اور دفعۃً دے دینا روا ہے یا نہیں؟ (۸۹۳/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) ہندہ کے اصول وفروع وزوج کو دینا جائز نہ ہوگا[۲] كما في الزّكاة.

(ب) اس میں وہی تفصیل ہے، جو درمختار میں ہے: وكره إعطاء فقير نصابًا أو أكثر إلّا إذا كان المدفوع إليه مديونًا أو كان صاحب عيال بحيث لو فرّقه عليهم لا يخصّ كلًّا أو لا يفضل بعد دينه نصابًا فلا يكره، فتح[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۲۴۸-۲۴۹)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

يصرف المزكّي إلٰى كلّهم إو إلٰى بعضهم ولو واحدًا من أيّ صنف كان. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲٦۲-۲٦۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) ولا يدفع المزكّي زكاة ماله إلٰى أبيه وجدّه وإن علا ولا إلٰى ولده وولد ولده وإن سفل إلخ، ولا تدفع المرأة إلٰى زوجها. (الهداية: ۱/ ۲۰٦، كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقات إليه ومن لايجوز)

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۷۴، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة.

فدیہ کی رقم نیک کام میں لگانا درست نہیں

سوال: (۵۰۴) متوفی کے ذمہ چھ سال کے روزے قضا تھے، اس کے وارث فدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں، فی روزہ مقدار غلہ کی کس قدر ہے؟ کیا ایک وقت میں تمام غلہ یا اس کی قیمت ایک شخص کو دینا یا کسی نیک کام میں صرف کرنا مثل تیاری مسجد یا موسم سرما میں غرباء کو جڑاول (جاڑے کے کپڑے) بنا دینا جائز ہے؟ (۳۱۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: ایک روزہ کا فدیہ انگریزی تول سے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے[1] مثلاً اگر نو سیر ایک روپیہ کے گندم فروخت ہوتے ہیں تو قریب ۳ آنے کے ایک روزہ کا فدیہ ہوا، پس ایک سال کے تیس (۳۰) روزوں کا فدیہ ۵ روپے، دس آنے ہوئے، چھ سال کے روزوں کا فدیہ ۳۳ روپے، بارہ آنے ہوئے[2] یہ رقم فقراء اور مساکین کو تقسیم کردی جاوے، ایک شخص کو دینا ضروری نہیں ہے، اور ایک وقت میں بھی دینا ضروری نہیں ہے، اور تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا درست نہیں ہے، اور یہ جائز ہے[3] کہ موسم سرما میں اس رقم سے لحاف بنا کر یا کمبل خرید کر فقراء کو تقسیم کر دیئے جاویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۲۶۷-۲۶۸)

---

(۱) ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصيّةُ إلخ ، وفدٰی لزومًا عنه أي عن الميّت وليُّه الّذي يتصرّف في مالهٖ كالفطرة قدرًا إلخ بوصيّة من الثّلث (الدّرّ المختار) هي مثل الفطرة من حيث الجنس وجواز أداء القيمة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۶۲/۳، كتاب الصّوم، باب مايفسد الصّوم ومالا يفسده ، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم)

نصف صاع ...... منّ برّ أو دقيقه أو سويقه أو زبيب إلخ أو صاع تمر أو شعير. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۸۶/۳-۲۸۷، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، قبيل مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل) ظفیر

(۲) یہ حساب اور بھاؤ ۱۳۴۲ھ کا ہے، اب غلہ بہت گراں ہو چکا ہے؛ اس لیے قیمت بہت بڑھ جائے گی، کسی واقف سے حساب کرالیا جائے۔ ظفیر۔ واللہ اعلم

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (یہ جائز ہے) کی جگہ ''یہ جائز نہیں ہے'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

فدیہ کی رقم تعمیر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۰۵) ایک شخص بہت مال دار مرا، اس کے ذمے بہت سی نمازیں اور روزے تھے، اور مرتے وقت وصیت وغیرہ کچھ نہیں کی، اب اس کے ورثاء بالغین خاص اپنے ذاتی مال میں سے اس کے روزے نماز کا حساب لگا کر پورا فدیہ ادا کرتے ہیں تو کیا اس صدقہ کی رقم کا تعمیر مساجد میں لگا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۵۹۲ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے اور مسلَّم ہے کہ فدیۂ صیام وصلاۃ بہ صورت ترکِ مال ووصیت (یعنی مال چھوڑنے اور وصیت کرنے کی صورت میں) ادا کرنا ورثہ پر لازم اور واجب ہے، اور اس حالت میں یہ صدقات واجبہ میں سے ہے کہ مصرف اس کا وہی ہے جو کہ مصرفِ زکاۃ ہے، اور تملیکِ فقراء وغیرہم اس میں مثل زکاۃ کے شرط ہے۔ کما في الشّامي في باب مصرف الزّكاة: **وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة كما في القهستاني**[۱] اور جس صورت میں کہ میت نے مال نہ چھوڑا ہو یا مال چھوڑا ہو مگر وصیت نہ کی ہو؛ تو اس کی نسبت فقہاء یہ لکھتے ہیں کہ ورثہ اگر تبرعًا فدیہ اس کی نمازوں اور روزوں کا ادا کریں تو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے؛ تو وہ بھی میت کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ہوجاوے گا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کافی ہوگا تو فقہاءؒ نے تبرعًا فدیہ ادا کرنے کے بارے میں **يجزيه إن شاء اللّٰه تعالىٰ** فرمایا ہے[۲] اس لیے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شرائط فدیہ واجبہ کے ہیں وہی اس میں ملحوظ رکھنی چاہیے؛ مثلاً مقدار فدیہ کی وہی ہوگی جو کہ بہ صورتِ وصیت ہوگی، اسی طرح اس کا مصرف وہی ہونا چاہیے جو فدیہ واجبہ کا ہے، اور تملیک یا اباحت بھی اسی طرح ہونی چاہیے جس طرح فدیہ واجبہ میں ہے، جیسا کہ شامی جلد اوّل باب قضاء الفوائت فدیہ کے بیان میں ہے: **ثمّ اعلم أنّه إذا أوصٰى بفدية الصّوم يحكم بالجواز قطعًا لأنّه منصوص عليه، وأمّا إذا لم يوص فتطوّع بها الوارث فقد قال محمّد في الزّيادات: إنّه يجزيه إن شاء اللّٰه تعالىٰ، فعلق الإجزاء بالمشية لعدم النّصّ إلخ**[۲]

---

(۱) ردّ المحتار: ۲۵٦/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف.

(۲) ردّ المحتار: ۴٦۵/۲، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت.

اس سے معلوم ہوا کہ فدیہ کی حیثیات کا اس تبرع میں لحاظ کرنا چاہیے، البتہ اگر فدیہ صیام وصلاۃ کا ادا کرنا ورثہ کو مقصود نہیں ہے صرف ثواب خیرات پہنچانا ہے تو اس صورت میں مسجد وغیرہ کے مصارفِ خیر میں تعمیر وغیرہ میں جو کچھ صرف کرے گا اور ثواب اس عملِ خیر وصدقہ کا میت کو پہنچاوے گا؛ وہ ثواب میت کو پہنچے گا، مگر فدیۂ صیام وصلاۃ کے ادا ہوجانے اور میت کے سبکدوش ہونے کی ان فرائض سے امید نہ رکھنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۶۹-۲۷۰)

صدقہ اور خیرات فدیہ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۵۰۶) ایک عورت نے بیماری کی حالت میں اپنے شوہر کو وصیت کی کہ میری نماز اور (روزے)[1] قضا شدہ کا فدیہ میرے مرنے کے بعد ادا کرنا، اس وصیت کے بعد وہ فوت ہوگئی، اس کے خاوند نے دفن کرنے سے پہلے کچھ (نقد)[2] اور کپڑا وغیرہ خیرات کیا، مگر بہ وجہ لاعلمی کے اس نے فدیہ کی نیت نہیں کی، علاوہ اس کے آٹھ سات یوم تک اپنی حیثیت کے موافق صدقہ خیرات کرتا رہا، یہ صدقہ اور خیرات فدیہ میں محسوب ہوگا یا نہ؟ (۱۳۴۲/۷/۲۳ھ)

الجواب: وصیت کرنے کی صورت میں اور مال متروکہ چھوڑنے کی صورت میں ادائے فدیۂ نماز وروزہ بہ ذمہ ورثہ واجب ہوجاتا ہے، اور فدیہ واجبہ کا حکم مثل زکاۃ کے ہے کہ نیت اور تملیکِ فقراء وغیرہ احکام زکاۃ اس پر مترتب ہوتے ہیں[3] پس جب کہ شوہر نے اس خیرات اور صدقہ میں جو اس نے یوم وفات میں یا اس کے بعد کیا، نیت ادائے فدیہ کی نہیں کی، لہٰذا ادائے فدیہ اس کے ذمے واجب رہا جس قدر مقدارِ فدیہ معلوم ہوئی ہے اس کو بہ نیت فدیہ فقراء کو تقسیم کرے اور جو کچھ بلا نیتِ فدیہ خیرات کرچکا وہ اس میں محسوب نہ ہوگا۔ هٰكذا في الدّرّ المختار والشّامي وغيرهما[3]

(۱) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (نقد) کی جگہ ''نفقہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) مصرف الزّكاة إلخ ، و هو مصرف أيضًا لصدقة الفطر و الكفّارة و النّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبات إلخ ، ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵۶-۲۶۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر　==
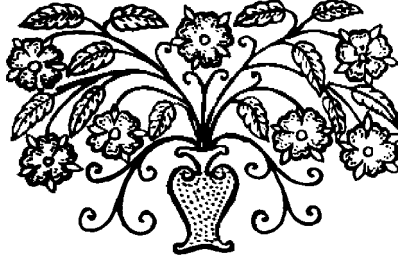
فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (۲۷۱/۶)

== أوصٰی لصلواتہٖ وثُلثُ مالہٖ دیونٌ علی المعسرین فترکھا الوصيّ لھم عن الفدیۃ لم تُجزہ ولابُدّ من القبض ثمّ التّصدّق علیھم (الدّرّ المختار) قولہ: (ثم التّصدّق علیھم) أي بـنیّۃ الفدیۃ وإلّا لم یفعل المأمور بہ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۳۷/۱۰، کتاب الوصایا، قبیل باب الوصي و ھو الموصٰی إلیہ) محمد امین

صدقۂ فطر کے احکام

بیوی اور ولد کبیر کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب نہیں

سوال: (۵۰۷) ایک مولوی صاحب نے کتاب تالیف کی ہے، اور مؤلف کتاب موصوف پکے حنفی وسنّی ہیں، اس کتاب میں صدقۂ فطر کے بیان میں لکھا ہے کہ صدقۂ فطر اپنی طرف سے ادا کرے، اور غلام باندی کی طرف سے بھی ادا کرے، اور اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے بھی ادا کرے، اگر بچہ غنی نہ ہو[1] اور اپنی بیوی اور لڑکے لڑکی کی طرف سے صدقۂ فطر کا دینا جائز نہیں، اگر وہ صاحب نصاب ہیں تو خود دیویں یہ مسئلہ صحیح اور عبارت درست ہے یا نہیں؟ (۲۶۹۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے اور ولد کبیر کی طرف سے اس کے ذمہ صدقۂ فطر دینا واجب نہیں ہے، لیکن اگر ادا کر دیوے تو درست ہے، جب کہ وہ اس کے عیال میں ہوں یعنی صدقۂ فطر ادا ہو جاوے گا، پس کتاب مذکور میں بجائے ''جائز نہیں ہے'' کے یہ لکھنا چاہیے تھا کہ ''واجب نہیں ہے''، جیسا کہ درمختار وشامی میں ہے: **لا عن زوجته و ولده الكبير العاقل ولو أدّى عنهما بلا إذن جاز استحسانًا للإذن عادةً أي لو في عياله إلخ**[2] درمختار اور شامی نے تصریح کی ہے: **ولا يجب عليه إلخ**[2] **وفيه أيضًا: قال في البحر: وظاهر الظّهيريّة أنّه لو أدّى عمّن في عياله بغير أمره جاز مطلقًا بغير تقييد بالزّوجة والولد إلخ**[2] (۷۵/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۰/۶)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (اگر بچہ غنی) کی جگہ ''اگر چہ غنی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۸۵/۳، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر.**

اپنی طرف سے اور اولادِ صغار کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے

سوال: (۵۰۸) زید کہتا ہے صدقۂ فطر ہر مسلمان عاقل بالغ اور اس کی اولادِ صغار پر اس کے ذمہ واجب ہے، عمر کہتا ہے کہ صدقۂ فطر ان لوگوں کے ذمہ ہے جو روزہ رکھتے ہیں اور عاقل بالغ ہیں؟ (۲۲۷۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: زید کا قول صحیح ہے اور عمر غلط کہتا ہے، مسئلہ وہی ہے جو کہ زید کہتا ہے، صدقۂ فطر ہر ایک مسلمان عاقل بالغ پر اپنی طرف سے اور اولاد صغار کی طرف سے واجب ہے [(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۱۲-۳۱۳)

عورت کا فطرہ کس پر واجب ہے؟

سوال: (۵۰۹) عورت کا فطرہ کس پر واجب ہے مرد پر یا باپ پر؟ یا شوہر مہر میں سے دیوے عورت کے پاس مال ہو یا نہ ہو؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: عورت جب صاحب نصاب ہو تو فطرہ اسی پر واجب ہے، اگر شوہر (یا باپ) ادا کردے گا تو ادا ہوجاوے گا، باپ پر واجب نہیں [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۲۴)

---

(۱) يخرج ذٰلك عن نفسه لحديث ابن عمر قال : فرض رسول الله صلّى الله عليه وسلّم زكاة الفطر على الذّكر و الأنثٰى الحديث. و يخرج عن أولاده الصّغار إلخ و مماليكه . (الهداية:۱/۲۰۸، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفير

(۲) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

ولا يؤدّي عن زوجته ولا عن أولاده الكبار وإن كانوا في عياله ولو أدّى عنهم أو عن زوجته ...... أجزأهم استحسانًا، كذا في الهداية . (الفتاوى الهندية:۱/۱۹۳، كتاب الزّكاة، الباب الثّامن في صدقة الفطر)

بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں

سوال: (۵۱۰) بالغ لڑکا جو ساتھ کھاتا ہے، اس کی جانب سے صدقۂ فطر دینا واجب ہے یا نہیں؟ (۴۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں ہے [1] فقط (۶/۳۱۴-۳۱۵)

جو شادی شدہ لڑکے اپنی کمائی باپ کو دیتے ہیں ان پر فطرہ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۱۱) ایک شخص کے دو لڑکے ہیں اور وہ دونوں سال بھر میں دو تین سو روپیہ کماتے ہیں، اور اپنے والد کو دے دیتے ہیں، گھر کا مالک ان کا باپ ہے، ان کے پاس باپ سے علیحدہ ایک حبہ نہیں، اور ان دونوں کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، تو ایسی حالت میں ان دونوں بھائیوں پر زکاۃ یا صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟ یا ان کے باپ پر ان کی طرف سے بھی واجب ہے؟ (۱۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ان پر زکاۃ اور صدقۂ فطر و قربانی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۱۰-۳۱۱)

استدراک: اس جواب میں تسامح ہے، لڑکوں پر زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے، اور باپ پر بھی لڑکوں کی طرف سے صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے۔

جواب میں تسامح اس لیے ہے کہ باپ بیٹوں کا کاروبار جب تک مشترک رہے تمام آمدنی کا مالک باپ ہوتا ہے، اور بیٹے معاون شمار ہوتے ہیں، آمدنی اور اموال میں سے کسی چیز کے بیٹے مالک نہیں ہوتے ہیں، اور زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی کے وجوب کے لیے مالک نصاب ہونا ضروری ہے؛ اس لیے بیٹوں پر زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے، اور باپ پر بیٹوں کی طرف سے صدقۂ فطر اور قربانی اس لیے واجب نہیں ہے کہ صورتِ مسئولہ میں سب بیٹے بالغ اور صاحبِ اولاد ہیں، باپ پر صرف نابالغ اولاد کا صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔ ذكر شيخ الإسلام جلال الدّين في

(۱) حوالۂ سابقہ۔ ۱۲

أب وابن اکتسبا ولم یکن لهما مال فاجتمع لهما من الکسب أموالٌ، الکلّ للأب؛ لأنّ الابن إذا کان في عیاله فهو معین له ، ألا ترٰی أنّهٗ لو غرس شجرةً فهي للأب، وکذا الحکم في الزّوجین. (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ١/ ٨٧، کتاب الشّرکة، مطلب: أب وابن اکتسبا أموالًا فهي للأب وکذا الزّوجان)

اور اگر بھائیوں کا کاروبار مشترک ہوتو آمدنی اور املاک میں سب بھائی شریک ہوں گے۔ سُئل في إخوة خمسة سعیهم وکسبهم واحد، وعائلتهم واحدة ، حصلوا بسعیهم وکسبهم أموالاً، فَهَلْ تکون الأموال المذکورة مشترکةً بینهم أخماسًا.

الجواب: ما حصله الإخوة الخمسة بسعیهم وکسبهم یکون بینهم أخماسًا. (تنقیح الفتاوی الحامدیة: ١/ ٨٧، کتاب الشّرکة، مطلب في إخوة حصلوا بسعیهم أموالاً فهي بینهم سویّة) (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٦/ ١٢-١٣) محمد امین پالن پوری

غریبوں پر فطرہ واجب نہیں

سوال: (٥١٢) گاؤں کے غریب لوگوں پر عید کا فطرہ جائز (یعنی واجب) ہے یا نہیں؟ (٢٦٦/ ٢٩-١٣٣٠ھ)

الجواب: غریب لوگوں پر جو مالکِ نصاب نہیں ہیں صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، البتہ جن لوگوں کے پاس بہ قدر پچاس باون روپیہ کی قیمت کی زمین یا مکان رہنے کے مکان سے جدا ہے [1] یا زیور وغیرہ اس قدر ہے ان کے ذمہ صدقۂ فطر واجب ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٣٢٣-٣٢٤)

---

(١) زمین میں بھی یہ قید ہے کہ وہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔

(٢) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

قال في الدّرّالمختار في باب صدقة الفطر: علٰی کلّ حرّ مسلم ...... ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلیة کدینهٖ وحوائج عیاله وإن لم ینم. (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ٣/ ٢٨١-٢٨٢ کتاب الزّکاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

صدقۂ فطر اور قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟ اور صدقۂ فطر کے مستحق کون لوگ ہیں؟

سوال: (۵۱۳) صدقۂ فطر اور قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟ اور صدقۂ فطر کے مستحق کون لوگ ہیں؛ روزہ دار یا عوام الناس بھی؟ اور جو شخص مقروض ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۳-۳۲/۱۵۸ھ)

الجواب: صدقۂ عیدالفطر ادا کرنا اس شخص کے ذمہ واجب ہے جو صاحب نصاب غنی ہو، یعنی مالک پچاس ساٹھ کی زمین (۱) یا نقد وغیرہ کا ہو، اور جو شخص ایسا نہیں اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں (۲) اور صدقۂ فطر محتاج شخص کو دیا جاوے، بہتر ہے کہ نیک لوگوں کو جو نمازی روزہ دار ہوں ان کو دے، لیکن اگر غیر روزہ داروں کو جو محتاج ہیں دیا جاوے تب بھی صدقۂ فطر ادا ہو جاتا ہے، اور قربانی بھی انہی لوگوں پر واجب ہے جو غنی مالک نصاب ہوں، اور جن پر قرض زیادہ ہے کہ قرض اگر ادا کرے تو بہ قدر نصاب ان کے پاس نہ بچے گا تو ان پر صدقۂ فطر و قربانی واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۶/۶)

فطرہ صرف اہلِ نصاب پر واجب ہے ہر روزہ دار پر واجب نہیں

سوال: (۵۱۴) صدقۂ فطر ہر روزہ دار کو دینا واجب ہے یا صرف اہل زکاۃ کو؟

(۱۳۳۹/۲۵۰۰ھ)

---

(۱) زمین میں یہ قید ہے کہ وہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔

(۲) تجب (أي صدقة الفطر ــــ إلٰى قولہٖ ــــ) علٰى كلّ حرّ مسلم ولو صغيرًا مجنونًا، حتّى لو لم يخرجها وليهما وجب الأداء بعد البلوغ ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كدَينهٖ وحوائج عيالهٖ وإن لم ينم كما مرّ، وبه أي بهٰذا النّصاب تحرم الصّدقة كما مرّ، وتجب الأضحية ونفقة المحارم على الرّاجح. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۹-۲۸۲، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

الجواب: صرف اہلِ نصاب کو صدقۂ فطر دینا واجب ہے، مگر زکاۃ کے نصاب میں اور صدقۂ فطر کے نصاب میں فرق ہے، یعنی صدقۂ فطر میں مال نامی ہونا شرط نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۶/۳۱۳-۳۱۴)

عہدِ نبوی میں فطرہ کب نکالا جاتا تھا؟

سوال: (۵۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صدقۂ فطر پیشتر نماز سے نکالا جاتا تھا یا نہیں یا کچھ دنوں تک جمع رہتا تھا اس کے بعد تقسیم محتاجوں کو کیا جاتا تھا؟ اگر تقسیم کرنے میں تاخیر نہ فرماتے تھے تو فی زمانہ ایک جگہ کے سردار کے پاس صدقۂ فطر جمع ہونا ضروری ہے، اور سردار یا نائب سردار جب مرضی ہو تقسیم کرتے ہیں؛ یہ عمل کیسا ہے؟ (۸۶۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں لکھا ہے: **ویستحبّ إخراجها قبل الخروج إلی المصلّٰی بعد طلوع فجر الفطر عملاً بأمره وفعله علیه الصّلاة والسّلام إلخ** (۲) اس کا حاصل یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل کے موافق، چنانچہ مشکاۃ شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: **قال فرض رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم زکاة الفطر صاعًا من تمر، أو صاعًا من شعیر علی العبد والحرّ .... وأمر بها أن تؤدّی قبل خروج النّاس إلی الصّلاة، متّفق علیه** (۳) اس حدیث متفق علیہ سے صراحۃً ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر کے نکالنے کا

---

(۱) تجب ...... مُوسَّعًا في العمر عند أصحابنا وهو الصّحیح إلخ، وقیل: مُضیَّقًا في یوم الفطر عینًا؛ فبعدهٗ یکون قضاءً ...... علٰی کلّ حرّ مسلم إلخ، ذي نصابٍ فاضل عن حاجته الأصلیة إلخ وإن لم ینم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۹-۲۸۲، کتاب الزّکاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۹۰، کتاب الزّکاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمُدّ الشّامي.

(۳) مشکاة المصابیح، ص: ۱۶۰، کتاب الزّکاة، باب صدقة الفطر، الفصل الأوّل.

حکم فرمایا ہے [1] پس ثابت ہوا کہ جو کچھ عمل ان سرداروں کا ہے خلافِ سنت ہے، اور بے اصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣٠٢-٣٠٣)

صدقۂ فطر رمضان میں بھی دینا درست ہے

سوال: (٥١٦) صدقۂ فطر رمضان المبارک کے عشرۂ اولیٰ اور وسط یا اخیر میں بھی دینا درست ہے یا نہ؟ اور ایسے ہی مال کی زکاۃ شروع اور درمیان سال کے بھی؟ اور جس شخص کے پاس قرض سے زیادہ یا کم زیور یا نقد بہ مقدار نصاب ہے ایسے شخص پر زکاۃ فرض ہے یا نہیں؟ (١٧٧٩/١٣٣٥ھ)

الجواب: صدقۂ فطر رمضان شریف میں دینا درست ہے خواہ کسی عشرہ میں دیوے [2] اور ایسے ہی زکاۃ بھی سال سے پہلے دینا جائز ہے [3] اور جس کے پاس قرض سے زائد زیور ونقد وغیرہ بہ قدر نصاب موجود ہے اس پر زکاۃ واجب ہے، اور اگر قرض کے ادا کے بعد بہ قدر نصاب باقی نہ رہے، یعنی قرض سے زائد بہ قدر نصاب موجود نہ ہو تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے [4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣٠٥)

(١) اور صحابۂ کرام کا اسی پر عمل تھا۔ والأولٰی الاستدلال بحدیث البخاريّ وکانوا یُعطون قبل الفطر بیومٍ أو یومین، قال في الفتح: وھٰذا ممّا لا یخفٰی علی النّبيّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم؛ بل لا بدّ من کونہٖ بإذن سابق؛ فإنّ الإسقاط قبل الوجوب ممّا لا یعقل فلم یکونوا یقدّموا علیہ إلّا بسمع أھ۔ (ردّ المحتار: ٣/٢٩٠، کتاب الزّکاۃ، باب صدقۃ الفطر، مطلب في مقدار الفطرۃ بالمُدّ الشّامي) ظفیر

(٢) والمستحبّ أن یُخرج النّاس الفطرۃ یوم الفطر قبل الخروج إلی المصلّٰی إلخ فإنّ قدّموھا علی یوم الفطر جاز لأنّہ أدّی بعد تقرّر السّبب فأشبہ التّعجیل في الزّکاۃ ولا تفصیل بین مدّۃ ومدّۃ ھو الصّحیح. (الھدایۃ: ١/٢١١، کتاب الزّکاۃ، باب صدقۃ الفطر) ظفیر

(٣) و إن قدّم الزّکاۃ علی الحول و ھو مالك النّصاب جاز لأنّہ أدّی بعد سبب الوجوب فیجوز. (الھدایۃ: ١/١٩٤، کتاب الزّکاۃ، باب صدقۃ السّوائم، فصل) ظفیر

(٤) ومن کان علیہ دَین یحیط بمالہٖ فلا زکاۃ علیہ إلخ وإن کان مالہ أکثر من دَینہٖ زکّی الفاضل إذا بلغ نصابًا. (الھدایۃ: ١/١٨٦، کتاب الزّکاۃ) ظفیر

جہاں فقراء نہ ہوں وہاں فطرہ کس وقت نکالا جائے؟

سوال: (۵۱۷) جس ملک میں شرعی فقراء نہ ہوں وہاں کے لوگ صدقۃ الفطر عید کے روز نماز سے پہلے نکال کر علیحدہ رکھ لیں یا کسی شخص معتمد کو دے دیں، بعد ازاں دوسرے محتاج ملک کو روانہ کیے جائیں تو مستحب ادا ہوگا یا نہیں؟ (۲۸۲۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: صدقۂ فطر قبل خروج الی الصلاۃ فقراء کو دینا مستحب ہے، پس اس صورت میں کہ صدقۂ فطر علیحدہ کر کے رکھ دیا جاوے اور فقراء کو نہ دیا جاوے مستحب ادا نہ ہوگا اور یہ عادۃً محقق نہیں ہوسکتا کہ کسی ملک میں فقراء نہ ہوں، اگر فی الواقع ایسا ہو تو پھر دوسری جگہ کے فقراء کو بھیجنا چاہیے، اور بہ وجہ عذر کے وہ شخص تارک مستحب نہ کہلائے گا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۱۷)

صدقۂ فطر میں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال: (۵۱۸) أمّا بعد: فإنّ المصر بعيد من مكاننا واقع في مسافة أربعة عشر ميلاً، وفي قربنا سوق كبير يوجد فيه الأشياء الضّرورية المحتاجة إليها كثيرًا؛ بل بعض الأشياء النّادرة الغير الضّرورية أيضًا بقيمة فاحشة بالنّسبة إلى المصر، ونحن نبيع ونشتري فيه دائمًا إلّا أحيانًا نبتاع ونشتري من المصر أيضًا علىٰ سبيل النّدرة، والبرّ غير موجود في ذٰلك السّوق موجود في المصر، والدّقيق موجود فيهما لكن في السّوق يباع بغبن، وفي المصر برخّص فهل يجوز لنا أن نخرج صدقة الفطر بقيمة المصر، أو نخرج قيمة البرّ الموجود في المصر أم لا ؟(۱۴۸۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: يعتبر قيمة البرّ في صدقة الفطر بقدر ما يكون في بلد المعطي لا ما يكون في المصر البعيد[2] فقط (۶/۳۰۶-۳۰۷)

---

(۱) والمستحبّ للنّاس أن يُخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر يوم الفطر قبل الخروج إلى المصلّٰى. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۲، كتاب الزّكاة، الباب الثّامن في صدقة الفطر) ظفير

(۲) وجازدفع القيمة في زكاة وعشروخراج وفطرة إلخ وتعتبرالقيمة يوم الوجوب إلخ ==

ترجمہ سوال: (۵۱۸) حمد وصلاۃ کے بعد: شہر ہمارے علاقے سے دور چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، اور ہمارے قریب میں ایک بڑا بازار ہے جس میں ضرورت عامہ کی تمام ضروری اشیاء بلکہ بعض نایاب غیر ضروری چیزیں بھی شہر کی بہ نسبت زیادہ قیمت پر ملتی ہیں، اور ہم ہمیشہ اسی میں خرید وفروخت کرتے ہیں، مگر کبھی کبھار ہم شہر سے بھی خرید وفروخت کر لیتے ہیں، اور گندم اس بازار میں دستیاب نہیں ہے؛ شہر میں ملتا ہے، اور آٹا دونوں جگہ دستیاب ہے، البتہ بازار میں مہنگا بیچا جاتا ہے، اور شہر میں سستا؛ تو کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم صدقۂ فطر شہر کی قیمت کے اعتبار سے نکالیں یا شہر میں دستیاب گندم کی قیمت نکالیں یا نہیں؟

الجواب: صدقۂ فطر میں گندم کی اسی قدر قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جو معطی کے شہر میں ہو، نہ کہ وہ جو دور دراز شہر میں ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

دوسرے شہر کے نرخ کا فطرہ میں اعتبار نہیں

سوال: (۵۱۹) اپنے شہر کا نرخ گندم وغیرہ چھوڑ کر دوسرے شہر کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کرنا معتبر ہے یا نہیں؟ (۲۱۵۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار ہے دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے [۱] فقط واللہ اعلم (٦/ ۳۰۸-۳۰۹)

کسی غریب کے ذمہ اگر کچھ بقایا ہو تو کیا اُسے فطرہ میں محسوب کر سکتے ہیں؟

سوال: (۵۲۰) ایک شخص کا قرض کسی کے ذمے ہے، اور مدیون مفلس نادار ہے، اگر دائن صدقۂ فطر میں اس قرض کو مجرا کر لیوے تو صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۷۹/ ۱۳۳۵ھ)

= = و يقوّم في البلد الّذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۹۵-۱۹٦، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، قبيل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقليد فيها من أقران سيبويه) ظفیر

(۱) حوالۂ سابقہ۔ ۱۲

الجواب: اس طرح ص صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، بلا وصول کے دین میں مجرا کر لینے سے زکاۃ و فطرہ ادا نہیں ہوتا، ایسی صورت میں فقہاء یہ لکھتے ہیں کہ اس کو دے کر پھر اپنے دین میں وصول کر سکتے ہیں، مگر دینا ضرور چاہیے (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣٠٣/٦)

سوال: (٥٢١) زید کے پاس میرا روپیہ ہے، اور وہ دے نہیں سکتا، اس کو یہ کہہ دیا کہ تمہارے پاس جو روپیہ ہے وہ تم کو صدقۂ فطر میں دیتا ہوں، اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟

(٢١٧٣/ ١٣٣٧ھ)

الجواب: اس طرح صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، جیسا کہ زکاۃ بھی اس طرح ادا نہیں ہوتی، اس کا طریق فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اس کو صدقۂ فطر یا زکاۃ دے کر پھر اس سے اپنا قرض وصول کر لیا جاوے (٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣٠٩/٦)

ایک آدمی کا فطرہ چند لوگوں کو اور چند لوگوں کا فطرہ ایک آدمی کو دینا جائز ہے

سوال: (٥٢٢) فطرۂ یک شخص بہ چند کس و بالعکس دادن جائز است یا نہ؟

(١٢١٩/ ٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: قال في الدرّ المختار: وجاز دفعُ كلّ شخص فطرتَه إلى مسكينٍ

(١) ويشترط أن يكون الصّرف تمليكًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٦٣/٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

وحيلةُ الجَوازِ أنْ يُعْطِيَ مَدْيُونَهُ الفقير زكاته ثمّ يأخذها عن دَينهِ، ولو امتنع المديون مدّ يده وأخذها لكونهِ ظفر بجنس حقّه (الدّرّ المختار) قوله: (وحيلة الجواز) أي فيما إذا كان له دَين على معسر وأراد أن يجعله زكاة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ١٧٧/٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

(٢) وأداء الدّين عن العين وعن دَين سيقبض لايجوز، وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثمّ يأخذها عن دَينهِ ولو امتنع المديون مدّ يده وأخذها لكونهِ ظفر بجنس حقّهِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ١٧٧/٣، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

أومساكين على ما عليه الأكثرُ، و بهٖ جزم في الولوالجيه والخانية والبدائع و المحيط، وتبعهم الزّيلعيّ في الظّهارمن غير ذكر خلاف، وصحّحه في البرهان، فكان هو المذهب إلخ ، كما جاز دفع صدقة جماعة إلٰى مسكين واحد بلا خلاف يعتدّ بهٖ إلخ (١) پس معلوم شد کہ فطرۂ یک کس بہ چند کس و بالعکس دادن جائز است۔فقط (٦/۳۲۲)

ترجمہ سوال: (۵۲۲) ایک آدمی کا فطرہ چند لوگوں کو اور اس کے برعکس (یعنی چند لوگوں کا فطرہ ایک آدمی کو) دینا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: درمختار میں ہے: وجاز دفع كلّ شخص فطرته إلٰى مسكين أو مساكين إلخ پس (اس عبارت سے) معلوم ہوا کہ ایک آدمی کا فطرہ چند لوگوں کو اور اس کے برعکس دینا جائز ہے۔فقط

فطرہ ایک شخص کو دینا افضل ہے یا کئی کو؟

سوال: (۵۲۳) فطرہ گیہوں کا ایک شخص کو دینا افضل ہے یا کئی کو؟ (۳۲/۱۰-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کئی شخصوں کو دینا بھی درست ہے، مگر افضل یہ ہے کہ ایک کا صدقہ ایک مسکین کو دیا جاوے (٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۳۲۵)

امام مسجد کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۲۴) امام کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۳۲/۸۱۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: امامت کی وجہ سے اس کو فطرہ دینا جائز نہیں ہے (٣) فقط واللہ اعلم (٦/۳۲۸)

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۹۰-۲۹۱، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمُدّ الشّامي.

(٢) وجاز دفع كلّ شخص فطرتَه إلٰى مسكين أومساكين —— إلٰى قولهٖ —— كتفريق الزّكاة والأمر في حديث "أغنوهم" للنّدب فيفيد الأوْلويّة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۹۰-۲۹۱، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة إلخ)

(٣) وصدقة الفطر كالزّكاة في المصارف وفي كلّ حال . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۹۲، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمُدّ الشّامي) ظفير

قیدیوں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۲۵)......(الف) کیا قیدی مساکین میں شمار ہے؟

(ب) میں پورٹ بلیئر میں ہوں، جہاں ہندوستان سے ملزمانِ حبس بہ عبور دریائے شور بھیجے جاتے ہیں؛ قانوناً ان قیدیوں کی کسی طرح اعانت کرنا منع ہے، ان کو صدقۂ فطر دے سکتے ہیں؟

(ج) یہاں قیدیوں کے سوائے اور کوئی مسکین نہیں تو کس طرح صدقۂ فطر ادا کیا جاوے؟

(۲۱۱۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) جب کہ ان کے پاس بہ قدر نصاب مال نہ ہو تو وہ مساکین ہیں اور ان کو صدقۂ فطر دینا درست ہے[1] فقط

(ب-ج) ان کو صدقۃ الفطر دینا جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣١٢/٦)

بنی ہاشم؛ بنی ہاشم سے بھی صدقۂ فطر نہیں لے سکتے اور کافر ذمی کو صدقۂ فطر دینے کی گنجائش ہے

سوال: (۵۲۶) صدقۂ فطر کن کن لوگوں کا حق ہے؟ بنی ہاشم کو بھی دیا جا سکتا ہے؟ بنی ہاشم؛ بنی ہاشم سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر مذاہب کے سائل کو دینے کا کیا حکم ہے؟ (۲۹/۲۳۸-۱۳۳۰ھ)

الجواب: صدقہ (فطر) محتاجوں کو دینا چاہیے، مسلمان ہو یا کافر ذمی مثلاً ہندو، صدقۂ فطر بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں، اور نہ بنی ہاشم؛ بنی ہاشم سے لے سکتا ہے، دیگر مذہب کے سائل ﴿ہنود وغیرہ﴾[2] کو اس کا دینا درست و جائز ہے۔ **في الدّرّ المختار: ١٠٢/٢، وجاز دفع غيرها وغير العشر والخراج إليه أي الذّمّي ولو واجبًا كنذر وكفّارة وفطرة خلافًا للثّاني إلخ، وفي الشّامي:**

---

(١) مصرف الزّكاة إلخ هو فقير وهو من له أدنٰى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة (الدّرّ المختار) وهو مصرف إيضًا لصدقة الفطر إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٢٥٦/٣-٢٥٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں ﴿ہنود وغیرہ﴾ کی جگہ ''غیر حربی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

قوله: (خلافًا للثّاني) حيث قال: إنّ دفع سائر الصّدقات الواجبة إليه لا يجوز اعتبارًا بالزّكاة، وصرّح في الهداية وغيرها بأنّ هٰذا رواية عن الثّاني، وظاهره أن قوله المشهور كقولهما، وأيضًا في الشّامي تحت قولهٖ: (وبه يفتى) قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما وعليه المتون[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۲۹۳-۲۹۴)

وضاحت: ذمی کافر کو صدقۂ فطر دینے کی گنجائش ہے مگر بہتر یہ ہے کہ مسلمان فقراء کو دیا جاوے (حوالہ جواب میں مذکور ہے) اور حربی کافر کو صدقات واجبہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے، درمختار میں ہے: وأمّا الحربي ولو مستأمنًا؛ فجميع الصّدقات لا تجوز له اتّفاقًا (الدّرّالمختارمع ردّ المحتار: ۳/۲۷۲، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة) محمد امین پالن پوری

صدقۂ فطر وغیرہ سادات یا والدین کو دینا درست نہیں

سوال: (۵۲۷) مصرف زکاۃ وصدقۃ الفطر اور قیمت چرم قربانی ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟ اگر سادات کو اور ماں باپ کو زکاۃ یا صدقۂ فطر یا قیمت چرم قربانی دے دی تو ادا ہو جاوے گی یا نہ؟

(۳۹/۷۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مصرف زکاۃ اور صدقۂ فطر اور قیمت چرم قربانی ایک ہے، یعنی جن لوگوں کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے، ان کو صدقۂ فطر اور قیمت چرم قربانی دینا بھی درست نہیں ہے[2] سادات کو زکاۃ دینے کے بارے میں صحیح فتویٰ یہ ہے کہ ناجائز ہے[3] اصول وفروع کو اگر عمداً یعنی باوجود ان کے پہچاننے کے صدقۂ فطر یا قیمت چرم قربانی دے دی گئی تو وہ صدقۂ فطر وغیرہ ادا نہیں ہوا[4]

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۷۲، كتاب الزّكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصليّة .

(۲) وصدقة الفطر كالزّكاة في المصارف وفي كلّ حال. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۹۲، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمُدّ الشّامي) ظفیر

(۳) ولا تدفع إلٰى بني هاشم إلخ. (الهداية: ۱/۲۰۶ كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقات إليه ومن لا يجوز) ظفیر

(۴) ولا يدفع المزكّي زكاة ماله إلٰى أبيه وجدّه وإن علا. (حوالہ بالا) ظفیر

دوبارہ دیوے، یہی حکم زکاۃ کا ہے؛ لیکن اگر اندھیرے میں یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی محتاج ہے زکاۃ و صدقۂ فطر وغیرہ دے دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے، وہ غنی ہے، یا باپ یا دادا ہے، یا بیٹا، پوتا ہے تو زکاۃ وفطرہ وغیرہ ادا ہو گیا دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے[١] لیکن مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے باپ وغیرہ کو دینے سے زکاۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی دوبارہ دینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٣٢٨)

قرض دار مالک زمین پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (٥٢٨) ایک شخص زمین دار جس کے پاس اس قدر زمین ہے کہ وہ اس میں سے کچھ بیچ کر اپنا قرضہ ادا کر سکتا ہے، اور پھر بھی کسی قدر زمین جس سے بہ مشکل گزارہ ہو سکے بچ سکتی ہے، آدمی عیال دار ہے کیا اس پر فطرہ واجب ہے یا نہیں؟ (١٧١٦/ ٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: اس شخص پر وجوبِ فطرہ واضحیہ میں اختلاف ہے، احتیاط یہی ہے کہ فطرہ ادا کرے، اور قربانی کرے اور اگر نہ کرے تو گنہ گار نہ ہوگا، کیوں کہ مفتی بہ قول کے موافق اس پر فطرہ وقربانی واجب نہیں ہے[٢] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٣٠٧)

سوال: (٥٢٩) کسی شخص کے پاس ہزار روپیہ کی زمین موجود ہے مالک نصاب ہے، اور قرض دار بھی ہے، اس کے ذمہ زکاۃ تو فرض نہیں، صدقۂ فطر اور قربانی اس کے ذمہ فرض ہے یا نہیں؟ صدقۂ فطر لے سکتا ہے یا نہیں؟ نصف صاع چاول دینے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہ؟ (٢١٧٣/ ١٣٣٧ھ)

---

(١) قال أبو حنيفة ومحمّد: إذا دفع الزّكاة إلٰى رجل يظنّه فقيرًا ثمّ بان أنّه غنيٌّ أو هاشميّ أو كافر أو دفع في ظلمة فبان أنّه أبوه أو ابنه فلا إعادة عليه. (الهداية: ١/ ٢٠٧ كتاب الزّكاة، باب من يجوز دفع الصّدقات إليه ومن لايجوز) ظفير

(٢) سئل محمّد عمّن لهٗ أرضٌ يَزْرعُها أو حانوتٌ يَستَغِلُّها، أو دارٌ غلّتُها ثلاثة آلافٍ ولا تكفي لنفقتهٖ ونفقة عِيالهٖ سَنَةً؟ يحلُّ له أخْذُ الزّكاةِ وإن كانت قيمتُها تَبْلُغُ أُلُوْفًا وعليه الفتوٰى وعندهما لا يحلُّ اهـ. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ٣/ ٢٦٧، كتاب الزّكاة، باب المصرف، قبيل مطلب فى جهاز المرأة هل تصير به غنيّةً؟) ظفير

علٰى كلّ حرّ مسلم إلخ، ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كدَينهٖ وحوائج عياله وإن لم ينم ...... وبه أي بهٰذا النّصاب تحرم الصّدقة ...... وتجب الأضحيّة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/ ٢٨١-٢٨٢، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفير

الجواب: جو شخص مدیون ہے کہ اگر دَین ادا کرے تو نصاب کی مقدار باقی نہ رہے تو اس کے ذمہ صدقۂ فطر اور قربانی بھی نہیں ہے، اور وہ زکاۃ وصدقۂ فطر لے سکتا ہے، اور اگر چاول یا اس کی قیمت صدقۂ فطر میں دی جاوے تو اس قدر دی جاوے کہ نصف صاع گندم کے برابر ہو جاوے کیوں کہ غیر منصوص میں یہ ضروری ہے کہ منصوصات میں کسی کی قیمت کے برابر ہو جاوے۔ فقط

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

جس کے پاس دوسو درہم کی زمین ہو اُس پر فطرہ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۳۰) ایک شخص کے پاس کچھ زمین خراجی ہے جس کو وہ خود کاشت کرتا ہے، قیمت اس کی دوسو درہم سے زائد ہے، مگر اس کی پیداوار ایک ماہ کی خوراک سے زائد نہیں، اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے یا نہ؟ یہ زمین حاجت اصلیہ کے اندر داخل ہے یا نہیں؟ (۲۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس پر صدقۂ فطر وقربانی واجب نہیں ہے امام محمدؒ کے قول کے موافق، اور شامی نے کہا کہ فتویٰ اسی پر ہے، اور ایسی زمین جس میں زراعت کرتا ہے، اور اس کی آمدنی اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہیں ہے حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔ وفیھا: **سئل محمّد عمّن لهٗ أرضٌ یَزْرعُها أو حانوتٌ یَستَغِلُّها، أو دارٌ غلّتُها ثلاثة آلافٍ ولا تکفي لنفقتهٖ ونفقة عِیالهٖ سَنَةً ؟ یحلُّ له أخذُ الزّکاةِ وإن کانت قیمتُها تَبْلُغُ أُلُوْفًا وعلیه الفتویٰ وعندهما لا یحلُّ**[1] (شامي) فقط (۶/ ۳۰۷-۳۰۸)

سال بھر کی خوراک یا دو بیگہ زمین ہو تو فطرہ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۳۱)...... (الف) عید الفطر کے دن ہمارے پاس سال بھر کی خوراک جس کی قیمت سو روپے ہے موجود ہے، یا دو بیگہ زمین ہمارے پاس ہے جس کی قیمت سو روپے ہے تو اس صورت

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/ ۲۶۷، کتاب الزّکاة، باب المصرف، قبیل مطلب في جهاز المرأة هل تصیر به غنیّةً؟.

میں صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

(ب) دودھ پینے کے لیے جو گائے رکھی جاتی ہے وہ حوائج اصلیہ سے زائد ہے یا نہیں؟

(ج) صدقۂ فطر میں جو فاضلا عن حوائج الأصلية کی قید ہے اس سے وہی حوائج اصلیہ مراد ہیں جو وجوبِ زکاۃ میں ہیں یا کچھ اور؟ (١٣٤٠/٤٠)

الجواب: (الف) یہ غلہ حوائج اصلیہ میں سے ہے اس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا، اور دو بیگہ زمین جس کی قیمت سو روپے ہے اس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہے [١]

(ب) وہ حوائج اصلیہ میں سے ہے۔

(ج) وہی حوائج اصلیہ مراد ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣١٤/٦-٣١٥)

سابقہ جواب پر شبہ اور اس کا حل

سوال: (٥٣٢) شامی جلد ثانی، ص: ١٧، تحت قول الدّر المختار: ''فارغ عن حاجتهٖ'': وفيها: سئل محمّد عمّن لهٗ أرضٌ يَزْرعُها أو حانوتٌ يَستَغِلُّها، أو دارٌ غلّتها ثلاثة آلافٍ ولا تكفي لنفقتهٖ ونفقة عِيالهٖ سَنَةً؟ يحلُّ له أخْذُ الزّكاةِ وإن كانت قيمتُها تَبْلُغُ أُلُوْفًا وعليه الفتوٰى وعندهما لا يحلُّ [٢] اگر وعليه الفتوى صحیح ہے تو آپ نے پہلے لکھا تھا کہ جس کی دو بیگہ زمین ہے، جس کی قیمت سو روپے ہے اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس کا کیا جواب ہے؟ (١٣٤٠/٥٩٤ھ)

الجواب: شیخینؒ کے مذہب کے موافق صدقۂ فطر کا وجوب احتیاطاً پہلے لکھا گیا تھا، وہ بھی صحیح ہے، اور اگر امام محمدؒ کے قول مفتی بہ کو لیا جاوے تو یہ بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣١٨/٦)

---

(١) تجب (صدقة الفطر) .... علىٰ كلّ حرّ مسلم إلخ، ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كدَينهٖ وحوائج عياله وإن لم ينم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٧٩/٣-٢٨٢، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

(٢) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ٢٦٧/٣، كتاب الزّكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنيّةً؟.

جس کے پاس اتنی زمین ہے جس کی آمدنی سال بھر کے لیے کافی نہیں اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں

سوال: (۵۳۳) شخصے مالک نصاب ذہب وفضہ نیست ولیکن نزد او یک گنڈا یا دو گنڈا زمین است کہ قیمتش پنجاہ و دو روپیہ می شود، وآنچہ ازاں از قسم غلہ وغیرہ می آید خورا کئ نیم سال وا کثر سال می شود؛ آیا برآنکس صدقۂ فطر دادن واجب باشد وخوردن آں حرام؟ (۱۶۶۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: موافق روایت صحیحہ مفتی بہا صدقۃ الفطر برآنکس واجب نیست، واو خود محل ومصرف زکاۃ وصدقات است۔ كذا في الشّامي: وفيها: سئل محمّد عمّن لهٗ أرضٌ يَزْرعُها أو حانوتٌ يَستَغِلُّها، أو دارٌ غلّتُها ثلاثة آلافٍ ولا تكفي لنفقتهٖ ونفقة عِيالهٖ سَنَةً ؟ يحلُّ له أخْذُ الزّكاةِ إلخ [1] (شامي: ۲/ ۶۵) فقط (۶/ ۳۱۷-۳۱۸)

ترجمہ سوال: (۵۳۳) ایک شخص کہ سونا و چاندی کے نصاب کا مالک نہیں ہے، لیکن اس کے پاس ایک دو گنڈا زمین ہے جس کی قیمت باون روپیہ ہوتی ہے، اور جو کچھ اس سے غلہ وغیرہ کی قسم سے آتا ہے آدھے یا اکثر سال کی خوراک کے بہ قدر ہوتا ہے، آیا اس شخص پر صدقۂ فطر دینا واجب اور اس کا کھانا حرام ہوگا؟

الجواب: مفتی بہا صحیح روایت کے موافق صدقۂ فطر اس شخص پر واجب نہیں ہے، اور وہ خود زکاۃ وصدقات کا محل ومصرف ہے۔ كذا في الشّامي: وفيها سئل محمّد إلخ. فقط

کیا ہر زمین دار پر صدقۂ فطر واجب ہے؟

سوال: (۵۳۴) ہر قسم کے زمین دار خواہ اس کے پاس ملک کی زمین تھوڑی ہو یا زیادہ صدقۃ الفطر واجب ہے یا نہیں؟ (۱۶۴۵/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ نہیں کہ زمین تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر صدقۃ الفطر لازم ہو جاوے: بلکہ یہ ضرور ہے کہ حاجاتِ اصلیہ سے زیادہ ہو، اس قدر زمین ہو کہ قیمت اس کی دو سو درہم یعنی ۵۲½ تولہ ہو

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

جوقریب ۵۴ روپیہ کے ہوتے ہیں۔ درمختار: ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية إلخ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۲۲-۳۲۳)

صدقۂ فطر کے نصاب میں زمین کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا پیداوار کا؟

سوال: (۵۳۵) شخصے قدرے اراضی کہ قیمتش زائد از نصاب اضحیہ وصدقۂ فطر باشد، لیکن پیداوارے سالانہ بہ نصاب نمی رسد، دریں صورت کدام جہت معتبر ومعتمد است؛ جہت قیمت یا پیداوار؟

(۲۸۲۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: دریں صورت اختلاف است مابین امام ابو یوسف وامام محمدؒ، امام محمدؒ می فرمایند کہ ایں چنیں نصاب مانع از اخذِ زکاۃ نیست وصدقۂ فطر واضحیہ بروواجب نیست، وامام ابو یوسفؒ نصاب مذکور را مانع از اخذِ زکاۃ می فرمایند، وصدقۂ فطر واضحیہ بروواجب می گویند، واساتذۂ کرام قول امام ابو یوسفؒ احوط دانستہ بروعمل پسند فرمودہ اند، وقول امام محمدؒ اوسع است، وفقہاء فتویٰ برآں دادہ اند: تَجِبُ ...... علیٰ کلّ ...... مسلمٍ ...... ذي نصابٍ فاضلٍ عن حاجتهِ الأصليّةِ كدينهِ وحوائج عيالهِ وإن لم ينم كما مرّ، وبهِ أي بهٰذا النّصابِ تَحرمُ الصّدقَةُ ...... وتجبُ الأضحيةُ إلخ [1] وذكر في الفتاوى فيمن لهُ حَوانِيْتُ ودُوَرٌ لِلْغَلَّةِ لكن غلّتها لا تكفيهِ وعيالهِ أنّهُ فقير، ويحِلّ لهُ أخذ الصّدقةِ عند محمّدٌ، وعند أبي يوسف لا يحِلُّ [2] فقط واللہ اعلم (۶/۶۷)

ترجمہ سوال: (۵۳۵) ایک شخص کی اس قدر زمین ہے کہ جس کی قیمت قربانی اور صدقۂ فطر کے نصاب سے زائد ہو؛ لیکن اس کی سالانہ پیداوار نصاب کو نہ پہنچتی ہو اس صورت میں کونسی جہت معتبر اور معتمد ہے؛ جہتِ قیمت یا پیداوار؟

الجواب: اس صورت میں امام ابو یوسف وامام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے، امام محمد فرماتے ہیں

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۷۹-۲۸۲، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر.

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۲۶۷، كتاب الزّكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنيّةً.

کہ اس طرح کا نصاب زکاۃ لینے سے مانع نہیں ہے، اور صدقۂ فطر وقربانی اس پر واجب نہیں ہے، اور امام ابو یوسف نصاب مذکور کو زکاۃ لینے سے مانع فرماتے ہیں، اور صدقۂ فطر وقربانی کو اس پر واجب فرماتے ہیں، اور اساتذۂ کرام نے امام ابو یوسف کے قول کو احوط گردان کر اس پر عمل کرنے کو پسند فرمایا ہے، اور امام محمد کا قول اوسع ہے، اور فقہاء اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ تَجِبُ …… علٰی کلّ …… مسلمٍ …… ذي نصابٍ فاضلٍ عن حاجتهِ الأصليّةِ كدينهٖ إلخ. فقط واللہ اعلم

مال مشترک کو اگر تقسیم کیا جائے تو کسی کا حصہ بہ قدر نصاب نہیں ہوتا تو کسی پر صدقۂ فطر واجب نہیں

سوال: (٥٣٦) چار بھائیوں کا مال مشترک ہے، اگر تقسیم کیا جائے تو کسی کا حصہ بہ قدر نصاب نہیں ہے، قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟ (٢١/١٣٣٧ھ)

الجواب: اس صورت میں کہ کسی ایک بھائی کا حصہ قدر نصاب کو نہیں پہنچتا کسی پر فطرہ اور قربانی واجب نہ ہوگی (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣٠٨)

صدقۂ فطر میں اناج کی قیمت دینا بھی درست ہے

سوال: (٥٣٧) صدقۂ فطر میں بجائے اناج کے قیمت اور پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مولوی کہتے ہیں کہ بجائے اناج کے قیمت دینا ایسا ہے جیسے کوئی قربانی کے بدلے روپیہ دے دے؟ (٢٢١/٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: صدقۂ عید الفطر میں بجائے غلہ کے قیمت اس کی دینا بلا کراہت درست ہے، اس کا حکم قربانی جیسا نہیں ہے (٢)

---

(١) تجب إلخ علٰى كلّ حرّ مسلم إلخ، ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٧٩-٢٨٢، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

(٢) ودفعُ القيمة أي الدّراهمِ أفضلُ مِن دفع العينِ علَى المذهبِ المفتٰى بهٖ: جوهرة وبحر عن الظّهيرية وهٰذا في السّعةِ، أمّا في الشّدّة فدفْعُ العينِ أفضلُ كما لا يخفٰى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٢٨٩، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في مقدار الفطرة بالمُدّ الشّامي) ظفیر

قربانی کی جگہ ایام اضحیہ میں قیمت دینا جائز نہیں ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰٦/٦)

صدقۂ فطر میں گیہوں کے بجائے چاول دینا چاہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۵۳۸) بنگال کے بعض مولویوں نے فتویٰ دیا ہے کہ عرب میں گندم، جو، انگور، خرما ہوتا تھا، اس واسطے فطرہ میں اس کا حکم دیا گیا، ہم لوگوں کے یہاں دھان چاول قائم مقام جو، گندم، انگور، خرما کے ہے؛ لہٰذا ایک صاع دھان آدھا صاع چاول دینے سے یا اس کی قیمت دینے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳۳۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: فقہائے حنفیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ سوائے منصوص کے اگر دوسری اجناس سے صدقۂ فطر ادا کرے تو قیمت منصوص کے برابر ہونا ضروری ہے، مثلاً دھان یا چاول اگر دیوے تو اس قدر دیوے کہ اس کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی قیمت کے برابر ہو جاوے۔ فهو الأحوط كذا في الدّرّ المختار [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۳/٦)

چاول وغیرہ فطرہ میں کتنا دے؟

سوال: (۵۳۹) چاول، جوار، باجرا صدقۂ فطر میں نصف صاع دے یا پورا صاع؟ (۵۴۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: چاول یا جوار، باجرا اگر صدقۂ فطر میں دیا جاوے تو اتنا دینا چاہیے کہ اس کی قیمت پونے دوسیر گندم کی قیمت کے برابر ہو جاوے؛ کیوں کہ غیر منصوص میں منصوص کی قیمت کا پورا ہونا ضروری ہے۔ كذا في الدّرّ المختار [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۱-۳۱۲/٦)

---

(۱) ومنها أنّه لا يقوم غيرها مقامها في الوقت حتّى لو تصدّق بعين الشّاة أو قيمتها في الوقت لا يجزئه عن الأضحيّة. (الفتاوى الهندية: ۲۹۳/۵-۲۹۴، كتاب الأضحيّة، الباب الأول في تفسيرها وركنها وصفتها و شرائطها إلخ) ظفیر

(۲) نصف صاع .... منّ برّ أو دقيقه أو سويقه أو زبيب إلخ أو صاع تمر أو شعير ولو رديئًا وما لم ينص عليه كذُرة وخبز يعتبر فيه القيمة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۸٦/۳-۲۸۷، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، قبيل مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل) ظفیر

صدقۂ فطر میں گیہوں کے بجائے چاول دینا درست ہے

سوال: (۵۴۰) چہ می فرمایند علمائے دین اندریں کہ در صدقۂ فطر بجائے حنطہ، شعیر، دانۂ ارز دادن جائے کہ طعام شاں چاول است جائز ست یا نہ؟ وشخصے می گوید کہ حضرت مولانا گنگوہی صاحب قدس سرہ بر جواز فتویٰ دادہ، دعویش صحیح یا باطل؟ تحقیق وتفصیل فرمایند۔ بیّنوا بالدّلیل توجروا
(۳۲/۲۳-۱۳۳۳ھ)

ترجمہ سوال: (۵۴۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ صدقہ فطر میں گیہوں اور جَو کے بجائے چاول دینا ایسی جگہ جہاں لوگوں کی غذا چاول ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی صاحب قدس سرہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس کا دعوی صحیح ہے یا باطل؟ تحقیق اور تفصیل بیان فرمادیں۔ بیّنوا بالدّلیل توجروا

الجواب: کتب فقہ میں یہ منصوص ہے کہ سوائے حنطہ وشعیر وغیرہ منصوص کے جو اشیاء غیر منصوص ہیں جیسے چاول، نخود، باجرا، جوار وغیرہ اس میں قیمت کا لحاظ ہے، یعنی چاول نخود وغیرہ مثلاً اس قدر دیوے کہ قیمت اس کی نصف صاع گندم یا ایک صاع شعیر وغیرہ کو پہنچ جاوے۔ وما لم ینصّ علیه کذُرة وخبز یعتبر فیه القیمة إلخ[1] (الدّرّ المختار علی هامش ردّ المحتار: ۱۰۴/۲) پس جس جگہ چاول کھائے جاتے ہیں ان کو چاہیے کہ اس قدر چاول فطرہ میں دیوے کہ قیمت ان کی نصف صاع گندم یا ایک صاع شعیر کو مثلاً پہنچ جاوے، حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کی بندہ کو کچھ تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۵/۶)

فطرے میں گیہوں کے بدلے نصف صاع چاول دینا کیسا ہے؟

سوال: (۵۴۱) فطرہ میں اگر بجائے گندم کے نصف صاع چاول دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۴۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائز ہے، اگر قیمت نصف صاع چاول کی نصف صاع گندم کے برابر ہو یا زیادہ ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۲/۶)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

فطرہ میں گیہوں کی قیمت کے برابر چاول یا چنا دینا درست ہے

سوال: (۵۴۲) صدقۂ فطر میں گیہوں کی جو قیمت ہوتی ہے اس کے چاول یا چنا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۱۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۳/۶)

جہاں جو غلہ رائج ہو اُس کا نصف صاع فطرہ میں دینا کافی ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۴۳) صدقۂ فطر کا نصاب گیہوں کا نصف صاع اور جو وغیرہ کا ایک صاع مقرر ہے، بعض علماء بنگالہ کہتے ہیں گیہوں پر منحصر نہیں جو غلہ جہاں زیادہ تر رائج ہو اس میں سے نصف صاع ہی کافی ہے؛ چنانچہ بنگالہ میں چاول زیادہ رائج ہیں، لہٰذا چاول کا نصف صاع کافی ہے۔ (۱۹۱۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ کلیہ ان صاحبوں کا غلط ہے گندم منصوص فی الحدیث ہے، اور چاول منصوص نہیں، پس اتنے چاول کی قیمت ادا کرنی ہوگی جو نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہو جاوے اور معین چاول دینا جائز نہیں۔

جواب مفتی صاحب: جواب صحیح ہے غیر منصوص میں قیمت کا لحاظ ضروری ہے؛ مثلاً اگر چاول دیوے تو اس قدر دیوے کہ اس کی قیمت نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہو، اور یہ جو جواب میں لکھا ہے کہ معین چاول دینا جائز نہیں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ چاول بلالحاظ قیمت گندم دینا جائز نہیں (لیکن اگر نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر چاول دیوے تو یہ درست ہے، یہی مفاد ہے عبارت کتب فقہاء کا، في الشّامي: قوله: (وخبز) عدمُ جواز دفعهٖ إلّا باعتبار القيمة هو الصّحيح)[1] لعدم ورود النّصّ بهٖ فكان كالذّرة إلخ[2] اس سے واضح ہے کہ غیر منصوص کا دینا بہ اعتبار قیمت منصوص کے درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۳/۶)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ردّ المحتار: ۲۸۷/۳، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، قبيل مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل.

بستی میں گندم نہ ملے تو شہر کے نرخ سے فطرہ ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۵۴۴) اگر کسی شخص کی بستی میں گندم نہ ملیں اور آٹا زیادہ قیمت کا ملتا ہو، اور شہر میں گندم کا نرخ ارزاں ہو تو شہر کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے یا کیا؟ (۲۳/۷۲۳-۳۳۴-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اپنی بستی کی قیمت کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے، اگر وہاں گندم نہ ملیں تو آٹے کی قیمت کا حساب کرنا چاہیے، یا جو اور چھوارے کے صاع کی قیمت کا حساب کرنا چاہیے، غرض جو جنس منصوص وہاں ملتی ہو اسی کی قیمت کا حساب کیا جائے (۱) فقط واللہ اعلم (۶/۳۲۱-۳۲۲)

جہاں گیہوں پیدا نہیں ہوتا وہاں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال: (۵۴۵) جس جگہ گیہوں پیدا نہیں ہوتا، وہاں صدقۂ فطر گیہوں کے حساب سے دینا ہوگا؟ اور گیہوں کی قیمت کس ملک کی معتبر ہوگی؟ (۲۲۲۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جہاں گیہوں پیدا نہیں ہوتا مثلاً چاول پیدا ہوتا ہے تو وہاں اس قدر چاول صدقۂ فطر میں دیوے کہ اس کی قیمت نصف صاع گندم کے برابر ہو جاوے، اور قیمت اسی ملک اور شہر کی معتبر ہے، جس جگہ صدقۂ فطر دیا جاوے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۱۶-۳۱۷)

---

(۱) نصف صاع .... منّ برّ أو دقیقه أو سویقه أو زبیب إلخ أو صاع تمر أو شعیر ولو ردیئًا وما لم ینص علیه کذُرة وخبز یعتبر فیه القیمة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۸۶-۲۸۷، کتاب الزّکاة، باب صدقة الفطر، قبیل مطلب في تحریر الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل) ظفیر

(۲) وما سواه من الحبوب لا یجوز إلّا بالقیمة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۹۲، کتاب الزّکاة، الباب الثّامن في صدقة الفطر)

ویقوّم في البلد الّذي المال فیه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۹۶، کتاب الزّکاة، باب زکاة الغنم، قبیل مطلب: محمّد إمام في اللّغة واجب التّقلید فیها إلخ) ظفیر

صدقۂ فطر میں گیہوں اور اس کے ستّو اور آٹے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۴٦) گیہوں اور آٹا وستو میں صدقۂ فطر کے بارے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟
(۲۱۵۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: گیہوں و گیہوں کا آٹا وستو بھی نصف صاع ہونا چاہیے یا اس کی قیمت دیوے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۳۰۸-۳۰۹)

میدہ اور چاول سے صدقۂ فطر کی مقدار

سوال: (۵۴۷) صدقۂ فطر؛ میدۂ گندم سے کس قدر دیا جاوے؟ اور چاول سے کس قدر؟
(۶۰۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: صدقۂ فطر اگر گندم کے میدہ سے دیا جاوے تو نصف صاع دینا چاہیے۔ کما في الدّرّ المختار: نصف صاع ...... من برّ أو دقيقه إلخ، والتّفصيل في الشّامي[۲] اور اگر چاول دیئے جاویں تو اس قدر دینا چاہیے کہ نصف صاع گندم کی قیمت کے مساوی ہو۔ وما لم ينصّ عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة إلخ[۳] (درمختار) فقط واللہ اعلم (٦/۳۰۲)

کیا صدقۂ فطر کی مقدار سوا سیر گندم ہے؟

سوال: (۵۴۸) صدقۂ فطر کی مقدار سوا سیر نمبری سے کم ہوتی ہے۔ كذا في عمدة الرّعاية[۴]

---

(۱) نصف صاع .... منّ برّ أو دقيقه أو سويقه أو زبيب إلخ أو صاع تمر أو شعير ولو رديئًا وما لم ينص عليه كذُرة وخبز يعتبر فيه القيمة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۸٦-۲۸۷، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، قبيل مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۸٦، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۸۷، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، قبيل مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل.

(۴) دیکھئے: عمدة الرّعاية: ۲/۴۸۱-۴۸۴، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت.

پھر بعض لوگوں کا پونے دوسیر لکھنا کس کتاب سے ثابت ہے؟ (۱۶۲۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: صدقۂ فطر موافق وزن سبعہ کے؛ مثقال کو ساڑھے چار ماشہ کا قرار دے کر جیسا کہ معروف ہے انگریزی وزن تقریبًا پونے دوسیر گندم ہوتا ہے، اور حساب اس کا کرلیا گیا ہے، یہی احوط بھی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۴/٦)

اَسّی تولہ کے سیر سے نصف صاع کی مقدار کیا ہے؟

سوال: (۵۴۹) نصف صاع کا وزن ۸۰ تولہ کے سیر کے حساب سے ایک سیر گیارہ (۱۱) چھٹانک کہلاتا ہے یا کم وبیش؟ (۱۴۵۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: صدقۂ فطر اگر گندم سے دیا جاوے تو نصف صاع واجب ہے[2] اور نصف صاع بہ وزن انگریزی کہ ایک سیر ۸۰ تولہ کا ہو؛ پونے دوسیر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۴/٦)

مولانا عبدالحی صاحبؒ اور وزن صاع

سوال: (۵۵۰) مولوی عبدالحی صاحب محشی شرح وقایہ نے زکاۃ کے باب میں لکھا ہے کہ مثقال ۳ ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے، اس حساب سے صاع کا وزن دوسیر گیارہ تولہ چھ ماشہ کا ہوتا ہے، اور نصف صاع کا وزن ایک سیر پانچ تولہ نو ماشہ کا ہوا، یہ غلط ہے یا صحیح؟ (۱۷۲۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ وزن جو مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے مثقال کا لکھا ہے؛ یہ درہم کا وزن ہے[3] اور اس میں کسر رتی کی چھوڑ دی گئی، اور وزن مثقال کا ساڑھے چار ماشہ کا ہے؛ جیسا کہ عمومًا مشہور ہے،

---

(۱) وهو أي الصّاع المعتبر ما يسع ألفًا وأربعين درهمًا من ماش أو عَدَس إنّما قُدِّرَ بهما لتساويهما كيلاً ووزنًا، والتّفصيل في الشّامي. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۸۷-۲۸۸، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل) ظفیر

(۲) نصف صاع ...... من برّ أو دقيقه أو سويقه إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۸٦، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

(۳) مثقال کی بحث کے لیے دیکھئے: عمدة الرّعاية: ۲/۴۳۹-۴۴۲، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت.

اورعلماءِ دہلی نے یہی وزن شمار کیا ہے،غیاث اللغات میں بھی اسی کو صحیح کہا ہے،مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے الخ[۱] (ترجمہ غیاث) پس بناءً علیہ ۲۰۷ مثقال کو جو کہ ایک وزن صاع کا ہے، ساڑھے چار ماشہ میں ضرب دینے سے تین ہزار دوسو چالیس ماشہ ہوئے، ان کے تولہ بنائیں تو دوسوستر تولہ ہوئے، ۸۰ پر اس کو تقسیم کرو تو ۳ سیر ڈیڑھ پاؤ بہ وزن ۸۰ صاع کا وزن ہوا، یہی یہاں معمول بہ ہے اور یہی صحیح ہے، وزن سبعہ سے بھی حساب کیا گیا ہے ایسا ہی نکلتا ہے، اور صدقۃ الفطر میں احتیاط بھی اسی میں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۴/۶-۳۰۵)

نصاب زکاۃ ومثقال کا وزن

سوال: (۵۵۱) غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں لکھا ہے: مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، اور نصاب زکاۃ ساڑھے باون تولہ چاندی لکھی ہے[۲] عمدۃ الرعایۃ شرح وقایہ میں مثقال کو تین ماشہ ایک رتی کا لکھا ہے اور نصاب زکاۃ ۳۶ تولہ ۵ ماشہ[۳] یہاں پر پہلے صدقۂ فطر دوسیر گندم فی کس انگریزی وزن سے دیتے تھے، اب ایک مولوی صاحب فی کس سوا سیر دینے کو کہتے ہیں؟

(۶۵۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ کا ہونا صحیح ہے، ترجمہ غیاث اللغات میں ہے: مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، اور اگرچہ اس میں بہت اختلاف ہے مگر قوی یہی ہے انتہی[۴] پس عمدۃ الرعایہ میں جو مثقال کو تین ماشہ ایک رتی کا لکھا ہے[۳] یہ وزن درہم کا ہے کیوں کہ شرع میں درہم کا وزن وہ معتبر ہے جو وزن سبعہ کے نام سے مشہور ہے یعنی سات

(۱) مثقال: بالکسر نام وزنے است کہ چہار ونیم ماشہ باشد (غیاث اللغات، ص: ۶۱۱، باب میم، فصل میم مع ثائے مثلثہ، مطبع نول کشور لکھنو)

(۲) دیکھئے غایۃ الاوطار: ۱/ ۴۹۹، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال۔

(۳) مثقال کی بحث کے لیے دیکھئے: عمدة الرّعاية: ۲/ ۴۳۹-۴۴۲، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت.

(۴) مثقال بالکسر نام وزنے است کہ چہار ونیم ماشہ باشد (غیاث اللغات، ص: ۶۱۱، باب میم، فصل میم مع ثائے مثلثہ، مطبع نول کشور لکھنو)

مثقال برابر دس درہم کے ہوجاویں، پس سات مثقال کا وزن بہ حساب فی مثقال ۴½ ماشہ؛ ساڑھے اکتیس ماشہ ہوا، اس کو دس پر تقسیم کیا تو فی درہم تین ماشہ اور ایک رتی اور ⅕ رتی ہوا، اسی وجہ سے غیاث اللغات میں درہم کو ساڑھے تین ماشہ کا لکھا ہے، تقریبًا ایسا لکھا ہے [(١)]

الغرض حساب صحیح اور احوط یہی ہے جو غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں لکھا ہے، اور نصاب زکاۃ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونا ہے، شامی کی تحقیق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور حساب مذکور سے نصف صاع تقریبًا پونے دوسیر بہ وزن انگریزی ہوتا ہے، پس فطرہ ایک شخص کا گیہوں سے پونے دوسیر ہوتا ہے، دوسیر دے دیا جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے، زیادہ ثواب ہے، مگر پونے دوسیر سے کم کرنا نہ چاہیے۔

شامی جلد ثانی باب صدقة الفطر میں ہے: قوله: (وهو أي الصّاع إلخ) اعلم أنّ الصّاع أربعةُ أمدادٍ والمُدُّ رطلان، والرّطل نصف منٍّ، والمنّ بالدّراهم مائتان وستّون درهمًا وبالإستار أربعون، والإستار بكسر الهمزة بالدّراهم ستّة ونصف وبالمثاقيل أربعةٌ ونصفٌ، كذا في شرح دُرر البِحار فالمدّ والمنّ سواءٌ إلخ [(٢)] اس تحقیق کا حاصل یہی ہے جو بندہ نے لکھا ہے، ایک من یعنی ایک مد کا وزن چالیس استار اور ایک استار ۴½ مثقال، پس کل ایک سو اسّی (١٨٠) مثقال ہوئے، اس کے ماشہ ۸۱۰ ہوئے، اور وہ مساوی ٦٧½ تولہ کے ہے، یہ ایک مد کا وزن ہے، پس دو مد یعنی نصف صاع ۱۳۵ تولہ کے برابر ہوئے، اور یہ بہ وزن انگریزی پونے دوسیر [(٣)] ہوتا ہے؛ یعنی چھٹانک کم پونے دوسیر، اور ایک دوسرے حساب سے جو شامی کی عبارت میں من کا وزن دراہم سے لکھا ہے یعنی ایک من ٢٦٠ درہم کا، اس حساب سے نصف (صاع) [(٤)] ۳ تولہ زیادہ ہوتا ہے، اسی بناء پر پونے دوسیر کا حکم کردیا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۹/٦-۳۲۱)

---

(۱) درہم: ...... وزن آں سہ و نیم ماشہ نزد اکثر (غیاث اللغات، ص: ٢٧٠، باب دال مہملہ، فصل دال مہملہ مع راء مہملہ، مطبع نول کشور لکھنو)

(٢) ردّ المحتار: ٣/٢٨٧-٢٨٨، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل.

(۳) پونے دوسیر یعنی ایک سیر اور گیارہ چھٹانک۔

(۴) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

اسّی تولہ کے سیر سے صاع اور نصف صاع کا وزن کیا ہے؟

سوال: (۵۵۲) اسّی کے سیر سے صاع اور نصف صاع کا کیا وزن ہے؟ مفتاح الجنۃ میں نصف صاع ایک سیر بارہ چھٹانک (یعنی ۱۴۰ تولہ) کا لکھا ہے، اور لغات کشوری میں ایک سیر ساڑھے نو چھٹانک (یعنی ۱۲۷ ½ تولہ) کا لکھا ہے، اب کس قول پر عمل کرنا چاہیے؟

(۲۲۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اسّی تولہ کے سیر سے حساب صاع اور نصف صاع کا کتابوں کے موافق ہم نے کیا ہے، اس کے موافق صاع قریب ساڑھے تین سیر کے اور نصف صاع قریب پونے دو سیر کے ہوتا ہے، شامی اور درمختار وغیرہ میں ایسا ہی ہے، اسی میں احتیاط ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۱/۶)

صاع سے بغدادی صاع مراد ہے یا مدنی؟

اور نصف صاع کا وزن کیا ہے؟

سوال: (۵۵۳)......(الف) بر مذہب حنفی صدقۂ فطر صاع بغدادی کے حساب سے دیا جاتا ہے یا صاع مدنی کے حساب سے؛ دونوں صاع کا کیا وزن ہے؟

(ب) بر قول مفتی بہ کس قدر گیہوں صدقۂ فطر میں دینا چاہیے؟ ایک مولوی ایک سو پینتالیس تولہ بتلاتے ہیں، اور ایک مولوی ساڑھے بانوے تولہ بتلاتے ہیں، اس میں کون سا قول معتبر و مفتی بہ ہے؟ (۲۸۴۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف – ب) شامی میں لکھا ہے کہ اختلاف طرفین کا اور امام ابو یوسفؒ کا لفظی ہے

---

(۱) و هو أي الصّاع المعتبر ما يسع ألفًا وأربعين درهمًا من ماش أوعدَس إنّما قدّر بهما لتساويهما كيلاً و وزنًا (الدّرّ المختار) اعلم أنّ الصّاع أربعة أمداد والمدّ رطلان، والرّطل نصف مَنّ، والمنّ بالدّراهم مائتان وستّون درهمًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۸۷/۳-۲۸۸، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل) ظفیر

انجام دونوں کا ایک ہے، اور بندہ نے جو حساب صاع ونصف صاع کا کیا ہے تو نصف صاع بہ وزن انگریزی کہ سیر اسّی تولہ کا لیا جاوے ١٣٥ تولہ ہوتا ہے جو کہ قریب پونے دوسیر کے بہ وزن انگریزی ہوتا ہے، پس صدقۂ فطر میں پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت احتیاطاً دینا چاہیے۔ قیل: لا خلاف؛ لأنّ الثّانيَ قدّره برطل المدينة؛ لأنّه ثلاثون إستارًا، والعراقي عشرون، وإذا قابلت ثمانيةً بالعراقيّ بخمسةٍ وثُلث بالمدينيّ، وجدتهما سواءً وهٰذا هو الأشبهُ؛ لأنّ محمّدًا لم يذكر خلافَ أبي يوسف ولو كان لذكره؛ لأنّه أعرف بمذهبهٖ إلخ [1] وفي الشّامي: أيضًا اعلم أنّ الصّاع أربعةُ أمدادٍ والمُدُّ رطلان، والرّطل نصف منٍّ، والمنّ بالدّراهم مائتان وستّون درهمًا وبالإستار أربعون، والإستار ...... بالدّراهم ستّة ونصف [1] ایک اِستار ٤½ مثقال، اور مثقال ٤½ ماشہ کا، پس ٤٠ اِستار مساوی ٦٧½ تولہ کے ہوئے، یہ ایک من یا ایک مد ہے، اور من اور مد برابر ہیں، پس دو مد یعنی نصف صاع مساوی ١٣٥ تولہ (برابر 1574.640 گرام) کے ہوئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٣١٥-٣١٦)

صاع اور نصف صاع کا وزن کیا ہے؟

سوال: (٥٥٤) فطرۂ عید کا وزن کیا ہے؟ اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے آٹھ رطل کا ایک صاع مقرر کیا ہے [2] اور ایک مولوی صاحب نے دوسیر چھ چھٹانک وزن صاع کا بیان فرمایا ہے، صحیح کیا ہے؟ (٤٢٩/ ٣٢-١٣٣٣ھ)

الجواب: وزنِ صاع وہی صحیح ہے جو قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے [2] اسی پر فتویٰ اور عمل در آمد ہے وزن انگریزی سے وزن صاع کا؛ قریب آدھ پاؤ اور ساڑھے تین سیر کے ہوتا ہے، اور نصف صاع پونے دوسیر ایک چھٹانک ہوتا ہے، اس کے موافق یہاں صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے، اور اسی میں احتیاط ہے، ان مولوی صاحب نے جو دوسیر چھ چھٹانک وزن صاع کا بیان کیا؛

---

(١) ردّ المحتار: ٣/ ٢٨٧-٢٨٨، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل.

(٢) صاع ظرفے باشد کہ در آں ہشت رطل از عدس یا ماش یا مانند آں گنجد۔ (مالا بد منہ، ص: ٨٤، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ: دار الکتاب دیوبند)

صحیح نہیں ہے، جن لوگوں نے اس کے موافق صدقۂ فطر ادا کیا ان کو چاہیے کہ جو کچھ باقی رہا اس کو بھی ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۳۲۶-۳۲۷)

استدراک: اس جواب میں سہو ہے، صاع کا وزن آدھ پاؤ کم ساڑھے تین سیر ہے، اور نصف صاع؛ ایک چھٹانک کم پونے دو سیر کا ہوتا ہے، جیسا کہ آئندہ سوال کے جواب میں آرہا ہے۔ ۱۲ محمد امین پالن پوری

نصف صاع کا صحیح وزن ایک چھٹانک کم پونے دو سیر ہے

سوال: (۵۵۵) نصف صاع کا وزنِ اصلی کیا ہے؟ اور اس کی پوری تحقیق کیا ہے؟ اپنے حضرات کا اس پر عمل نہیں دیکھا؟ (۵۱۷/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: صاع کی تحقیق شامی میں اس طرح کی ہے: **اعلم أنّ الصّاع أربعةُ أمدادٍ والـمُدُّ رطلان، والرّطل نصف منٍّ، والمنّ بالدّراهم مائتان وستّون درهمًا وبالإستار أربعون، والإستار بكسر الهمزة بالدّراهم ستّة ونصف وبالمثاقيل أربعةٌ ونصفٌ، كذا في شرح دُرر البِحار فالمدّ والمنّ سواءٌ إلخ**(۱) اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ ایک استار ساڑھے چار مثقال کا ہے، اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو چالیس استار جو ایک مد کا وزن ہے ۸۱۰ ماشہ ہوا، اس طرح ۴۰ × ۴ء۵۰ = ۱۸۰ مثقال۔ (۱۸۰ مثقال) × ۴ء۵۰ = ۸۱۰ ماشہ، (۸۱۰) ÷ ۱۲ = ۶۷ء۵۰ تولہ، پس جب کہ ۶۷ء۵۰ تولہ ایک مد کا وزن ہوا؛ تو صاع چار مد کا ہوتا ہے، صاع کا وزن ۲۷۰ تولہ ہوا، جو بہ وزن اسّی (۸۰) تین سیر اور ڈیڑھ پاؤ .... ہوا، پس نصف صاع ایک چھٹانک کم پونے دو سیر ہوتا ہے، اسی بنا پر پونے دو سیر گندم بہ وزن اسّی (۸۰) صدقۂ فطر دینے کا حکم کیا جاتا ہے، مولوی عاشق الٰہی صاحب نے معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھٹانک کمی کر دی ہے، جیسا کہ پونے دو سیر کا حکم کرنے والوں نے ایک چھٹانک زیادہ کر دیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ کرنا اچھا ہے کم کرنا درست نہیں، اور جس نے وزن نصف صاع ایک سیر تین چھٹانک کہا ہے،

---

(۱) **ردّ المحتار: ۳/ ۲۸۷-۲۸۸، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر، مطلب في تحرير الصّاع والمُدّ والمنّ والرّطل.**

وہ تحقیق شامی کے موافق صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۲۴-۳۲۵)[۱]

وضاحت: رجسٹر نقول فتاوی میں ''تین سیر اور ڈیڑھ پاؤ'' کے بعد (ساڑھے تیرہ ماشہ) ہے؛ اور مطبوعہ فتاوی میں اس کی جگہ علامت حذف ہے۔ہم نے بہ وزن اسّی (۸۰) تولہ سیر ایک صاع کے وزن کا حساب لگایا تو تین سیر اور ڈیڑھ پاؤ ہی بیٹھتا ہے، لہٰذا (ساڑھے تیرہ ماشہ) کے زائد ہونے کی وجہ سے اسے حذف کیا گیا ہے۔۱۲محمد امین پالن پوری

نصف صاع کی مقدار ۸۲ تولہ کے سیر سے کیا ہوتی ہے؟

سوال: (۵۵۶) نصف صاع کی مقدار بیاسی (۸۲) تولہ کے سیر سے کتنی اور اسّی (۸۰) تولہ کے سیر سے کتنی ہوتی ہے؟ اگر من کے بھاؤ سے نصف صاع کی قیمت نکالی جاوے تو مثلاً نصف صاع کی قیمت چھ آنہ ہوتی ہے، اور اگر نصف صاع بازار سے خریدا جاوے تو ہرگز چھ آنہ کو نہیں ملے گا بلکہ سات آنہ یا ساڑھے چھ آنہ کو ملے گا، تو کس حساب سے قیمت دی جاوے؟ (۴۶۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: انگریزی سیر یعنی اسّی (۸۰) تولہ کے وزن سے ایک صاع سوا تین سیر اور آدھ پاؤ[۲] اور نصف صاع پونے دو سیر کے قریب ہوتا ہے، بیاسی (۸۲) تولہ کے سیر سے اس کا حساب کرلیا جاوے، قریب ایک چھٹانک کے کم (ہو جاوے گا، یعنی پونے دو سیر سے ایک چھٹانک کم)[۳] ہوگا، لیکن احتیاط یہ ہے کہ پونے دو سیر کی قیمت لگالی جاوے، کیوں کہ کچھ زیادہ ہو جاوے تو یہ اچھا ہے، پس جو قیمت پونے دو سیر گندم کی اس وقت بازار میں ہو وہ دی جاوے، اور فقیر کے نفع کا خیال رکھا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۱۶)

---

(۱) اس سوال و جواب اور مطبوعہ فتاویٰ جلد ۶/ ۳۲۷، سوال نمبر: ۵۹۵ کے بعینہٖ مکرر ہونے کی وجہ سے ایک کو حذف کردیا گیا ہے۔۱۲محمد امین پالن پوری

(۲) مطبوعہ فتاویٰ اور رجسٹر نقول فتاویٰ میں ''ایک صاع سوا تین سیر اور آدھ پاؤ'' کے بعد (اور نصف چھٹانک ہوتا ہے) تھا؛ لیکن یہاں اس کے زائد ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔۱۲محمد امین

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

مثقال، دینار اور درہم کا وزن کیا ہے؟

سوال: (۵۵۷) مثقال و دینار و درہم کا وزن کیا ہے؟ (۲۱۵۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مثقال و دینار: ساڑھے چار ماشہ، درہم: تین ماشہ ایک رتی اور $\frac{1}{5}$ رتی، ایک ماشہ: ۸ رتی سرخ کا ہوتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۰۸-۳۰۹)

صدقۂ فطر کا وزن بہ حساب انگریزی سیر اور چالیس روپے کے سیر سے کیا ہے؟

سوال: (۵۵۸) ...... (الف) صدقۂ فطر کا وزن بہ حساب انگریزی سیر کے کتنا ہوتا ہے؟ حاشیہ شرح وقایہ میں دوسو باون (۲۵۲) تولہ کا صاع لکھا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(ب) ہمارے یہاں چالیس روپیہ کے وزن کا سیر ہوتا ہے، اگر صدقۂ فطر میں سوا تین سیر گندم ادا کیا گیا تو ادا ہوا یا نہیں؟ اگر ادا نہیں ہوا تو جس قدر کمی رہی اسی کو پورا کیا جاوے یا دوبارہ ادا کرے؟ (۵۴۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف-ب) ہم نے جو مثاقیل سے حساب صاع کا کیا ہے تو دوسوستر (۲۷۰) تولہ کا ایک صاع ہوتا ہے، بلکہ دراہم کے حساب سے ۳ تولہ اور زیادہ ہوتا ہے؛ یعنی دوسو تہتر (۲۷۳) تولہ کا ایک صاع ہے، پس بہ وزن انگریزی ایک صاع برابر تین سیر اور ڈیڑھ پاؤ اور آدھی چھٹانک کے ہے۔

پس احتیاطاً جو اور خرما سے ساڑھے تین سیر بہ وزن انگریزی صدقۂ فطر دینا چاہیے، اور گندم سے پونے دوسیر بہ وزن انگریزی صدقۂ فطر میں ادا کرنا چاہیے، اور اگر سیر چالیس روپے بھر کا ہے تو

---

(۱) والدّینار عشرون قیراطًا إلخ والمثقال مأة شعیرة فهو درهم وثلاث أسباع درهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۰۷-۲۰۸، کتاب الزّکاة، باب زکاة المال) ظفیر

ساڑھے تین سیر گندم صدقۂ فطر میں دینا چاہیے، اور ۳ تولہ کے قریب، اس سے کم ہو تو وہ بھی درست ہے اور کم دینے کی صورت میں جو کچھ کمی رہے اسی کو پورا کر دینا کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم (۳۱۱/۶)
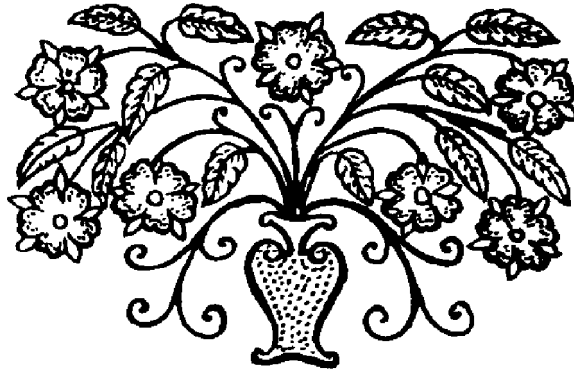
زکاۃ کے متفرق مسائل

پراویڈنٹ فنڈ کی زکاۃ کب سے واجب ہوگی؟

سوال: (۵۵۹) بعض ملازمت ہائے انگلشیہ میں ایک طرز پراویڈنٹ فنڈ کا جاری ہے، پراویڈنٹ فنڈ یہ ہے کہ تنخواہ ملازم میں سے ایک مقدار ہر ماہ میں کٹتی رہتی ہے، اور وہ روپیہ رقم جمع ہوکر بہ وقت علیحدگی خود ملازم یا درصورت فوتِ ملازم اس کے ورثہ کو ملتا ہے، اس سوال میں خاص بریلی کالج (فنڈ کی)[1] بحث ہے جس کے قواعد میں ابتداءً یہ تھا کہ اگر ملازم چاہے تو پانچ فیصدی اپنی تنخواہ میں سے پراویڈنٹ فنڈ میں جمع کرتا رہے؛ لیکن جب کہ بعض ملازمین نے اس قاعدہ پر اعتراض کرکے پوری تنخواہ (ماہانہ)[1] لینی چاہی تو کمیٹی منتظمہ کالج نے قاعدہ مذکورہ کے بجائے اِجبار کردیا جس سے ہر ملازم کی تنخواہ میں سے ماہانہ رقم وضع ہونے لگی، اور اختیار نہیں رہا کہ کبھی وہ حالت ملازمت میں بہ جز صورت علیحدگی یا فوت ہونے کے رقم مجرا کردہ لے سکے، یہ رقم مجرا شدہ وقتاً فوقتاً الٰہ آباد بینک میں ہر ملازم کے نام کے آگے تعداد رقم مجرا شدہ ششماہی اور سالانہ لکھی جانے لگی، اور اس پر منافع (دوتین)[2] خانے میں لکھا جانے لگا، اور تیسرے خانے میں رقم مجرا شدہ کے برابر رقم اور لکھی جانے لگی، کمیٹی منتظمہ ملکہ گورنمنٹ کا عطیہ خاص اپنی طرف سے یہ رقم ملازم کالج کے لیے تھی اور ہے؛ یعنی وقت علیحدگی ملازم کے مجموعہ تینوں رقم کے ملنے کا قاعدہ ہوا؛ لیکن رقم مجرا شدہ از تنخواہ کے ملنے کا وقت علیحدگی ہر حال میں وعدہ تھا اور ہے، پر اپنی رقم عطیہ کے ملنے کو کمیٹی نے اس بات کے

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (دوتین) کی جگہ ''دومی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

ساتھ مشروط کیا کہ وقت علیحدگی ملازم کے اوّل کمیٹی کی طرف سے رزیلوشن تجویز ہوگی، آیا اس ملازم کو رقم عطیہ ملے یا نہیں؟ حکم ہونے پر رقم مذکور عطیہ ملازم کو دی جائے گی ورنہ نہیں؛ یہ طریقہ پنشن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے؛ جو بہ وقت پیری یا علیحدگی ملازم کو امداد دے سکے، اور ساتھ میں ایک نوع دباؤ یا لالچ دلانے کی صورت بھی ہے، اور ترغیب پروفیسران اور معلمان کالج کے لیے وفاداری گورنمنٹ کی کہ ان کا روپیہ جزو تنخواہ جو جمع ہوکر زائد رقوم ہوکر ہزاروں تک ہوکر کمیٹی کے اختیار و قبضہ میں رہتا ہے، اگر وہ وفادار نہ بنیں تو ان رقوم سے ہاتھ اٹھاویں، بالجملہ دوم اگست سنہ ۱۹۱۵ء کو ایک پروفیسر کو رقم مبلغ ایک ہزار سات سو چون روپے چودہ آنے ایک پائی مجموعہ ہر سہ مدات مذکورہ یعنی رقم مجرا شدہ از تنخواہ مبلغ چھ سو نوے روپیہ (ورقم سود یا)[1] منافع مذکورہ تعدادی دو سو اٹھائیس روپے دس آنے آٹھ پائی، ورقم عطیہ از جانب کمیٹی مساوی رقم اوّل تعدادی چھ سو نوے روپے کا بحمدہٖ تعالیٰ عطاء ہوا، اور روپیہ پروفیسر کے ہاتھ میں آ گیا، اب سوال یہ ہے کہ آیا اس رقم پر بعد حولانِ حول زکاۃ اس کی ذمہ لازم و واجب ہوگی یا سر دست زکاۃ سنین ماضیہ کی واجب ہے؟ (۲۵۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ہر سہ رقم کے وصول ہو جانے کے بعد حولانِ حول ہونے کے بعد زکاۃ دینا واجب ہوگا، سنین ماضیہ کی زکاۃ کسی رقم کی بھی لازم نہ ہوگی، رقم منافع ورقم عطیہ پر تو عدم وجوب زکاۃ ظاہر ہے کہ ابھی ملکِ مزکی میں ہی نہیں آئی، اور رقم مجرا شدہ کا بھی یہی حکم ہے، کیوں کہ شان مصادرہ موجود ہے، اور اِجبار اس کی دلیل ہے، اور معرضِ سقوط میں ہونا اس کا مستبعد نہیں۔ **والأصلُ فیہ حدیثُ عليٍّ: لا زکاۃ في مال الضِّمار (درّ مختار). قوله: (حدیثُ عليٍّ) کذا عزاه في الهدایة إلیٰ عليٍّ ولیس بمعروفٍ، وإنّما ذکره سِبْطُ ابنِ الجَوزيّ في آثارِ الإنصافِ عن عثمان وابن عمر، کذا في شرح النّقایة لملاّ علي القاري[2] (شامي)** فقط واللہ اعلم (۶/۳۴۱-۳۴۲)

پراویڈنٹ کی زکاۃ گزشتہ برسوں کی واجب نہیں ہوتی

سوال: (۵۶۰) پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ جو بعد اختتام ملازمت ملتا ہے اگر اس پر زکاۃ کا حکم ہے تو جس سے فی الحال ممکن نہ ہو تو کیا کرے؟ (۱۴۳۲/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۷۲، کتاب الزّکاۃ، مطلب في زکاۃ ثمن المبیع وفاءً.

الجواب: ملازمان کی تنخواہ میں سے جو کچھ روپیہ وضع ہوتا ہے، اور پھر اس میں کچھ رقم ملا کر بہ وقت ختم ملازمت ملازموں کو ملتا ہے، وہ ایک انعام سرکاری سمجھا جاتا ہے، اس کی زکاۃ گزشتہ برسوں کی واجب نہیں ہوتی، آئندہ کو بعد وصول کے جب سال بھر نصاب پر گزر جاوے گا اس وقت زکاۃ دینا لازم ہوگا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۱/۶)

سوال: (۵۶۱) گورنمنٹ کی طرف سے ایک قاعدہ پراویڈنٹ فنڈ کا ہے جس میں ملازمین کی تنخواہ میں سے کچھ حصہ اس کی تنخواہ کا جس قدر ملازم جمع کرنا پسند کرے وضع کر کے فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے، اور اس رقم جمع شدہ پر سرکار بہ خوشی سود دیتی ہے، اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۲۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: سود لینا تو کسی سے جائز نہیں ہے، البتہ سرکار جو بہ طور انعام وضع شدہ رقم تنخواہ کے ساتھ اسی قدر یا جس قدر ہو ملا کر دیتی ہے، اس کا لینا جائز ہے، اور نیز یہ بھی حکم کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا روپیہ بینک وغیرہ میں جمع ہے؛ وہ اس کے سود کو وہاں نہ چھوڑیں، اور کفار کی امداد نہ کریں بلکہ وہاں سے لے کر غرباء وفقراء ومساکین کو دے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۱/۶-۳۳۲)

سوال: (۵۶۲) فتویٰ نمبر ۲۵۲۰ (سابقہ فتویٰ) پہنچا، آیا پراویڈنٹ فنڈ و بینک یا ڈاک خانہ کی رقموں پر زکاۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟ بینک وڈاک خانہ کی رقمیں تو جمع کرنے والے کے قبضۂ اختیار میں رہتی ہیں یعنی جب وہ چاہے روپیہ نکال سکتا ہے، مگر پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ایسی ہے کہ جو ملازمت ترک کرنے پر یا وفات کے بعد مل سکتی ہے؛ پس اس رقم پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

دیگر یہ کہ جناب نے سود کو ناجائز لکھا ہے کہ سود لینا تو کسی سے جائز نہیں ہے، اور پھر فرماتے ہیں کہ بینک وغیرہ سے سود لے کر غرباء کو دے دینا چاہیے، جب کہ سود ناجائز ہے تو ایسی ناجائز رقم غرباء کو دینا کہاں تک جائز ہوسکتا ہے؟ (۲۶۴۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس رقم پر زکاۃ بعد وصول ہونے کے اور وصول کے بعد سال بھر گزر جانے پر واجب ہوتی ہے[۱] اور باوجود عدم جواز سود کے جو یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ بینک وغیرہ میں وہ رقم نہ چھوڑے

---

(۱) وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده أي بعد القبض من دَين ضعيف وهو بدل غير مال كمهر ودية وبدل كتابة. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۸/۳-۲۱۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفير

بلکہ وہاں سے لے کر غرباء وفقرائے مسلمین کو دے دی جاوے؛ اس کی وجہ ایک خاص ہے وہ یہ کہ وہاں اگر وہ رقم چھوڑی جاتی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ رقم پادریوں کو دی جاتی ہے جس سے وہ اپنے مذہب کی اشاعت کرتے ہیں، اور مسلمانوں کو مرتد بنانے میں وہ روپیہ خرچ کرتے ہیں، اور حکم شریعت کا یہ ہے: من ابتلي ببليتين فليختر أهونهما[1] یعنی جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ اہون اور کمتر کو اختیار کرے، پس سود کا لینا بھی اگرچہ گناہ ہے مگر نہ ایسا جیسا کہ مسلمانوں کو مرتد بنانے اور بے دین کرنے میں امداد دینا، اس لیے اس میں اس اہون طریق کو اختیار کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۲/٦)

پراویڈنٹ فنڈ کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۵٦۳) میں گورنمنٹ انگریزی میں دس روپیہ ماہوار کا ملازم ہوں، دس آنے میری تنخواہ اور پانچ آنے عطیہ گورنمنٹ جملہ پندرہ آنے ماہوار میرے نام سے سیونگ بینک میں جمع ہوتے ہیں کچھ سود بھی ماہوار اس مجموعہ پر لگتا ہے، میں جمع کرنا اور سود لینا نہیں چاہتا، مگر بہ قاعدہ مقررہ قبول نہیں کیا جاتا، حسب طریقۂ معینہ وہ مجموعہ بہ حالت ملازمت مل بھی نہیں سکتا، عدم ملازمت کی صورت میں وہ کل مجموعہ مع سود یکجا وصول ہوگا، اصل وسود کی کچھ تشریح نہ ہوگی، اور مجموعہ موجودہ بینک کی زکاۃ ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟ اب شرع شریف میں اس بات میں میرے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲۳۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جو کچھ وصول ہوا اس میں سے بہ قدر سود صدقہ کر دیا جاوے کیوں کہ روپیہ (میں تمیز)[2] متعذر رہے، اور زکاۃ بعد وصول کے لازم ہوگی، اس وقت سے زکاۃ کا حساب کیا جاوے گا،

---

(۱) الأشباه والنّظائر مع غمز عيون البصائر: ۱/۲٦۱، الفن الأوّل في القواعد الكليّة، القاعدة الخامسة: الضّرر يزال، المطبوعة: مكتبه زكريا، ديوبند.

(۲) رجسٹر میں اس جگہ عبارت اس طرح درج ہے: ''کیوں کہ روپیہ متعذر رہے'' اس عبارت کا کچھ مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے بعد استصواب بین القوسین الفاظ (میں تمیز) زیادہ کر دیے گئے ہیں۔ ظفیر

جس وقت اس وضع کردہ رقم کی مقدار نصاب کو پہنچ جاوے۔ فقط واللہ اعلم، کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند (۳۴۰/٦)

وضاحت: اس مسئلے میں سابقہ جواب دیکھے جائیں۔ فتویٰ انہی جوابوں پر ہے، اس جواب پر فتویٰ نہیں ہے۔

یہ سوال وجواب رجسٹر سنہ ۲۹-۱۳۳۰ھ نمبر سلسلہ: ۲۳۵ سے لیے گئے ہیں، اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے فتاویٰ اسی سن سے شروع ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ مفتی صاحب قدس سرہٗ کی پہلی رائے ہوگی جو بعد میں بدل گئی ہے؛ اس لیے بعد کے تمام فتاویٰ میں مفتی صاحبؒ نے پراویڈنٹ فنڈ میں وصول سے پہلے سالوں کی زکاۃ کے عدم وجوب کا فتویٰ دیا ہے، کیوں کہ دَین کی تین قسمیں ہیں: {۱} دَین قوی: جیسے قرض اور مالِ تجارت کا بدل۔ {۲} دَین متوسط: یعنی غیر مال تجارت کا بدل۔ {۳} دَین ضعیف: یعنی غیر مال کا بدل جیسے دَین مہر اور دیت۔ تنخواہ چوں کہ منافع کا بدل ہے؛ اس لیے دَین ضعیف ہے اور دَین ضعیف میں زکاۃ اس وقت واجب ہوتی ہے، جب قبضہ کے بعد سال اس پر گزر جائے، لہٰذا پراویڈنٹ فنڈ میں بھی ملنے سے پہلے سالوں کی زکاۃ واجب نہ ہوگی، اور ملنے کے بعد اس وقت زکاۃ واجب ہوگی جب اس پر سال گزر جائے، بہ شرطیکہ وہ شخص پہلے سے نصاب کا مالک نہ ہو۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ٦/۱۴-۱۵) محمد امین پالن پوری

تنخواہ کا جو حصہ فنڈ کے نام پر کٹ جاتا ہے اس کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۵٦۴) زید ملازم ریلوے ہے، اس کی تنخواہ کا چوتھائی حصہ ہر ماہ میں کٹ کر فنڈ میں جمع ہوتا ہے، اور ریلوے اس فنڈ کے روپیہ سے قرض دے کر سود لیتی ہے، اس فنڈ کے کل روپیہ پر زکاۃ فرض ہے یا نہیں؟ (۹۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس روپے کی زکاۃ بعد وصول کے آئندہ لازم ہوگی[1] فقط واللہ اعلم (۳۳۳/٦)

---

(۱) فلا زكاة على مكاتب إلخ ولا في مال مفقود إلخ وما أخذ مصادرة ...... ثمّ وصل إليه بعد سنين لعدم النّموّ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱٦۸-۱۷۲، كتاب الزّكاة، مطلب في الحوائج الأصليّة) ==

زکاۃ کی ادائیگی میں شک ہوتو کیا کرے؟

سوال: (۵۶۵) صاحبِ زکاۃ کے ذمہ مبلغ ۲۰ روپے واجب الاداء تھے، اس نے مبلغ ۱۵ روپے تو یقیناً ادا کردیئے، اور مبلغ ۵ روپے میں شک ہے کہ ادا کیے یا نہیں؛ تو ۵ روپے اس کے ذمہ ادا کرنے ضروری ہیں یا نہ؟ (۱۱۵۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جب کہ غلبۂ ظن ادا کرنے کا نہیں ہے اور غلبۂ ظن کا ہی اعتبار ہے تو اس کو وہ پانچ روپیہ باقی ماندہ ادا کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۹/۶)

وفات شدہ کے ترکہ میں سے زکاۃ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۶۶) عمر صاحبِ نصاب تھا، اس کے ذمہ مال کی زکاۃ واجب الاداء تھی؛ مگر وہ زکاۃ ادا کیے بغیر ایک نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہوگیا، کیا اب عمر کی عورت اس مال میں سے؛ سابقہ باقی ماندہ اور حال کی زکاۃ ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۲۹۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بدون وصیت متوفیٰ کے مال متروکہ مشترکہ سے زکاۃ ادا نہیں کرسکتی؛ کیوں کہ وارث نابالغ لڑکا بھی ہے، اس کے حصے میں بلا وصیت کے یہ تصرف نہیں ہوسکتا[1] في الدّرّ المختار: وَأمّا دَيْنُ اللّٰهِ تَعَالٰى فإنْ أوصٰى بهٖ وَجَبَ تَنْفِيْذُهٗ[2] شامی میں کہا: وذٰلك كالزّكاة والكفّارات إلخ[2] (جلد خامس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۹/۶-۳۳۰)

== واعلم أنّ الدّيون عند الإمام ثلاثة : قوي ومتوسّط وضعيف؛ فتجب زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدّين القويّ كقرض وبدل مال تجارة؛فكلّما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم إلخ وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده أي بعد القبض من دين ضعيف وهو بدل غير مال كمهر ودية إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۱۷-۲۱۹، كتاب الزّكاة، باب زكاة المال، مطلب في وجوب الزّكاة في دَين المَرصد) ظفیر

(۱) ولو مات فأدّاها وارثه جاز (الدّرّ المختار) في الجوهرة: إذا مات مَن عليه زكاةٌ أو فطرة أو كفّارة أو نذر لم تؤخذ من تركته عندنا إلخ ، وإن أوصٰى تنفذ من الثّلث. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۸۰، كتاب الزّكاة، باب صدقة الفطر) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۰/۴۱۱، كتاب الفرائض.

لاوارث میت کے کفن میں جو رقم صرف کی گئی وہ زکاۃ میں محسوب نہ ہوگی

سوال: (۵٦۷) میں نے زکاۃ کا ایک کھاتہ علیحدہ رکھ لیا، اب جو کچھ محتاجوں پر خرچ کرتا ہوں اس پر لکھ لیتا ہوں؛ مثلاً ایک لاوراث کے کفن میں پانچ روپیہ صرف کیا اس کو لکھ لیا (ایک غریب کو دس روپیہ کا کپڑا دیا اور لکھ لیا)[1] اور جس قدر راہ خدا میں مسکینوں اور غریبوں کی خبر گیری کی وہ سب لکھتا رہا، اور وقت دینے کے دل میں نیت زکاۃ کی بھی کرلی، اس صورت میں زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۴۱۳ھ)

الجواب: مسکینوں اور غریبوں کو متفرق طور سے جو کچھ بہ نیت زکاۃ دیا جاوے جیسا کہ آپ کرتے ہیں جائز ہے، اور زکاۃ اس میں ادا ہو جاتی ہے، لیکن لاوارث میت کے کفن میں جو کچھ صرف کیا گیا وہ زکاۃ میں محسوب نہ ہوگا، وہ صدقۂ نفلی رہے گا، زکاۃ میں زندہ فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔ فقط (۳۴۴/٦)

بلانیتِ زکاۃ جو رقوم خیرات کی گئیں وہ زکاۃ میں محسوب نہیں ہوں گی

سوال: (۵٦۸) ایک شخص صاحب زکاۃ نے کسی وقت بہ نیت ادائے زکاۃ کوئی تعین رقم کا بہ لحاظ مالیت نہیں کیا، اور اللہ پاک کے نام خیرات کافی مقدار سے دیتا رہا؛ لیکن کبھی نیۃً یا خیالاً زکاۃ کے نام سے نہیں دیا، اگر پچھلے سالوں کی زکاۃ ادا نہیں ہوئی تو کیا یک مشت ادا کرنا لازم ہے، اور جب کہ گزشتہ سالوں کی مالیت بھی کم وبیش ہوتی رہی ہو تو اب کس معیار پر گزشتہ سالوں کی مقدار بہ ہیئت مجموعی مقرر کی جاوے؟ (۱۳۳۸/۸۷۷ھ)

الجواب: جو رقوم بلانیت زکاۃ خیرات کی گئیں وہ زکاۃ میں محسوب نہیں ہوئیں، اور زکاۃ ادا نہیں ہوئی[2] گزشتہ تمام سالوں کی زکاۃ ادا کرنا لازم ہے، اور اندازہ ہر سال کا تقریبی جو کچھ

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكمًا إلخ ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۳-۱۷٦، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً) ظفير

غالب گمان میں ہو وہ قائم کر لینا چاہیے، اور بہ تدریج ادا کرنا بھی اس زکاۃ کا درست ہے، یک مشت دینا لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۳۵-۳۳۶)

زکاۃ غریب کو دے کر اپنے قرض میں لے لینا درست ہے

سوال: (۵۶۹) زید کا ایک شخص پر روپیہ قرض ہے، اور وہ شخص مفلس ہے، زید یہ حیلہ کرتا ہے کہ اپنے روپیوں کی زکاۃ نکال کر اس مقروض کو دیتا ہے، اور پھر اس سے قرض وصول کر لیتا ہے، یہ زکاۃ ادا ہوگی یا نہ؟ (۴۲۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ادا ہو جاوے گی [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۳۵)

گزشتہ سالوں کی زکاۃ جو شرعاً ادا نہیں ہوئی اس کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟

سوال: (۵۷۰) میں نے جو عرصہ بیس پچیس سال سے زکاۃ دی ہے تو ایسے شخصوں کو دی ہے جو میرے ذمے سے ادا نہیں ہوئی؛ یعنی اپنے پوتوں اور ہمشیرہ اور لڑکی وغیرہ غریب کو، مگر اب میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی بات ایسی مجھ کو بتا دی جاوے کہ جو سال گزر چکے ہیں ان کی زکاۃ میرے ذمہ سے ادا ہو جاوے، مگر مجھ کو یہ یاد نہیں کہ جو سال گزر چکے ہیں فلاں سال میں اس قدر روپیہ میرے پاس تھا اور فلاں سال میں اس قدر روپیہ تھا، بلکہ یہ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ اس روپیہ میں سے خرچ ہوتے ہوتے بہت تھوڑا سا باقی رہا ہے، اور نہ میں نے اس روپیہ سے کسی قسم کی تجارت وغیرہ کی ہے، بلکہ اس میں سے خرچ ہی کرتا رہا ہوں، اس صورت میں کیا کیا جاوے جو گزشتہ زکاۃ میرے ذمہ سے ادا ہو جاوے؟ (۳۴۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: گزشتہ سالوں کی زکاۃ جو ادا نہیں ہوئی اس کی ادائیگی کی اب اس کے سوا اور کچھ صورت

---

(۱) وأداء الدّین عن العین وعن دَین سیقبض لا یجوز، وحیلة الجواز أن یعطي مدیونه الفقیر زکاته ثمّ یأخذها عن دَینه ولو امتنع المدیون مدّ یده وأخذها لکونه ظفر بجنس حقّه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۷، کتاب الزّکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً) ظفیر

نہیں ہوسکتی کہ اپنے خیال میں ان برسوں کا اندازہ کیا جاوے (اور یہ بھی اندازہ کیا جاوے)[1] کہ ہر سال میں کتنا کتنا روپیہ تخمیناً موجود تھا، اور نیز واضح ہو کہ بہن اور بہن کی اولاد جو غریب ہوں ان کو زکاۃ دینا درست ہے، البتہ بیٹوں، پوتوں اور پوتیوں اور (بیٹیوں)[1] اور نواسوں اور نواسیوں کو زکاۃ دینا درست نہیں ہے[2] پس یہ بھی اندازہ کیا جاوے کہ کس قدر پوتوں اور لڑکیوں کو دی گئی ہے اور کس قدر بہن کو؛ کیوں کہ جو بہن کو دی گئی وہ ادا ہوگئی، اور جو اولاد یا اولاد کی اولاد کو دی گئی وہ ادا نہیں ہوئی، الغرض اندازہ سے جس قدر روپیہ ہر سال میں موجود ہونا خیال میں آوے اس کی زکاۃ کا حساب کرا کر اس کو ادا کر دیا جاوے، اور حتی الوسع تخمینہ ایسا کیا جاوے کہ اپنے خیال کے موافق اس میں کمی نہ رہے، کچھ زیادہ ہی ہو جاوے کہ احتیاط اسی میں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۳۳۶-۳۳۷)

زکاۃ ادا کی مگر شرعاً ادا نہ ہوئی تو کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال: (۵۷۱) اگر زکاۃ ادا کی جائے اور کسی شرعی وجہ سے وہ ادا نہ ہو تو کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۹۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (ثواب) ملے گا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۳۳)

صدقہ کا ثواب مالکِ خانہ کو ملے گا یا سب گھر والوں کو؟

سوال: (۵۷۲) اگر کسی گھر میں نو دس آدمی ہیں اور ایک شخص کا اختیار تمام چیز پر ہے، اور مختار سب کی خوشی سے بنایا گیا ہے، اگر وہ صدقہ دے گا تو اس کو ہی ثواب ملے گا یا تمام گھر والوں کو؟

(۲۱۵۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ولاَ إلٰی مَن بَینھُما وِلادٌ (الدّرّ المختار) وقُیِّدَ بالوِلاَدِ لِجَوازِہٖ لِبَقِیَّۃِ الأقارِبِ کالإخْوَۃِ والأعْمامِ والأخوالِ الفُقَرَاءِ بَلْ ھُمْ أولٰی؛ لأنّہٗ صِلَۃٌ وصدقۃٌ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۶۴-۲۶۵، کتاب الزّکاۃ، باب المصرف) ظفیر

(۳) ﴿اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۲۰)

الجواب: جب کہ صدقہ خیرات سب کے مال مشترکہ سے ان کی اجازت سے ہے تو سب کو ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۳۳۹)

ایصالِ ثواب کے لیے صدقۂ جاریہ کی بہتر صورت کیا ہے؟

سوال: (۵۷۳) ایک شخص دوصد روپیہ اپنے والدین مرحوم کے مکافاتِ گناہ کے لیے دوامی سلسلہ کی صورت میں قائم کرکے اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہے، احسن صورت صرف کی کونسی ہوگی؟

(۴۶۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایصال ثواب کے لیے صدقۂ جاریہ کی صورت بہتر ہے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ میت کو ثواب پہنچتا رہے، اس کی صورت یہ ہے کہ روپیہ مذکورہ کتب دینیہ حدیث وفقہ وتفسیر کی خرید کرکے کسی مدرسہ دینیہ میں داخل کردی جاویں کہ اس کا نفع عظیم ہے، یا روپیہ مذکورہ سے کوئی جائداد خرید کر اس کو وقف کردیا جاوے، اور آمدنی اس کی کسی مدرسہ دینیہ کے طلبہ مساکین ویتامی اور اقرباء غرباء پر تقسیم کردی جائے کہ اس قدر فلاں کو اور اس قدر فلاں کو دی جاوے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **إذا مات الإنسانُ انقطع عنهُ عَمَلُهُ إلاّ مِن ثلاثةٍ إلاّ مِن صدقةٍ جارية أو علمٍ ينتفع بهٖ أو ولدٍ صالحٍ يدعو لهُ، رواه مسلم**[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم کی اعانت میں جو کچھ صرف کیا جائے گا وہ بھی صدقہ جاریہ ہے، اور ثواب اس کا ہمیشہ متوفی کو پہنچتا رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۳۴۲-۳۴۳)

جبراً عشر وچندہ مدرسہ میں لینا کیسا ہے؟

سوال: (۵۷۴) جبراً عشر وچندہ وصول کرکے مدرسہ ومکتب میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جبر کرنا صدقۂ نفلی میں درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۳۳۸)

---

(۱) عن ابن هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: إذا مات الإنسانُ انقطع عنهُ الحيث. (مشكاة المصابيح، ص:۳۲، كتاب العلم ، الفصل الأوّل)

مساکین کی امداد کے لیے انجمن قائم کرنا درست ہے

سوال: (۵۷۵) ایسی انجمن قائم کرنا جس میں مال زکاۃ مساکین پر صرف ہوتا ہو جائز ہے یا نہیں؟ (۳۴۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۳۸)

مختلف لوگوں سے صدقات کی رقم وصول کر کے خلط ملط کرنے والا ضامن ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۵۷۶) جس کو لوگ پیسے دیں اس کو فقراء یا کسی مدرسہ کے مہتمم کی جانب سے وصول کرنے کی اجازت نہیں تو یہ شخص سب کے پیسے خلط کرنے سے ضامن ہوگا یا نہیں؟ (۲۸۲۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: مسئلۂ خلط میں شامی میں یہ تحقیق کیا ہے کہ دلالتِ اذن بھی کافی ہے، پس صورت مذکورہ میں فقراء کی طرف سے یا مہتمم کی طرف سے عادۃً اجازت خلط کی ہوتی ہے، لہٰذا ضمان نہ آوے گا ثمّ قال في التّتارخانية: أو وُجدت دلالةُ الإذن بالخلط كما جرت العادة بالإذن من أرباب الحِنطةِ بخلطِ ثمن الغَلّات، وكذلك المتولي إذا كان في يده أوقاف مختلفة وخلط غلّاتها ضمن —— إلى أن قال —— قلت: ومقتضاه أنّه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذٍ دلالةً الخ[1] فقط واللہ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۷۵، كتاب الزّكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً.

کتاب الصّوم

روزہ کے مسائل

روزہ کی نیت دن میں کتنے بجے تک کر سکتے ہیں؟

سوال: (۱) زید صبح کو سو گیا، قریب ۱۱، ۱۲ بجے کے آنکھ کھلی تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟
(۱۳۴۲/۲۱۳۹ھ)

الجواب: رمضان شریف کے روزہ کی نیت یا نفلی روزہ کی نیت دن میں نصف نہار شرعی سے پہلے پہلے صحیح ہے؛ یعنی ۱۱ بجے تک تقریبًا صحیح ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۴/۶)

نفلی اور نذر معین کے روزہ کی نیت کب کرے؟

سوال: (۲) نفلی روزے میں یا نذر میں نیت کب سے کرے؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: نفلی روزہ میں اور نذر معین اور رمضان شریف کے روزہ میں رات سے نیت کرے

---

(۱) فیصحّ أداء صوم رمضان إلخ بنیّةٍ من اللّیل إلخ إلی الضّحوة الکبریٰ لا بعدها (الدّرّ المختار) قوله: (إلی الضّحوة الکبریٰ) المراد بها نصف النّهار الشّرعي والنّهار الشّرعيّ من استطارة الضّوء في أفق المشرق إلیٰ غروب الشّمس والغایة غیر داخلة في المغیّا (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳۰۴/۳، کتاب الصّوم)

نیت سے مراد دل کا ارادہ ہے، زبان سے ادائیگی ضروری نہیں ہے؛ اس لیے اگر ارادہ رات میں کر کے سویا تھا؛ تو پھر کوئی مزید ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

یا صبح کو نصف نہار شرعی تک کرے درست ہے، اور باقی روزں میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے[۱]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۳۴٦)

نذر کے روزہ میں قضا کی نیت کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۳) ایک شخص کے ذمے کچھ روزے قضا کے تھے اور کچھ نذر کے؛ پہلے قضا کے رکھنے شروع کیے، جب وہ ختم ہوگئے تو نذر کے رکھے، مگر رات کو نذر کی نیت یاد نہ رہی، قضا کی نیت کر لی دن کو یاد آیا تو نذر کا روزہ ادا ہوگا یا نہیں؟ (۹۴۲/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: نذر معین میں دن کو دوپہر تک نیت ہو سکتی ہے[۲] اور نذر مطلق میں یعنی جس میں کوئی دن اور تاریخ مقرر نہ کی جاوے رات سے نیت اس روزہ کی ضروری ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر نذر مطلق کا روزہ ہے تو وہ بہ نیت قضا ادا نہ ہوگا نذر کا روزہ پھر رکھنا ہوگا[۳] فقط (٦/ ۳۴۷)

مسافر یا مریض رمضان میں نفل کی نیت سے روزہ رکھے تو فرض ہوگا یا نفل؟

سوال: (۴) مسافر یا مریض اگر رمضان میں بہ نیت نفل روزہ رکھے تو نفلی ہوگا یا فرض؟
(۸۳۷/ ۱۳۳۵ھ)

---

(۱) فيصحّ أداء صوم رمضان والنّذر المعيّن والنّفل بنيّةٍ من اللّيل إلخ إلى الضّحوة الكبرى لا بعدها إلخ والشّرط للباقي من الصّيام قران النّية للفجر ولو حكمًا وهو تبييت النّيّة للضّرورة وتعيينها لعدم تعيّن الوقت. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۰۴-۳۰۸، كتاب الصّوم) ظفير

(۲) فيصحّ أداء صومِ رمضان والنّذرِ المعيّن والنّفلِ بنيّةٍ من اللّيل فلا تصحّ قبل الغروب ولا عنده إلى الضّحوة الكبرى لا بعدها إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۰۴، كتاب الصّوم) ظفير

(۳) والشّرط للباقي من الصّيام قران النّيّة للفجر ولو حكمًا وهو تبييت النّيّة (الدّرّ المختار) قوله: (والشّرط للباقي من الصّيام) أي من أنواعه إلخ، وهو قضاء رمضان والنّذر المطلق إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۰۸، كتاب الصّوم) ظفير

الجواب: شامی میں ہے: وحاصلُهُ أنّ المريضَ والمُسافِرَ لو نَوَيا وَاجِبًا آخَرَ وقعَ عنهُ ولونَوَيا نَفَلاً أوأطلقا فعنْ رمضانَ إلخ (۱) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مریض اور مسافر اگر نفل کی نیت کریں تو رمضان کا روزہ ہوگا، اور اگر واجب آخر کی نیت کریں تو واجب آخر ہوگا۔ وفیہ تفصیل واختلاف (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۵/٦)

رمضان میں بلا عذر شرعی کھانے والے کی مثال

سوال: (۵) مولوی صاحب نے ایک شخص کو رمضان میں بلا عذر شرعی کھاتے پیتے دیکھ کر کہا کہ خنزیر خور ہے، اور رمضان میں کھانا حرام ہے، اور جس کو کھاتے دیکھتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ سور کھا رہا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ رمضان میں بلا عذر شرعی کھانا حرام ہے یا گناہ کبیرہ؟

(۱۳۴۰/۲۳۹۱ھ)

الجواب: بلا عذر رمضان شریف میں دن کو کھانا پینا بے شک قطعًا حرام ہے، اور کھانے والا مرتکب حرام فعل کا ہے اور گناہ کبیرہ کا ہے، اور تشبیہً اس کو خنزیر خور کہنا صحیح ہوسکتا ہے، یعنی جیسا کہ خنزیر خور حرام خور اور مرتکب فعل حرام اور گناہ کبیرہ کا ہے؛ اسی طرح رمضان شریف میں بلا عذر کھانے والا حرام خور اور مرتکب فعل حرام اور گناہ کبیرہ کا ہے اور مثل خنزیر خور کے ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۳۴۵-۳۴۴/٦)

کیا جب تک اذان نہ سنیں سحری کھا پی سکتے ہیں؟

سوال: (٦) زید کہتا ہے کہ ناواقف لوگ جو اوقات سحری سے خبر نہیں رکھتے جب تک اذان نہ سنیں کھا پی سکتے ہیں، اگر مؤذن نے اذان میں دیر کی تو مؤذن کا قصور ہے؟ (۱۳۴۰/۲۲۴۵ھ)

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳۰٦/۳، كتاب الصّوم .

(۲) دیکھئے: ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۳۰٦-۳۰۷، كتاب الصّوم .

(۳) اعلم أنّ صوم رمضان فريضة لقولهٖ تعالىٰ: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ وعلىٰ فرضيتهٖ انعقد الإجماع ولهٰذا يكفر جاحده. (الهداية: ۲۱۱/۱، كتاب الصّوم) ظفیر

الجواب: صبح صادق کے بعد کھانا پینا درست نہیں ہے؛ خواہ اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس بارے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے[١] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٣٤٥-٣٤٦)

صبح صادق کے بعد کھانے کی اجازت نہیں

سوال: (٧) زید کہتا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں کچھ کھانے پینے کو موجود ہے صبح صادق ہوگئی وہ اس ہاتھ کی خوراک کو کھا پی سکتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ (٢٢٤٥/١٣٤٠ھ)

الجواب: اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صبح صادق کا ہونا یقینی نہ ہو[٢] فقط (٦/ ٣٤٥-٣٤٦)

صرف جمعہ کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

سوال: (٨) جمعہ کا روزہ اکیلا رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور خاص کر جو عرفہ ذی الحجہ جمعہ کا ہو تو روزہ رکھے یا نہیں؟ ایک واعظ نے جمعہ کا روزہ رکھنا حرام فرمایا ہے، واعظ درست کہتا ہے یا غیر درست؟ (٢٨٠/ ٢٩-١٣٣٠ھ)

---

(١) وشرعًا إمساك عن المفطرات الآتية حقيقةً أو حكمًا إلخ في وقتٍ مخصوصٍ وهو اليوم (الدّرّ المختار) أي اليوم الشّرعي من طلوع الفجر إلى الغروب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٢٩٦/٣، كتاب الصّوم) ظفير

(٢) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إذا سمع النّداءَ أحدكم والإناءُ في يده فلا يضعُهُ حتّى يقضيَ حاجتهُ منه، رواه أبوداؤد. (مشكاة المصابيح: ص:١٧٥، كتاب الصّوم، باب، الفصل الثّاني)

المراد يسمع النّداء وهو شاكّ في طلوع الصّبح للتّغيّم فلا يقع العلم له بأذانه أن الفجر قد طلع فينبغي أن يتحرّى وإذا لم يقع تحرّيه على أحد الجانبين فلا ينبغي أن يشرب. (هامش مشكاة المصابيح: ص:١٧٥، كتاب الصّوم، باب، الفصل الثّاني، رقم الحاشية:)

أو تسحّر أو أفطر يظنّ اليومَ إلخ ليلاً، والحال أنّ الفجر طالعٌ والشّمسَ لم تغرب إلخ قضى في الصّور كلّها فقط. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/ ٣٣٩-٣٤١، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفير

الجواب: واعظ کا کہنا درست نہیں، روزہ جمعہ کا مستحب ہے، بعض فقہاء نے اس وجہ سے کہ روزہ ضعف کا باعث ہے تو استحباب سے —— کہ بہ سببِ ضعف فرض نماز میں کچھ خلل ہو جاوے —— منع فرمایا، ورنہ ویسے اس کے استحباب میں کچھ شک نہیں، اور فقہاء احتیاطاً فرماتے ہیں کہ ایک روزہ اس سے اوّل یا اس کے بعد رکھے، اگر تنہا ہی رکھے تو کچھ حرج نہیں۔ قال في الشّامي في كتاب الصّوم : فكان الإحتياط أن يضمّ إليه يومًا آخر —— إلى أن قال —— لأنّ فيه وظائف فلعلّه إذا صام ضعف عن فعلها [1] فقط (کتبہ رشید احمد عفی عنہ: الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند) [2] (٦/ ۳۴۷-۳۴۸)

سوال: (۹) تنہا جمعہ کا روزہ نفلی رکھنا مکروہ ہے یا نہیں؛ نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے؟ (١٠١١/ ١۳۴۵ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ رکھنا تنہا مکروہ نہیں ہے۔ ولا بأس بصوم يوم الجمعة عند أبي حنيفة ومحمّد لما روي عن ابن عبّاس أنّه كان يصومه ولايفطر إلخ [3] اور حدیثِ نہی محمول ہے اس پر کہ اقامتِ جمعہ وغسل وغیرہ سے ضعف نہ ہو جاوے، پس جس کو یہ خوف نہ ہو اس کے لیے مکروہ نہیں ہے، اور (بہتر) [4] یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک روزہ پہلے یا پیچھے ملا لیوے

---

(١) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۳٠١، كتاب الصّوم .

پوری عبارت یہ ہے: والمندوب كأيّام البيض من كلّ شهر ويومِ الجمعةِ ولو منفردًا وعرفةَ ولو لحاجّ لم يُضْعِفْه (الدّرّ المختار) قوله: (ويومِ الجمعة ولو منفردًا) صرّح به في النّهر؛ وكذا في البحر، فقال: إن صوموه بانفرادهٖ مستحبّ عند العامّة كالإثنين والخميس إلخ، ولا بأس بصوم يوم الجمعة عند أبي حنيفة ومحمّد لما روي عن ابن عبّاس أنّه كان يصومه ولا يفطر إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳٠١، كتاب الصّوم)

(٢) قوسین والی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے، اور یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاویٰ ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سنہ ۲۹-١۳۳٠ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ’’رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاویٰ پر ہیں کوئی ناقل فتاویٰ ہے‘‘۔ ١٢

(۳) ردّ المحتار: ۳/ ۳٠١، كتاب الصّوم .

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (بہتر) کی جگہ ’’معتبر‘‘ تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ١٢

جیسا کہ حدیث بخاری ومسلم میں ہے: لا یصوم أحدکم یوم الجمعة إلاّ أن یصوم قبله أو یصوم بعده، متّفق علیه[1] (مشکاة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴٢٦)

عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے

سوال: (١٠) عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے یا نہیں؟ اور جس کو عید ہونا معلوم نہ ہو اور اس نے روزہ رکھا تو صحیح ہے یا نہ؟ اور اگر شخص مذکور بلا عذر شرعی روزہ افطار کرے تو قضا یا کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ (٢٣۴٦/١٣۴١ھ)

الجواب: جس کو عید ہونا معلوم نہ ہو اور ثبوتِ عید اس کے نزدیک نہ ہوا ہو، اور حکم عید بہ طریق موجب اس کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہو تو اس کے روزہ رکھنے میں گناہ نہ ہوگا، اور اس کے حق میں حرمت نہ ہوگی، اگرچہ درحقیقت وہ روزہ نہیں ہوا، کیوں کہ عید الفطر کا دن روزہ کا محل نہیں ہے، اور جس نے باوجود عدم علم عید اس دن روزہ نہ رکھا اور افطار کیا، اور بعد میں عید ہونا اس دن کا محقق ہوگیا تو قضا اس روزے کی اور کفارہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴٩۵)

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت

سوال: (١١) بہ تاریخ ٩ ذی الحجہ بہ روز عرفہ روزہ رکھنا کیسا ہے؟ (١١٨/١٣۴٠ھ)

الجواب: مستحب ہے اور اس میں بہت ثواب ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣۴٦)

---

(١) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: لا يصوم أحدكم الحديث (مشكاة المصابيح، ص:١٧٩، كتاب الصّوم، باب صيام التّطوّع، الفصل الأوّل) ظفیر

(٢) عن أبي قتادة أنّ رجلاً أتى النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم.........صيام يوم عرفة أحتسبُ على الله أن يكفّر السّنة الّتي قبله والسّنة الّتي بعده.......... رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:١٧٩، كتاب الصّوم، باب صيام التّطوّع، الفصل الأوّل)

والمندوب كأيّام البيض من كلّ شهر إلخ وعرفةَ ولو لحاجّ لم يُضْعِفْه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٠١، كتاب الصّوم) ظفیر

عرفہ کا روزہ حاجی لوگ کیوں نہیں رکھتے ؟

سوال: (۱۲) ماہ ذی الحجہ میں عرفہ کے دن یعنی نویں تاریخ کو جو روزہ رکھنے کا بہت ثواب ہے تو اس روز حاجی لوگ خاص عرفات میں روزہ کیوں نہیں رکھتے، اس کی کیا وجہ ہے؟

(۲۹/۱۹۴۷-۱۳۳۰ھ)

الجواب: سفر کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ روزہ رکھنے کے سبب سے کہیں افعال حج کے ادا کرنے میں ضعف کے باعث خلل واقع نہ ہونے لگے۔ واللہ اعلم (۶/ ۳۴۸)

وضاحت: یوں اگر حاجی کو عرفات کے فرائض کی ادائیگی میں خلل نہ ہو اور وہ کمزوری محسوس نہ کرے تو وہ بھی عرفہ کا روزہ رکھ سکتا ہے، جیسا کہ شامی کی عبارت سے ظاہر ہے۔ **والمندوب كأيّام البيض إلخ وعرفة ولو لحاجّ لم يضعفه (الدّرّ المختار) صفة لحاجّ أي إن كان لا يضعفه عن الوقوف بعرفات ولا يخلّ بالدّعوات؛ محيط، فلو أضعفه كره. (الدّرّ المختار وردّ المحتار للشّامي: ۳/۳۰۱، كتاب الصّوم)** ظفیر

رؤیتِ ہلال اور اختلافِ مطالع کا بیان

شوال کے چاند کی شہادت ایک مرد اور تین عورتیں دیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳) ماہِ رمضان کی ۲۹ کو شہر خیر پور میں گرد و غبار کے باعث عوام نے چاند نہ دیکھا، بعد نماز مغرب کے حافظ اللہ بخش اور تین عورتیں شہادت دیتی ہیں کہ ہم نے یقیناً چاند دیکھا ہے، اللہ بخش کہتا ہے کہ میں اوروں کو پکارتا رہا، مگر کوئی نہیں پہنچا حتی کہ چاند بادل میں آ گیا، ان کا حال محلّہ والوں سے دریافت کیا گیا سب نے یہ کہا کہ ہم ان کی کوئی شکایت نہیں جانتے، کیا دریں صورت اس شہادت کو معتبر سمجھ کر افطار کا حکم دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۵۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر وہ شخص چاند دیکھنے والے نمازی پرہیزگار ہیں فسق و فجور ان کا ظاہر نہیں ہے تو ان کی گواہی پر افطار درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۴۹-۳۵۰)

تار کی خبر قابل اعتبار نہیں اور دو آدمیوں کا یہ کہنا بھی معتبر نہیں کہ فلاں شہر میں چاند ہوا ہے

سوال: (۱۴) تار کی خبرِ ہلال عید و رمضان کے بارے میں معتبر ہے یا نہیں؟ (یا دو آدمی معتبر

---

(۱) وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة ولفظ أشهد وعدم الحدّ في قذف إلخ ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة، وأفطروا بإخبار عدلين مع العلّة للضّرورة (الدّرّ المختار) قوله: (نصاب الشّهادة) أي على الأموال وهو رجلان أو رجل وامرأتان. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۵-۳۱۶، كتاب الصّوم، مبحث في يوم الشّكّ) ظفير

کہیں سے آکر کہیں کہ)[۱] فلاں شہر میں چاند ۲۹ کو دیکھا گیا، ہم نے وہاں کے باشندوں سے سنا ہے اور اگر دو آدمی جو پابند صوم وصلاۃ نہیں ہیں، چاند کی گواہی دیں تو معتبر ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۶۷۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: تار کی خبر شرعًا قابل اعتبار کے نہیں ہے، اس پر روزہ رکھنا اور عید کرنا درست نہیں ہے اور دو آدمیوں کا یہ کہنا کہ فلاں شہر میں چاند ہوا ہے لیکن دیکھنے والے سے انہوں نے نہیں سنا یہ بھی معتبر نہیں ہے[۲] اور بے نمازی کی شہادت رمضان وعید کے بارے میں معتبر نہیں ہے[۳] فقط واللہ اعلم (۳۵۰/۶-۳۵۱)

دو عادل شخص کی شہادت پر روزہ رکھا گیا تو تیس دن کے بعد افطار واجب ہے

سوال: (۱۵) دو شخص عادل کی شہادت پر روزہ ماہ رمضان کا رکھا گیا، بعد تیس روز کے افطار واجب ہے یا کہ جائز؟ اور یہ عبارت درمختار: **بعد صوم ثلاثين بقول عدلين حلّ الفطر**[۴] **حلّ الفطر** کا مفاد وجوب ہے یا کہ جواز؟ (۲۰۸۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جب کہ رمضان شریف کا روزہ عادلین کی شہادت پر رکھا گیا، اور تیس تاریخ کو ابر وغبار ہے تو افطار بعد تیس دن کے واجب ہے، اور مفاد **حلّ الفطر** کا اس صورت میں وجوب ہے۔

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب كما مرّ (الدّرّ المختار) قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۵/۳، كتاب الصّوم ، مطلب في اختلاف المطالع)** ظفیر

(۳) **لا فاسق اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱۵/۳، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك)** ظفیر

(۴) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۰/۳-۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ما قاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود)** ظفیر

قال في الشّامي : والحاصل : أنّه إذا غمّ شوّال أفطروا اتّفاقًا إذا ثبت رمضانُ بشهادة عدلين في الغيم أو الصّحو إلخ[1] اور درمختار کی اس عبارت سے کچھ پہلے ہی: جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما[1] واقع ہے، اس پر ردالمحتار نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ جاز؛ وجوب کی منافی نہیں ہے۔ کما قوله: (أي جاز) الظّاهر أنّ المراد بالجواز الصّحة فلا ينافي الوجوب تأمّل إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۵۶-۳۵۷)

ثقہ لوگوں نے چاند دیکھا اور کچھ لوگوں نے روزہ رکھا اور کچھ نے نہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۶) فرقۂ قلیلہ لیکن ثقہ روز پنج شنبہ ہلال دیدہ روزۂ نخستین داشت، پس بعد تمام سی (۳۰) روز یک شنبہ عید نمود، فرقۂ ثانیہ بہ شنبہ روزۂ اول داشت، و روز دوشنبہ عید کردہ، تخطیۂ فرقۂ اولیٰ کہ ہر دو وقت بہ رؤیت ہلال کار ورزیدہ است می کند کہ روزہ و عید شما ہر دو برخطا ست، پس دریں صورت صواب چیست؟ و برخطا کیست؟ وحکم روزہ یک شنبہ پسیں چیست؟ و بر مفطران جمعہ اوّل قضا است یا نہ؟ (۳۲/۵۷۵-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ہرگاہ رؤیت ہلال رمضان بہ روز پنج شنبہ بہ رؤیت ثقاۃ ثابت شد، وسی روز تمام کردہ بہ روز یک شنبہ عید کردہ شد، تخطیۂ فرقۂ اولیٰ روا نیست، و روزہ یک شنبہ پسیں کسانے را کہ رؤیت پنج شنبہ نزد اوشاں ثابت شد روا نیست، و افطار جمعۂ اولیٰ بہ حق اوشاں جائز نیست، وقضا آں روزہ لازم است، ولیکن واضح باد کہ رؤیت نہار را اعتبار نیست، مثلاً اگر بہ روز جمعہ ہلال دیدہ شد آں ہلال شب آئندہ است نہ شب گزشتہ[2] دریں صورت روزۂ جمعۂ اولیٰ درست نیست، بلکہ بہ روز شنبہ یکم رمضان خواہد شد، وہم چنیں حساب معروفہ کہ چہارم رجب یکم رمضان است؛ مثلاً ایں حساب ہم

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۰-۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ما قاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

(۲) و رؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۲۲، كتاب الصّوم ، مطلب في رؤية الهلال نهارًا) ظفیر

قابل عمل وقابل اعتبار نیست، چوں معلوم شدہ بود کہ در بعض بلاد کشمیر ایں امر ہم محل نزاع شدہ است، ازیں وجہ چند کلمہ متعلق آن تحریر کردہ شد والسّلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ. فقط (۶/۳۵۷-۳۵۸)

ترجمہ سوال: (۱۶) ایک قلیل مگر قابل اعتماد جماعت نے جمعرات کے روز چاند دیکھ کر پہلا روزہ (بہ روز جمعہ) رکھا، پھر تیس دن بعد بہ روز اتوار عید ہوئی، دوسری جماعت نے ہفتہ کے دن پہلا روزہ رکھا اور عید پیر کے دن کر کے پہلی جماعت کو جنہوں نے دونوں وقت رؤیت ہلال پر عمل کیا ہے غلط ٹھہراتے ہیں کہ تمہارا روزہ وعید دونوں خطا پر ہیں، پس اس صورت میں صواب کیا ہے؟ اور غلطی پر کون ہے؟ اور اتوار کے روزے کا حکم اس کے بعد کیا ہوگا؟ اور جمعۂ اوّل کا روزہ نہ رکھنے والوں پر قضا لازم ہے یا نہ؟

الجواب: جب کہ رمضان کے چاند کی رؤیت جمعرات کے دن ثقہ حضرات کے دیکھنے کی وجہ سے ثابت ہوگئی، اور تیس دن مکمل کر کے اتوار کے دن عید کر لی گئی تو اب پہلے فرقے کو غلط ٹھہرانا جائز نہیں ہے، اور اس کے بعد اتوار کا روزہ ان لوگوں کے لیے جن کے نزدیک جمعرات کی رؤیت ثابت ہے؛ جائز نہیں ہے، اور پہلے جمعہ کا روزہ نہ رکھنا ان لوگوں کے حق میں جائز نہیں ہے، اور اس روزے کی قضا لازم ہے، لیکن واضح رہے کہ دن کی رؤیت کا اعتبار نہیں ہے، مثلاً اگر جمعہ کے دن چاند دیکھا گیا تو وہ اگلی رات کا چاند ہے نہ کہ گزشتہ رات کا، اس صورت میں پہلے جمعہ کا روزہ درست نہیں ہے بلکہ ہفتہ کے دن پہلا رمضان ہوگا، اور اسی طرح مشہور حساب کہ مثلاً چار رجب یکم رمضان ہے؛ یہ حساب بھی قابل عمل وقابل اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ معلوم ہوا تھا کہ کشمیر کے بعض شہروں میں یہ امر بھی محل نزاع ہوا ہے، اسی بناء پر چند باتیں اس کے متعلق تحریر کر دی ہیں۔ والسّلام علیٰ من اتّبع الھدیٰ.

رؤیت ہلال میں اختلاف ہونے کی صورت میں روزہ وعید کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷) رؤیت ہلال رمضان ۱۳۳۲ھ در ہندوستان وکشمیر بہ روز جمعہ شب شنبہ واقع است، مفتیان شرع برآن فتویٰ دادہ است، الافرقہ ایست کوہستانی، رؤیت ہلال مذکور بہ روز پنج شنبہ

شب جمعہ ثابت می کند بہ اخبار غیر ثقہ، بعض می گویند کہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ چناں است کہ جمعہ فرض است، بر مسائل فقہ عمل نہ کنند، چوں بہ فتویٰ صدر ۲۹ صیام مطلع صاف بود، اکثر مردمان رؤیت ہلال نہ کردہ اند، البتہ ۳۰ صیام روز یک شنبہ چوں کہ مطلع صاف بود عموماً رؤیت کردہ دوشنبہ عید نمودہ اند، آں فرقہ کہ جمعہ قرار دادہ اند، بہ لحاظ آں بلا رؤیت ہلال عام مسلمانان بہ روز یک شنبہ از جماعتے یکے مفتی شدہ فتویٰ افطار داد و عید نمودہ اند؛ چنانچہ بیان یک کس ملفوف ہذا ارسال است کہ می گویند قبل از زوال رؤیت ہلال بہ روز یک شنبہ کردہ، ہما وقت عید نمودیم، دریں باب آنہا را قضاء روز یک شنبہ است یا کفارہ مع القضاء، فتویٰ ہمچوایں مفتی دریں باب نافذ است یا نہ؟ فقط

اس شخص کا بیان یہ ہے کہ ہم نے بہ روز یک شنبہ قبل از زوال بہ وقت چاشت چاند دیکھا، اسی پر عید کیا، اور ہم چاند دیکھنے والے تقریباً بیس آدمی تھے۔ (۴۳۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بہ اخبار غیر معتبرہ یا رؤیت ہلال در نہار رؤیت ہلال شب گزشتہ ثابت نمی شود، پس اعتماد کردن بریں دلائل ضعیفہ وعید کردن بہ روز یک شنبہ بلا رؤیت ہلال در شب آن حرام ومعصیت است وبر مفطران قضاء آن روزہ لازم است، **أما الكفارة فلا، لاختلاف الإمام أبي يوسف رحمه الله فيما قبل الزّوال** (۱) ولیکن اگر بعد ازاں رؤیت ہلال {شوال} (۲) بہ روز شنبہ بعد الغروب یعنی در شب یک شنبہ از جائے ثابت شود، پس بہ سبب آں کہ اختلافِ مطالع معتبر نیست، قضاءِ روزۂ یک شنبہ ساقط شود؛ چنانچہ دریں جا ہمیں قصہ پیش آمدہ است کہ موافق رؤیت ایں بلد بہ روز دوشنبہ عید کردہ شد؛ یعنی بعد صیام سی (۳۰) روز، بعد ازاں محقق شد کہ در بعض بلاد رؤیتِ ہلالِ شوال بہ روز شنبہ شدہ است، وبہ روز یک شنبہ عید کردہ شد، وبینندگانِ ہلال ثقہ ومعتبر اند، از بندہ نیز ملاقی شدہ اند وبیان کردہ اند، ودر چند جا ہمیں قصہ پیش آمد، لہٰذا عید یک شنبہ ثابت شد، وآناں کہ بلا حجت شرعیہ بہ روز یک شنبہ افطار صیام کردہ عید کردہ بودند قضاءِ صوم از ایشاں ساقط شد، وحساب تقویم ویا حساب

---

(۱) قوله: (ورؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا) أي سواء رئي قبل الزّوال أو بعده، وقوله: (على المذهب) أي الّذي هو قول أبي حنيفة ومحمّد ...... وقال أبو يوسف: إن كان بعد الزّوال فكذلك وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان (ردّ المحتار: ۳۲۲/۳، كتاب الصّوم، مطلب في رؤية الهلال نهارًا)

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں {شوال} کی جگہ ”شوذ“ تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

اہل ہنود بود، ویا خامس رمضان الماضی؛ اوّل رمضان الآتی[1] ویا رابع رجب غرۂ رمضان، ونحو آں ہیچک قابل اعتبار نیست، وبارہا ایں حسابات را در عمر خود غلط یافتیم، وعلی ہذا ہر کس کہ بہ روز یک شنبہ بریں بناء عید کردہ سعید نبودہ، الا آں کہ حسب اتفاق در بعض بلاد ہند حسب رؤیت عید بہ روز یک شنبہ ثابت شدہ، {نظر}[2] بر آں از شخص مذکور قضا ساقط است، نہ بہ وجہ صحیح بودن خیال آں کس، بلکہ حسب اتفاق ہمیں عام۔ ورؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا على المذهب (الدّرّ المختار) قوله: (و رؤيته بالنّهار إلخ) أي سواء رئي قبل الزّوال أو بعده، وقوله: (على المذهب) أي الّذي هو قول أبي حنيفة ومحمّد رحمهما الله تعالىٰ —— إلىٰ أن قال —— والمختار قولهما[3] (شامي)

پس بہ وقت چاشت چاند دیکھنے سے اس روز عید کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم (٦/۳۵۹-۳٦۰)

ترجمہ سوال: (۱۷) رمضان سنہ ۱۳۳۲ھ کی رؤیتِ ہلال ہندوستان اور کشمیر میں جمعہ کے دن ہفتہ کی رات کو ہوئی، مفتیان شرع نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، مگر ایک فرقہ ہے کوہستانی جو مذکورہ رؤیتِ ہلال کو نا قابل اعتبار خبروں کے ذریعہ جمعرات کے دن شب جمعہ کو ثابت کرتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول اس طرح ہے کہ جمعہ فرض ہے مسائل فقہ پر عمل نہیں کرتے ہیں، صادر شدہ فتویٰ کے اعتبار سے ۲۹ روزے کو جب مطلع صاف تھا کہ اکثر لوگوں نے رؤیت ہلال نہ کی، البتہ ۳۰ روزے کو اتوار کے روز جب کہ مطلع صاف تھا کہ عمومی رؤیت کر کے پیر کو عید ہوئی، وہ فرقہ جنھوں نے جمعہ کو (یکم رمضان) قرار دیا ہے، ان کے لحاظ سے عام مسلمانوں نے بغیر رؤیت ہلال کے اتوار کے روز کسی جماعت کے ایک مفتی کے روزہ نہ رکھنے کا فتویٰ دینے کی وجہ سے عید کی، چنانچہ ایک شخص کا بیان اس لفافے میں ارسال ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ بہ روز اتوار زوال سے پہلے رؤیت ہلال کر کے اسی وقت ہم نے عید کی، اس مسئلے میں ان لوگوں کو اتوار کے روز کی قضا ہے یا کفارہ

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ اور رجسٹر نقول فتاویٰ میں ''اوّل'' کی جگہ ''خامس''، اور ''خامس'' کی جگہ ''اوّل'' تھا، ہم نے اس کو بدلا ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں {نظر} کی جگہ ''فطر'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۲۲-۳۲۳، كتاب الصّوم، مطلب في رؤية الهلال نهارًا

مع القضاء؟ اس طرح کے مفتی کا فتویٰ اس مسئلے میں نافذ ہے یا نہ؟ فقط

اس شخص کا بیان یہ ہے کہ ہم نے بہ روز یک شنبہ قبل از زوال بہ وقت چاشت چاند دیکھا، اسی پر عید کیا، اور ہم چاند دیکھنے والے تقریباً بیس آدمی تھے۔

الجواب: غیر معتبر خبروں کے ذریعہ یا دن میں رؤیت ہلال کے ذریعہ شب گزشتہ کے چاند کی رؤیت ثابت نہیں ہوتی، پس ان ضعیف دلائل پر اعتماد کرنا اور اس رات میں چاند دیکھے بغیر اتوار کے دن عید کر لینا حرام اور گناہ ہے، اور روزہ نہ رکھنے والوں پر اس روزے کی قضا لازم ہے، **أما الكفارة فلا إلخ**، لیکن اگر اس کے بعد شوال کے چاند کی رؤیت بہ روز ہفتہ غروب کے بعد اتوار کی شب میں کسی جگہ سے ثابت ہو جائے تو اس وجہ سے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے؛ اتوار کے روزے کی قضا ساقط ہو جائے گی، چنانچہ اس جگہ یہی قصہ پیش آیا ہے کہ اس شہر کی رؤیت کے موافق بہ روز پیر عید کی گئی ہے، یعنی ۳۰ دن کے روزوں کے بعد، پھر اس کے بعد محقق ہوا کہ بعض شہروں میں شوال کے چاند کی رؤیت بہ روز ہفتہ ہوئی ہے، اور بہ روز اتوار عید کی گئی ہے، اور چاند دیکھنے والے ثقہ اور معتبر ہیں، بندے سے بھی ملاقات کر کے بیان دیا ہے، چند جگہوں میں یہی قصہ پیش آیا ہے: لہٰذا اتوار کی عید ثابت ہوگئی، اور وہ لوگ کہ جنہوں نے بغیر شرعی حجت کے اتوار کے دن روزہ نہ رکھ کر عید کی تھی؛ روزے کی قضا ان سے ساقط ہوگئی۔

اور تقویم کا حساب ہو، یا اہل ہنود کا حساب، یا گزشتہ رمضان کی پانچویں تاریخ آنے والے رمضان کی پہلی ہے، یا رجب کی چوتھی رمضان کی پہلی ہے، اور ان جیسی چیزیں بالکل بھی قابل اعتبار نہیں ہیں، اور بارہا اس حساب کو ہم نے اپنی زندگی میں غلط پایا ہے، اور اسی طرح ہر وہ شخص کہ جس نے بہ روز اتوار اس بناء پر عید کر لی اچھا نہیں کیا تھا، مگر یہ کہ حسب اتفاق ہندوستان کے بعض شہروں میں بہ روز اتوار رؤیت کے اعتبار سے عید ثابت ہوگئی، اس کے پیش نظر شخص مذکور سے قضا ساقط ہے، نہ کہ اس کے خیال کے صحیح ہونے کی وجہ سے بلکہ اسی سال کے حسب اتفاق۔ **ورؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا على المذهب (الدّرّ المختار) قوله: (و رؤيته بالنّهار إلخ) أي سواء إلخ.**

پس بہ وقت چاشت چاند دیکھنے سے اس روز عید کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

ایک عادل یا مستور الحال کی شہادت سے بھی ہلالِ رمضان ثابت ہوجاتا ہے

سوال: (۱۸) ۲۹ شعبان کو ہلالِ رمضان دس مسلمانوں اور گیارہ ہنود نے دیکھا، من جملہ مسلمانوں کے ایک شخص متشرع پابند صوم وصلاۃ تھا، اور باقی فاسق مقطوع اللحیۃ تھے، بہ وجہ ڈاڑھی نہ ہونے کے زید نے شہادت قبول نہیں کی، ایسے شخصوں کی شہادت مفیدِ ثبوتِ ہلالِ رمضان ہے یا نہیں؟ اور روزہ توڑنے والوں اور روزہ نہ رکھنے والوں پر کفارہ آوے گا یا قضا؟ (۵۰۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر ۲۹ شعبان المعظم کو ابر تھا تو ایک عادل یا مستور الحال کی شہادت سے بھی ہلالِ رمضان ثابت ہوجاتا ہے[۱] پس اگر ایک شخص بھی ان دیکھنے والوں میں متشرع پابند صوم وصلاۃ مجتنب عن المنہیات تھا تو اس کے بیان پر حکم روزہ کا کرنا لازم تھا، اگر ایک شخص بھی ایسا نہ تھا تو پھر زید نے جو اس کے قول کو قبول نہ کیا حق کیا، روزہ توڑنے والوں اور نہ رکھنے والوں پر کفارہ نہیں ہے، اب صرف قضا اس روزہ کی لازم ہے جب کہ محقق ہوگیا ہے کہ ۲۹ شعبان کو چاند ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم

(۳۶۰/۶-۳۶۱)

ایک جگہ کے اکثر لوگوں نے ۲۹ شعبان کو چاند دیکھا تو مسافر کو وطن پہنچ کر اس پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۱۹) بندہ بہ ضرورت مدرسہ یہاں راندیر آیا، میرے سامنے چند آدمیوں نے رؤیت ہلال رمضان شریف بیان کی، یہاں اکثر لوگوں نے ۲۹ شعبان یوم جمعہ کو چاند دیکھا اور شنبہ کا پہلا روزہ ہوا، اب مجھ کو وطن پہنچ کر اس پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۲۲۶۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں رؤیت ہلال جمعہ ثابت ہے، اور شنبہ کا روزہ ہونا محقق ہے، آپ کو

---

(۱) للصّوم مع علّة كغيم و غبار خبر عدل أو مستور علیٰ ما صحّحه البزّازي إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱۴/۳، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

وطن پہنچ کر اس کے موافق لوگوں کو حکم کرنا چاہیے، یک شنبہ کو تیس رمضان قرار دے کر ہر حال دوشنبہ کو حکم عید کا کرنا چاہیے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۳/۶)

شہادتوں سے ثابت ہوا کہ جمعرات کو رمضان کی تیس تاریخ ہے تو جمعہ کے دن عید کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۰) ایک مولوی صاحب کے روبہ رو چار شہادتوں سے ثابت ہوا کہ پنج شنبہ کو تیسویں رمضان ہے، بناءً علیہ مولوی صاحب موصوف نے حکم دیا کہ روز جمعہ عید فطر کریں، اور جن لوگوں نے پنج شنبہ سے ابتداء صوم کی ہے، ایک روزہ قضا رکھیں، زید نے اس حکم کی مخالفت کی، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ولو كانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين مع العلّة للضّرورة ـــــ إلٰى أن قال: ـــــ وقيل: بلا علّة جمع عظيم يقع العلم الشّرعي وهو غلبة الظّنّ بخبرهم، وهو مفوّض إلٰى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنّه يكتفي بشاهدين واختاره في البحر، وصحّح في الأقضية الاكتفاء بواحد إن جاء من خارج البلد أو كان على مكان مرتفع واختاره ظهير الدّين إلخ[۲] وقال في الشّامي: واعتمده في الفتاوى الصّغرى أيضًا وهو قول الطّحاوي إلخ[۲] الغرض شامی نے اس قول کو ترجیح دی ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر قرائن سے صدق خبر مظنون ہو تو اس پر بھی عمل کر سکتے ہیں وغلبة الظّنّ حجّة موجبة للعمل كما صرّحوا به[۳] (شامي) وقال قبله: والظّاهر أنّه يلزم أهلَ القرى الصّومُ بسماع المَدافع، أو رؤيةِ القناديل من المصر لأنّه علامة ظاهرة تفيد غلبةَ الظّنّ إلخ[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۸/۶)

---

(۱) وأمّا في السّواد إذا رأى أحدهم هلال رمضان يشهد في مسجد قريته وعلى النّاس أن يصوموا بقوله بعد أن يكون عدلاً إذا لم يكن هناك حاكم يشهد عنده إلخ (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۷، كتاب الصّوم، الباب الثّاني في رؤية الهلال) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۶-۳۱۹، كتاب الصّوم، مطلب لاعبرة بقول الموقّتين في الصّوم.

(۳) ردّ المحتار: ۳/۳۱۶، كتاب الصّوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول الموقّتين في الصّوم.

رؤیتِ ہلال کی خبر بارہ بجے ملے تو کیا کرے؟

سوال: (٢١) اگر رؤیت ہلال کی خبر بارہ بجے کے بعد ملے تو روزے کو افطار کردیوے یا تمام کرے؟ (٢٢٨٢/ ١٣٣٩ھ)

الجواب: رؤیت ہلال کی خبر جس وقت بھی پختہ طور سے پہنچ جاوے خواہ غروب آفتاب سے تھوڑا ہی پہلے ہو بہ شرطیکہ شہادت معتبرہ ہو، محض تار وغیرہ کی خبر نہ ہو تو روزہ فوراً افطار کردینا چاہیے بہ صورت روزہ نہ افطار کرنے کے گنہ گار ہوں گے (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٤٩٣)

شہادتِ شرعی پر مفتی صاحب نے عید کا حکم دے دیا مگر ایک شخص نے روزہ افطار نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (٢٢) اگر مولوی نے شہادت شرعی رؤیت ہلال کی گزرنے پر حکم عید کا دے دیا اور محض ایک شخص نے روزہ افطار نہ کیا تو کیا حکم ہے؟ (٢٣١٣/ ١٣٣٩ھ)

الجواب: وہ شخص گناہ گار ہوا توبہ کرے (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٤٩٣)

ہلال فطر میں نصاب شہادت اور عدالت ضروری ہے

سوال: (٢٣) ہلالِ فطر کے ثبوت میں نصابِ شہادت بہ حالت غیم وغیرہ کافی ہے یا نہیں؟ عدل شہادت میں شرط ہے یا کیا؟ بعض کتب میں جو عدل کی تفسیر ترک الکبائر الخ سے منقول ہے فی زماننا وہ معتبر ہے یا نہیں؟ (٥٨٣/ ١٣٣٥ھ)

الجواب: اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ ہلالِ فطر کے ثبوت کے لیے بہ حالت ابر وغبار نصابِ

---

(١) ولو كانُوا بِبَلَدَةٍ لا حاكِمَ فيها صامُوا بقولِ ثِقَةٍ وأفطرُوا بإخبارِ عَدْلَينِ مع العلّةِ للضّرورةِ (الدّرّ المختار) قوله: (وأفطرُوا إلخ) عبارةُ غَيْرِهِ: لا بأس أن يُفْطِرُوا، والظّاهرُ أنّ المرادَ بهِ الوُجُوبُ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/ ٣١٦، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

شہادت وعدالت ضروری ہے۔ کما في الدّرّ المختار: و شرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة إلخ [١] اورشامی میں قبولِ شہادتِ مستور در بارۂ صوم کی تشریح میں ہے: أمّا مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا إلخ [١] وفيه من كتاب القضاء: وما في القنية والمجتبىٰ من قبول ذي المروءة الصّادق فقول الثّاني، وضعّفهٗ الكمال بأنّه تعليل في مقابلة النّصّ فلا يقبل، وأقره المصنّف أهـ. قلت: قدّمنا آنفًا عن البحر أنّ ظاهر النّصّ أنّه لا يحلّ قبول شهادة الفاسق قبل تعرّف حاله؛ فإذا ظهر للقاضي من حالهٖ الصّدق، وقبله يكون موافقًا للنّص إلخ [٢] وقال قبيله: وقولهم بوجوب السّؤال عن الشّاهد سرًّا وعلانيةً طعن الخصم أوّلًا في سائر الحقوق علىٰ قولهما المفتىٰ بهٖ يقتضي الإثم بتركهٖ إلخ [٣] اورامام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو فاسق ذی جاہ ومروت کو مستثنیٰ فرمایا ہے باوجود اس کی تضعیف کے؛ وہ بھی مقید ہے، اس حالت کے ساتھ کہ ظن غالب قاضی کو اس کے صدق کا ہو۔ قال: ط: فإن لم يغلب علىٰ ظنّ القاضي صدقه بأن غلب كذبه عنده أوتساويًا فلا يقبلها أي لايصحّ قبولها أصلاً [۴] (شامي) وفي الدّرّ المختار: واستثنىٰ الثّاني الفاسق ذا الجاه والمروءة فإنّه يجب قبول شهادته ؛ بزازية ـــــ إلىٰ أن قال ـــــ قلت: سيجيء تضعيفه فراجعه إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (واستثنىٰ الثّاني) أي أبو يوسفؒ من الفاسق الّذي يأثم القاضي بقبول شهادته ، والظّاهر أنّ هٰذا ممّا يغلب علىٰ ظنّ القاضي صدقه إلخ [۴] (شامي، ص: ٣٠٠، كتاب القضاء) پس باوجود ان تصریحات کے عدالت شہود منصوصہ کو ساقط الاعتبار کرنا اورفساق کی شہادت کو کافی سمجھنا خلاف نص ومخالف روایات فقہیہ معتبرہ کے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(٦/٣٦٧-٣٦٩)

---

(١) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣١٥، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك .

(٢) ردّ المحتار: ٨/٢٦، كتاب القضاء ، قبيل مطلب في قضاء العدوّعلىٰ عدوّه .

(٣) ردّ المحتار: ٨/٢٥، كتاب القضاء ، قبل مطلب في قضاء العدوّعلىٰ عدوّه .

(۴) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٨/٢٥-٢٦، كتاب القضاء ، قبل مطلب في قضاء العدوّ علىٰ عدوّه .

ہلالِ عید میں مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۴) آج یوم شنبہ بہ رؤیت ہلال یہاں عید ہوئی، رؤیتِ ہلالِ رمضان اور عید میں مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ مثلاً بے نمازی ہو، روزہ قصداً نہ رکھنا، سود خوار، جھوٹی شہادت عدالت میں دینے والا اگر مستور الحال ہو تو کیا اس کے احوال کی تفتیش کی جاوے؟

(۱۳۸۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: رؤیتِ ہلالِ رمضان وعید میں مستور الحال کی گواہی معتبر ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ فسق گواہ کا ظاہر نہ ہو یعنی بے نمازی نہ ہو، خلاف شرع امور کا مرتکب نہ ہو، پس جب کہ ظاہر حال گواہ کا یہ ہو کہ اس میں کوئی امر خلاف شرع نہیں ہے تو گواہی اس کی بلا تحقیقِ حال قبول کر لینا درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۱/٦-۳۷۲)

عدالت سے کیا مراد ہے؟

سوال: (۲۵) عدالت کی تفسیر جو فی زماننا معتبر و معمول بہا ہو تحریر فرمائیں، کتبِ فقہ میں عدالت کی تفسیر یہ لکھی ہے: **ملكة تحمل على ملازمة التّقوى والمروءة، والشّرط أدناها وهو ترك الكبائر إلخ**[2] لیکن اس زمانے میں اگر ایسا کوئی نہ ملے تو جن معاملات میں یہ شرط کی گئی ہے اس کا فیصلہ کیوں کر کیا جائے؟ اختلاف عصر سے عدالت کی تفسیر میں تغیر آ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(۱٦۵۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عدل کی وہی تفسیر اب بھی ہے جو فقہاء نے لکھی ہے وہی معتبر ہے، اختلاف عصر سے

---

(۱) للصّوم مع علّة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور على ما صحّحه البزّازيّ على خلاف ظاهر الرّواية لا فاسق اتّفاقًا (الدّرّ المختار) لأنّ قوله في الدّيانات غير مقبول إلخ وقول الطّحاويّ: أو غير عدل محمول على المستور كما هو رواية الحسن؛ لأنّ المراد بالعدل من ثبتت عدالته ولا ثبوت في المستور أمّا مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۴-۳۱۵، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۳/۳۱۴، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

عدالت کی تعریف میں کوئی فرق نہ آوے گا، جس جگہ فقہاء نے عدالت شرط کی ہے وہاں ایسی ہی عدالت کی ضرورت ہے، اور جہاں مستور کی گواہی بھی کافی ہے، جیسے روزہ رکھنے میں اور اثبات رمضانیت میں وہاں ثبوتِ عدالت کی ضرورت نہیں مگر فسق بھی ظاہر نہ ہو (کیوں کہ فرق عادل اور مستور میں یہی ہے کہ اوّل میں عدالت ثابت ہے اور مستور کی عدالت ثابت نہیں، لیکن فسق بھی اس کا ظاہر نہیں ہے)[1] کمافي الشّامي: لأنّ المرادبالعدل من ثبتت عدالته ولاثبوت في المستور أمّا مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا إلخ[2] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۴۹-۳۵۰)

کیا جماعت کے لیے رؤیت ہلالِ فطر میں عدالت شرط ہے؟

سوال: (۲۶) فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ واسطے ثبوتِ ہلالِ عیدالفطر وعیدِاضحیٰ کے بہ حالتِ تکدرِ مطلع؛ نصابِ شہادت کے ساتھ عدالت مشروط ہے، اگر نصاب پر (ایک)[3] یا دو یا تین مرد زائد ہوجاویں تو شرطِ عدالت ساقط ہوجاوے گی یا نہیں؟ (۱۴۸۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جماعت کے لیے عدالت اس وقت شرط نہیں ہے کہ جماعت عظیمہ ہو کہ جن کی خبر پر بہ وجہ (کثرت و)[3] تواتر غلبۂ ظن حاصل ہوجاوے[4] قال في ردّ المحتار: الجمع العظيم جمع يقع العلم بخبرهم ويحكم العقل بعدم تواطئهم على الكذب[5] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۷۳)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ردّ المحتار: ۳/۳۱۵، کتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

(۳) سوال وجواب میں قوسین والے الفاظ کا اضافہ رجسٹر نقول فتاویٰ سے کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة إلخ و...... بلاعلّة جمع عظيم (الدّرّ المختار) أي إن شرط القبول عند عدم علّة في السّماء لهلال الصّوم أو الفطر أو غيرهما إلخ إخبارجمع عظيم إلخ، قال ح: ولا يشترط فيهم الإسلام ولا العدالة إلخ، وعدم اشتراط الإسلام له لا بدّ له من نقل صريح. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۱۵-۳۱۸، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

(۵) ردّ المحتار: ۳/۳۱۸، کتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

مطلع صاف ہوتو دولوگوں کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷) بہ ثبوت شہادت دومرد باوجود بلا علت ہونے مطلع کے ہلال شوال کی اگر شہادت دیں تو معتبر ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۲۳۷۲ھ)

الجواب: اگر ابر اور گرد وغبار آسمان پر کچھ نہ ہوتو جمع عظیم کی شہادت ضروری ہے جس سے غلبۂ ظن حاصل ہوجاوے۔ كما في الدّرّ المختار: وقبل بلا علّة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشّرعيّ وهو غلبة الظّنّ بخبرهم وهو مفوّض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنّه يكتفي بشاهدين، واختاره في البحر إلخ[1] فقط (۳۸۰/۶)

دومعتبر آدمیوں کی شہادت پر روزہ افطار کرنا درست ہے اور افطار کرنے والوں پر قضا وکفارہ واجب نہیں

سوال: (۲۸) ۲۹ شعبان بہ روز یک شنبہ بعض اشخاص نے چاند دیکھا تھا، اکثر اشخاص نے روزہ رکھا، اور چند اشخاص نے نہیں رکھا، آج بہ روز منگل چند اشخاص نے عیدالفطر کا چاند دیکھا جس میں دوشہادت معتبر ہیں اس پر بہت سے اشخاص نے روزہ افطار کیا، اور چند اشخاص نے افطار نہیں کیا، افطار کرنے والوں پر کوئی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۲۳۹ھ)

الجواب: جب کہ شہادت معتبرہ سے رؤیت ہلال ثابت ہوگئی تو افطار کرنا ضروری تھا، پس افطار کرنے والوں پر کوئی مواخذہ اور کفارہ نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۸۳-۳۸۴)

سوال: (۲۹) یہاں سے بہ روز منگل چند اشخاص نے یہ شہادت دی کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، اوران میں دوشخص ایسے ہیں جوکہ صوم وصلاۃ کے پابند ہیں ان کی شہادت پر روزہ افطار کرلیا اور عید کی یہ جائز ہوا یا نہ؟ اوراس روزہ کی قضا کی جائے یا نہ؟ (۱۳۳۶-۳۵/۱۷۳۹ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۱۷-۳۱۸، کتاب الصّوم.

(۲) وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة إلخ (الدّرّ المختار) أي على الأموال وهو رجلان أو رجل وامرأتان. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۵، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

الجواب: اس صورت میں گواہی دو گواہوں کی جنہوں نے چاند دیکھنا بیان کیا، اور وہ نمازی ہیں معتبر ہیں، بہ حالت ابر اُن کی گواہی سے افطار کرنا اور عید کرنا درست ہوا، اس روزہ کی قضا لازم نہیں ہے۔ هٰكذا في كتب الفقه[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۹/۶-۳۹۰)

عید کے چاند کے لیے کتنے آدمیوں کی گواہی ضروری ہے؟

سوال: (۳۰) عید کے چاند کے ثبوت کے لیے کتنے آدمیوں کی شہادت ضروری ہے؟
(۹۰۱/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: مطلع اگر صاف ہو فطر میں مجمع کثیر کی شہادت کی ضرورت ہے، اور غبار وابر ہو تو دو مرد ثقہ یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کی ضرورت ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۶/۶-۳۶۷)

مطلع صاف ہونے کے وقت کتنے لوگوں کی گواہی معتبر ہے؟ اور اعلان کے بعد انحراف کرنا درست نہیں

سوال: (۳۱)...... (الف) دو ہزار آدمیوں میں سے صرف تیس چالیس آدمی باوجود مطلع صاف ہونے کے رؤیتِ ہلال کی شہادت دیں تو عند الشرع معتبر ہے یا نہ؟

(ب) جو شخص بیس آدمیوں کی شہادت مان کر رؤیت ہلال سے متفق ہو کر اعلان کرائے، اور اپنے قول سے منحرف ہو جائے اس کا کیا حکم ہے؟

(ج) مطلع صاف ہونے کی حالت میں شہادت کی انتہاء کہاں تک ہے؟ (۹۷۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

وإن كان بالسّماء علّة (أي في الفطر) لاتقبل إلاّ شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ويشرط فيه الحرّية ولفظ الشّهادة إلخ، وإن كانت مصحية لايقبل إلاّ قول الجماعة كما في هلال رمضان. (الفتاوى الهندية: ١٩٨/١، كتاب الصّوم، الباب الثّاني في رؤية هلال) جمیل الرحمٰن

الجواب: (الف – ج) اس شہر کا عالم یا قاضی اگر اس کو تسلیم کر لے، اور ظن غالب ان لوگوں کے صدق کا ہو جاوے، تو ان کی شہادت پر حکم کرنا صحیح ہے، اور جب کہ بیس آدمیوں کی شہادت سے غلبۂ ظن حاصل ہو گیا اور اس کا اعلان کر دیا تو پھر اس کے خلاف حکم نہ کرنا چاہیے، یہ غلطی ہے کیوں کہ امام اعظم رحمہ اللہ سے دو کی شہادت بھی مطلع صاف ہونے کی صورت میں قبول ہونا مروی ہے، بلکہ اگر اونچی جگہ سے اور شہر سے باہر ایک معتبر شخص بھی رؤیت کی گواہی دے، باوجود مطلع صاف ہونے کے تو اس کی گواہی کا بھی اعتبار ہو جاتا ہے۔ **وقبل بلا علّة جمع عظيم يقع العلم الشّرعي وهو غلبة الظّنّ بخبرهم وهو مفوّض إلٰى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنّه يكتفي بشاهدين واختاره في البحر، وصحّح في الأقضية الإكتفاء بواحد إن جاء من خارج البلد أو كان علٰى مكان مرتفع إلخ**[1] (الدّرّ المختار) فقط (٦/٣٨٢-٣٨٣)

پانچ عادل مسلمانوں کی شہادت پر عید کرنا درست ہے

سوال: (۳۲) ۲۹ رمضان کو پانچ آدمی مسلمان روزہ دار نے چاند دیکھا، اور امام سے آ کر کہا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۹۶۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں چاند ثابت ہو گیا عید کرنی چاہیے[2] فقط واللہ اعلم (٦/٣٧٨)

رؤیت ہلال کے گواہوں سے تحقیق و تفتیش

اور عید کی نماز میں تاخیر کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں صورت کہ ایک شہر میں ہلالِ عید الفطر کے متعلق

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۱۷-۳۱۹، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود.

(۲) وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة إلخ ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين مع العلّة للضّرورة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۱۵-۳۱٦، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

مختلف شہادتیں اہل اسلام کی قاضیٔ شہر کے پاس گزریں، لیکن قاضی صاحب نے ان سے ایک ایک کو علیحدہ بلا کر کہ دوسرا گواہ نہ سنے دقیق جرح کی کہ چاندتم نے کس جگہ دیکھا، اس کے دونوں کنارے کس جانب تھے، اس کے پاس کوئی تارہ تھا یا نہیں، اوپر نیچے بادل تھا یا نہیں، اور تھا تو کتنے فصل پر تھا، اور کس رنگ کا تھا وغیرہ وغیرہ، ان سوالات میں جہاں بھی دو شاہدوں کے درمیان ذرا اختلاف ہوا ان کی شہادت رد کردی، آخر بہ کنج وکاؤ (تحقیق وتفتیش) چند شہادتیں ہر طرح سالم اور جرح میں بے عیب مضبوط قائم رہیں، اور صبح ۷ بجے قاضی صاحب نے ان شہادتوں کو معتبر قرار دے کر افطار صیام کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی اس کے یہ فرمایا کہ چوں کہ دیہات میں عام اطلاع کا ہونا اس وقت مشکل ہے، لہٰذا دوگانہ عیدالفطر کل کو ادا کیا جائے گا، ہر چند کہ بعض اہل اسلام اور اہل علم نے کہا بھی کہ تاخیر بلا عذر صحیح نہیں ہے، اس لیے آج دوگانہ ضرور ادا ہونا چاہیے، مگر قاضی صاحب نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ تاخیر بلا عذر نہیں ہے بلکہ اطلاع عام کے عذر سے ہے، لہٰذا کل دوگانہ عید بلا کراہت صحیح ہے؛ چنانچہ عام مسلمانان شہر اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے، مگر بعض لوگوں نے تاخیر کو جائز نہ سمجھ کر عیدگاہ میں اپنا دوگانہ ادا کیا، اور سو، سوا سو مسلمان اس میں شریک بھی ہوئے، عام اہل اسلام نے یوم آئندہ حسبِ اعلان قاضی صاحب کی اقتداء میں دوگانہ ادا کیا، دریافت طلب یہ امور ہیں:

۱) قاضی صاحب کو گواہان رؤیت ہلال سے اس قسم کی باریک جرح کرنے کا شرعًا کہاں تک حق حاصل ہے؟

۲) صورت مذکورہ میں جو تاخیر ہوئی وہ شرعًا بہ عذر ہوئی یا بلا عذر؟ خصوصًا جب کہ ۵ گھنٹہ کا وقت ملا، اور شہر ومتعلقات شہر کی اطلاع کے لیے وہی ہدایت جو افطار صوم کے لیے عمل میں آئی؛ اطلاعِ دوگانۂ عید کے لیے بھی کافی تھی، یا کم از کم بہ ذریعہ منادی دو گھنٹہ میں پورا اعلان کیا جاسکتا تھا؟

۳) اہل دیہات کو اطلاع دینا یا ان کی رعایت میں صلاۃ عید کو یوم الغد (آئندہ کل) پر مؤخر کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

۴) اس تاخیر کی صورت میں جن مسلمانوں نے قاضی صاحب کے خلاف اپنا دوگانہ اسی دن عیدگاہ میں ادا کیا وہ برسرحق ہوئے یا برسر باطل؟ اور ان کو ایسا کرنا ضروری یا جائز تھا یا اتباع کرنا قاضی صاحب کے حکم کا لازم تھا؟

۵) یوم الغد میں قاضی صاحب نے اور عام مسلمانان نے جو نماز پڑھی وہ صحیح ہوئی یا باطل؟ اور ادا ہوئی یا قضا؟ اور مکروہ ہوئی یا بے عیب؟ امید کہ بہ دلائل فقہیہ شرعیہ مفصل بیان فرما کر ماجور (عنداللہ ومشکور)[۱] عندالناس ہوں۔ بینوا توجروا. (۱۵۱۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ……۱) اس قسم کی تحقیق اور تدقیق شہود سے صحیح نہیں ہے۔ قال في الشّامي: ولا يكلّفُ الشّاهدُ إلٰى بيان لون الدّابّة لأنّه سُئِل عمّا لا يكلّف إلٰى بيانهٖ[۲] پس جب کہ حقوق عباد میں ایسی تدقیق صحیح نہیں ہے، تو حقوق اللہ میں بہ درجہ اولیٰ درست نہیں ہے۔ الا بہ وجہ وجیہٍ۔

۲) یہ تاخیر بلا عذر ہوئی جو صحیح نہیں ہے کیوں کہ اہل شہر کی اطلاع کے لیے وقت کافی تھا[۳]

۳) اور اہل دیہات جن پر نماز عید واجب نہیں ہے ان کو اطلاع نہ ہونا؛ عذر تاخیر کا نہیں ہوسکتا کہ ان کی شرکت ضروری نہیں ہے[۴]

۴) انہوں نے حق کیا اور ان کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا؛ کیوں کہ بلا عذر تاخیر میں عیدالفطر کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ کما في الدّرّ المختار: بالعذر هٰهنا (أي في الأضحٰى) لنفي الكراهة وفي الفطر للصّحّة إلخ[۵]

۵) وہ نماز جو اگلے دن بلا عذر مؤخر کی گئی صحیح نہیں ہوئی، اگر بہ عذر ہوتی تو صحیح ہوتی، لیکن وہ بھی قضا ہوتی نہ ادا۔ کما في الدّرّ المختار: وتكون قضاءً لا أداءً[۵] فقط واللہ اعلم (۶/۳۷۳-۳۷۵)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۱۹۱، كتاب الشّهادات، باب الاختلاف في الشّهادة .

(۳) وتؤخّرُ بعذر كمطر إلى الزّوال من الغدِ فقط (الدّرّ المختار) قوله: (بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام وما إذا غُمّ الهلالُ فشهدوا بهٖ بعد الزّوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع النّاس…… قوله: (فقط) راجع إلٰى قولهٖ "بعذر" فلا تؤخّر من غير عذر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۵، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقٰى بعد موته) ظفیر

(۴) تجب صلاتهما في الأصحّ علٰى من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدّمة (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۲-۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب في الفأل والطّيرة) ظفیر

(۵) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۵، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقٰى بعد موته.

چاند دیکھنے والے پر لایعنی جرح کرنا درست نہیں

سوال: (۳۴) چاند دیکھنے والے کی خبر نیز اس کی شہادت دینے والوں کی شہادت کے لیے مخبر اور شاہدین کی صرف عقیدی (یعنی اعتقادی) اور عملی حالت کو جانچ لینا کہ وہ غیر مسلم اور فاسق نہ ہوں کافی ہے، یا کہ ان کو ایسی باتیں کہنی جس سے ان کو ذلت اور شکستگیٔ دل حاصل ہو؛ مثلاً یہ کہنا کیا تمہاری بینائی بڑی تیز تھی، کیا تمہارے چار آنکھیں تھیں، اور کیفیت رؤیت دریافت کرنا کہ چاند موٹا تھا یا باریک، اور اونچا تھا یا نیچا، اور دونوں گوشے برابر تھے یا ایک کھڑا اور ایک پڑا، اور کونسا گوشہ کھڑا تھا یہ ضروری ہے یا نہ؟ (۱۸۶۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چاند دیکھنے والے کی خبر وشہادت کی معتبر ہونے کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ وہ عادل و ثقہ ہو یا فاسق بین الفسق نہ ہو، باقی امور کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے[1] اور مسلمان کو ذلیل و دل شکستہ کرنا ایسی باتیں کہہ کر درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۱/٦)

شہادت علی الشہادۃ میں دو گواہ دونوں شاہدوں کے گواہ ہو سکتے ہیں

سوال: (۳۵) في ردّ المحتار: بخلاف الشّهادة على الشّهادة في سائر الأحكام حيث لا تقبل ما لم يشهد علىٰ شهادة كلّ رجل رجلان أو رجل وامرأتان، وفي الدّرّ المختار: وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة ولفظ أشهد، وعدم الحدّ في قذف لتعلّق نفع العبد لكن لا تشترط الدّعوى[2] وإن سقط لفظ الشّهادة للضّرورة، لٰكن يبقى بقية الأحكام كما مرّ من ردّ المحتار بخلاف الشّهادة على الشّهادة في سائر الأحكام أي في غير أحكام هلال رمضان ان روایات پر نظر کر کے حسب ذیل مسئلہ کا کیا جواب ہوگا زید نے رؤیت شوال کی، باقاعدہ شہادت لے کر اپنے شہر الہ آباد میں افطار کا حکم دیا، اب بکر جو اس

(۱) خبر عدل أو مستور إلخ لا فاسق اتّفاقًا (الدّرّ المختار) لأنّ المراد بالعدل من ثبتت عدالته ولا ثبوت في المستور أمّا مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۱۴-۳۱۵، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفير

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۵-۳۱٦، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

وقت الٰہ آباد میں مقیم تھا شہر کانپور میں جا کر اس بات کی خبر دی کہ زید نے الٰہ آباد میں با قاعدہ شہادت لے کر افطار کا حکم دیا ہے، اب تم لوگ بھی افطار کرلو، یہ تو ظاہر ہے کہ کانپور کے لوگ صرف بکر کی شہادت پر افطار نہیں کر سکتے، کیوں کہ فطر میں عدد بھی شرط ہے، مگر شبہ یہ ہے کہ بکر کی شہادت چوں کہ شہادت علی القضاء ہے جو حکم میں شہادت علی الشہادۃ کے ہے؛ اس لیے اب صرف ایک اور شخص کی شہادت کی ضرورت افطار صوم کے لیے ہوگی یا تین اور شخصوں کی؛ کیوں کہ حسبِ روایت اوّل چوں کہ فطر کے لیے دو شخص کی شہادت کی ضرورت ہے، اور شہادت علی الشہادۃ کی صورت میں ہر شخص کے لیے دو دو ہونا چاہیے؛ اس لیے بکر کے علاوہ تین شخصوں کی شہادت علی الشہادۃ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے، و نیز جو دو شخص شہادت علی الشہادۃ ایک شخص کی دیں؛ وہی دو شخص دوسرے شخص کی شہادۃ علی الشہادۃ دیں تو کافی ہے یا نہیں؟ کیا دوسری و تیسری روایت سے یہ معلوم ہوا کہ ہلالِ رمضان کے اثبات کے لیے لفظ أشھد شرط ہے اور ہلال فطر کے لیے نہیں؛ حالانکہ ہلال رمضان کے اثبات کے لیے بھی دیکھا جاتا ہے کہ گواہ سے یہ نہیں کہلایا جاتا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے چاند دیکھا ہے، گو معنی ضرور سمجھے جاتے ہیں، پس قاضی کو ہلال رمضان کے رائی (دیکھنے والا) سے شہادت کے وقت کیا لفظ أشھد کا ترجمہ لفظاً کہلانا ضروری ہے، و نیز کیا تیسری روایت سے یہ ثابت ہوا کہ شہادت علی الشہادۃ کی صورت میں بھی ثبوت ہلال رمضان کے لیے صرف ایک شاہد کی ضرورت ہے، بہ خلاف ثبوتِ ہلالِ فطر کے کہ چار شخصوں کی ضرورت ہے۔ (۱۲۳۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شہادت علی الشہادۃ میں دو گواہ دونوں شاہدوں کے گواہ ہو سکتے ہیں؛ جیسا کہ عبارت ہدایہ مشمولہ سے واضح ہے، اور شہادۃ علی حکم القاضی میں بھی دو گواہ کافی ہیں جیسا کہ عبارت شامی منقولہ میں تصریح ہے، اثباتِ ہلالِ رمضان میں لفظ أشھد کی ضرورت نہیں اور فطر میں ضرورت ہے کما صرّح بہٖ في الدّرّ المختار و حقّقه الشّامي عبارات متعلقہ جواب ہذا:

وقبل بلا دعوی وبلا لفظ أشهد إلخ للصّوم مع علّة إلخ، خبر عدل إلخ[1] ويجوز شهادة شاهدين على شهادة شاهدين، وقال الشّافعي: لا يجوز إلاّ الأربع علٰى كلّ أصل اثنان ــــ إلٰى أن قال ــــ ولنا قول عليؓ: لا يجوز على شهادة رجل إلاّ شهادة رجلين،

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۱۴، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

ولأنّ نقل شهادة الأصل من الحقوق فهما شهدا بحقّ، ثمّ شهدا بحقّ آخر (۱) وقال في الدّرّ المختار: فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب إلخ، وفي ردّ المحتار: قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أويشهدا علٰى حكم القاضي أو يستفيض الخبر إلخ (۲) (صفحہ:۹۶ جلد۲) وفي الدّرّ المختار: وقبل ...... بلا لفظ أشهد وبلا حكم ومجلس قضاء إلخ للصّوم مع علّة كغيم وغبار خبر عدل إلخ (۳) وفيه: وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة ولفظ أشهد إلخ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۳۸۷-۳۸۹)

فسّاق وفجار کی شہادت قابل اعتبار نہیں

سوال: (۳۶) ۲۹ رمضان المبارک کا چاند یہاں نہیں دیکھا گیا، صرف دو چار آدمیوں فساق وفجار کہ جو نہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے ہیں، انہوں نے شہادت دی کہ ہم نے چاند دیکھا؛ اس لیے کہ وہ از روئے شرع شریف قابل شہادت دینے کے نہ تھے، اس لیے ان کی شہادت مقبول نہ ہوئی، لہٰذا روزہ تاریخ ۳۰ کا بھی رکھنا پڑا، بعد میں خبر مل گئی کہ چاند ۲۹ کا ہوا تھا، اب وہ لوگ اور بعض لکھے پڑھے بھی یہ کہتے ہیں کہ عید کے روز تو شیطان روزہ رکھتا ہے، لہٰذا جس نے روزہ رکھا وہ بھی شیطان ہوگئے اور گنہ گار ہوئے، اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ آیا ایسے شخصوں کی شہادت معتبر ہے؟ اور جنہوں نے روزہ نہیں رکھا؛ ان کو کیا ثواب ملا؟ اور کیا جنہوں نے روزہ رکھا وہ واقعی شیطان کے گروہ میں ہیں؟ (۲۰۳۰/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بہ وجہ غیر معتبر ہونے شہادت کے جن لوگوں نے تیس رمضان کا روزہ رکھا، انہوں نے حق کیا، اور پیروی سنت کی کی، معترض جہال ضلال ہیں، جب تک حجت شرعیہ پوری نہ ہو جائے

---

(۱) الهداية: ۳/ ۱۷۰، كتاب الشّهادة، باب الشّهادة على الشّهادة.

(۲) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۱۴، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۱۵، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

قابل اعتبار نہیں، اور ایسے کھلے فساق وفجار کی شہادت کسی طرح قابل اعتبار نہیں، اور ایسے کھلے فساق و فجار کی کبھی نہ سننی چاہیے، روزہ رکھنے والے متّبعین سنت ہیں، اور بلا حجت معتبرہ جنہوں نے روزہ نہ رکھا وہ عاصی ہوئے، اگر چہ بعد میں بہ وجہ ثابت ہوجانے رؤیت ۲۹ کے ان پر قضا وکفارہ نہ آوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۱/٦-۳۵۲)

امام؛ فاسق کی گواہی قبول کر کے روزے کا حکم کردے تو رمضان ثابت ہوجاتا ہے

سوال: (۳۷) ولو شهد فاسق وقبّلها الإمام وأمر النّاس بالصّوم فأفطر هو و واحد من أهل بلده قال عامّة المشائخ: تلزمه الكفّارة كذا في الخلاصة [1] اس عبارت میں وجوب کفارہ امام پر کس وجہ سے ہے؟ اور اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ (۵۳٦/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس عبارت عالمگیری کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہلال رمضان کی گواہی ایک فاسق نے دی، اور امام نے اس کو قبول کر کے لوگوں کو حکم روزہ کا کردیا تو اس کے بعد اگر وہ خود افطار کرے یا اور کوئی شخص اہل شہر سے روزہ توڑ دے تو کفارہ لازم ہوگا، وجہ اس کفارہ لازم ہونے کی یہ ہے کہ جب کہ فاسق کی گواہی کو امام نے قبول کرلیا، اور روزہ کا حکم کردیا تو رمضان ثابت ہوگیا؛ کیوں کہ فاسق کی گواہی کو اگر امام دربارۂ رمضان شریف قبول کرلے تو معتبر ہے اور رمضان ثابت ہوجاتا ہے، اس کے بعد اگر کوئی شخص روزہ توڑے گا تو کفارہ لازم ہوگا تو وجہِ کفارہ؛ افطارِ روزۂ رمضان ہے۔ فقط (۳٦۱/٦)

غیر معتبر گواہوں کی گواہی سے عید الاضحیٰ ثابت نہیں ہوتی

سوال: (۳۸) اگر کسی شہر میں مطلع صاف نہ ہو، اور دو شخص ضعیف البصر غیر عادل جن کو عوام الناس غیر معتبر سمجھیں شہادت دیں، اور امام جامع مسجد ان کی شہادت پر فتویٰ دے کہ پنج شنبہ کو عید الاضحیٰ کی نماز ہوگی، عوام الناس ان دونوں شاہدوں کا غیر عادل اور غیر معتبر ہونا بیان کریں، اور امام صاحب

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۸، كتاب الصّوم، الباب الثّاني في رؤية هلال.

کہیں کہ شہادت میں عدالت کی شرط نہیں، محض دو کلمہ گو کلمہ پڑھ کر حلف سے شہادت دیں گے تو ہم مان لیں گے، شہادت دو فاسقوں کی بھی مقبول ہوتی ہے، اور دوسرا عالم جمعہ کی عید کا فتویٰ دے اس صورت میں پنج شنبہ کی نماز عیدالاضحیٰ اور قربانیاں جائز ہوئیں یا نہ؟ (۱۱۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عدالت گواہان کی ثبوتِ رؤیتِ ہلال کے لیے ضروری ہے، غیر معتبر اور غیر عادل گواہوں کی گواہی سے عیدالاضحیٰ ثابت نہیں ہوتی (۱) اس صورت میں جو پنج شنبہ کو عید ہوئی وہ صحیح نہیں ہوئی، اور قربانی بھی درست نہیں ہوئی، جمعہ کو عید کرنے والے اور قربانی کرنے والے حق پر ہیں۔ فقط (۳۸۶/۶-۳۸۷)

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ایک مسلمان کی گواہی معتبر نہیں

سوال: (۳۹) ایک شخص مسلمان نے جو شریعت کا پابند نہیں ہے، اور دو شخص چماروں نے انتیس شعبان کو چاند دیکھنا بیان کیا ہے، اس صورت میں رؤیت ہلال ثابت ہے یا نہیں؟ اور وہ روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ (۲۰۲۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک شخص مسلمان کی گواہی سے رؤیت ہلال ثابت نہ ہوگی، اور ہندو چماروں کی گواہی بھی اس بارے میں معتبر نہیں ہے، بہر حال صورت مذکورہ میں چاند کا دیکھنا شرعًا ثابت نہیں ہوا، اور وہ روزہ لازم نہیں ہوا (۲) فقط واللہ اعلم (۳۷۸/۶-۳۷۹)

---

(۱) لـلـصّوم مع علّة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور إلخ لا فاسق اتّفاقًا (الدّرّ المختار) أمّا مع تبيّن الفسق فلا قائل بهٖ عندنا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۴-۳۱۵، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك)

وهـلال الأضـحٰى وبقية الأشهر التّسعة كالفطر على المذهب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۲۲، كتاب الصّوم، قبيل مطلب في رؤية الهلال نهارًا) ظفير

(۲) وقبـل بـلا علّة جمعٌ عظيمٌ يقع العلمُ الشّرعيّ وهو غلبة الظّنّ بخبرهم وهو مفوّض إلٰى رأي الإمـام مـن غير تقدير بعدد على المذهب وعن الإمام أنّه يُكتَفٰى بشاهدين، واختاره في البحر إلخ (الـدّرّ المختار) أي إن شـرط الـقبـول عند عدم علّة في السّماء لهلال الصّوم أو الفطر أو غيرهما إلخ فلا يقبل خبر الواحد إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۷-۳۱۸، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفير

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں صرف خط کافی نہیں

سوال: (۴۰) نقل خط حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ رائے پوری

المخدوم المکرّم جناب حضرت مولانا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب مدفیوضہم

از احقر عبدالرحیم

السّلام علیکم ورحمة الله وبرکاتہٗ

اس وقت باعث تصدیق یہ امر ہے کہ یہاں پر اب تک کوئی خبر رؤیت ہلال ماہِ مبارک بہ جز حکیم جمیل الدین صاحب کے خط کے اور کوئی نہیں، اس وجہ سے تشویش ہے کہ کیا؛ کیا جاوے، حکیم صاحب کے خط کا مضمون یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان پابند صوم وصلاۃ مستور الحال نے میرے سامنے اس مضمون کی شہادت دی کہ شنبہ ۲۹ شعبان کو میں نے خود رمضان کا چاند دیکھا ہے، اور میرے یہاں اور ایک عورت نے بھی۔

مولانا عبدالغفار صاحب کا خط جو شاگرد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے اور عالم باعمل ہیں؛ گورکھپور سے آیا، اور یقین ہے کہ وہ انہیں کا خط تھا، اس میں چاند کے متعلق یہ مضمون تھا، گورکھپور میں ایک مسلمان نمازی نے شنبہ کو رؤیت کی شہادت دی، بہ قاعدہ شرعی شہادت تسلیم ہوکر اعلان ہوا، اکثر لوگوں نے یکشنبہ سے روزہ شروع کر دیا، میرے نزدیک دونوں شہادتیں معتبر ہیں، یہ حکیم صاحب کا مضمون ہے، اس کے علاوہ اور کوئی خبر نہیں، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ جواب جلد مرحمت ہو۔ {۱۹ رمضان}(۱) (۱۶۲۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: از بندہ احقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ

بعالی خدمت فیضِ درجت مخدوم ومحترم عالم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدفیضہ بعد ہدیۂ سلام مسنون عرض ہے:

والا نامہ کل بہ روز شنبہ ۲۰ رمضان المبارک کو وصول ہوکر باعث عزت ہوا، رؤیت ہلال ماہ مبارک کے متعلق جو خبر جناب مولوی حکیم جمیل الدین صاحب کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہے،

(۱) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

وہ جناب کے لیے موجب ﴿عمل﴾[۱] نہیں ہے، یہ تو ہمارے فقہاء کرام کو مسلم ہے کہ اہل مشرق کی رؤیت اہل مغرب کے لیے لازم وثابت ہوجاتی ہے؛ لیکن بہ شرطیکہ اہل مشرق کی رؤیت اہل مغرب کو کسی طریق ملزم وموجب سے پہنچ جاوے، اور علامہ شامی نے اس طریق موجب عمل کو تین طرق کے ساتھ مفسر ومشرح فرمایا ہے، ان ہر سہ طرق میں سے صورت موجودہ میں کوئی طریق محقق نہیں ہے عبارت درمختار وردالمحتار یہ ہے: **فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب (الدّرّ المختار) قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل إثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية إلخ[۲] (ردّ المحتار)**

اوّل اور ثانی کی نفی اس صورت میں ظاہر ہے، اور اسی طرح طریق ثالث کا منفی ہونا بھی اظہر ہے کیوں کہ بہ طریق استفاضہ وتواتر جناب تک اور ہم تک وہ خبر رؤیت نہیں پہنچی، پس اب صرف اخبار اس امر کا ہے کہ فلاں شہر میں رؤیت کی گواہی گزری ہے، جس کو علامہ موصوف نے موجبِ عمل نہیں قرار دیا، اور جب کہ طریق موجبِ ثبوت رؤیت کا نہیں پایا گیا تو اس پر ﴿عمل﴾[۱] بھی درست نہیں ہے الحاصل اب تک یہاں بھی کوئی خبر ایسی نہیں پہنچی جو شرعًا مفید حکم صوم ہمارے لیے ہوجاتی، یہ خبر جو حکیم صاحب کی ہے اس سے بہتر یا اس کے مساوی بھی کوئی خبر نہیں ہے، آئندہ جو کچھ حضرت کے نزدیک راجح قرار پائے اس سے مطلع فرمائیں، جناب حکیم صاحب[۳] وبرادرم مولوی حبیب الرحمٰن[۴] صاحب کی رائے بھی یہی ہے۔ مورخہ ۲۱/ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ۔ راقم احقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ

(۳۵۴-۳۵۲/۶)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں ﴿عمل﴾ کی جگہ ''عجب'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.**

(۳) اس سے مراد غالبًا مولانا حکیم محمد حسن صاحب برادر حضرت شیخ الہندؒ ہیں۔ ظفیر

(۴) اس سے مراد مفتی علام رحمہ اللہ کے بھائی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۴۸ھ) سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں۔ ظفیر

رؤیت ہلال کے سلسلے میں خطوط حجت ملزم نہیں

سوال: (۴۱) نقل خط ثانی مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

المخدوم المکرّم جناب حضرت مولانا مولوی عزیز الرحمٰن صاحب مدفیوضہم

ازاحقر عبدالرحیم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک عریضہ ملفوف اس سے قبل اس مضمون کے متعلق جناب کی خدمت میں ارسال کیا تھا، غالباً پہنچا ہوگا، مگر اس میں فقط مولوی جمیل الدین صاحب کے خط کا مضمون تھا، آج یہ دوسرا عریضہ مع خط حکیم جمیل الدین صاحب ووالا نامہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب ارسال خدمت ہیں، جناب ان دونوں کو ملاحظہ فرما کر بہ واپسی ڈاک جواب سے مطلع فرمادیں، اوران دونوں خطوں کو واپس کردیں، مقصود ان کے ارسال سے یہ ہے کہ یہ دونوں شہادتیں جناب کو تسلیم ہیں یا نہ؟ بناء بر تسلیم اگر ۳۰ رمضان کو رؤیت ہلال نہ ہوتو اس کے حساب سے عید کرلی جائے یا نہیں؟ رمضان کا ہونا تو اس سے مسلم ہے، اس میں تو کسی کو کلام نہیں، باقی کلام عید میں ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ لہٰذا جناب اس عریضہ کو ملاحظہ فرماتے ہی جو رائے ہو اس سے فوراً مطلع فرمادیں، سخت انتظار ہے، جمعرات سے قبل یا جمعرات تک اس کا جواب یہاں پہنچ جاوے، تاکہ جو رائے قرار پائے اس سے جمعہ کے روز عوام لوگوں کو مطلع کردیا جاوے (راقم عبدالرحیم از رائے پور، ۲۲ رمضان المبارک)[1] (۱۶۲۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (از بندہ احقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ) بہ حضرت مخدوم العالم مکرم ومحترم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدفیوضہم۔

بعد ہدیۂ سلام مسنون عرض یہ ہے:

پہلے والا نامہ کا جواب ارسال خدمت بابرکت ہوچکا ہے، کل دوسرا والا نامہ مع خط مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سلمہ و والا نامہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب سلمہ پہنچا، بندہ نے اور دیگر حضرات موجودین نے بہ غور دیکھا رائے وہی قرار پائی ہے جو پہلے ظاہر کی گئی کہ ہمارے لیے یہ خطوط

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

حجت ملزم نہیں ہیں، اور وجوہ اس کے مخفی نہیں ہیں (تحمل)(۱) شہادت غازی پور وحکم گورکھپور باقاعدہ نہیں ہوا، پھر اس کو سببِ ثبوتِ رمضانیت ہمارے حق میں کیسے تسلیم کیا جاوے، اور پھر عید کا حکم اس پر مرتب کرنا اور بھی (زیادہ)(۱) محل بحث ہے، بہر حال اگر صدق قرائن وغیرہ کا خیال کیا جاوے تو غایت اس کی؛ جوازِ عمل نکلتا ہے نہ وجوب ولزوم، پھر ایسی حالت میں اعلانِ عید اس حساب پر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا؛ البتہ روزہ کے قضا کرنے میں احتیاط ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، خدا تعالیٰ کرے کہ اختلاف مرتفع رہے، اور ہلالِ فطر پر اتفاق ہوجاوے، آئندہ جو ارشاد عالی ورائے مبارک ہو مطلع فرمادیں والسلام، راقم عزیز الرحمٰن عفی عنہ (از دیوبند ۲۴/ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۴ھ یوم چہارشنبہ)(۲) (۶/۳۵۴-۳۵۵)

شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ شروع کیا بعد میں بہ ذریعہ خط خبر آئی کہ ۲۹ کا چاند دیکھا گیا ہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۲)......(الف) ایک شہر میں اور نیز اس کے قرب وجوار میں ۲۹ شعبان یوم شنبہ کو نہایت غلیظ ابر تھا، اس روز اس شہر میں اور نیز اس کے قرب وجوار میں چاند نہیں دیکھا گیا، اور نہ کہیں سے خبر آئی، مجبوراً شعبان کے ۳۰ یوم پورے کر کے اگلے روز یعنی دوشنبہ کو روزہ رکھا گیا، رمضان کے ختم سے دو تین یوم قبل ایک شہر سے جو ایک مہینے کے راستے سے زیادہ دور تھا، یہ خبر بہ ذریعہ خط آئی کہ یہاں ۲۹ شعبان کو ابر تھا، مگر دو شخصوں کی شہادت پر رمضان کی پہلی یک شنبہ کو قرار دی گئی، جس کے پاس یہ خط آیا وہ بھی عالم تھے؛ چنانچہ مکتوب الیہ یہ خط لے کر قاضی شہر کے پاس جو کہ عالم ودین دار ہیں آیا ہے، اور اس شخص کو میں خوب جانتا ہوں، اور یہ بھی میں پہچانتا ہوں کہ یہ خط اسی شخص کا ہے، علاوہ بریں ایک اور جگہ سے آدمی آیا وہ کہتا ہے کہ وہاں کے مفتی صاحب نے اپنی جگہ منگل کی عید کا اعلان کردیا ہے، لہٰذا ہمارے نزدیک یک شنبہ کو پہلی رمضان قرار دینے میں کوئی شک نہیں ہے،

(۱) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

اس حساب سے آج یوم دوشنبہ کو ۳۰ رمضان ہے {محلّہ کی نسبت یہ اعلان دینا چاہیے؛ چاہے}[1] آج چاند ہو یا نہ ہو کل عید کا دن ہے اور روزہ حرام ہے۔

قاضی صاحب نے قبل اس کے کہ اپنی رائے کا اظہار کریں، شہر کے ایک بڑے مشہور عالم سے کہ جو وہاں کے مفتی بھی ہیں اور شہر کے لوگ ان کو اپنا پیشوا جانتے ہیں؛ مشورہ لیا {اور کل کیفیت بیان کی}[1] انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ خبر قابل اعتبار نہیں، قاضی صاحب نے بناء علیہ کہ اوّل تو علمائے حنفیہ کا اس میں بڑا اختلاف ہے، چنانچہ بعض کے نزدیک اختلاف (مطالع) غیر معتبر ہے مطلقًا، اور بعض کے نزدیک معتبر ہے، اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ جن دو مقاموں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو ایسے مقاموں میں ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کے لیے ملزم نہ ہوگی، اور اس سے کم میں حکم ایک مقام کا دوسرے مقام کے لیے لازم ہوگا، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: أهل بلدة رأوا الهلال هل يلزمه ذٰلك في حقّ أهل بلدة أخرى اختلف المشائخ فيه بعضهم قالوا: لايلزم ذلك، فإنّما المعتبر في حقّ كلّ بلدة رؤيتهم ...... وفي الخانية: لاعبرة لاختلاف المطالع ...... وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع لزم ...... وذكر الشّيخ الإمام شمس الأئمّة الحلواني: أنّ الصّحيح من مذهب أصحابنا ...... انتهٰى[2] اور جامع الرموز میں ہے: أقلّ ما يختلف به المطالع شهر[3] اور طحطاویؒ حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں: قوله: (واختاره صاحب التّجريد) وهو الأشبه .... لأنّ انفصال الهلال من شعاع الشّمش يختلف باختلاف الأقطار كما في دخول الوقت وخروجه .... وهذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة؛ عيني، وأقل ما تختلف فيه المطالع مسيرة شهر؛ كما في الجواهر[4] انتهٰى.

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الفتاوى التّاتارخانية: ۳/۳۶۵-۳۶۶، كتاب الصّوم، الفصل الثّاني فيما يتعلق برؤية الهلال، المطبوعة: مكتبة زكريا ديوبند .

(۳) جامع الرموز میں یہ عبارت اس طرح ہے: وحدّه علٰى ما في الجواهر مسيرة شهر فصاعدًا. (جامع الرّموز: ۱/۱۵٦، كتاب الصّوم، المطبوعة: مطبع نول كشور)

(۴) حاشية الطّحطاوي علٰى مراقي الفلاح، ص: ٦۵٦، كتاب الصّوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قبل باب في بيان ما لايفسد الصّوم .

اور صاحبِ ہدایہ مختارات النوازل میں لکھتے ہیں: أهل بلدة صاموا ثلاثين يومًا بالرّؤية، وأهل بلدة أخرىٰ صاموا تسعة وّعشرين يومًا بالرّؤية أيضًا، فعليهم قضاء يوم إذا لم تختلف المطالع بينهما ...... أمّا إذا اختلف المطالع فلا قضاء عليهم(۱) انتهىٰ. اور جن علماء نے مطلقاً اختلاف مطالع کو معتبر سمجھا ہے؛ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ عن كُريب أنّ أمّ الفضل بعثته إلىٰ معاوية بالشّام؛ فقال: فقدمتُ الشّامَ فقضيتُ حاجتَها، واستهلّ عليَّ رمضان وأنا بالشّام؛ فرأيتُ الهلالَ ليلةَ الجمعة، ثمّ قدمتُ المدينةَ في آخر الشّهر، فسألني عبد اللّٰه بن عبّاس ثمّ ذكر الهلال، فقال: متىٰ رأيتم الهلال ؟ فقلتُ: رأيناه ليلةَ الجمعة، فقال: أنتَ رأيته ؟ فقلت: نعم، ورآه النّاس وصاموا وصام معاويةُ، فقال: لٰكنّا رأيناه ليلةَ السّبت؛ فلا نزال نصوم حتّٰى نُكمِلَ ثلاثين أو نراه، فقلتُ : أوَ لاتكتفي برؤية معاوية وصيامه، فقال: لا، هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم. رواه الجماعة إلّا البخاريّ وابن ماجة(۲) (منتقىٰ)

اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مصفی شرح موطا مطبوعہ فاروقی کے ص:۲۲٦ پر تحریر فرماتے ہیں: مسئلہ: اگر ہلال را در یک شہر دیدہ شد، و در شہر دیگر تفحص کردند و ندیدند، اگر آں شہر قریب است لازم است حکم رؤیت ایشاں، و اگر بعید است لازم نیست، بہ حدیث ابن عباس، و بہ قیاس بر مسئلہ فطر و حج کہ در حدیث منصوص شدہ، وظاہر آں است کہ مراد از بعد مسافت قصر است، و ایراد کردہ نشود کہ مسافت قصر را بہ امر ہلال ہیچ تعلق نیست، زیرا کہ مشروعیت اکتفاء ہر ناحیہ بہ رؤیت خود از جہت حرج است، در تکلیف بہ ابلاغ اخبار نہ از جہت اختلاف مطالع، و عادت قاضیہ است بہ بلوغ اخبار در مواضع قریبہ، پس اگر از آخر شہر یکہ دراں رؤیت متحقق شد بر دو مرحلہ باشد حکم آں لازم نیست(۳)

(۱) مختارات النّوازل: ۱/ ۴۵۷، كتاب الصّوم، حكم رؤية الهلال، المطبوعة: مؤسّسة إيفا للطّبع والنّشر، نيو دلهي .

(۲) المنتقىٰ في الأحكام الشّرعيّة من كلام خير البريّة لابن تيميّة، ص:۳۸٦، كتاب الصّيام، باب:الهلال إذا رآه أهل بلد هل يلزم بقيّة البلاد الصّوم؟ المطبوعة:دارابن الجوزي، قاهرة

(۳) مصفّٰى ،ص:۲۲۷، كتاب الصّيام ، باب يجب الصّوم و الفطر برؤية الهلال، المطبوعة: مطبع فاروقي دهلي.

پس ان عبارات سے بہ خوبی واضح ہو گیا کہ اوّل بہت سے علماء اختلاف مطالع کو معتبر سمجھتے ہیں، اور جو علماء اس کے قائل بھی ہیں کہ اہل مشرق کی رؤیت سے اہل مغرب کے لیے (رؤیت) ثابت ہو جاتی ہے، وہ بھی خط اور تار کا اعتبار نہیں کرتے کیوں کہ **الخطّ يشبه الخط.**

پس مفتی صاحب نے ان تمام علماء کے سوال کو پیش نظر رکھ کر نہایت غور وخوض کے بعد (نہایت نیک نیتی سے)[1] یہ رائے دی کہ میرے نزدیک یہ خبریں طریقِ موجب میں داخل نہیں ہیں، (اس پر ایک رئیس صاحب اور ان کے مؤید علماء نے قاضی صاحب پر نہایت زور دیا کہ آپ ہمارے موافق ہو کر اعلانِ عید پر جو کہ پہلے سے ہی اپنے ہمراہ لکھ کر لائے تھے دستخط کر دیجیے، قاضی نے فرمایا: جب کہ میرا قلب اور اجتہاد اس بات پر اطمینان نہیں دلاتا تو میں کیسے آپ کے موافق ہو کر زبردستی دستخط کر دوں، یہ معاملہ دنیوی نہیں ہے جو آپ کی خاطر سے آپ کے متفق ہو جاؤں، قیامت کے روز مجھ سے باز پرس ہوگی، اس کا بار میری گردن پر رہے گا، جب رئیس اور ان کے مؤیدین نے نہایت زور دیا تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ صاحبوں کی رائے ہے تو آپ خود اعلان کر دیں، آپ کی مخالفت نہ کروں گا مگر دستخط نہیں کروں گا، رئیس اس پر خفا ہوئے حتی کہ باوجود افطاری کے وقت ہو جانے کے افطاری کھانے سے بھی انکار کر دیا، اور قاضی کو مضرت پہنچانے کو تیار ہو گئے، اب سوال یہ ہے کہ قاضی کا اپنی تحقیقات اور اجتہاد کی بناء پر موافق ان حضرات کے نہ ہونا اور ان کا خفا ہونا اور مجبور کرنا اور بغض رکھنا کیسا ہے؟ کیا کوئی رئیس یا عالم شہر کے قاضی یا مفتی کو اس کی تحقیقات کے خلاف رائے دینے پر شرعاً مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟)[2]

(ب) کیا رمضان وعید میں خط کا بالکل اعتبار نہیں ہے، اور اگر ہے تو وہ کونسی صورتیں اور طریقے ہیں کہ جن سے خط کا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ (محض کسی کا یہ کہہ دینا کہ میں کاتب کے خط کو پہچانتا ہوں کافی ہے یا نہ؟ اگر ہے تو کیوں؟ کیوں کہ کلام تو اسی خط میں ہے جب کہ مکتوب الیہ کاتب کے خط کو پہچانتا ہو، اور جب پہچانتا ہی نہ ہوگا تو وہاں تشابہ بھی نہ ہوگا؟)[1] (۱۸۸۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) قوسین والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے تلخیص کے ساتھ نقل کی تھی؛ اس لیے ہم نے رجسٹر نقول فتاویٰ سے اس کو مکمل نقل کر دیا ہے۔ ۱۲

الجواب: (الف) اقول وباللہ التوفیق: یہ امر ظاہر ہے اور کتب فقہ سے ثابت ہے کہ حالت ابر وغبار میں ایک شخص عادل یا مستور کی گواہی سے بھی رمضانیت ثابت ہوجاتی ہے، پس دو عادل یا مستور کی گواہی سے رمضانیت بہ درجۂ اولیٰ ثابت ہوگئی، اور یہ بھی مسلم ہے کہ صحیح ومختار مذہب کے موافق اختلاف مطالع ہلالِ صوم وفطر میں معتبر نہیں، اہل مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر حکم ثابت ہوجاتا ہے، اور جب کہ معتبر وراجح وظاہر الروایۃ ومفتی بہ عدم اعتبار (اختلاف)[1] مطالع ہے تو پھر اس میں بحث کرنا ہم مقلدین کو بے موقع ہے، کیوں کہ فقہاء محققین کی ترجیح (کسی بارے میں)[1] ہمارے لیے کافی حجت ہے، درمختار میں ہے: **واختلاف المطالع .... غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوى؛ بحر عن الخلاصة، وفي ردّ المحتار للشّامي: وظاهر الرّواية الثّاني وهو المعتمد عندنا، وعند المالكية والحنابلة لتعلّق الخطاب عامًّا بمطلق الرؤية في حديث: صوموا لرؤيته إلخ**[2] البتہ اہل مغرب کی رؤیت اہل مشرق کے لیے ثابت ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اہل مشرق کو طریق موجب سے اہل مغرب کی رؤیت متحقق ہوجائے، اور طریق موجب کی شرح ردالمحتار میں اس طرح کی گئی ہے کہ دوشاہد یہاں آکر دوسرے شہر کی رؤیت کو بیان کریں، یا وہاں کے عالم وقاضی کے حکم کو دوشاہد بیان کریں، یا خبر اس شہر کی رؤیت کی عام ومستفیض ہوجاوے[3] صورت مسئولہ میں بہ ظاہران ہرسہ امور میں سے کوئی امر نہیں پایا گیا، اس لیے قاضی صاحب کا اس پر حکم رمضانیت نہ کرنا موافق شریعت کے ہے، اعتراض ان پر بے موقع ہے، اور مجبور کرنا غیر مناسب ہے، باقی جن حضرات نے اس خط کو معتبر مان کر اس پر حکم کیا وہ بھی صحیح ہے: کیوں کہ جن مواقع میں تزویر (فریب) کا گمان نہ ہو وہاں فقہاء نے خط کو معتبر مانا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ باہمی خط وکتابت میں احتمال تزویر بہت بعید وضعیف ہے، شامی جلد رابع کتاب القاضی الی القاضی میں اس کی تصریح ہے۔ **قال في الفتح من الشّهادات: إنّ خطّ السّمسار والصّراف حجّة للعرف الجاري به أهـ، قال البيري: هٰذا الّذي في**

---

(۱) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔ ۱۲

(۲) **الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۴-۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع**

(۳) **قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل إثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر. (ردّ المحتار: ۳/۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع)**

غالب الكتب حتّٰى المجتبىٰ؛ فقال في الإقرار: وأمّا خطّ البياع والصّراف والسّمسار فهو حجّة، وإن لم يكن مُصدّرًا مُعَنْونًا يُعرف ظاهرًا بين النّاس، وكذا ما يكتب النّاس فيما بينهم يجب أن يكون حجّةً للعرف إلخ[1] اور اس سے پہلے شامی میں یہ بھی ہے کہ خط کا غیر معمول بہ یا غیر معتمد ہونا قضاء کے اعتبار سے ہے، یعنی قاضی اس پر حکم نہ کرے گا وقتِ منازعت، نہ یہ کہ مطلقاً خط غیر معتبر ہے۔ وفي الأشباه : لا يعمل بالخطّ (الدّرّ المختار) قال الشّامي: عبارة الأشباه: لا يعتمد على الخطّ ولا يُعمل بمكتوب الوقف الّذي عليه خطوطُ القُضاة الماضين إلخ . قال البيريّ؛ المراد من قوله: لا يعتمد أي لا يقضي القاضي بذٰلك عند المنازعة؛ لأنّ الخطّ ممّا يُزوَّرُ ويُفتعل إلخ ، وذكر العلّامة البعليُّ في شرحهٖ على الأشباه: أنّ للشّارح العلّامة الشّيخ علاء الدّين رسالةً حاصلُها بعد نقلهٖ ما في الأشباه: وأنّ ابن الشّحنة وابن وهبان جزمًا بالعمل بدفتر الصّراف ونحوه لعلّة أمن التزوير كما جزم به البزّازيّ والسّرخسيّ وقاضي خان[2] الحاصل جس جگہ تزویر سے امن ہو وہاں خط پر عمل کرنے کو فقہاء نے لکھا ہے، پس جس کے نزدیک خط معروف ہو اور تزویر سے مامون ہو اس پر عمل کرسکتا ہے، لہٰذا ان لوگوں پر بھی کچھ اعتراض نہیں ہے جنہوں نے بہ وقت مذکورہ خط پر عمل کیا۔

(ب) جب کہ یہ امر محقق ہوا کہ بہ صورت امن عن التزویر خط کا اعتبار ہے، اور وہ معمول بہ ہے تو اگر کوئی عالم یا قاضی یہ لکھ کر بھیجے کہ میرے سامنے شہادت معتبرہ رؤیت ہلال کے متعلق گزری اور میں نے اس کو قبول کرلیا، اور اس پر حکم کردیا تو جو لوگ اس (کے خط)[3] کو پہچانتے ہوں یا قرائن سے معلوم ہو کہ اس کا خط ہے کوئی وجہ تزویر ودھوکہ دہی کی نہیں ہے تو ان لوگوں کو اس پر عمل کرنا جائز ہے، اور گویا اس عالم نے ان کے سامنے یہ بیان کردیا کہ میں نے ایسا حکم کردیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(٦/٣٦٢-٣٦٦)

---

(١) ردّ المحتار: ٨/١٢١، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، مطلب في دفتر البيّاع والصّرّاف والسّمسار .

(٢) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٨/١٢٠-١٢١، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي مطلب لا يعمل بالخطّ .

(٣) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔١٢

بہ ذریعہ تحریر رؤیت ہلال کی خبر آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۳) ایک تحریر قصبہ سکندر آباد سے جس میں رؤیتِ ہلالِ عید کی شہادت معتبرہ تھی، بہ دست ایک شخص معتبر کے قصبہ جھاجر پہنچی، اور شخص مذکور قصبہ ہذا کا رہنے والا ہے، اور تاریخ ۲۸-۲۹ رمضان کو سکندر آباد موجود تھا، اور تمام واقعات سماعت رؤیت کے اس نے اپنے کان سے سنے، اور وہی شخص تحریر مذکور لے کر آیا، اپنے علم کو ظاہر کیا، اور تحریر ہذا پیش کی، اس صورت میں عید بہ روز شنبہ کی گئی، اور روزے افطار کیے گئے، اور قصبہ والوں نے شخص مذکور کو و نیز تحریر ہذا کو معتبر سمجھ کر یقین کیا، اس صورت میں قصبہ والوں نے فعل جائز کیا یا کیا؟ من جملہ مرد مان قصبہ کے دو تین شخصوں نے یقین نہیں کیا (اور روزہ افطار نہیں کیا)[1] باوجودیکہ شنبہ کی شام تک متواتر خبریں رؤیت کی دہلی وغیرہ سے پہنچیں، اس کا جواب مرحمت فرمائیے۔ (۱۳۸۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ افطار کرنا اور عید کرنا صحیح و معتبر ہوا، اور تحریر مذکور معتبر ہے، اس کے موافق عمل کرنا چاہیے، جن لوگوں نے روزہ افطار نہ کیا اور عید نہ کی وہ غلطی پر ہیں، ان کا روزہ بھی نہیں ہوا، کیوں کہ وہ دن عید کا تھا آئندہ ایسا نہ کریں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۷۱)

رؤیت ہلال کے سلسلے میں خط حجت ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۴) کسی عالم سے خط کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ رؤیت ۲۹ کو ہوئی تو یہ حجت ہے؟ (۱۰۵۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: خط حجت نہیں ہے؛ لیکن اگر قرائن سے صدق اس کا معلوم ہو تو اس پر عمل درست ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۹۲-۳۹۳)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) واختلاف المطالع إلخ غير معتبر إلخ فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب (الدّرّ المختار) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أويستفيض الخبر؛ بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية. (الدّرّالمختاروردّ المحتار: ۳/۳۲۴-۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ظفير

سوال: (۴۵) ایک شہر کے اندر ثبوت رؤیتِ ہلال کا بہم پہنچ گیا، اور اس بستی کے علماء نے رؤیت ہلال کو شائع کردیا، اور اس حکم کو بہ ذریعہ ڈاک دوسرے شہر کے مفتی کے پاس بھیج دیا، وہ اس فتویٰ کی بناء پر اس حکم کو جاری کرسکتا ہے جو ڈاک کے ذریعہ سے پہنچا ہے یا موافق قانون کتاب القاضی الی القاضی خاص شاہد لے کر آویں۔ (۲۱۹۲/۱۳۳٦ھ)

الجواب: ایسے امور میں خط کا اعتبار ہوتا ہے جب کہ قرائن اس کی صدق کے موجود ہوں اور بناوٹ کا شبہ نہ ہو[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۳۹۰)

افطار کی خبر میں کتاب القاضی الی القاضی ضروری نہیں

سوال: (۴٦) خبرِ افطارِ ماہ رمضان میں؛ آیا کتاب القاضی الی القاضی کے شرائط ملحوظ ہیں یا نہیں؟ اگر ملحوظ نہیں تو کونسی جزئی (دلیل) ہے؟ (٦٦/۷-۳۳/۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: واختلاف المطالع إلخ غير معتبر إلخ ، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب إلخ، وقال صاحب ردّ المحتار في شرح قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر إلخ[۲]

فظهر أنّه لا حاجة إلىٰ كتاب القاضي إلى القاضي في إخبار الصّوم والإفطار، وأنّه ليس بطريق معيّن للإيجاب (یعنی پس ظاہر ہوا کہ اخبارِ صوم میں کتاب القاضی الی القاضی کی کوئی ضرورت نہیں، اور یہ کہ ثبوت کے لیے کوئی متعین طریقہ نہیں ہے) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۵۱)

کیا رؤیتِ ہلال کی تحریر میں صرف شہادت نقل کرنا کافی ہے؟

سوال: (۴۷) کسی مولوی عادل معتبر نے یہ تحریر کیا کہ ہمارے گاؤں میں رؤیت ہلالِ عید الفطر ہوئی ہے؛ بہت لوگوں نے دیکھا ہے، مگر سات آدمی جو میرے نزدیک معتبر تھے حلف اٹھا کر بیان کیا

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار :۳/۳۲۴-۳۲۵، کتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.

کہ ہم نے چاند دیکھا ہے؛ اور یوم ابر کا تھا، ایک شخص کے ہاتھ یہ تحریر روانہ کی، مولوی مکتوب الیہ نے دو معتبر مسلمانوں کو تحقیق کے لیے روانہ کیا اور وہ تحریر بھی دے دی، ان دونوں نے مولوی کاتب کو تحریر دکھا کر پوچھا کہ واقعی تمہارے گاؤں میں رؤیت ہوئی ہے؟ اور یہ تمہارا خط ہے؟ اس نے کہا کہ واقعی یہ خط میرا ہے، اور سات معتبر گواہوں نے حلفًا گواہی دی ہے، اور دوبارہ تحریر لکھی کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور ایسا کہا، ان دونوں نے دوبارہ مولوی مکتوب الیہ کے پاس آکر بیان کیا کہ مولوی کاتب نے ایسا ایسا کہا ہے، مگر خط اوّل وثانی میں اپنا کوئی حکم تحریر نہ کیا صرف نقل شہادت کردی، مولوی مکتوب الیہ نے اس خط ثانی کو دیکھ کر اور ان دونوں سے دریافت کر کے حکم عید فطر کا دے دیا؛ یہ حکم دینا صحیح ہوا یا نہیں؟ (۱۲۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مولوی مکتوب الیہ کا حکم افطار کر دینا اس صورت میں درست ہے، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے فتویٰ کے تحت میں یہ صورت واقعہ کی داخل ہے[1] فقط واللہ اعلم (۳۸۰-۳۷۹/٦)

رمضان یا عید کے چاند کی خبر بہ ذریعہ تار معتبر نہیں

سوال: (۴۸) رمضان یا عید کے چاند کی خبر بہ ذریعہ تار معتبر ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۷-۶۳ھ)

الجواب: تار کی خبر شرعًا معتبر نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳٦۹/٦)

سوال: (۴۹) تار برقی کے ذریعہ رؤیت ہلال کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۱٦۲۳ھ)[3]

---

(۱) ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين مع العلّة للضّرورة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱٦/۳، كتاب الصّوم)ظفير

دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۴۵۰-۴۵۴، کتاب روزے کے مسائل کا بیان، عنوان: چاند کی خبر کے لیے خط اور تار کا اعتبار۔

(۲) فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب (الدّرّ المختار) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۵/۳، كتاب الصّوم ، مطلب في اختلاف المطالع)ظفير

(۳) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

الجواب: تار برقی کی خبر رؤیت ہلال کے بارے میں شرعًا معتبر نہیں ہے، ایسی خبروں پر روزہ افطار کرنا درست نہیں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۵۵-۳۵۶)

تار کی خبر پر عید کرنا درست نہیں

سوال: (۵۰) اگر کوئی رئیس مسلم اپنے حاکم مسلم کو یہ تار دے کہ چاند ہوگیا، اس تار پر روزہ افطار کرنا اور عید کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۳۹۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ خبر شرعًا معتبر نہیں ہے، اور محض ایسے تار پر افطار کرنا [اور عید کرنا] [2] درست نہیں ہے، اور تحقیق اس کی کتب فقہ میں ہے، شامی میں طریق موجب جس سے دوسروں پر رؤیت لازم ہوجاوے یہ تحریر فرمایا ہے کہ دو معتبر مرد شہادت کے متحمل ہوں یا حکم قاضی کی گواہی دیں یا خبر متواتر ہوجاوے، سو ظاہر ہے کہ تار میں ان وجوہ میں سے کوئی بھی نہیں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۹۲)

تار کی خبر کب معتبر ہے؟

سوال: (۵۱) تار کی خبر معتبر ہے یا نہ؟ (۸۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: خبرِ تار شرعی قواعد سے معتبر اور واجب العمل نہیں ہے؛ لیکن اگر دیگر قرائن سے یا تعدد اخبار سے ظن غالب اس کے صدق کا ہوجاوے تو اس پر عمل کرنا درست ہے، کیوں کہ ظن غالب کا ہی اس بارے میں اعتبار ہوتا ہے؛ اس لیے اگر خط سے ظن غالب حاصل ہوجاوے تو اس پر بھی عمل کرنا درست ہے، اور خط کا اس بارے میں اعتبار کیا گیا ہے جب کہ معلوم ہو کہ یہ خط اسی شخص کا ہے جس کے نام سے آیا ہے اور الخطّ یشبہ الخطّ اس موقع پر ملحوظ نہ ہوگا۔

---

(۱) فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤیة أولٰئك بطریق موجب (الدّرّ المختار) كأن یتحمّل اثنان الشّهادة أو یشهدا علی حكم القاضي أو یستفیض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكایة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ظفیر

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کی گئی ہے۔۱۲

كما صرّح به الفقهاء من اعتبار الخطّ في المعاملات [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۳۹۵-۳۹٦)

سوال: (۵۲) خبر تار کی معتبر ہے یا نہیں؟ (٦٦/۷-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: خبرِ تار صوم وافطار میں شرعاً معتبر نہیں ہے؛ لیکن اگر قرائن دیگر بھی موجود ہوں تو مفید عمل ہو سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۵۱)

رؤیتِ ہلال کی خبر متواتر ہو تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے

سوال: (۵۳) ممبئ، کراچی، سکھر وغیرہ کی شہادت پر پانی پت کرنال اور متصل والے دیہات نے شنبہ کو عید کرلی ہے؛ آیا تار کی خبر پر عید کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو روزہ کی قضاء لازم ہے یا نہیں؟ (۲۵۹۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب مفتی بہ ومعتبر یہ ہے کہ اگر کسی جگہ بھی رؤیت ثابت ہوجاوے، اگر چہ وہ کتنی ہی دور جگہ ہو اگر چہ ہزاروں کوس ہو تو یہاں والوں پر بھی حکم روزہ وافطار کا اس کے موافق ہوجاوے گا؛ جیسا کہ فقہ کی معتبر کتاب درمختار میں ہے: واختلاف المطالع ...... غير معتبر علیٰ ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوى ...... فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب إلخ [۲] اور جب کہ خبر رؤیت مستفیض ہوجاوے یعنی ہر طرف سے ایسی خبریں آویں کہ چاند ہوگیا اور ظن غالب اس کے صدق کا ہوجاوے تو اس پر عمل کرنا سب کو لازم ہوجاتا ہے۔ كذا في ردّ المحتار [۳] پس اس ماہ رمضان المبارک میں پنج شنبہ کو پہلا روزہ ہونے کی خبریں ایسی متواتر ہوگئی ہیں کہ ان پر عمل کرنا ضروری ہوگیا،

---

(۱) وفي الأشباه: لا يعمل بالخطّ إلّا في مسئلة كتاب الأمان ويلحق به البراءات ودفتر بيّاع وصرّاف وسمسار، وجوّزه محمّد لراوٍ وقاضٍ وشاهد إن تيقّن به قيل: وبه يفتىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸/ ۱۲۰-۱۲۳، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره مطلب: لا يعمل بالخطّ.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۴-۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع

(۳) قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر (ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ==

اور جن لوگوں نے جمعہ کو پہلا روزہ رکھا ان پر ایک روزہ کی قضاء لازم ہے، اور عید کرنا شنبہ کو ضروری تھا کیوں کہ جمعہ کو تیس رمضان کی تھی اور اس میں کچھ شبہ نہ رہا، لہٰذا بہ حکم فإن غمّ علیکم فأکملوا العدّة ثلاثین [1] شنبہ کو عید کرنا ضروری ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۸۰-۳۸۱)

شعبان کے تیس دن مکمل کر کے روزے شروع کیے بعد میں ۲۹ کی رؤیت ثابت ہوگئی تو کیا کرے؟

سوال: (۵۴) ۲۹ شعبان کو جاورہ سے رؤیت ہلال کا یہاں تار آیا تھا، مگر ہم نے اس پر عمل درآمد نہیں کیا، بعدہ اخباری خبروں سے بعض جگہ ۲۹ شعبان کی رؤیت کا حال معلوم ہوا، سوال یہ ہے کہ اب ۳۰ جون کو یکم شوال ہمارے واسطے بھی ضروری ہوگی یا نہیں؟ (۱۹۴۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ۲۹ شعبان یوم جمعہ کی رؤیت ہلال رمضان المبارک عام شہادات اور اخبار متواترہ سے ثابت اور محقق ہوگئی ہے، اور شنبہ کو پہلا روزہ ہونا مسلم ہوگیا ہے، پس جن لوگوں نے شنبہ کو روزہ نہیں رکھا ان پر قضا اس روزہ کی لازم ہے، اور عید کا چاند اگر شنبہ کو نظر نہ آیا تو یک شنبہ کو تیس رمضان ہوکر روز دوشنبہ ۳۰ جون کو عید کرنا ضروری ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۹۳)

== نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصّحيح من المذهب (الدّرّ المختار) في الذّخيرة قال شمس الأئمّة الحلواني: الصّحيح من مذهب أصحابنا أنّ الخبر إذا استفاض وتحقّق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هٰذه البلدة إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۲۰-۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

(۱) عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم:............فإن غمّ عليكم الحديث (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۴، كتاب الصّوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأوّل) ظفیر

(۲) نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصّحيح إلخ، وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حلّ الفطر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۲۰-۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ما قاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

خط اور تار کی خبر پر اعتماد کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۵) ۲۹ کو اگر رمضان یا شوال کا چاند نظر نہ آئے، اور دو معتبر شہادتیں بھی حسبِ تصریحِ فقہاء نہ مل سکیں؛ تو کیا تار اور خط کی خبر پر اعتبار کر کے روزہ رکھ سکتے ہیں؟ یا نماز عید پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۷۱۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: محض خبر تار یا خط پر اعتماد کر کے روزہ رکھنے یا افطار کرنے کا شرعًا حکم نہیں ہے، البتہ اگر وہ خبر تار یا خط مصدق ہو جاوے یا مؤید ہو جاوے؛ دوسرے قرائنِ صدق کے ساتھ تو اس پر عمل کرنا درست ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷٦/٦)

سوال: (۵٦) تار اور خط کی خبر سے عید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۰۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: تنہا تار یا خط کی خبر پوری معتبر نہیں ہے؛ لیکن اگر خبریں بہت سی ہو کر مفید علم ظنی ہو جاویں تو ان پر عمل کرنا جائز ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۱/٦)

سوال: (۵۷) اگر متعدد تار جمع ہو جائیں اور مفتی کو یقین بھی ہو جائے تو شرعًا رؤیت ہلال ثابت ہوگی یا نہیں؟ (۲۸۰۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ایسی حالت میں کہ مفتی کو ظن غالب چاند ہونے کا ہو جاوے اس پر حکم کرنا جائز ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۱/٦)

---

(۱) فیلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب (الدّرّ المختار) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع)ظفیر

(۲) نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصّحيح من المذهب مجتبىٰ وغيره (الدّرّ المختار) معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعدّدون كلّ منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنّهم صاموا عن رؤية لا مجرّد الشّيوع إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۰-۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود)ظفیر

ٹیلی فون کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال: (۵۸) چند مسلمان ایک شہر سے جو ۴۹ میل کے فاصلہ پر ہے بہ ذریعہ ٹیلیفون، رمضان مبارک کے چاند کی خبر دیتے ہیں اوران کی آواز بھی پہچانی جاتی ہے؛ شرعًا یہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟

(۲۸۰۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: محض تار اور ٹیلیفون کی خبر شرعًا حجت نہیں ہے، البتہ اگر اس کے ساتھ دیگر قرائن اور خبریں بھی موجود ہوں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے، چنانچہ اس دفعہ اگر چہ اکثر جگہ بدھ کو رمضان شریف کا چاند نہیں دیکھا گیا، لیکن کثرت سے خبریں رویت کی اور پنج شنبہ کے پہلا روزہ ہونے کی آگئیں، اس لیے پنج شنبہ سے پہلا روزہ ہونا تسلیم ہوگیا، اور شنبہ کو عید کرنا ضروری ہوگیا، اور جن لوگوں نے پہلا روزہ جمعہ کو رکھا ان پر ایک روزہ کی قضاء لازم ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۲/۶)

متواتر خط و تار سے رؤیت ہلال ثابت ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۵۹)...... (الف) بہ حالت ابر و غبار یا مطلع صاف ہونے کے اگر متواتر خطوط یا تار آویں؛ لیکن الفاظ طریق موجب کے نہ ہوں، مثلاً یہ لکھا ہو کہ یہاں فلاں دن چاند ہوا تو ان خطوط و تار کا اعتبار صوم و افطار و عیدین میں ہوگا یا نہیں؟

(ب) جیسا کہ متواتر شہادت کے لیے عادل ہونا شرط نہیں ہے اسی طرح متواتر خطوط و تار میں بھی کاتب کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(ج) تار میں تو کوئی شناخت نہیں ہوتی، لیکن خطوط میں دستخط یا طرز تحریر یا قرائن مضامین سے شناخت ہوجاتی ہے؛ آیا متواتر خطوط میں بھی شناخت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(د) رمضان میں بہ حالت ابر جیسا کہ ایک مستور کی شہادت کافی ہے؛ ایسا ہی ایک کاتب مستور کا خط یا تار بھی کافی ہے یا نہیں؟

(ھ) اگر بہ حالت ابر متواتر خبر مشہور ہوئی کہ فلاں فلاں شہر میں فلاں دن عید ہے، یا متواتر

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

خطوط سے معلوم ہوا کہ فلاں دن عید ہے، یا صرف دو مقام سے ایک ایک خط آیا، لیکن یہ نہیں معلوم کہ چاند ہوا یا وہاں بھی محض شہرت کی وجہ سے عید ہے تو ہم اس خبر پر عمل کریں یا نہیں؟ (۱۳۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) لفظ ردالمحتار جو بہ ذیل طریق موجب لکھا ہے، یہ ہے: أو یستفیض الخبر [۱] پس جب کہ خبر مستفیض ومتواتر ہو جاوے گی لائق قبول ہوگی، اور عمل کرنا اس پر واجب ہوگا۔

(ب) تواتر میں عدالت کا لحاظ نہیں ہے [۲]

(ج) تواتر جبھی ہوگا کہ خطوط میں شناخت پائی جاوے۔

(د) کافی نہیں ہے۔

(ھ) جب کہ خبر مستفیض ہوگی عمل اس پر واجب ہے [۳] فقط واللہ اعلم (٦/ ۳۷۷-۳۷۸)

جنتری یا تار پر اعتماد کرنا درست نہیں

سوال: (٦٠) ۲۹ شعبان کو ابر کے باعث کسی نے چاند نہیں دیکھا، اور جنتری وغیرہ میں ۲۹ کا چاند لکھا ہے، اور سب لوگوں کا یہی خیال ہے کہ چاند ۲۹ کا ہوگا، اس صورت میں جنتری اور تار پر اعتبار کر کے پہلی رمضان مان لینا درست ہے یا نہیں؟ (۸۷٦/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس صورت میں تیس دن شعبان کے پورے کر کے اس کے بعد پہلی رمضان کی

(۱) ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۵، کتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع .

(۲) لٰكن لمّا كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها أنّ أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها إلخ. (ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۰، كتاب الصّوم، مطلب: ما قاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

(۳) نعم لو استفاض الخبر في البلدة الأخرى لزمهم على الصّحيح من المذهب مجتبٰى وغيره (الدّرّ المختار) قال الرّحمتي: معنى الاستفاضة أن تأتي من تلك البلدة جماعات متعدّدون كلّ منهم يخبر عن أهل تلك البلدة أنّهم صاموا عن رؤية لا مجرّد الشّيوع من غير علم بمن أشاعه إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۰-۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ما قاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

قائم کرنی چاہیے۔ کما ورد في الحدیث اور جنتری اور تار پر اعتماد نہ کرنا چاہیے[1] قال علیه الصّلاة والسّلام: صوموا لرؤیتهٖ وأفطروا لرؤیته الحدیث[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣٦٩/٦)

تار کی خبر پر جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا، اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (٦١) تار کی خبر پر بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا یہ فعل ان کا کیسا ہے؟ (١٣٣٥/١٤٢٥ھ)

الجواب: بلا تحقیق و بدون شہادت شرعیہ کے محض تار کی خبر پر روزہ توڑنا اور عید کرنا جائز نہ تھا[3] لیکن چوں کہ جمعہ کی رؤیت اور شنبہ کی عید محقق ہوگئی ہے اور بہت جگہ سے رؤیت کی خبریں آئیں، دیوبند میں بھی رؤیت ہوئی؛ اس لیے اب ان لوگوں پر جنھوں نے شنبہ کو روزہ نہ رکھا اور عید کی کچھ مواخذہ نہیں ہے، تار کی خبر تنہا معتبر نہیں ہے، لیکن اگر قرائن سے صدق اس کا محقق ہو تو عمل کرنا اس پر درست ہے، ایک جگہ کی رؤیت سب جگہ معتبر ہے اگر ثابت ہو جاوے، جیسا کہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ اہل مشرق کی رؤیت اہل مغرب کے لیے لازم ہو جاتی ہے، اگر ان کو ثبوت اس کا پہنچ جاوے[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٣٧٢/٦)

---

(١) ولاعبرة بقول الموقّتين ولو عدولًا على المذهب (الدّرّ المختار) أي في وجوب الصّوم على النّاس بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع ولا يجوز للمنجّم أن يعمل بحساب نفسه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣١٦/٣، كتاب الصّوم، مطلب لا عبرة بقول الموقّتين في الصّوم) ظفیر

(٢) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: صوموا لرؤيته............ فإن غمّ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:١٧٤، كتاب الصّوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأوّل)

(٣) وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة (الدّرّ المختار) أي على الأموال وهو رجلان أو رجل وامرأتان. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣١٥/٣، كتاب الصّوم، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

(٤) فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣٢٥/٣، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ظفیر

مختلف تاروں کی بناء پر افطار کا حکم درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۶۲) دو شاہدوں کی شہادت اور خبر مستفیض یعنی ہفت دہ (۷۰) عدد تار متفرق مکانات مثلاً کلکتہ، مکہ مکرمہ، جدہ، ممبئی، کوئٹہ، سکھر وغیرہ بلاد مختلفہ سے تاروں اور خبروں کی بناء پر فتویٰ دیا گیا افطار صوم کا، اس صورت میں افطار کرنا روزہ کا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۷۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: افطار روزہ دریں صورت واجب نیست بلکہ در جواز افطار ہم بہ مجرد خبر تار تردد است کہ خبر تار ظاہر است کہ حسب قواعد شرعیہ اعتبارے ندارد، البتہ بہ وجہ تعارف بلاد اگر خبر تار را موید شمر دہ شود، یا بہ وجہ تعدد تار ظن غالب پیدا شود مفید جواز افطار می تواند شد، پس ہر کہ روزہ افطار نکرد، و روزہ قائم داشت گنہ گار نمی شود[1] فقط (۳۸۴/۶)

ترجمہ جواب: اس صورت میں روزہ افطار کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ محض تار کی خبر کے ذریعہ جوازِ افطار میں بھی تردد ہے، اس لیے کہ تار کی خبر ظاہر ہے کہ قواعد شرعیہ کے لحاظ سے کوئی اعتبار نہیں رکھتی ہے، البتہ شہروں کے متعارف ہونے کی وجہ سے اگر تار کی خبر کو مؤید شمار کیا گیا ہو یا متعدد تار کی وجہ سے ظن غالب پیدا ہو گیا ہو تو جواز افطار کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے، لہٰذا جس شخص نے روزہ افطار نہیں کیا اور روزہ باقی رکھا گنہ گار نہیں ہوگا۔ فقط

علم ہیئت کے قواعد کی بنیاد پر روزہ رکھنا درست نہیں

سوال: (۶۳) قصبہ نگرام میں ہفتہ کو ۴ رجب تھی؛ جس کے حساب سے ہفتہ ہی کو یکم رمضان شریف ہوتی ہے، اور نیز دیگر قواعد ہیئت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے، فریق اوّل نے بغیر چاند دیکھے روزہ رکھا، اور فریق ثانی نے یوم شک میں ۱۱ بجے تک انتظار چاند کی خبر کا کر کے روزہ افطار کر دیا،

---

(۱) فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤیة أولٰئك بطریق موجب (الدّرّ المختار) كأن یتحمّل اثنان الشّهادة أو یشهدا علٰی حكم القاضي أو یستفیض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكایة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۵/۳، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ظفیر

کانپور وغیرہ سے خبر رؤیت کی باقاعدہ نہیں آئی تھی (جس پر فریق اول نے روزہ رکھ لیا، اور فریق ثانی نے افطار کیا)[۱] فریقین میں سے کون حق پر ہے؟ فریق ثانی نے مولوی صاحب کے حکم سے افطار کیا؟ (۴۳۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ افطار کرنے والا فریق حق پر ہے، قاعدۂ شرعیہ کے مطابق وہی ہے جو اس عالم صاحب نے کیا کہ ۳۰ شعبان جو یوم الشک ہے، اس میں انتظار کر کے روزہ افطار کیا اور کرایا، فریق اوّل جنہوں نے مجرد قواعد علم ہیئت وتجربہ (واخبارِ پرتاپ گڑھ وکانپور)[۱] پر روزہ رکھا غلطی پر ہے، درمختار میں ہے: ولا عبرة بقول المؤقتين ولو عدولاً على المذهب إلخ[۲] (۳۶۷/۶)

سوال: (۶۴) ایک مضمون مولوی نظام الدین حسن صاحب کا اخبار ہمدم میں چھپا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: مسلمان اگر علم ہیئت سیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے، پنج شنبہ ۵ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء کو ۸، ۹ دقیقہ، ۳ گھنٹہ پر قبل ظہر؛ خسوف یعنی چاند گرہن تھا، اس وقت عمر قمر کی چودہ روز سے زائد تھی، اور اس روز ۱۵ رمضان سنہ ۱۳۳۵ھ میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا ہے، غرۂ رمضان المبارک میں بہ وجہ عدم رؤیت کے فرضیت صوم نہیں ہوسکتی تھی، لیکن ہلال اور بدر کے مشاہدہ سے کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ جمعہ ۲۰ جولائی کو ۳۰ رمضان المبارک ہے، اور اس روز اگر مطلع صاف نہ ہو تو رؤیت کی حاجت نہیں ہے، بہ لحاظ علم ہیئت اور مشاہدہ شنبہ ۲۱ جولائی سنہ ۱۹۱۷ء کو غرۂ شوال سنہ ۱۳۳۵ھ ہونا لازم ہے، اور اس روز صوم شنبہ حرام ہے۔ (۱۳۶۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: ولا عبرة بقول المؤقتين ولو عدولاً على المذهب، قال في الوهبانية: وقول أولي التّوقيت ليس بموجب، وقيل: نعم إلخ ، وفي الشّامي عن المعراج :

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۱۶، كتاب الصّوم ، مبحث في صوم يوم الشّك.

درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

و وجهه ما قلناه: إنّ الشّارع لم يعتمد الحساب، بل ألغاه بالكلّية بقوله نحن أمّة أميّة لانكتب ولانحسب الشّهر هٰكذا وهٰكذا إلخ. (ردّ المحتار: ۳/۳۱۷، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) ظفیر

لا يعتبر قولهم بالإجماع ولا يجوز للمنجّم أن يعمل بحساب نفسه، وفي النّهر: فلا يلزم بقول المؤقتين إنّه أي الهلال يكون في السّماء ليلة كذا إلخ [1] (شامي: ۹۲/۲) پس معلوم ہوا کہ عندالحنفیہ تحریر مذکور فی السوال صحیح نہیں ہے، اور بدون رؤیت وشہادت معتبرہ کے جمعہ کو جوکہ ۲۹ رمضان ہے، چاند تسلیم نہ ہوگا، اور شنبہ کو عید نہ ہوگی؛ البتہ اگر جمعہ کو حسب قاعدہ گواہی رؤیت کی گزرگئی تو شنبہ کو عید ہوگی ورنہ نہیں [2] غرض یہ ہے کہ جمعہ کو ۲۹ رمضان شریف ہے، جو قاعدہ ۲۹ تاریخ کا ہے وہی یہاں بھی جاری ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۰/٦-۳۷۱)

وضاحت: جو قاعدہ ۲۹ تاریخ کا ہے یعنی ۲۹ شعبان کا ہے کہ ۲۹ شعبان کو چاند نظر آئے تو روزہ رکھو ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کرو، یہی قاعدہ یہاں بھی جاری ہوگا کہ ۲۹ رمضان کو چاند نظر آئے تو عید کرو؛ ورنہ رمضان کے تیس دن پورے کرکے عید کرو۔ محمد امین پالن پوری

اگر آج چاند صبح کو مشرق میں نظر آئے تو اگلے دن شام کو رؤیت ہلال ہوسکتی ہے

سوال: (٦۵) ایک چاند آج صبح کو جانب مشرق نظر آوے، کل شام کو دوسرے مہینے کا چاند دیکھا جانا ممکن ہے یا نہیں؟ (۱۰۳/۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا عبرة بقول المؤقتين (الدّرّ المختار) أي في وجوب الصّوم على النّاس بل في المعراج: لايعتبر قولهم بالإجماع ولايجوز للمنجّم أن يعمل بحساب نفسه إلخ [3] پس جب کہ اہل توقیت واہل نجوم واہل حساب کا بھی شرع میں اعتبار نہیں

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۱٦/۳-۳۱۷، كتاب الصّوم، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصّوم.

(۲) وشرط للفطر مع العلّة والعدالة نصاب الشّهادة إلخ (الدّرّ المختار) أي على الأموال وهو رجلان أو رجل وامرأتان (ردّ المحتار) وقبل بلا علّة جمع عظيم يقع العلم الشّرعي إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۱۵/۳-۳۱۸، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك)

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۱٦/۳، كتاب الصّوم، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصّوم.

تو عوام کا طعن کرنا بر بناء مذکور کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، اور بہ قاعدۂ حساب بھی اگر آج صبح کو چاند مشرق میں نظر آوے تو اگلے دن شام کو رؤیت ہلال ہوسکتی ہے۔ کما هو مشاهد. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۶/٦)

تنہا چاند دیکھ کر روزہ رکھنے والے کے تیس روزے پورے ہوگئے مگر چاند نظر نہ آیا تو اُس پر اکتیسواں روزہ رکھنا واجب ہے

سوال: (٦٦) ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھا، کسی وجہ سے گواہی اس کی مقبول نہ ہوئی، مگر اس نے قاعدۂ شرعیہ کے موافق روزہ رکھ لیا، اور سب لوگوں کا رمضان ایک روز بعد شروع ہوا، جب اس کے تیس روزے ہوگئے اور سب کے انتیس ہوئے، اور چاند نظر نہ آیا تو اس کو اگلے روز روزہ رکھنا یعنی اکتیسواں روزہ رکھنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر نہ رکھے گا تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اور اگر توڑ ڈالے گا تو قضاء واجب ہوگی یا کفارہ؟ (۲۵۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس پر اکتیسواں روزہ رکھنا واجب ہے؛ لیکن توڑ دے گا تو صرف قضا واجب ہوگی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۴/٦-۳۸۵)

۲۹ رمضان المبارک کو بعد زوال چاند نظر آئے تو کیا کرے؟

سوال: (٦٧) رمضان کی ۲۹ تاریخ کو بعد زوال چاند شوال دیکھا گیا، اب باقی ماندہ دن روزہ رکھے یا دیکھتے ہی توڑ دے؟ (۲۱۵۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: روزہ رکھے۔ كذا في الدّرّ المختار [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۵/٦)

---

(۱) رأى مكلّف هلالَ رمضان أو الفطرِ ورُدّ قوله بدليل شرعيّ صام مطلقًا وجوبًا، وقيل ندبًا فإن أفطر قضٰى فقط فيهما لشبهة الرّدّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱۳/۳، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

(۲) ورؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا على المذهب (الدّرّ المختار) أي سواء رئي قبل الزّوال أو بعده. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۲/۳، كتاب الصّوم، مطلب في رؤية الهلال نهارًا) ظفیر

تیسویں شعبان سے تیس روزے پورے کر کے افطار کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۶۸) تیسویں شعبان کو زید نے فرض نیت سے روزہ رکھا، اور پھر ۳۰ روزے پورے رکھنے کے بعد یعنی تیسویں رمضان کو بدون رؤیت وشہادت شرعی کے؛ محض جنتری کے حساب سے یا اپنی رائے سے اس نے فرض روزہ توڑ ڈالا، اور سب کو برملا فتویٰ دیا کہ آج عید کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ ۳۰ روزے کامل ہوگئے ہیں، اور جنتری میں بھی لکھا ہے چاند تو ہوا ہے صرف ابر کی وجہ سے رؤیت کا ثبوت نہیں پایا گیا، یہ بات سن کر اکثر لوگوں نے بے دھڑک روزہ توڑ کر عید کرلی۔ اور عمر نے رؤیت رمضان کے بعد فرض روزہ رکھا، اور کامل ۳۰ روزے رکھنے کے بعد شوال کا چاند دیکھ کر عید کی، اس صورت میں کون مخطی اور کون مصیب ہے؟ اور جو مخطی ہے اس پر روزہ کی قضا واجب ہے یا نہ؟

(۶۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صوررت میں زید خطا پر ہے اور مصیب عمر ہے، اور روزہ کی قضا کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بعد میں دوسری جگہ کی رؤیت زید کے گمان کے مطابق ہوگئی اور اس کا ثبوت باقاعدہ ہوگیا تو قضا لازم نہیں ورنہ لازم ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۳۹۰-۳۹۱)

ابر کی وجہ سے رؤیت ہلال چند ماہ تک نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۶۹) یہاں رائے پور میں نماز عید الفطر بہ وجہ ابر ۲۹ رمضان المبارک کو چاند نہ ہونے کی وجہ سے بہ اتفاق رائے مسلمانان ۳۰ روزے پورے کر کے پنج شنبہ کو پڑھی گئی، اس کے بعد ۲۹ شوال بہ روز پنج شنبہ ذی قعدہ کا چاند بھی بہ وجہ ابر نظر نہیں آیا، علی ہذا القیاس ذی الحجہ کا چاند بھی ۲۹ ذی قعدہ کو

(۱) وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حلّ الفطر إلخ، ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغمّ هلال الفطر لا يحلّ على المذهب (الدّرّ المختار) والحاصل أنّه إذا غمّ شوّال أفطروا اتّفاقًا إذا ثبت رمضانُ بشهادة عدلين في الغيم أو الصّحو، وإن لم يغمّ فقيل: يفطرون مطلقًا، وقيل: لا مطلقًا، وقيل: يُفطرون إن غمّ رمضان أيضًا وإلاّ لا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۱، كتاب الصّوم، مطلب: ما قاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود) اور صورتِ مسئولہ میں تو اس نے اٹکل پچو رکھا تھا؛ اس لیے قضا واجب ہے۔ ظفیر

ابر کی وجہ سے نظر نہیں آیا، اس وجہ سے عیدالاضحیٰ میں اختلاف ہوا یعنی ایک گروہ نے ایک مہینہ ۲۹ اور ایک مہینہ ۳۰ کا شمار کر کے بغیر شہادتِ رویتِ ہلال یہ رائے قرار دی کہ سہ شنبہ کو عیدالاضحیٰ ہونی چاہیے، غرض سہ شنبہ کو نماز عیدالاضحیٰ پڑھی گئی، دوسرے گروہ نے ابر کی وجہ سے چاند نظر نہ آنے اور شہادتِ رؤیت نہ ملنے کے باعث دونوں مہینہ شوال و ذی قعدہ ۳۰، ۳۰ دن کے شمار کر کے چہار شنبہ کو عیدالاضحیٰ پڑھی، دونوں گروہ میں کس کا فعل شریعت کے موافق ہے؟ (۶۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آوے اور کسی دوسری جگہ سے بھی معتبر ذریعہ سے خبر رؤیت کی نہ آوے تو تیس دن پورے کر کے دوسرا مہینہ شروع کیا جاوے، لہٰذا شریعت کے موافق فعل ان لوگوں کا ہے جنہوں نے بہ صورت مذکورہ تیس تیس دن پورے کیے، اور جنہوں نے بلا کسی ثبوت کے ایک چاند ۲۹ کا اور ایک تیس کا فرض کر کے بقرعید کی وہ خطا پر ہیں، اگرچہ سہ شنبہ کو بقرعید ہونا رؤیت کے موافق محقق ہوگیا ہے؛ چنانچہ دیوبند اور اس کے اطراف میں بھی شنبہ کو رؤیت ہلال ذی الحجہ کی ہوئی، اور یک شنبہ کو یکم ذی الحجہ قرار پائی، اور سہ شنبہ کو بقرعید ہوئی، اور نص اس بارے میں حدیث معروف: صوموا لرؤیتہٖ وأفطروا لرؤیتہٖ الحدیث[1] ہے۔ فقط واللہ اعلم

(۶/۳۹۱-۳۹۲)

رمضان کے تیس روزے پورے ہوجانے پر چاند نظر نہ آئے تو کیا کرے؟

سوال: (۷۰) فیمن تمّ ثلاثین یومًا من رمضان ولم یر هلال شوّال، فصام بعده یومًا حتّٰی رأی الهلال في الصّبح قبل الزّوال، وأیضًا أتي التلغراف من ممبئي في یوم الجمعة وقت غروب الشّمس فأفطر بعضهم؟ (۱۷۷۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: وبعد صوم ثلاثین بقول عدلین حلّ الفطر إلخ، ولو صاموا بقول عدل حیث یجوز وغمّ هلال الفطر لا یحلّ علی المذهب خلافًا لمحمّدؒ

(۱) عن أبي هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: صوموا لرؤیته الحدیث، متّفق علیه. (مشکاة المصابیح، ص: ۱۷۴، کتاب الصّوم، باب رؤیة الهلال، الفصل الأوّل)

............لكن نقل ابن الكمال عن الذّخيرة: أنّه إن غمّ هلال الفطر حلّ اتّفاقًا، وفي الزّيلعي: الأشبه إن غمّ حلّ وإلّا لا (١) وفيه أيضًا: و رؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا على المذهب ذكره الحداديّ (٢) والتّلغراف ليس بحجّة شرعية (٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣٧٦-٣٧٧)

ترجمہ سوال: (٧٠) اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے رمضان کے تیس دن پورے کیے اور شوال کا چاند نہیں دیکھا، تو اس نے اس کے بعد ایک دن کا روز رکھ لیا، یہاں تک کہ صبح میں زوال سے پہلے چاند دیکھ لیا، اور نیز جمعہ کے دن غروب آفتاب کے وقت ممبئ سے ٹیلی گراف بھی آ گیا پس بعض لوگوں نے روزہ توڑ دیا۔

الجواب: درّ مختار میں ہے: اور دو عادل مردوں کے قول سے روزہ رکھا ہو تو تیس دن کے بعد افطار حلال ہے الخ، اور اگر ایک عادل مرد کے قول سے روزہ رکھا ہو جس صورت میں ایک عادل مرد کی گواہی معتبر ہے، درانحالیکہ عید کے چاند کے دن ابر ہے، تو افطار حلال نہیں صحیح مذہب پر، برخلاف امام محمد کے قول کے......لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر ہلال عید کے دن ابر ہو تو بالاتفاق افطار حلال ہے، اور زیلعی میں ہے: حق کے مشابہ یہ ہے کہ اگر ابر ہو تو افطار حلال ہے، ورنہ نہیں ـــــ نیز درّ مختار میں ہے: جو چاند دن کو نظر آئے وہ اگلی رات کا شمار کیا جائے گا ہر صورت میں صحیح مذہب پر، اس کو حدادی نے ذکر کیا ہے۔ (انتہی) اور ٹیلی گرام حجت شرعیہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٢١-٣٢٢، كتاب الصّوم، مطلب: ماقاله السّبكي من الاعتماد على الحساب مردود.

(٢) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٢٢-٣٢٤، كتاب الصّوم، مطلب في رؤية الهلال نهارًا.

وفي الشّامي: أي سواء رئي قبل الزّوال أو بعده. (ردّ المحتار: ٣/٣٢٢، كتاب الصّوم)

(٣) فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب (الدّرّ المختار) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٢٥، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ظفير

وضاحت: مسئلہ کی مکمل وضاحت دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے حوالہ سے درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد نعمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

السّلامُ عَلیکمُ و رَحمةُ اللّٰہِ وَ بَرکاتُہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

رمضان کے ۳۰ روزے مکمل کر لینے کے بعد اگر چاند نظر نہ آئے تو عید الفطر کا کیا حکم ہے؟

علامہ شامیؒ نے (۳/ ۳۲۱-۳۲۲، کتاب الصوم، مکتبہ دارالکتاب، دیوبند) میں اس سے متعلق کافی اختلاف نقل کیا ہے، اس سلسلے میں راجح قول کیا ہے؟ کیا مطلع کے ابر آلود ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے حکم میں کچھ فرق ہے یا دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے، علامہ شامیؒ کی بحث کے پیش نظر مفتی بہ قول کی تعیین فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتي: محمد حبان بیگ علی گڑھی
شعبۂ ترتیب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
۲۲/محرم الحرام ۱۴۴۳ھ

۱۵۴/ن ۱۴۴۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللّٰہ التّوفیق: (۱-۴) اگر رمضان کا ثبوت رؤیت عامہ سے ہوا یا شعبان کے تیس دن پورے ہو کر ہوا تو ۳۰ روزے مکمل ہونے پر بلا کسی تردّد افطار جائز؛ بلکہ واجب ہوگا، اور اگر رمضان کا ثبوت ۲ عادل (ثقہ) آدمیوں کی خبر سے ہوا اور ۳۰ روزے مکمل ہونے پر چاند نظر نہیں آیا اور مطلع صاف نہیں ہے تو اس صورت میں بھی بالاتّفاق افطار کا حکم ہوگا، اور اگر مطلع صاف ہے تو اس صورت میں بھی راجح یہی ہے کہ افطار کا حکم ہوگا۔

اور اگر رمضان کا ثبوت صرف ایک عادل کی خبر سے ہوا ہے، یعنی: جن صورتوں میں ایک عادل کی خبر سے رمضان ثابت ہو جاتا ہے، جیسے: مطلع صاف نہ ہو اور ۳۰ روزے مکمل ہونے پر چاند نظر نہیں آیا اور آسمان صاف نہیں ہے تو اس صورت میں بھی متعدد فقہاء کی صراحت کے مطابق

بالاتفاق افطار کا حکم ہوگا، اور اگر مطلع صاف ہوتو حضرات شیخینؒ کے نزدیک افطار جائز نہیں؛ جب کہ حضرت امام محمدؒ اس صورت میں بھی افطار جائز فرماتے ہیں، اور راجح شیخینؒ کا قول ہے، اور فتاویٰ محمودیہ اور علم الفقہ میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۳۴، جواب سوال: ۴۸۰۴، مطبوعہ: ادارہ صدیق ڈابھیل بہ حوالہ ردّ المحتار، علم الفقہ :ص: ۴۱۹، مطبوعہ: دارالاشاعت کراچی) نیز درِّ مختار وشامی اور عالمگیری وغیرہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور علامہ امیر کاتب اتقانی نے جو امام محمدؒ کے قول کو اصح قرار دیا ہے، اس کے بارے میں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وحينئذ فما في غاية البيان في غير محلّه؛ لأنّه ترجيح لما هو متّفق عليه تأمّل. (ردّ المحتار، أوّل كتاب الصّوم: ۳/۳۶۱، ط: مكتبة زكريا ديوبند: ۶/۲۵۰، ت: الفرفور، ط: دمشق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمان سیتاپوری غفرلہٗ ۲/۳/۱۴۴۳ھ = ۹/۱۰/۲۰۲۱ء، شنبہ

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ ۳/۳/۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح: وقار علی غفرلہٗ ۴/ ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ

احناف کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷) احناف کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کتنی دور تک کی خبر رؤیتِ ہلال کی اگر موجب طریق سے ثابت ہوتو قبول کی جاوے گی، اور اگر اختلاف معتبر ہے تو ایک مطلع کی حد شرعًا کیا ہے؟ پھر دہ صورت یعنی اعتبار اختلاف یا عدم اعتبار؛ حکم رؤیت کا تمام ملک کے واسطے یکساں ہے یا جدا؟ ایک شہر کے مفتی یا دین دار عالم کے نزدیک رؤیت ہلال کا ثبوت بہ موجب شرع شریف ہو، اور وہ اس رؤیت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دین دار عالم کو بہ ذریعہ آلہ ٹیلیفون کے کرے کہ جس میں خبر دہندہ اور مخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہچانتے ہیں، اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، اور مخبر الیہ کو اس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں رہتا تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک اختلاف مطالع مطلقًا معتبر نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اہل مغرب کو

چاند نظر آوے تو وہ اہل مشرق کو لازم ہو جاتا ہے بہ شرطیکہ بہ طریق موجب ان کو رؤیت اہل مغرب کی معلوم اور ثابت ہو جاوے۔ قال في الدّرّ المختار: واختلاف المطالع إلخ غير معتبر على ظاهر المذهب إلخ ، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب إلخ[۱] اور ردالمحتار میں طریق موجب کی تشریح اس طرح کی گئی ہے: كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علٰى حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رأوه لأنّه حكاية إلخ[۱] پس اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے جو خبر رؤیت دوسرے شہر کی معلوم ہو گی وہ معتبر نہیں ہے، کیوں کہ طریق موجب کی تینوں صورتوں میں سے یہ کسی میں داخل نہیں ہے کما ہو ظاہر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۳۹۳-۳۹۴)

اختلافِ مطالع اور غلط خبر پر اعتماد

سوال: (۲۷) شہر کٹک میں زید نے کلکتہ سے آ کر کہا کہ کلکتہ زکریا مسجد کے امام نے ممبئی کی خبر رؤیت ہلال ۲۹ ذی قعدہ پر جمعہ کے دن بقرعید مقرر کی ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی جمعہ کی نماز مقرر کیجیے، زید کے کہنے پر جامع مسجد کے چند مصلی بیوپاری نے جمعہ کی نماز کا اعلان کیا، اس کے بعد عمر آیا اور مذکور مصلیوں کو جمع کر کے کہا کہ آپ لوگوں نے بغیر کسی عالم کی شہادت کے کس طرح اعلان عیدالاضحیٰ کا کر دیا، اس پر تمام لوگوں نے بجائے جمعہ کے شنبہ کا اعلان کر دیا، اس کے بعد خالد آیا اور موجودہ لوگوں کو سختی کے ساتھ کہا کہ پہلے فیصلہ کے خلاف کرنے میں سخت خرابی ہو گی، اگر ۹ تاریخ میں مسلمان اتفاق کر کے نماز عیدالاضحیٰ پڑھ لیں تو جائز ہو گا، غرض کہ خالد کے دباؤ میں اکثر آدمیوں نے نماز عیدالاضحیٰ جمعہ کو پڑھی، اب ممبئی سے یہ تحقیق ہوئی کہ وہاں نماز عید شنبہ کو ہوئی، اس صورت میں شرعی مجرم زید ہے یا مصلی؟ اور خالد کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟ جب کہ کتب فقہ سے ثابت ہے کہ ارض بلغار میں ۲۳ گھنٹہ دن اور ایک گھنٹہ رات ہے تو اختلاف مطالع معتبر ہونا چاہیے؟ (۸۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، یعنی اختلاف مطالع تو

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۴-۳۲۵، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.

درحقیقت واقع ہے، لیکن شرعًا اس کا اعتبار نہیں کیا گیا، پس اگر اہل مغرب چاند دیکھ لیں اور ان کی رؤیت کی خبر اہل مشرق کو بہ طریق موجب پہنچ جاوے تو اہل مشرق بھی اس پر عمل کریں گے۔ کما قال في الدّرّ المختار: واختلاف المطالع إلخ غير معتبر على ظاهر المذهب إلخ فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب إلخ، شامی نے ردّ المحتار میں فرمایا: قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أنّ أهل بلدة كذا رؤه لأنّه حكاية إلخ [(١)] (ص:٩٦-٩٧ جلد ثاني، شامي)

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ صورت سوال میں خالد خطا پر تھا، اور زید کے کہنے پر جن لوگوں نے جمعہ کی بقرعید کا اعلان کیا وہ بھی خطا پر تھے، کیوں کہ اس صورت میں کوئی شہادت معتبرہ بمبئی کی رؤیت کی نہ تھی، محض اتنی خبر پر کہ زید نے آکر یہ کہہ دیا کہ کلکتہ میں ممبئی کی خبر پر بقرعید کا اعلان بہ روز جمعہ ہوا ہے، اہل کٹک کو جمعہ کو بقرعید کرنا جائز نہ تھا، بلکہ بہ وجہ جہالت کے لوگوں نے زید کے کہنے پر ایسا کیا اور خالد نے پھر اس کی تائید اپنی جہالت سے کی، اور لیکن جو کچھ ہوگیا وہ ہوگیا خالد وغیرہ کو اپنی غلطی کا اقرار اور اس پر ندامت اور توبہ کرنا لازم ہے، اور آئندہ کو ایسی خبر پر عمل نہ کرنا چاہیے، بلکہ جب تک بہ طریق معتبر شرعًا خبر رؤیت کی دوسری جگہ سے نہ آوے اس وقت تک اس پر عمل نہ کریں اور بعد اس کے کہ معتبر طریق سے دوسری جگہ کی خبر رؤیت ہلال کی آجاوے تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ كما مرّ عن الدّرّ المختار: فيلزمهم أهل المشرق برؤية أهل المغرب [(٢)] (٦/٣٩۴-٣٩٦)

لاعبرۃ لاختلاف المطالع کا مطلب

سوال: (٧٣) لا عبرة لاختلاف المطالع کیا مطلب ہے؟ (٣٢/٢٨٢-١٣٣٣ھ)

الجواب: عبارت: لا عبرة لاختلاف المطالع کا یہ مطلب ہے کہ جب طریق موجب یعنی شہادت معتبرہ سے دوسرے شہر کی رؤیت ثابت ہوجاوے تو وہاں والوں پر بھی حکم اس کا ہوجاوے گا [(٢)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣٥٢)

(١) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٢۴-٣٢٥، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.
(٢) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٢٥، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.

ہلالِ رمضان ایک جگہ ۲۹ کا ہوا اور دوسری جگہ ۳۰ کا تو عید کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۴۷) رؤیتِ ہلالِ رمضان میں اختلاف ہوا، بعض جگہ انتیسویں کے حساب سے روزہ رکھا گیا، بعض جگہ تیس کے حساب سے، جن لوگوں نے ۲۹ کے حساب سے روزہ رکھا ہے، ان کے نزدیک تو تیس رمضان شریف کے ہوگئے، صبح کو عید ہے، کیوں کہ ان کے تیس روزے پورے ہوگئے اور جنہوں نے تیس دن شعبان کے پورے کرکے روزہ رکھا ہے ان کے نزدیک ۲۹ تاریخ رمضان کی ہے، اوران تاریخوں میں ابر ہے اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟ (۸۴۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اختلاف مطالع کا عند الحنفیہ اعتبار نہیں، اگر ایک جگہ انتیس کا چاند ہوا اور وہ شرعاً ثابت ہوگیا تو دوسری جگہ بھی اسی حساب سے روزہ لازم ہوگا جن لوگوں کو بعد میں اطلاع ہوئی اور انہوں نے تیس کے حساب سے روزہ رکھا تھا تو وہ بھی انتیس والوں کے موافق عید کریں، اور ایک روزہ پہلے کی قضا کریں، اور اگر انتیس والوں نے بلا ثبوت شرعی روزہ رکھ لیا تھا تو ان کا پہلا روزہ معتبر نہیں ہوا، ان کو چاہیے کہ تیس والوں کا اتباع کریں اور ان کے موافق عید کریں۔

الغرض جیسا ایک جگہ ثابت ہوگا اور شرعاً معتبر مانا جاوے گا، دوسری جگہ بھی لازم ہوجاوے گا، مثلاً اگر ثابت ہوگیا کہ بدھ کو یکم رمضان ہوئی تو جمعرات سے روزہ رکھنے والوں کو ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی، اور جمعہ کو سب کو عید کرنا ضروری ہے، اور یہ خیال کرنا کہ جمعہ کو جو چاند نظر آیا وہ اسی شب کا ہے شرعاً معتبر نہیں ہے اور یہ خیال غلط ہے۔ قال في الدّرّ المختار: واختلاف المطالع إلخ، غیر معتبر علی ظاهر المذهب، وعلیه أکثر المشائخ وعلیه الفتوی إلخ، فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤیة أولٰئك بطریق موجب إلخ[1] فقط واللہ اعلم (۶/۳۹۸-۳۹۹)

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۲۴-۳۲۵، کتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.

۲۹ شعبان کے چاند میں اختلاف ہوا کسی نے ۲۹ کے حساب سے روزہ رکھا تو عید کب کرے؟

سوال: (۷۵) ایک عورت پابند صوم وصلاۃ نے میرے روبہ رو یہ شہادت دی کہ اس نے شعبان کا چاند معہ اپنی بہو کے؛ دوشنبہ کو دیکھا، اس حساب سے بدھ کو ۳۰ شعبان ہوئی، چوں کہ بہت جانچ کے بعد مجھے اس کے بیان پر یقین ہوا؛ اس لیے میں نے پنج شنبہ سے بعد تکمیل ثلاثین ماہ شعبان کے روزہ رکھا، بھوپال میں قاضی صاحب اور مفتی صاحب میں خلاف ہے، مفتی صاحب رؤیت ماہِ رمضان کا اعتبار کرتے ہیں اور قاضی صاحب تکمیل ثلاثین شعبان پر فتویٰ دیتے ہیں، اب مجھ غریب کو کیا کرنا چاہیے؛ صوم وافطار کے بارے میں؟ (۱۳۵۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال في الشّامي : لو صام رائي هلال رمضان وأكمل العدّةَ لم يُفطر إلاّ مع الإمام لقوله عليه الصّلاة والسّلام: صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تُفطرون، رواه التّرمذي وغيره ، والنّاس لم يفطروا في مثل هذا اليوم فوجب أن لا يُفطر؛ نهر [1] اس عبارت سے اور نیز دیگر عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شخص مذکور سب کے ساتھ صوم وفطر میں شریک رہے جیسا سب کریں ویسا وہ بھی کرے اور کچھ وہم نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم (۳۹۹/۶)

چاند کے سلسلہ میں دور دراز شہر کی رؤیت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۷۶) امرتسر وغیرہ میں بابت رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر وغیرہ کے اختلاف رہا ہے، تو ہم ساکنان منڈلہ سی پی کو دوسرے شہر والوں کی جن کا حد فاصل دور دراز ہے، متابعت کر کے عمل کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۶۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عند الحنفیہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، اہل مشرق کی رؤیت اہل مغرب کے لیے لازم ہوجاتی ہے وبرعکس، اگر بہ طریق معتبر ثابت ہوجائے۔ كذا في الشّامي: وفي الدّرّ المختار: واختلاف المطالع إلخ، غير معتبر على ظاهر المذهب إلخ، فيلزم أهل المشرق برؤية

(۱) ردّ المحتار: ۳۱۳/۳، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب[١] وفصّل الشّامي ذٰلك الطّريق الموجب فلينظر فيه[٢] اور حدیث صحیح: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته[٣] کا مقتضا بھی یہی ہے کیوں کہ خطاب صوموا اور أفطروا کا عام ہے سب کے لیے، حاصل یہ ہے کہ جس وقت رؤیت ہلال ہوجاوے، اگرچہ کہیں ہو سب کو روزہ وافطار اس کے موافق کرنا چاہیے، یعنی جب کہ رؤیت ثابت ہوجاوے۔ کما هو ظاهر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٣٨٥-٣٨٦)

وضاحت: یہ حکم ممالک قریبہ کا ہے، ممالک بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے، اور بعید ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہاں کی رؤیت تسلیم کرنے کی صورت میں ہمارے یہاں کا مہینہ ٢٩ دن سے کم یا ٣٠ دن سے زیادہ ہونا لازم آتا ہو، چوں کہ حضرت مجیب قدس سرہٗ سے جو سوالات کیے گئے ہیں وہ بلادِ قریبہ سے تعلق رکھتے ہیں؛ اس لیے حضرت مجیب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''احناف کے نزدیک اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں''۔

نیز فقہاء کرام کی وہ عبارتیں جن میں اختلافِ مطالع کے معتبر نہ ہونے کی بات مطلق ہے ان کا تعلق صرف ممالک قریبہ سے ہے؛ ممالک بعیدہ سے ہرگز نہیں، اور یہ توجیہ اس لیے ضروری ہے کہ سابقہ زمانہ میں مواصلات کے ایسے ذرائع نہیں تھے جو موجودہ زمانہ میں ہیں، سابقہ زمانہ میں اس بات کا تصور ناممکن تھا کہ مطلع بدلنے کی جگہ سے بروقت چاند کی خبر آسکتی ہے؛ اس لیے اکثر فقہاء کرام اور مفتیانِ عظام نے مطلق تحریر فرمایا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اور دیگر فقہاء کرام اور مفتیانِ عظام نے وضاحت فرمائی ہے کہ: بلادِ قریبہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں؛ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے۔

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٢٤-٣٢٥، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع.

(٢) قوله: (بطريق موجب) كأن يتحمّل اثنان الشّهادة أو يشهدا علٰى حكم القاضي أو يستفيض الخبر. (ردّ المحتار: ٣/٣٢٥، كتاب الصّوم، مطلب في اختلاف المطالع) ظفیر

(٣) عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: صوموا الحديث. (مشكاة المصابيح، ص: ١٧٤، كتاب الصّوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأوّل)

وفي القدوري : إذا كان بين البلدتين تفاوت لا يختلف المطالع لزم حكم أهل إحد البلدتين البلدة الأخرى. (الفتاوى التّاتارخانية: ٣/٣٦٥، كتاب الصّوم، الفصل الثّاني في ما يتعلّق برؤية الهلال، المطبوعة: مكتبة زكريا ديوبند)

هٰذا إذاكانت المسافة بين البلدين قريبة لاتختلف فيها المطالع، فأمّا إذاكانت بعيدةً فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأنّ مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف، فيعتبر في أهل كلّ بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصّنائع: ٢/٢٢٤-٢٢٥، كتاب الصّوم ، إثبات الأهلّة)

إنّ عدم عبرة اختلاف المطالع إنّما هو في البلاد المتقاربة لا البلاد النّائية ....
أقول: لا بدّ من تسليم قول الزّيلعيّ وإلّا فيلزم وقوع العيد يوم السّابع والعشرين أو الثّامن والعشرين أو يوم الحادي والثّلاثين أو الثّاني والثّلاثين. (العرف الشّذي على هامش التّرمذي:١/١٤٩، أبواب الصّوم ، باب ما جاء أنّ الصّوم لرؤية الهلال والإفطار له)

محمد امین پالن پوری

یوم الشک کے روزہ کا بیان

۲۹ شعبان کو ابر کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۷۷)......(الف) اگر ابر کی وجہ سے ۲۹ شعبان کو چاند نہ دیکھا جاوے تو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) اگر بہ حالت مشکوک قصداً روزہ رکھا جاوے تو عذاب ہے یا ثواب؟

(۱۶۴۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) درست نہیں۔ کما في الدّرّ المختار: ولا یصام یوم الشّكّ إلخ (قال علیه السّلام:) من صام یوم الشّكّ فقد عصٰی أبا القاسم[1] صلی اللّٰه علیه وسلّم.

(ب) گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۶/۶)

سوال: (۷۸) انتیسویں شعبان کو اگر بہ وجہ ابر چاند نظر نہ آیا تو تیس شعبان کو اس نیت سے روزہ رکھنا کہ اگر چاند کی خبر آ گئی تو یہ روزہ رمضان کا ہو جاوے گا ورنہ نفل ہوگا؛ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر چاند کی خبر آ گئی تو یہ روزہ رمضان کا ہو جاوے گا یا نہیں؟ (۸۴۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس تردد کے ساتھ روزہ رکھنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس شخص پر عاصی کا اطلاق فرمایا ہے۔ کما ورد: مَن صام یوم الشّكّ فقد عصٰی أبا القاسم صلّی اللّٰه علیه وسلّم[2] اور یہ محمول اس شخص پر ہے جو بہ نیت فرض اس دن روزہ رکھے، یا اس طرح

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۰۹-۳۱۱، کتاب الصّوم، مبحث في صوم یوم الشّكّ.

(۲) قال صلة عن عمّار: من صام یوم الشّك الحدیث (صحیح البخاري: ۱/۲۵۵-۲۵۶، کتاب الصّوم، باب قول النّبي صلّی اللّٰه علیه وسلّم: إذا رأیتم الهلال فصوموا إلخ.

جوسوال میں درج ہے اور اگر محض بہ نیت نفل رکھے تو درست ہے، اور بہرحال اگر چاند کی خبر آ گئی تو وہ روزہ رمضان شریف کا ہوجاوے گا۔ وإلاّ بأن ظهرت فعنه (درمختار) أي عن رمضان[1] فقط واللہ اعلم (۶/ ۳۹۷)

یوم الشک میں یعنی ۳۰ شعبان کو روزہ رکھنا عوام کے لیے مکروہ ہے اور خواص کو درست ہے

سوال: (۷۹) شعبان کی ۳۰ تاریخ کو احتیاطاً اس نیت سے روزہ رکھنا کہ اگر کہیں باہر سے رمضان کا چاند ہونے کی خبر آ جاوے گی تو روزہ فرض ادا ہوجاوے گا ورنہ نفلی؛ آیا یہ صورت جائز ہے بلا بحث مکروہ و نامکروہ؟ ایک واعظ صحاح ستہ کی حدیث کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ایسا روزہ قطعی ناجائز ہے، اور ایسا روزہ رکھنے والا گنہ گار ہے، کیا کوئی حدیث امتناع کی صحاح ستہ میں ہے اگر ہے تو علماء کو اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کیوں ہے؟ اور بعض فقہاء نے حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے اس کو کیوں کر جائز قرار دیا؟ (۱۵۴۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: وہ حدیث ممانعت کی یہ ہے: مَنْ صام اليوم الّذي يشكّ فيه فقد عصٰى أبا القاسم صلّى الله عليه وسلّم، رواه أبو داؤد والتّرمذي والنّسائي وابن ماجة والدّارمي[2] اس لیے حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یوم الشک میں یعنی ۳۰ شعبان کو روزہ رکھنا عوام کے لیے مکروہ ہے اور خواص کو درست ہے، اور جو شخص نیت روزہ یوم الشک میں تردد نہ کرے بلکہ قطعی طور سے نفل کی نیت کرے وہ خواص میں سے ہے، اور حدیث: مَن صام إلخ کا جواب درمختار میں یہ دیا ہے کہ

---

(۱) پوری عبارت یہ ہے: ولا يصام يوم الشّكّ هو يوم الثّلاثين من شعبان إلخ إلاّ نفلاً ويكره غيرُه ولو صامه لواجبٍ آخرَ كره تنزيهًا، ولو جزم أن يكون عن رمضان كُره تحريمًا، ويقع عنه في الأصحّ إن لم تظهر رمضانيّتهٗ وإلاّ بأن ظهرت فعنه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۰۹-۳۱۰، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّكّ)

(۲) عن عمار بن ياسر قال: من صام اليوم الّذي الحديث (مشكاة المصابيح، ص: ۱۷۴، كتاب الصّوم، باب رؤية الهلال، الفصل الثّاني)

فلا أصل له یعنی مرفوع ہونا اس کا بے اصل ہے؛ لیکن موقوفًا ثابت ہے[1] فقط (۶/ ۳۹۹-۴۰۰)

یوم شک میں روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۸۰) ۲۹ شعبان کو چاند نہ دیکھا گیا بہ وجہ ابر کے، اور کسی جگہ سے خبر بھی نہ ملی، اکثر آدمیوں نے اندازًا وعقلاً روزہ رکھ لیا، یعنی شنبہ کو اس صورت میں روزہ رکھنا جائز ہے یا کیا؟

(۲۸۸/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر ۲۹ کو بہ سبب ابر وغیرہ کے چاند نظر نہ آوے اور کوئی خبر پختہ باقاعدہ چاند دیکھنے کی بھی نہ آوے تو اگلے دن روزہ رکھنا نہ چاہیے کیوں کہ وہ یوم شک ہے، اور یوم شک کے روزہ کی ممانعت آئی ہے، اس دن روزہ مکروہ ہے[2] البتہ دس گیارہ بجے تک انتظار کرنا اچھا ہے؛ اگر خبر آگئی روزہ رکھیں ورنہ افطار کردیں، اگر کسی نے روزہ رکھا بدون کسی گواہی وخبر کے تو اس نے برا کیا؛ لیکن اگر بعد میں ثابت ہوا کہ وہ دن رمضان کا ہے تو روزہ رمضان کا ادا ہوگیا، اس پر قضا لازم نہ آوے گی، اور جس نے روزہ نہیں رکھا وہ قضا کرے گا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۶/ ۴۰۰-۴۰۱)

یوم شک؛ اگر رمضان کی پہلی تاریخ تھی تو یوم شک کا روزہ رمضان میں محسوب ہوگا

سوال: (۸۱) یوم شک کا روزہ رکھا گیا، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ تھی تو یہ روزہ رمضان میں محسوب ہوگا یا اس کی قضا کرنی ہوگی؟ (۳۳۹/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) وأمّا حدیث من صام یوم الشّك ...... فلا أصل له (الدّرّ المختار) المراد لا أصل لرفعه وإلاّ فقد ورد موقوفًا ...... وكذا هذا أورده البخاري معلّقًا. (الدّر المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۱۱، كتاب الصّوم، مبحث في صوم یوم الشّك)

(۲) ولا یصام یوم الشّكّ وهو یوم الثّلاثین من شعبان إلخ إلاّ نفلاً ویكره غیره ...... وإلاّ بأن ظهرت فعنه (الدّرّ المختار) أي عن رمضان (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۰۹-۳۱۰، كتاب الصّوم، مبحث في صوم یوم الشّك) ظفیر

الجواب: (رمضان کے) فرض (روزے) میں محسوب ہوجاوے گا قضا کی ضرورت نہیں ہے[1]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2] (٤٠١/٦)

یوم شک میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھنے کے بعد افطار کرنا جائز ہے

سوال: (٨٢) روزہ داشتن بہ روز شک بہ نیت رمضان چہ حکم دارد؟ واگر شخصے برایں نیت مذکورہ روزہ داشت افطارش جائز است یا ناجائز؟ ونیز بر مفطر قضا وکفارہ لازم است یا نہ؟ (٢٩٤/٢٩-١٣٣٠ھ)

الجواب: روزہ داشتن بہ نیت رمضان در روزِ شک ناجائز ومنہی عنہ ومکروہ تحریمی است۔ في الحديث: لا يتقدمنّ أحدكم رمضانَ بصوم يومٍ أو يومين إلّا أن يكون رجلٌ كان يصوم صومًا فليصم ذٰلك اليوم، متّفق عليه[3] وقال في الدّرّ المختار: ولو جزم أن يكون عن رمضان كره تحريمًا. وفي ردّ المحتار: قوله: (كره تحريمًا) للتّشبّه بأهل الكتاب لأنّهم زادوا في صومهم، وعليه حمل حديث النّهي عن التّقدّم بصوم يوم أو يومين، بحر[4] انتهٰى. وفي الجوهرة: فإن صامه — يوم الشّكّ — بنيّة رمضان فلا خلاف بين العلماء أنّهُ لا يجوز[5] انتهٰى. وقال في البحر: واختلفوا في الصّوم قال بعضهم: يكره ويأثم كذا في الفتاوى الظّهيرية[6] انتهٰى. وقال في المستخلص شرح الكنز: ولا يصام يوم الشّكّ إلّا تطوّعًا لقولهٖ عليه السّلام: لا يصام اليوم الّذي شكّ فيه أنّه من رمضان أو لا

---

(١) حوالۂ سابقہ۔١٢

(٢) سوال وجواب کو رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیا گیا ہے، اور جواب میں قوسین والے الفاظ حضرت مفتی ظفیر الدینؒ نے اضافہ کیے ہیں١٢

(٣) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: لا يتقدمنّ الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:١٧٤، كتاب الصّوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأوّل)

(٤) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣١٠/٣، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك.

(٥) الجوهرة النّيّرة: ١٦٥/١، كتاب الصّوم.

(٦) البحر الرّائق: ٤٦٢/٢، كتاب الصّوم.

إلّا تطوّعًا ــــ ثمّ قال ــــ: اعلم أنّ هٰذه المسئلة علٰى ستّة اوجوه : واحد منها أن تصوم بنيّة رمضان وهومكروه لمارويناه، ولأنه تشبّه بأهل الكتاب لأنّهم زادوا في مدّة صومهم صومًا، إلّا أنّه إذا ظهر أنّ اليوم من رمضان يجزيه لأنّه شهد الشّهر وصامه، وإن ظهر أنّه من شعبان كانت تطوّعًا، لكنّه أساء لارتكاب المنهي عنه، وإن أفطر لم يقضه لأنّه بمنزلة المظنون [1] انتهٰی شک نیست کہ ازیں عبارات مذکورہ روشن ومبرہن آنست کہ دریں روز روزہ داشتن بہ نیت رمضان ناجائز است، وروزہ دارندہ آثم وگنہ گار پس بناء برآں در جواز افطار آں شکے نیست۔ كما هو ظاهر على من له عقل سليم ورأي مستقيم، ولا قضاء على المفطر كما قدّمناه عن المستخلص وهوالمذكور في جميع الكتب، ولا كفّارة عليه لما في المتون لا كفّارة بإفساد صوم غير رمضان إلخ [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴٠١-۴٠٢)

ترجمہ سوال: (٨٢) یوم شک میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص مذکورہ نیت سے روزہ رکھے تو اس کا افطار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور نیز روزہ رکھ کر توڑنے والے پر قضاو کفارہ لازم ہے یا نہ؟

الجواب: یوم شک میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا ناجائز وممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ہے: لا يتقدمن أحدكم رمضان بصوم يوم إلخ. اوردرمختار میں ہے: ولو جزم أن يكون عن رمضان كره تحريمًا إلخ .

بلا شبہ ان مذکورہ عبارات سے واضح اور مدلل ہے کہ اس دن میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا ناجائز ہے، اورروزہ رکھنے والا گنہ گار ہے، بناء بریں اس کے رزہ افطار کرنے کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے؛ جیسا کہ ظاہر ہے اس شخص پر جو عقل سلیم اورراست رائے والا ہے، اورروزہ نہ رکھنے والے پر قضا نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے مستخلص سے پہلے بیان کیا، اوریہی حکم مذکور ہے تمام کتابوں میں، اوراس پر کفارہ بھی نہیں ہے کیوں کہ متون میں ہے کہ غیر رمضان کے روزے کو فاسد کرنے پر کفارہ نہیں ہے۔

---

(١) مستخلص الحقائق شرح كنز الدّقائق:١/٣٣١، كتاب الصّوم، المطبوعة: نول كشور لكنؤ

(٢) ملتقى الأبحر: ص:٣٣، كتاب الصّوم، باب موجب الفساد، المطبوعة: دار سعادت، مطبع عثمانيه تركي.

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

روزہ کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے

سوال: (۸۳) آیا بہ حالت روزہ مسواک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۲۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۳)

روزہ کی حالت میں منجن سے دانت صاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے

سوال: (۸۴) روزے میں منجن سے دانت صاف کرنا اگر مکروہ ہے تو کیوں؟ (۲۲۹۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: احتیاط کے ساتھ اگر منجن ملے اور دانتوں کو صاف کرے کہ حلق کے اندر کچھ نہ جاوے تو مکروہ نہیں ہے، یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے، خلاف اولیٰ ضرور ہے، جس کا مفاد کراہت تنزیہی ہے، جیسا کہ شامی میں ہے: **وكره له ذوق شيء إلخ (الدّرّ المختار) الظّاهر أنّ الكراهة في هذه الأشياء تنزيهية إلخ**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۴)

منجن استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: (۸۵) ...... (الف) جب کہ مسوڑھوں سے خون اور مواد نکلتا ہو تو کسی ایسے منجن کا

---

(۱) ولابأس بالسّواك الرّطب بالغداة والعشيّ للصّائم لقوله صلّى الله عليه وسلّم: خير خلال الصّائم السّواك من غير فصل (الهداية: ۱/۲۲۱، كتاب الصّوم، باب ما يوجب القضاء والكفّارة) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۵۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: فيما يكره للصّائم.

جو حابس خون اور دافع مواد ہو، استعمال جائز ہے؟

(ب) منجن کے استعمال سے روزہ تو نہیں ٹوٹے گا؟ (۱۳۲۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) جائز ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۳)

(ب) نہیں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۳)

وضاحت: مگر منجن مل کر فوراً مُنہ دھولے اور کلی کرلے تاکہ اس کا اثر پیٹ میں نہ جائے اور منجن ایسا ہو کہ عادۃً پیٹ میں نہ پہنچتا ہو مگر بچنا اچھا ہے، اس لیے کہ کراہت تنزیہی تو بہرحال ہے۔ظفیر

تمباکو کا پتّا جلا کر اُس کی راکھ سے رمضان میں دانت صاف کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۸۶) بعضی عورتیں تمباکو کا پتا جلا کر اس کی راکھ اور مسی مُنہ میں رمضان شریف میں دن کو استعمال کرتی ہیں؛ یہ کیسا ہے؟ روزہ میں خلل ہے یا نہ؟ (۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر دانتوں کو مل کر دھودیا جاوے اور کلی کرلی جاوے کہ پیٹ میں اس کا اثر نہ جاوے تو روزہ میں کچھ خلل نہیں آیا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۶)

انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: (۸۷) زید روزہ دار کے بدن کے اندر بہ ذریعہ پچکاری ایک دورتی دوا چڑھائی تو روزہ رہا یا نہ؟ (۶۲۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ اس کا فاسد نہیں ہوا جیسا کہ تصریحات فقہاء سے واضح ہوتا ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۸-۴۰۹)

---

(۱) ومضغ العلك لا يفطر الصّائم لأنّه لا يصلُ إلى جوفه. (الهداية: ۱/۲۲۰، كتاب الصّوم، باب ما يوجب القضاء والكفّارة) ظفیر

(۲) وما وصل إلى الجوفِ أو إلى الدّماغ من المخارق الأصليةِ كالأنف والأُذن والدّبر إلخ فسد صومُهُ إلخ وأمّا ما وصل إلى الجوف أو إلى الدّماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفةَ والآمّةَ، فإن داواها بدواءٍ يابس لا يفسد لأنه لم يصلْ إلى الجوف ولا إلى الدّماغ إلخ. (بدائع الصّنائع: ۲/۲۴۳، كتاب الصّوم، فصل فساد الصّوم) ظفیر

ٹیکہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: (۸۸) اگر حالت روزہ میں ٹیکہ لگایا جاوے جو کہ اکثر ملازمین سرکار کی بازو میں یا اور کسی جگہ بدن میں لگایا جاتا ہے، اور چوں کہ نشتر ٹیکہ لگانے والے میں زہر لگا ہوا ہوتا ہے، بدن میں زہر کا اثر ہوکر تپ ہوجاتا ہے، اور تمام بدن بے کار ہوجاتا ہے، آیا روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ (۳۶۶/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس کا روزہ ہوجاتا ہے، فاسد نہیں ہوتا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۰۷-۴۰۸)

روزے کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا درست ہے

سوال: (۸۹) اگر روزے کی حالت میں آنکھوں میں کوئی دوا ڈالی جاوے تو روزہ میں نقصان آتا ہے یا نہیں؟ (۲۳۱۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ میں کچھ نقصان نہیں آتا روزہ صحیح ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۰۸)

---

(۱) أو أقطر في إحليله ماءً أودُهنًا إلخ لم يفطر (الدّرّ المختار) لأنّ العلّة من الجانبين الوصول إلى الجوف وعدمه بناء علىٰ وجود المنفذ وعدمه إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۳۲-۳۳۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ)

وما وصل إلى الجوفِ أو إلى الدّماغ من المخارق الأصليةِ كالأنف والأُذن والدّبر ...... فوصل إلى الجوف أو إلى الدّماغ فسد صومُهٗ إلخ وأمّا ما وصل إلى الجوف أو إلىٰ الدّماغ عن غير المخارق الأصلية .... لا يفسد. (بدائع الصّنائع: ۲/ ۲۴۳، كتاب الصّوم، فصل فساد الصّوم) ظفیر

(۲) ولو أقطر شيئًا من الدّواء في عينهٖ لا يفطر صومه عندنا إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۳، كتاب الصّوم، الباب الرّابع فيما يفسد وما لايفسد، النّوع الأوّل: ما يوجب القضاء دون الكفّارة) ظفیر

عورت اپنی شرم گاہ میں خشک دوا رکھے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

سوال: (۹۰) اگر عورت بہ وجہ بیماری بہ طور فرزجہ (۱) دوائے خشک فرج میں رکھے؛ تو مفسد صوم ہے یا نہیں؟ (۲۱۰۷/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: روزہ میں اس سے احتیاط کی جائے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۰/۶)

بواسیر کے مسّوں پر مرہم یا تیل لگانے سے روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۹۱) اگر روزہ دار روزہ کی حالت میں مقعد ومبرز کے اندر زخم میں اور بواسیر کے مسوں کے زخم میں؛ مرہم یا تیل انگلی سے اندر لگا دے یا اندر سے خوب دھووے تو روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ (۱۴۷۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: روزہ اس کا صحیح ہے لیکن احتیاط بہتر ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۱/۶)

---

(۱) فرزجہ: وہ کپڑا جو دواؤں میں تر اور آلودہ کر کے دُبر یعنی مقعد اور عورت کے قُبل یعنی آگے اندام نہانی میں رکھیں۔ (لغات کشوری)

(۲) ولو أدْخلَ أصْبُعَهُ في إستِهِ أو المرأة في فرجِهَا لا يفسُدُ وهو المختار إلاّ إذا كانت مُبْتَلّةً بالماءِ أو الدُّهنِ فحينئذٍ يفسُدُ لوُصُولِ الماءِ أو الدُّهنِ إلخ، وهٰذا تنبيهٌ حَسَنٌ يجبُ أن يُحفظَ لأنّ الصّومَ إنّما يفسُدُ في جميع الفصُولِ إذا كانَ ذاكرًا للصّومِ وإلاّ فلا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۴، كتاب الصّوم، الباب الرّابع فيما يفسد وما لا يفسد، النّوع الأوّل: ما يوجب القضاء دون الكفّارة) ظفیر

ولو أدْخَلَتْ قُطْنَةً إنْ غَابَتْ فَسَدَ وَإنْ بَقي طَرْفُهَا في فَرْجِهَا الخَارِجِ لاَ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح) ظفیر

(۳) أو أدْخلَ أصْبُعَهُ اليَابسةَ فيه أي دبرِهِ أو فرجها ولو مبتلّةً فسدَ إلخ ، ولو بالَغَ في الإستنجاءِ حتّى بَلَغَ مَوْضِعَ الْحُقْنَةِ فَسَدَ (الدّرّ المختار) قوله: (ولو مبتلّةً فسدَ) لبقاء شيء من البلّة في الدّاخل وهٰذا لو أدخل الأصبع إلى موضعِ الْمِحُقْنَةَ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۳۲۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح)

==

روزے میں سر میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگانا درست ہے

سوال: (۹۲) روزے میں سر میں تیل جذب کرنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درست ہے بلاکراہت۔ کما في الشّامي: وسیأتي أنّ کلًّا من الکحل والدّهن غیر مکروه إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۳/٦-۴۰۴)

سوال: (۹۳) روزہ کی حالت میں سر میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگانا جس کو عادت ہو یا بلاعادت جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۳۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگانا اور سر میں تیل لگانا جائز اور درست ہے خواہ عادت ہو یا نہ ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۱۲)

دودھ پلانے سے عورت کا روزہ اور اُس کا وضو نہیں ٹوٹتا

سوال: (۹۴) ماں بہ حالت صوم اپنے بچے کو دودھ پلاوے تو مفسد صوم ہے یا نہیں؟

(۱۸۴۷/۱۳۳۹ھ)

= = اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں اگر اندر اس حد تک دوا پہنچ جائے یا پانی جہاں سے معدہ اُسے جذب کر لیتا ہے یا وہ خود معدہ میں پہنچ جاتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اسی وجہ سے حضرت مفتی علامؒ نے احتیاط کو بہتر کہا ہے؛ اس لیے کہ اس کا لحاظ وخیال ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۱) ردّ المحتار: ۳/۳۲۷، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب: یکره السّهر إذا خاف فوت الصّبح .

أوادهن أواکتحل أواحتجم وإن وجد طعمَه في حلقهٖ إلخ لم یفطر (الدّرّالمختار) قوله: (وإن وجد طعمه في حلقهٖ) أي طعمَ الکحلِ أو الدّهن کما في السّراج إلخ، قال في النّهر: لأنّ الموجود في حلقهٖ أثرٌ داخلٌ من المسام الّذي هو خللُ البدن والمفطرُ إنّما هو الدّاخل من المنافذ للاتّفاق علی أنّ من اغتسل في ماء فوجد بَردَهٗ في باطنهٖ أنّه لایُفطر (الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۷-۳۳۳، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسده ، مطلب: یکره السّهر إذا خاف فوت الصّبح)ظفیر

الجواب: مفسد صوم نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۱۱-۴۱۲)

سوال: (۹۵) اگر زنے فرزند خود را در روزہ یا در وضو شیر داد وضو یا روزہ شکستہ شود یا نہ؟ (٦۹٦/ ۱۳۳٦ھ)

الجواب: وضو و روزہ اش باطل نمی شود[۲] فقط (٦/ ۴۰۸)

ترجمہ سوال: (۹۵) اگر کسی عورت نے روزے میں یا وضو کی حالت میں اپنے بچے کو دودھ پلایا؛ تو وضو اور روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہ؟

الجواب: اس کا وضو اور روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ فقط

مُنہ میں ریت جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: (۹٦) مُنہ میں ریت پہنچا اور تھوک دیا، بعد میں تھوک نگل لیا، اور پھر دانتوں میں ریت معلوم ہوا جس سے معلوم ہوا کہ ریت اندر بھی گیا ہے تو اس سے روزہ ٹوٹا یا نہ؟ (۴۷۲/ ۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹا[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۰۹)

---

(۱) هو...... شرعًا إمساك عن المفطرات الآتية حقيقةً أو حكمًا إلخ في وقت مخصوص إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۹٦، كتاب الصّوم)

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام ہے، جس میں نیت بھی پائی جائے؛ لہٰذا دودھ پلانے میں ان میں سے کوئی بات پائی نہیں جاتی۔ ظفیر

(۲) روزہ تو اس لیے نہیں باطل ہوگا کہ دودھ باہر نکل رہا ہے اور روزہ نام ہے مفطرات سے رکنے کا۔

هو......شرعًا إمساك عن المفطرات الآتية حقيقةً أو حكمًا إلخ في وقت مخصوص إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۹٦، كتاب الصّوم)

(۳) أو بقي بلل فی فيه بعد المضمضة وابتلعه مع الرّيق كطعم أدوية إلخ أو ابتلع ما بين أسنانه وهو دون الحِمّصة لأنّه تبع لريقه إلخ لم يفطر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۸-۳۳۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح) ظفير

ہونٹوں پر جو تھوک آتا ہے اُس کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے

سوال:(۹۷) خارج ہونٹ پر جو بزاق (تھوک) آتا ہے اس کو نگلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۵۱۵ھ)

الجواب: اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کما لو ترطّب شفتاہ بالبزاق ...... فابتلعہ أو سال ریقہ إلٰی ذقنہ إلخ فاستنشقہ إلخ لم یفطر [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۰/٦)

سحری کے وقت پان کھا کر سو گیا اور اُسی حالت میں صبح کی تو کیا حکم ہے؟

سوال:(۹۸) ایک شخص نے سحری کے وقت پان کھایا اور کلی نہیں کی، پان کی سرخی مُنہ میں تھی کہ شخص مذکور سو گیا، صبح کو نیند سے ہوشیار ہوا تو اسی وقت سرخی فوراً تھوک دی اور کلی کر لی، تو روزہ درست ہوا یا نہ؟ (۱۳۳۷/۲۲٦۷ھ)

الجواب: درست ہو گیا مگر احتیاط یہ ہے کہ اس روزہ کی قضا کر لیوے [۲] فقط (۴۰۴/٦)

صبح کے وقت مُنہ سے پان وغیرہ نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال:(۹۹) ماہِ صیام میں صبح کے وقت مُنہ میں پان یا تمباکو یا کوئی شئے سحری کے وقت کی ڈلی ہوئی نکلی تو روزہ ہو جائے گا یا قضا لازم ہے؟ (۱۳۳۵/۱٦۲۲ھ)

الجواب: احتیاط قضا کرنے میں ہے گو حکم قطعی قضا کا نہ ہو [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۰/٦)

---

(۱) الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۳۳۳/۳، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسدہ مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

(۲) وکرہ لہ ذوق شيء وکذا مضغہ بلا عذر (الدّرّ المختار) الظّاہر أنّ الکراہۃ في ہٰذہ الأشیاء تنزیہیّۃ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۵۲/۳، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسدہ، مطلب فیما یکرہ للصّائم) ظفیر

(۳) أو ذاق شیئًا بفمہٖ وإن کرہ لم یفطر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۳۳/۳، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسدہ، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ) ظفیر

روزہ کی حالت میں بوس وکنار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۰۰) کیا روزہ کی حالت میں زوجہ سے بوس وکنار کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲۱۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ امور جائز ہیں، مگر جوان آدمی کوئی ایسا فعل روزہ کی حالت میں نہ کرے جس میں خوف ہو کہ وہ فعل مفضي إلی الجماع ہو جاوے گا کالمباشرة الفاحشة[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۴۱۲/٦)

روزہ کی حالت میں بغل گیر ہونا اور ایک دوسرے کی شرم گاہ کو ہاتھ لگانا مناسب نہیں

سوال: (۱۰۱) زید نے روزہ میں دن کو بیوی کا بوسہ لیا یا بغل گیر ہوا، یا ایک نے دوسرے کی ختانین کو مس کیا جس سے شہوت پیدا ہوگئی پھر دونوں علیحدہ ہوگئے؟ (۲۱۹۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ ہوگیا، مگر جوان آدمی کو ایسا کرنا اچھا نہیں ہے[۲] فقط واللہ اعلم (۴۰۷/٦)

---

(۱) ولا بأس بالقبلة إذا أمن علیٰ نفسہٖ الجماع والانزال ویکرہ إذا لم یأمن ...... والمباشرة کالقُبلة في ظاهر الرّواية، وعن محمّد: أنه كَرِه المباشرةَ الفاحشة ...... والتّقبيل الفاحش كالمباشرة الفاحشة . (البحر الرّائق: ۲/۴۷٦، كتاب الصّوم ، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده) ظفیر

(۲) ولا بأس بالقبلة إذا أمن علیٰ نفسہٖ أي الجماع أو الانزال ويكره إذا لم يأمن إلخ والمباشرة الفاحشة مثل التّقبيل في ظاهر الرّواية. (الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصّوم ، باب ما يوجب القضاء والكفّارة)

والمُباشَرَةُ الفَاحِشَةُ أن يَتَعَانَقَا وهما مُتَجَرّدَانِ ويَمَسَّ فَرْجُهُ فَرْجَهَا وهو مكروهٌ بِلا خلافٍ هٰكذا في المحيطِ. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۰، كتاب الصّوم ، الباب الثّالث فيما يكره للصّائم وما لا يكره) ظفیر

رمضان میں جنابت کا غسل صبح صادق کے بعد کرنا درست ہے

سوال: (١٠٢) رمضان میں جنابت کا غسل صبح کو کرنے سے روزہ میں تو کچھ نقصان نہیں آتا؟ (١٣٣٥/٨٣٨ھ)

الجواب: اس سے روزہ میں کچھ خرابی لازم نہیں آتی۔ في الدرّ المختار: أو أصبح جنبًا إلخ لم يفطر إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٤١٤/٦)

دانت کے خون سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

سوال: (١٠٣) رمضان میں دانتوں میں خون نکلتا ہے، تھوک نگلنے کے بعد گلے میں ذائقہ معلوم ہوا، بعد کو جو تھوکا تو خون غالب تھا؛ اس صورت میں روزہ ٹوٹا یا نہ؟ (٤٧٢-٤٤/١٣٤٥ھ)

الجواب: أوخرج الدّم من بين أسنانه و دخل حلقه يعني ولم يصل إلىٰ جوفه أمّا إذا وصل فإن غلب الدّم أوتساويا فسد وإلاّ لا إلخ[2] (درّمختار) اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے: ظاهر إطلاق المتن أنّه لا يفطر وإن كان الدّم غالبًا على الرّيق، وصحّحه في الوجيز إلخ[2] الحاصل بعض فقہاء نے اس میں عدمِ فسادِ روزہ کو صحیح کہا ہے، اور اکثر نے فسادِ روزہ کا حکم کیا ہے، لہٰذا اس میں احتیاط رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٤٠٩/٦)

روزہ کی حالت میں سونے والے نے دانت میں خون دیکھا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٠٤) رمضان میں دوپہر کو ایک شخص سوتا تھا، جب اُٹھا تو اس کے دانت میں خون تھا یہ یقین نہیں کہ سوتے وقت خون پیٹ میں گیا یا نہیں؟ اب روزہ کا کیا حکم ہے؟ (١٣٣٩/٢٢٦٩ھ)

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣٣٣/٣، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ.

(٢) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣٢٨/٣، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح .

الجواب: اس صورت میں روزہ نہیں جاتا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤١٣)

نکسیر پھوٹنے سے روزے میں کچھ خلل نہیں آتا

سوال: (١٠٥) روزے میں نکسیر پھوٹ گئی حتی کہ اس کا اثر تھوک میں بھی پایا گیا، روزہ میں تو کچھ نقص واقع نہیں ہوا؟ (١٣٣٩/٢١٧٨ھ)

الجواب: اس سے روزہ میں کچھ خلل نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٠٦)

کیا روزہ دار کا پانی میں ریح خارج کرنا مکروہ ہے؟

سوال: (١٠٦) صائم کا پانی کے اندر رہ کر گوز (ریح خارج) کرنا مکروہ ہے، عالم گیریہ؛ کیا یہی معتبر ہے؟ (١٣٤١/١٠٤٩ھ)

الجواب: عالم گیریہ میں معراج الدرایہ سے اس کی کراہت نقل کی ہے، اور عدم فساد صوم پر اتفاق ہے، پس ضرورت میں معذور ہوگا اور بلا ضرورت شدیدہ بالاختیار اس سے بچنا بہتر ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٠٥)

پانی میں ریح خارج کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: (١٠٧) اگر کوئی روزہ دار غسل کرنے لیے نہر یا تالاب میں اترے، اور اثنائے غسل میں اس کے پیچھے کی راہ سے ہوا نکلے تو اس کے روزے میں کچھ خلل آوے گا یا نہیں؟ (١٣٤٢/٢٥٥٠ھ)

الجواب: اس صورت میں مطلقاً روزہ نہ ٹوٹے گا۔ کما هو ظاهر (مگر یہ مکروہ ہے[2] ظفیر) لأنّ الصّوم يفسد من داخل لا من خارج. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤١٠)

---

(١) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/ ٣٢٨، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح .

(٢) ولو فَسَا الصّائم أو ضَرَطَ في الماء لا يَفْسدُ الصّومُ ويُكره له ذٰلك هٰكذا في معراج الدّرايةِ . (الفتاوى الهندية: ١/١٩٩، كتاب الصّوم ، الباب الثّالث فيما يكره للصّائم وما لا يكره) ظفیر

روزہ میں رومال بھگوکر سر پر ڈالنا درست ہے

سوال: (۱۰۸) ایک شخص قصداً روزے میں بڑا رومال بھگوکراس لیے اوڑھتا ہے اور ہر روز سر پر باندھتا ہے کہ روزہ میں تخفیف ہو، آیا اس کا روزہ مکروہ ہوتا ہے یا نہیں؟ مالا بدمنہ میں مکروہ لکھتے ہیں (۱) اور بخاری شریف میں یہ ہے: باب اغتسال الصّائم وبلّ ابن عمر ثوبًا فألقي عليه وهو صائم؟ (۲) (۲۳۴۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وكذا لا تكره حجامة وتلفُّفٌ بثوب مبتلّ ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرّد عند الثّاني وبه يفتىٰ إلخ (۳) اور شامی میں ہے: قوله: (وبه يفتىٰ) لأنّ النّبي صلّى الله عليه وسلّم صبّ علىٰ رأسه الماءَ وهو صائمٌ من العطشِ أوْ مِنَ الحرِّ، رواه أبوداؤد، وكان ابنُ عمرَ رضي الله عنهما يبلُّ الثّوبَ وَيُلُفُّهُ عليه وهو صائم إلخ (۳) اس سے معلوم ہوا کہ صحیح ومفتی بہ یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/ ۴۰۵)

روزے میں تر کپڑے پہننا اور بار بار غسل کرنا درست ہے

سوال: (۱۰۹) روزہ میں تر کپڑے پہننا اور تین چار مرتبہ غسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ روزہ میں کچھ فرق تو نہیں آتا؟ (۲۲۸۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس سے روزہ میں کچھ فرق نہیں آتا (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۰۷-۴۰۸)

---

(۱) وہم چنیں غسل برائے دفع گرمی و پارچہ تر پیچیدن نزد امام اعظم مکروہ است۔ (مالا بدمنہ، ص:۹۲، کتاب الصوم، فصل در موجبات قضا وکفارہ)

(۲) صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۸، كتاب الصّوم، باب اغتسال الصّائم.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۵۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في حديث التّوسعة على العيال والاكتحال يوم عاشوراء.

(۴) ولو اكتحل لم يفطر لأنّه ليس بين العين والدّماغ منفذ والدّمع يترشّح كالعرق والدّاخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل بالماء البارد. (الهداية: ۱/ ۲۱۷، كتاب الصّوم، باب ما يوجب القضاء والكفّارة)

==

سوال: (۱۱۰) روزے میں آٹھ دس دفعہ غسل کرنا کیسا ہے؟ (۲۲۱۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۰۶-۴۰۷)

تالاب میں غوطہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: (۱۱۱) تالاب میں غوطہ لگانے سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں؟ (۳۴۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تالاب میں غسل کرنے اور غوطہ لگانے سے روزہ نہیں جاتا۔ فقط واللہ اعلم (۶/۴۱۱)

== عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنّه يكره للصّائم المضمضة والاستنشاق بغير وضوء، وكره الاغتسال وصبّ الماء على الرّأس والاستنقاع في الماء والتّلفّف بالثّوب المبلول وقال أبو يوسف: لا يكره وهو الأظهر؛ كذا في محيط السّرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصّوم، الباب الثّالث فيما يكره للصّائم وما لايكره) ظفیر

(۱) حوالۂ سابقہ۔ ۱۲

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور صرف قضا واجب ہوتی ہے

روزہ کی حالت میں مسوڑھوں کا خون اندر چلا جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۲) مسوڑھوں کے خون اور مواد کے اندر چلے جانے سے روزہ قائم رہے گا؟
(۱۳۲۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ اس روزہ کی قضا لازم ہوگی۔ أمّا إذا وصل أي إلٰی جوفہٖ فإن غلب الدّم أو تساویا فسد إلخ[1] (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۱۴)

پان کی سرخی نگلنے سے روزہ رہا یا ختم ہوگیا؟

سوال: (۱۱۳) زید نے بعد سحر پان کھایا، دن نکلنے پر پان کی سرخی تھوک میں موجود ہے، ایسے تھوک کو نگلنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ہر صورت میں چاہے کلی غرارہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، سرخی کم ہو یا زیادہ ہو، اور اگر نہیں تو ہر صورت میں یا خاص اس صورت میں کہ کلی غرارہ خوب کرلیا ہو

---

(۱) پوری عبارت یہ ہے: أو خرج الدّمُ من بین أسنانہٖ و دخل حلقَہٗ یعني ولم یصل إلٰی جوفہٖ أمّا إذا وصل فإن غلب الدّمُ أو تساویا فسد وإلّا لا، إلّا إذا وجد طَعمہ (الدّرّ المختار) قلت: ومن ھٰذا یعلم حکم من قَلَعَ ضِرسَہ في رمضان ودخل الدّم إلٰی جوفہٖ في النّھار ولو نائمًا فیجب علیہ القضاء إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۸، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسدہ، مطلب: یکرہ السّھر إذا خاف فوت الصّبح) ظفیر

اور سرخی خفیف مغلوب باقی رہی ہو جس کا ازالہ ناممکن یا دشوار ہو، پھر یہ بات بھی قابل سوال ہے کہ پان کی سرخی ایسی ہے بھی کہ جس کا ازالہ ناممکن یا دشوار ہو یا نہیں؟ (۱۶۵۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: باہر سے اگر رنگ کا اثر تھوک میں ہو جاوے اور اس تھوک کو نگل جاوے تو مفسد صوم ہے۔ کما یظہر من قولہ إلاّ أن یکون مصبوغًا وظھر لونه في ریقه وابتلعه ذاکرًا إلخ[1] (درمختار) لیکن پان جو صبح صادق سے پہلے کھایا اور اس کے اجزاء مُنہ میں نہ رہے، اور کلی وغیرہ کر کے مُنہ کو صاف کر لیا تو پھر اگر صبح کو تھوک میں سرخی کا اثر باقی ہو، اور اس کو نگل جاوے تو اس میں فسادِ صوم کا حکم نہ ہوگا، جیسا کہ آگے عبارت سابقہ سے جس جگہ درمختار میں: وَالْقَطْرَتَیْنِ مِنْ دُمُوْعِهٖ أوْعَرَقِهٖ[2] ہے وہاں شامی نے یہ تحقیق کی ہے: أمّا الواصل إلی الحلق من المسام ، فالظّاھر أنّه مثل الرّیق فلا یفطر وإن وجد طعمه في جمیع فمه تأمّل[2] پس جیسا کہ تھوک مخلوط بملوحة الدّموع میں فسادِ صوم کا حکم نہیں ہے۔ مخلوط بأھون المذکور میں بھی نہ ہوگا؛ لیکن احتیاط ضروری ہے، اور حتی الوسع کچھ اثر باقی نہ چھوڑنا چاہیے، خوب مُنہ کو صاف کر لینا چاہیے اور موقعِ اشتباہ میں قضا کرنا اس روزۂ مشتبہ کے احوط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۵/٦)

سحری نہ کھانے کی وجہ سے ظہر کے وقت تک ارادہ مشکوک رہا پھر افطار کر لیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۴)...... (الف) رمضان میں بہ وجہ آنکھ نہ کھلنے کے سحر نہ کھایا، ظہر کے وقت تک ارادہ مشکوک رہا کہ آج روزہ رکھوں یا نہ رکھوں ظہر کے وقت افطار کر دیا تو قضا لازم ہے یا کفارہ بھی؟

(ب) اگر بہ وقت دو پہر نیت کر لی اور پھر افطار کر دیا تو کیا حکم ہوگا؟ (۱۳۵۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں صرف قضا لازم ہے، کیوں کہ نیت روزہ کی پختہ طور سے

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۳۳/۳-۳۳۴، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۳۸/۳، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

اس نے نہیں کی تھی۔ کذا في الدّرّ المختار[1]

(ب) اس صورت میں بھی صرف قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے۔ کما صرّح في الدّرّ المختار: أو أصبح غیر ناوٍ للصّوم فأکل عمدًا ولو بعد النیة قبل الزّوال لشّبهة خلاف الشّافعيّ إلخ [1] اور شامی میں ہے کہ یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے، اور مذہب صاحبین کا یہ ہے کہ قبل زوال یعنی قبل نصف نہار شرعی، اگر نیت روزہ کی کرلی تھی اور پھر افطار کیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے؛ لیکن صحیح عدم لزوم کفارہ ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۳-۴۳۴)

روزہ کی حالت میں احتلام کے بعد افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۵) ایک شخص کو روزہ میں احتلام ہوگیا، پھر اس نے بغیر دریافت کیے خود ہی افطار کرڈالا، اس صورت میں کفارہ آتا ہے یا نہیں؟ (۱۹۷۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: احتلام سے اگرچہ روزہ نہیں جاتا لیکن اگر کسی نے غلطی سے یہ سمجھ کر کہ روزہ جاتا رہا افطار کرلیا تو کفارہ نہیں صرف قضا لازم ہے۔ کما في الشّامي: واحترز بہٖ عمّا لو فعل ما یظنّ الفطر بہٖ کما لو أکل أو جامع ناسیًا أو احتلم أو أنزل بنظر أو ذرعه القيء فظنّ أنه أفطر فأکل عمدًا فلا کفّارة للشّبهة إلخ[3] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۲۱)

---

(۱) أو أصبح غیر ناوٍ للصّوم فأکل عمدًا ولو بعد النّیّة قبل الزّوال لشبهة خلاف الشّافعي إلخ قضی في الصّور کلّها فقط. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳۷-۳۴۱، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ) ظفیر

(۲) قوله: (قبل الزّوال) هٰذا عند أبي حنیفة وعندهما کذٰلك إن أکل بعد الزّوال وإن کان قبل الزّوال تجب الکفّارة لأنّه فوت إمکان التّحصیل فصار کغاصب الغاصب ...... أي لأنّه قبل الزّوال کان یمکنه إن شاء النّیّة وقد فوّته بالأکل بخلاف ما بعد الزّوال، والأوّل ظاهر الرّوایة کما في البدائع ...... قوله: (لشبهةِ خلاف الشّافعي) فإنّ الصّومَ لا یصحّ عنده بنیّة النّهار. (ردّ المحتار: ۳/۳۳۷، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ) ظفیر

(۳) ردّ المحتار: ۳/۳۴۶، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.

ایک شخص نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا مگر دوسروں نے نہیں مانا اُس نے بھی روزہ توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۶) اگر کسی شخص نے ۲۹ شعبان کو رمضان شریف کا چاند دیکھا اور قول اس کا مانا نہیں گیا، لیکن اس نے روزہ رکھ لیا اور پھر توڑ دیا؛ تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی؟ (۱۳۲۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف قضا اس روزہ کی اس کے ذمہ لازم ہے کفارہ واجب نہیں۔ کما في الدّرّ المختار: رأى ...... هلالَ رمضان أو الفطر وردّ قوله إلخ ، صام ...... فإن أفطر قضٰی فقط إلخ [1] (الدّرّ المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۳/۶)

مریض نے روزے کی نیت کی پھر افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۷) ایک شخص رمضان شریف میں مریض تھا، بعض دن روزہ رکھتا تھا اور بعض دن افطار کرتا تھا، اتفاقاً ایک روز روزہ کی نیت کی، پھر بعد نماز صبح افطار کرلیا تو اس صورت میں قضا واجب ہے یا کفارہ؟ (۸۳۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں اس روزے کی قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا کیوں کہ وہ پہلے سے مریض تھا، لہٰذا اس کو افطار کرنا جائز تھا۔ ثمّ إنّما يكفّر إن نوى ليلاً ولم يكن مكرهًا ولم يطرأ مسقط كمرض وحيض إلخ [2] (الدّرّ المختار) اور کفارہ شبہ سے بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ قوله: (كمرض) أي مبيح للإفطار إلخ [2] (شامي) پس جب کہ اس کو مرض موجود تھا جو کہ افطار کو مباح کرتا تھا تو اس صورت میں بھی کفارہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۵/۶)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۱۳، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك .

(۲) الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في الكفّارة.

سویرے آنکھ کھل گئی مگر سحری نہ کھائی اور نہ روزہ کی نیت کی تو صرف قضا لازم ہے

سوال: (۱۱۸) آج صبح ۴ بج کر ۱۳ منٹ پر سحری کھانے کے لیے آنکھ کھلی، پیلی بالکل پھٹ گئی تھی چاندنا خوب ظاہر ہو رہا تھا، ایک شخص نے بدانست روزہ نہیں رکھا اور نیت روزہ نہیں کی، آیا اس کو روزہ رکھنا واجب تھا یا نہ؟ اس روزے کے بجائے اس کو ایک ہی روزہ رکھنا پڑے گا یا زیادہ؟ ایک عورت جس نے وقت مذکورہ میں سحری کھائی اس کا روزہ ہوا یا نہیں؟ اس کو ایک روزہ رکھنا ہوگا یا زیادہ؟ ایک شخص جس کی نیتِ روزہ شام سے کافی نہ تھی اس بناء پر روزہ نہیں رکھا کہ اس کو پندرہ میل کا سفر پیدل چلنا ہے، روزہ نہیں رکھا جاوے گا اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۸۹۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں جب کہ اوّل ہی نیت روزہ کی نہیں کی گئی تھی، اور روزہ بھی اس دن نہ رکھا، صرف قضا یعنی ایک روزہ اس کے عوض اس کے ذمہ لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے، البتہ روزہ اس کو رکھنا ضروری اور فرض تھا؛ لیکن جب کہ نہیں رکھا اور نیت نہیں کی تو قضاءً صرف ایک روزہ اس کے ذمے لازم ہوا، اور وہ عورت جس نے وقت مذکورہ پر سحری کھائی چوں کہ اس وقت صبح صادق خوب ہوگئی تھی؛ اس لیے وہ روزہ اس کا نہیں ہوا، قضا اس روزہ کی اس کے ذمہ لازم ہے، اور کفارہ ساقط ہے، اور پندرہ میل کا سفر اگرچہ افطار روزہ کو مباح نہیں کرتا؛ لیکن جب کہ نیت روزہ کی نہ کی گئی تھی تو صرف قضا اس کی لازم ہے کفارہ واجب نہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۴۳)

بے خبری میں فجر کی اذان کے بعد سحری کھائی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۱۹) بندہ نے رمضان شریف میں فجر کی اذان ہونے کے بعد سحری کھالی، اور بندہ کو

(۱) أوْ أصْبَحَ غَيْرَ نَاوٍ لِلصّوْمِ فَأكَلَ عَمدًا إلخ أوْ تَسَحَّرَ أوْ أفْطَرَ يَظُنُّ الْيَوْمَ إلخ ليلاً والحَالُ أنّ الْفَجْرَ طَالِعٌ إلخ قضى في الصّور كلّها فقط (الدّرّ المختار) أي بدون كفّارة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۳۳۷-۳۴۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفیر

مطلق خبر نہیں تھی شرعًا کیا حکم ہے؟ (۲۵۰۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس روزہ کی قضا کرلینی چاہیے، کیوں کہ وہ روزہ نہیں ہوا، صرف قضا اس روزہ کی واجب ہے کفارہ لازم نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۴٦)

غروب آفتاب سمجھ کر افطار کرلیا مگر افطار کے بعد سورج نظر آیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۰) ایک روز رمضان شریف میں بہت زور گھٹا تھی، یہ سمجھ کر کہ افطار کا وقت ہوگیا اور سورج غروب ہوگیا؛ روزہ افطار کرلیا، بعد افطار کے سورج نکل آیا تو کیا حکم ہے؟ (۱۹٦۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس روزہ کی قضا لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے، اور کچھ گناہ بھی نہیں ہوا، مگر اس روزہ کی قضا ضرور کرنی چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۳٦)

بعد صبح صادق سحری کی اور قبل غروب آفتاب افطار کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۱) اگر کسی نے رات سمجھ کر بعد صبح صادق سحر کھایا، یا غروب آفتاب سمجھ کر قبل غروب افطار کرلیا؛ اس کا روزہ ٹوٹ جاوے گا یا کیا؟ (۲۲۹۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس کا روزہ نہیں ہوا قضا لازم ہے[1] (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

سرکاری ملازم نے کام کی شدت کی وجہ سے افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۲) زید پولس میں نوکر ہے، حالت روزہ میں اس کے افسر نے ایک ایسا حکم دیا کہ جس کی رو سے اس کو سخت دھوپ میں کہ جس سے اس کی تندرستی کا اندیشہ تھا، دیہات میں دوا دوش

---

(۱) إذا تسحر وهو يظنّ أنّ الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع أو أفطر وهو يرى أنّ الشّمس قد غربت فإذا هي لم تغرب إلخ عليه القضاء ...... ولا كفّارة عليه لأن الجناية قاصرة لعدم القصد. (الهداية: ۱/۲۲۵، كتاب الصّوم، باب ما يوجب القضاء والكفّارة) ظفير

(محنت) کے لیے جانا پڑا، زید مسئلہ سے ناواقف تھا، لہٰذا اس نے روزہ افطار کرلیا؛ آیا وہ کفارہ سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۰۹۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر شدت پیاس وغیرہ سے اندیشۂ ہلاکت یا مرض تھا تو کفارہ اس سے ساقط ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۲۱-۴۲۲)

پیاس کی شدت کے خوف سے روزہ توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۳) رمضان شریف سنہ ۱۳۳۷ھ میں؛ میں اور میرے متعلقین اپنے لڑکے متوفی کی بیماری سے بے آرام اور اس کے غم سے پریشان وغمگین تھے، تراویح پڑھ کر نیت روزہ کی پختہ کرلی اور سو گئے، حتی کہ سحر کا پتا نہ رہا، بہ وقت صبح صادق بیدار ہوئے، وقت بیداری کے بہ سبب پیاس کے زبان میری خشک تھی جس سے معلوم ہوا کہ آج مجھ سے روزہ تمام نہیں ہوسکتا، اس وجہ سے میں نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ اگر تم سے روزہ تمام نہیں ہوسکتا تو روزہ چھوڑ دو، ایک روزہ قضا رکھ لینا، میں نے اور گھر والوں نے روزہ چھوڑ دیا، بہ وقت پوچھنے مسئلہ کے مجھے اس قدر پیاس نہ تھی کہ اگر فی الحال روزہ نہ چھوڑوں تو مریض یا قریب المرگ ہوجاؤں، بلکہ بہ وجہ سخت گرم موسم کے یہ معلوم ہوتا تھا کہ بہ وقت زوال یا بعد زوال مریض ہوجاؤں، اس صورت میں قضا واجب ہے یا کفارہ بھی؟ اگر کفارہ واجب ہے تو مولوی صاحب پر کچھ تعزیر شرعی ہے یا نہیں؟

(۱۴۶۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وبقي الإكراه وخوف هلاك أو نقصان عقل ولو بعطش أو جوع شديد و لَسْعةُ حيّة إلخ[۲] اور نیز اس کے کچھ بعد ہے: أومريض خاف الزّيادة لمرضه وصحيح خاف المرض (الدّرّ المختار) أي بغلبة الظّنّ كما يأتي إلخ[۲] (شامی)

---

(۱) قد ذكر المصنّف منها خمسة وبقي الإكراه وخوف هلاك أو نقصان عقل ولو بعطش أو جوع شديد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵۸-۳۵۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده ، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۵۹-۳۶۰، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر زید کو اور نیز اس کے گھر والوں کو یہ خوف بہ ظن غالب تھا کہ وہ روزہ پورا نہ کرسکیں گے اور مرض یا ہلاکت کا خوف تھا تو اس صورت میں ان پر صرف قضا اس روزہ کی لازم ہے؛ کفارہ واجب نہیں ہے، اور جن مولوی صاحب نے افطار روزہ کا حکم دیا ہے وہ بھی غالباً اسی بنا پر ہوگا، لہٰذا ان پر بھی کچھ مواخذہ نہیں ہے، اور یہ سب قیود اس وقت ہیں کہ روزہ کی نیت کرلی ہو، اور اگر روزہ کی اس دن نیت نہ کی ہو اور پھر بہ وجہ خوف مذکور نیت روزہ کی نہ کی تو اس صورت میں کفارہ کا واجب نہ ہونا ظاہر تر ہے اور مصرح فی کتب الفقہ ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۲۶-۴۲۷)

پیاس کی شدت یا سفر کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو صرف قضا لازم ہے

سوال: (۱۲۴) روزہ دار تشنگئ شدید سے روزہ توڑ دیوے یا سفر میں روزہ توڑ دیوے اس کے لیے کیا تعزیر ہے؟ (۱۴۳۹/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: پیاس اگر ایسی شدید ہے کہ اس میں مرجانے کا اندیشہ ہے یا عقل جاتے رہنے کا خوف ہے تو اس حالت میں افطار کرنا جائز ہے، اور بعد میں اس روزہ کی قضا لازم ہے، اور اسی طرح سفر میں بہ روز سفر روزہ توڑنا نہ چاہیے، لیکن اگر توڑ دیا قضا لازم ہے، کفارہ نہیں۔ كذا في الدّرّ المختار[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۴۰-۴۴۱)

---

(۱) وجوبها — أي الكفّارة — مقيّد بما يأتي من كونه عمدًا إلخ وبما إذا نوى ليلاً. (ردّ المحتار: ۳/ ۳۴۴، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) أولم ينو في رمضان كلّه صومًا ولا فطرًا إلخ أو أصبح غير ناوٍ للصّوم فأكل عمدًا إلخ قضٰى في الصّور كلّها فقط (الدّرّ المختار) وأمّا عندنا فلا بدّ من النّيّة لأنّ الواجب الإمساك بجهة العبادة ولا عبادة بدون نيّة فلو أمسك بدونها لا يكون صائمًا ويلزمه القضاء دون الكفّارة إلخ؛ لأنّ الكفّارة إنّما تجب علٰى من أفسد صومه والصّوم هنا معدوم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۳۷-۳۴۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفیر

(۲) وبقي الإكراه وخوف هلاك أونقصان عقل ولو بعطش أوجوع شديد أو لَسْعة حيّة إلخ الفطر يوم العذر إلخ وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۵۹-۳۶۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم ومالايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

سفر میں روزہ سے تھا مگر شدت پیاس کی وجہ سے روزہ توڑنا پڑا تو اس پر صرف قضا لازم ہے

سوال: (۱۲۵) زید وبکر گیارہ بجے شب کو سفر کو روانہ ہوئے، جس کی مسافت اسّی (۸۰) میل سے زائد تھی، اور نیت روزہ کی کرلی تھی، منزل پے پہنچ کر بہ وجہ تشنگی وشدت گرمی بدحواس ہوگئے، اس لیے مجبوراً تین بجے دن کو روزہ افطار کرلیا، ایسی صورت میں قضا لازم آوے گی یا کفارہ؟ (۲۲۲۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف قضا لازم آوے گی نہ کہ کفارہ۔ درّ مختار میں ہے: **وبقي الإكراه وخوف هلاك أونقصان عقل ولو بعطش أو جوع شديد أو لَسعة حيّة** (۱) فقط واللہ اعلم (۶/۴۴۱)

سخت دھوپ اور لُو کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۶) اگر کسی شخص کو ماہِ رمضان میں ایسا سفر پیش آوے جس سے وہ شرعًا مسافر نہیں ہوسکتا؛ اس وجہ سے وہ روزہ کی حالت میں سفر کرے اور دوپہر میں سخت دھوپ اور لُو کی وجہ سے بے برداشت ہوکر روزہ توڑ دے تو اس کو قضا کرنا چاہیے یا کفارہ لازم ہوگا؟ (۲۵۰۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں اس شخص پر کفارہ لازم نہ ہوگا صرف قضا لازم ہوگی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۴۴)

آتش زدگی کی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۷) گاؤں میں رمضان المبارک میں سخت آگ لگی، بعض مرد اور عورتوں نے روزے توڑ دیے؛ ان پر صرف قضا لازم ہے یا کفارہ بھی؟ (۱۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر اس آتش زدگی میں شدت پیاس وبھوک یا خوفِ جان کی وجہ سے روزہ توڑا تو ان پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔ **كذا في الدّرّ المختار** (۱) فقط (۶/۴۴۵-۴۴۶)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

شدت بخار کی وجہ سے روزہ افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۸) ایک شخص ایمان دار حافظ قرآن شریف نے رمضان المبارک میں دو دن بخار کے ساتھ روزہ رکھا، تیسرے دن بھی اس نے نیت روزہ کی کر کے روزہ شروع کیا؛ لیکن بہ وجہ شدت بخار کے اسے تیسرا روزہ افطار کرنا پڑا، اس کے بعد وہ دس دن برابر بیمار رہا، اور دس دن روزہ نہ رکھ سکا شرعًا ایسے شخص پر کفارہ آتا ہے یا قضا؟ اور ایمان دار شخص کی رائے روزہ افطار کرنے میں معتبر ہے یا نہیں؟ (۲۸۸۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس شخص پر صرف قضا اس روزہ کی اور نیز ان روزوں کی جو اس کے بعد افطار کیے لازم ہے کفارہ لازم نہیں ہے؛ کیوں کہ اس بارے میں خود روزہ دار مریض کا غلبۂ ظن بھی معتبر ہے۔ در مختار میں ہے: أو مريض خاف الزّيادة لمرضه إلخ بغلبة الظّنّ بإمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور إلخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۲/۶)

سوال: (۱۲۹) اگر کسی کو رمضان شریف کے روزے میں بخار ہوا، اور بہ وجہ شدتِ پیاس کے روزہ افطار کرلیا تو قضا واجب ہے یا کفارہ؟ (۱۹۸۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہ ہوگا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۹/۶)

ہلاک ہونے کے اندیشہ سے روزہ افطار کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۰) زید کو ہلاک ہونے کا اندیشہ تھا، اس لیے اس نے روزہ افطار کرلیا تو کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ (۲۱۹۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں کفارہ واجب نہ ہوگا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۱/۶)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۰، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

(۲) وبقي الإكراه وخوف هلاك أو نقصان عقل ولو بعطش أو جوع شديد إلخ الفطر يوم العذر إلخ وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵۹-۳۶۱ كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفير

کاشت کار کو سخت گرمی میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۱) کیا زمین دار فصل ربیع کے وقت سخت گرمی کے اندر روزہ نہ رکھیں، اور بعد میں قضا کریں تو جائز ہے؟ (۲۰۸۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: شامی میں ہے: وعلٰی هٰذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصّوم ويهلك الزّرع بالتأخير لا شكّ في جواز الفطر والقضاء إلخ[1] پس جب کہ کاشت کار وزمین دار کو ایسی مجبوری ہو تو افطار کرنا اور پھر قضا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (٦/ ۴۸۷)

حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: (۱۳۲) حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اس کا ثبوت قرآن وحدیث وفقہ سے کس طرح ہوسکتا ہے؟ (۱۷۹۰/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کما في الشّامي: وبهٖ علم حكم شرب الدّخان، ونظمه الشّرنبلالي في شرحهٖ على الوهبانية بقوله:

وَيُمْنَعُ مِنْ بَيعِ الدُّخَانِ وشُرْبِهٖ ❁ وشَارِبُهٗ في الصّومِ لاَ شَكَّ يُفْطِرُ
وَيَلْزَمُهُ التّكْفِيْرُ لَو ظَنّ نَافِعًا ❁ كَذَا دَافِعًا شَهَوَاتِ بَطْنٍ فَقَرَّرُوْا[2]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۱۵-۴۱٦)

روزہ میں حقہ پینے سے قضاء لازم ہوتی ہے یا کفارہ بھی؟

سوال: (۱۳۳) روزہ میں حقہ پینے سے قضا لازم ہوتی ہے یا کفارہ بھی؟ (۲۳۱۸/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: حقہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں کفارہ بھی

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۳۵۷-۳۵۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، قبيل فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم .

(۲) ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۷، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح .

لازم ہوتا ہے (۱) فقط واللہ اعلم (یعنی اگر اُسے نفع بخش سمجھا تب تو کفارہ وقضا دونوں لازم ہوں گے، ورنہ صرف قضا(۱) ظفیر)(۶/۴۱۹)

نسوار سونگھنے اور حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: (۱۳۴) حقہ نوشیدن ونسوار شمیدن در انف مفسد صوم است یا نہ؟ (۲۳۳۷/۱۳۴۲ھ)[۲]

الجواب: حقہ نوشی مفسدِ صوم است، ونسوار شمیدن در انف نیز مفسدِ صوم است۔ قال في الشّامي: وبہٖ علم حکم شرب الدّخان ونظمه الشّرنبلالي في شرحہٖ علی الوهبانية بقوله:

وَيُمْنَعُ مِنْ بَيعِ الدُّخَانِ وشُرْبِهِ ❁ وشَارِبُهُ في الصّومِ لَا شَكَّ يُفْطِرُ[۳]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۱۸)

ترجمہ سوال: (۱۳۴) حقہ پینا اور ناک میں نسوار سونگھنا مفسد صوم ہے یا نہ؟

الجواب: حقہ پینا مفسدِ صوم ہے، اور ناک میں نسوار سونگھنا بھی مفسد صوم ہے۔ شامی ہے: وبہٖ علم حکم شرب الدّخان إلخ .

روزہ دار کو پانی سے تر کیا ہوا نسوار منہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۵) نسوار در آب تر در دہان دادن مردم روزہ دار را جائز است یا نہ؟

(۲۳۸۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار : أو ذاق شيئًا بفمه وإن کره لم يفطر إلخ، قوله: (وإن کره) أي لعذر کما يأتي؛ ط[۴] (شامي) وأيضًا في الدّرّ المختار : وکره له ذوق شيء

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۳/۳۶۷، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب: يکره السّهر إذا خاف فوت الصّبح .

(۴) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۳۳، کتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

كذا مضغه بلاعذر إلخ[۱] پس معلوم شد کہ نسوار در دہان دادن بدون آنکہ در حلق داخل شود مکروہ است وبہ عذر جائز است۔ وفي الشّامي: وذكر الزّندويستي: إذا فتل السِّلكةَ وبلّها بريقهٖ ثمّ أمرّها ثانيًا في فمهٖ ثمّ ابتلع ذٰلك البُزاقَ فسد صومهٗ إلخ[۲] الغرض احتیاط دریں بارہ خوب است، ونشاید نسوار در دہان انداختن کہ خوفِ فسادِ صوم است۔ فقط (۶/۴۰۵-۴۰۶)

ترجمہ سوال: (۱۳۵) پانی سے تر کیا ہوا نسوار روزہ دار کو منہ میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: درمختار میں ہے: أو ذاق شيئًا بفمه إلخ پس معلوم ہوا کہ نسوار کا اس طرح مُنہ میں رکھنا کہ حلق میں نہ جائے مکروہ ہے، اور عذر کی وجہ سے جائز ہے، اور شامی میں ہے: وذكر الزّندويستي: إذا فتل السّلكة إلخ الغرض اس بارے میں احتیاط بہتر ہے، اور نسوار مُنہ میں رکھنا نہیں چاہیے کیوں کہ روزے کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط

روزہ دار کا ناک یا دانتوں میں نسوار رکھنا اچھا نہیں

سوال: (۱۳۶) نسوار انداختن بدنداں بدون آنکہ اثرش در جوف وحلق برسد؛ مفطرِ صوم است یا نہ؟ (۱۸۵۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)[۳]

الجواب: انداختنِ نسوار بدنداں بدون آنکہ اثرش در جوف وحلق رسد مفطرِ صوم نیست كما في الذّوق[۴] ولیکن احتیاط در ترک آں است۔ كما هو ظاهر. فقط واللہ اعلم (۶/۴۱۶)

ترجمہ سوال: (۱۳۶) دانتوں میں نسوار رکھنا اس طرح کہ اس کا اثر پیٹ اور حلق میں نہ پہنچے؛ مفطرِ صوم ہے یا نہ؟

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵۲، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب فيما يكره للصّائم.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۳۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ.

(۳) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

(۴) أو ذاق شيئًا بفمه وإن كره لم يفطر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ)

الجواب: دانتوں میں نسوار اس طرح رکھنا کہ اس کا اثر پیٹ اور حلق میں نہ پہنچے؛ مفطرِ صوم نہیں ہے جیسا کہ چکھنے میں؛ لیکن احتیاط اس کے نہ رکھنے میں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔فقط

سوال: (۱۳۷) صائم کو مُنہ میں یا ناک میں نسوار ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۱۴۴ھ)

الجواب: نہیں چاہیے۔فقط (۴۱۱-۴۱۰/٦)

روزے کی حالت میں تمبا کو مُنہ میں رکھنا جائز نہیں

سوال: (۱۳۸) ما قولكم الله رحمكم الله في رجل أمسك التُّتن المعروف في فمهٖ ولم يبتلع عينه ولا لعابه ولم يصلا إلىٰ جوف هل يفسد صومه أم لا؟ (۶۰۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: إمساك التّتن في الفم لا يجوز في الصّوم لأنّه لا يخلو عن وصولهٖ إلى الحلق والجوف عادةً، والعادة محكمة، فالحذر من أن يأكل التّنباك بهذه الوسوسة في نهار رمضان، كيف وقد قالوا في مضغ العلك كما في الشّامي: قيّده بذٰلك ـــــ أي بأبيض ـــــ لأنّ الأسود وغيرَ الممضوغ وغيرَ الملتئم يصل منه شيءٌ إلى الجوف [1] ولهٰذا يمنع عن شرب دخانهٖ ويحكم أنّه مفطر، وفي التّنباك خاصية إلى الانجذاب إلى الجوف، ألا ترى أن إمساكه في الفم لغير المعتادين يؤثر تأثيرًا عظيمًا من دوران الرّأس وانكسار الأعضاء فما هو إلّا وصول أثره إلى الدّماغ والجوف ولا حول ولا قوّة إلّا باللّٰه العليّ العظيم. فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم. كتبه: عزيزالرحمن عفی عنه. الجواب صواب: محمد أنور [2] عفا اللّٰه عنه (۴۲۸/٦)

ترجمہ سوال: (۱۳۸) کیا فرماتے ہیں آپ حضرات ـــــ اللہ آپ پر رحم فرمائیں ـــــ اس شخص کے بارے میں جس نے معروف تمبا کو اپنے مُنہ میں رکھا، اور اس نے نہ تو نفس تمبا کو کو نگلا اور نہ اس کے تھوک کو اور وہ دونوں پیٹ تک نہیں پہنچے تو کیا اس کا روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

(۱) ردّ المحتار: ۳۵۳/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: فيما يكره للصّائم.

(۲) یعنی بحر العلوم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ المتوفی سنہ ۱۳۵۲ھ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔

الجواب: روزے کی حالت میں مُنہ کے اندر تمبا کو رکھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وہ عادۃً حلق اور پیٹ تک پہنچنے سے خالی نہیں ہوتا، اور عادت فیصلہ کن ہوتی ہے، پس رمضان کے دنوں میں اس وسوسے کی وجہ سے تمبا کو کھانے سے بچنا چاہیے، کیسے جائز ہوسکتا ہے، جب کہ فقہاء نے گوند کے چبانے کے سلسلے میں فرمایا ہے؛ جیسا کہ شامی میں ہے: **وإنّما قيّده بذلك أي بأبيض لأنّ الأسود إلخ** (گوند کو سفید کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ سیاہ اور جو گوند چبایا نہیں جاتا یا ملا ہوا نہیں ہوتا اس میں سے کچھ پیٹ تک پہنچ جاتا ہے) اور اسی وجہ سے اس کا دھواں پینے سے منع کیا گیا ہے اور یہ حکم کیا گیا ہے کہ وہ مفطرِ صوم ہے، اور تمبا کو میں پیٹ تک پہنچنے کی خاصیت ہوتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے! جو لوگ عادی نہ ہوں ان کے لیے اس کا مُنہ میں رکھنا بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے؛ جیسے دورانِ سر اور اعضاء بدن کا ٹوٹنا، پس یہ اس کے اثر کے دماغ اور پیٹ تک پہنچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ **ولا حول ولا قوّة إلاّ بالله العليّ العظيم. فقط والله تعالیٰ أعلم.**

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

الجواب صواب: محمد انور عفا اللہ عنہ

تمبا کو سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: (۱۳۹) تمبا کو سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (۳۲/۳۴۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تمبا کو سونگھنے سے روزہ جاتا رہتا ہے کیوں کہ اجزاء تمبا کو کے دماغ وحلق میں جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۱/٦)

روزہ دار کے سامنے اگر بتّی جلانا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۰) رمضان شریف میں یوم جمعہ روزہ داروں کے سامنے عود بتی وغیرہ کا جلانا کیسا ہے؟ (۹۲۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار وشامی مفسدات صوم میں یہ لکھا ہے کہ اگر روزہ دار نے اپنے حلق میں قصداً دھواں داخل کیا، اور اس کو روزہ یاد ہے تو روزہ اس کا ٹوٹ جاوے گا۔ درمختار میں ہے: **أنّه لو أدخل**

حلقه الدّخان أفطر أيَّ دخانٍ كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التّحرّز عنه[1] اور شامی میں ہے: قوله: (أنّه لو أدخل حلقه الدّخان) أي بأي صورة كان الإدخال حتّٰى لو تبخّرَ ببخور، فاٰواه إلٰى نَفَسِهٖ واشتمّه ذاكرًا لصومه أفطر لإمكان التّحرّز عنه إلخ ، ولا يُتوهّم أنّه كشمّ الورد ومائه والمِسكِ لوضوح الفرق بين هواء تطيّب بريح المسك و شبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعلهٖ إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۴/٦)

اٹلوس دوا سونگھنے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۱) ''اٹلوس'' ایک دوا ہے کہ نوسادر اور چونا ملا کر شیشی بھر کر ناک سے لگا کر سونگھا جاتا ہے، اس کی تیزی دماغ تک پہنچتی ہے، اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

(۲۴۶۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں روزہ اس کا ٹوٹ گیا قضا لازم ہے۔ كما في الدّرّ المختار: ومفاده أنّه لو أدخل حلقه الدّخان أفطر أيَّ دخانٍ كان ولو عودًا أو عنبرًا لو ذاكرًا لإمكان التّحرّز عنه إلخ[2] وتحقيقه في الشّامي[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۸/٦)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۷، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح.

(۲) الدّرّ المختارمع دّ المحتار: ۳/ ۳۲۷، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح.

(۳) قوله: (أنّه لَو أدْخَلَ حَلْقَهُ الدُّخَانَ) أيَّ بأيّ صورةٍ كان الإدْخالُ حتّى لو تَبَخَّرَ بِبَخُوْرٍ فأٰواه إلٰى نَفَسِهٖ واشْتَمَّهُ ذَاكِرًا لِصَوْمِهٖ أفْطَرَ لإمْكانِ التّحرّزِ عنه، وهٰذا ممّا يَغْفُلُ عنه كثيرٌ مِنَ النّاس، ولاَ يُتَوَهَّمُ أنّه كَشَمِّ الْوَرْدِ ومائِهٖ والمِسْكِ لِوُضُوْحِ الفَرْقِ بَيْنَ هَوَاءٍ تَطَيَّبَ بِرِيْحِ الْمِسْكِ وَشِبْهِهٖ وَبَيْنَ جَوْهَرِ دُخَانٍ وَصَلَ إلٰى جَوْفِهٖ بِفِعْلِهٖ، إمْدَادٌ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۲۷، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح) ظفیر

ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: (۱۴۲) انداختن دوا در بینی مبطلِ صوم است یا نہ؟ (۱۸۵۷/ ۳۵-۱۳۳٦ھ) [۱]

الجواب: از استعاط یعنی انداختن دوا وغیرہ در بینی بطلانِ صوم و وجوبِ قضا مصرح است۔ کما في الدّرّ المختار: أو استعط في أنفه شيئًا إلخ قضٰی إلخ [۲] فقط واللہ اعلم (٦/ ۴۱٦)

ترجمہ سوال: (۱۴۲) ناک میں دوا ڈالنا روزہ کو فاسد کرنے والا ہے یا نہ؟

الجواب: استعاط یعنی ناک میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزے کا فاسد ہونا اور قضا کا واجب ہونا مصرح ہے۔ درمختار میں ہے: أو استعط في أنفه شيئًا إلخ قضٰی إلخ. فقط

کان میں تیل ڈالنے سے روزہ کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: (۱۴۳) صائم کان میں تیل کیوں نہیں ڈال سکتا، جب کہ پانی جانے میں روزہ نہیں ٹوٹتا؟ (۵۳۵/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: ہدایہ میں وجہ فرق یہ بیان فرمائی ہے کہ پانی میں وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف نہیں ہے، بہ خلاف دہن کے؛ اس کو دیکھ لیا جاوے [۳] اور یہ بھی وجہ فرق کی ہوسکتی ہے کہ پانی سے احتراز دشوار ہے اور اس میں ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۱۷-۴۱۸)

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔ ۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۳٦-۳۴۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ.

(۳) ومَن احتقن ...... أو أقطر في أذنه أفطر لقوله صلّى اللّه عليه وسلّم: الفطر ممّا دخل. ولوجود معنى الفطر وهو وصول ما فيه صلاح البدن إلى الجوف ولا كفّارة عليه إلخ ، ولو أقطر في أذنيه الماء أو دخلهما لا يفسد صومه لانعدام المعنٰى —— أي إصلاح البدن —— والصّورة بخلاف ما ذا أدخله الدّهن . (الهداية: ۳/ ۲۲۰، كتاب الصّوم، باب ما يوجب القضاء والكفّارة) ظفير

ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: (۱۴۴) اگر کوئی شخص روزہ میں ہاتھ سے منی زائل کرے تو روزہ ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲۰۸۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: استمنٰی بکفّہٖ إلخ ، قضٰی[1] فقط (ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور قضا لازم ہوتی ہے، پھر یہ بھی واضح رہے کہ نفس یہ فعل بہت برا ہے، اس پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ ظفیر) (۶/۴۱۷)

سوال: (۱۴۵) ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (۸۳۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ہاتھ سے منی نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضاء لازم ہوتی ہے۔

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

مشت زنی سے روزہ کب ٹوٹتا ہے؟

سوال: (۱۴۶) وکذا الاستمناء بالکفّ وإن کرہ تحریمًا إلخ[2] دوسری عبارت اسی باب میں ہے: أو لمس ولو بحائل لا یمنع الحرارۃ أو استمنی بکفّہٖ إلخ، فأنزل قیدٌ للکلّ حتّٰی لو لم ینزل لم یفطر إلخ[3] اوّل عبارت سے شبہ ہوتا ہے کہ استمناء بالکف سے افطار نہیں ہوتا، اور دوسری عبارت سے تفصیل سمجھ میں آرہی ہے کہ بہ صورت انزال افطار ہوتا ہے ورنہ نہیں، ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ (۲۰۳۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: پہلی عبارت کا تعلق ماقبل سے ہے وہ یہ ہے: أو جامع فیما دون الفرج

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳۸-۳۴۱، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسدہ، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۳۱، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسدہ، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳۸-۳۳۹، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسدہ، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

ولم ینزل یعني في غیر السّبیلین کسُرّة وفخذ وکذا الاستمناء بالکفّ وإن کره تحریمًا[(١)]
اوپر کی قید ولم ینزل سے معلوم ہوا کہ وکذا الاستمناء بالکفّ میں بھی عدم انزال کی قید ہے؛ چنانچہ علامہ شامی نے اس موقع پر لکھا ہے: قوله: (وکذا الاستمناء بالکفّ) أي في کونهٖ لا یفسد لکن هٰذا إذا لم ینزل أمّا إذا أنزل فعلیه القضاء کما سیصرح به وهو المختار کما یأتي[(١)] اس سے تطبیق بھی ہوگئی اور مسئلہ مفتی بہ بھی معلوم ہوگیا کہ استمناء میں انزال سے روزہ افطار ہوتا ہے اور صرف قضا لازم آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۲۲-۴۲۳)

بوس وکنار کی وجہ سے انزال ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١۴٧) ایک شخص نے ماہ رمضان میں دن کو اپنی زوجہ سے بوس وکنار کیا جس سے انزال ہوگیا، اس صورت میں اس پر قضا واجب ہے یا کفارہ بھی؟ (٢٨٧٩/١٣۴٠ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف قضا اس روزے کی لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے[(٢)] فقط (٦/۴١٧)

سوال: (١۴٨) ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا، عضوتناسل کو اس کے پیٹ پر رکھ کر رگڑا دیا، اس وجہ سے انزال ہوگیا، بلا ارادہ ایسا ہوگیا تو اس صورت میں قضا مع کفارہ ہے یا بلا کفارہ؟ (١٣٠٩/١٣٣۵ھ)

الجواب: اس صورت میں صرف قضا اس روزے کی لازم آوے گی کفارہ لازم نہ ہوگا۔

---

(١) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٣١، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

(٢) أو قبّل ولو قبلة فاحشة إلخ أو لمس ولو بحائل لا یمنع الحرارة أو استمنی بکفّهٖ أو بمباشرة فاحشة ولو بین المرأتین فأنزل إلخ قضٰی في الصّور کلّها فقط (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٣٨-٣۴١، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ)

مگر اسی کے ساتھ رمضان کا احترام ضروری ہے، وہ اس کے بعد دن میں کچھ کھائے پئے نہیں۔ ظفیر

كذا في الدّرّ المختار والشّامي وغيره[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٤١٩-٤٢٠)

بیوی کے ساتھ لپٹنے سے انزال ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٤٩) ایک شخص نے ماہِ رمضان میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے لپٹنا شروع کیا، اور کچھ دیر تک لپٹتا رہا، چند منٹ بعد اس کو انزال ہوگیا، آیا اس پر اس روزے کا کفارہ لازم ہے یا محض قضا؟ (١٨٧٢/ ١٣٣٦ھ)

الجواب: اس صورت میں محض قضا اس روزے کی لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔ كذا في الدّرّ المختار[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٤٢٠)

بیوی کے پاس صرف بیٹھنے سے انزال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٥٠) ایک شخص رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی زوجہ کے پاس بیٹھا، اور کمزوری کی وجہ سے اس کو انزال ہوگیا تو اس پر قضا ہے یا کفارہ آئے گا؟ (٢٥٣٣/ ١٣٤٢ھ)[3]

الجواب: اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں دن کے وقت اپنی زوجہ کے پاس بیٹھے، اور کمزوری کی وجہ سے اس کو انزال ہوجائے تو اس صورت میں قضا اس روزے کی لازم ہے؛ کفارہ واجب نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٤٢٤)

---

(١) أوْ وَطِيءَ امْرَأةً ميتةً إلخ أوْ فَخِذًا أوْ بَطْنًا أوْ قَبَّلَ ولَوْ قُبْلَةً فَاحِشَةً بِأنْ يُدَغْدِغَ أو يَمُصَّ شَفَتَيْهَا إلخ فأنزلَ إلخ قضَى في الصّور كلّها فقط (الدّرّ المختار) أي بدون كفّارة (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/ ٣٣٨-٣٤١، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفیر

(٢) أوْ قَبَّلَ ولَوْ قُبْلَةً فَاحِشَةً بِأنْ يُدَغْدِغَ أو يَمُصَّ شَفَتَيْهَا أو لَمَسَ ولو بِحَائلٍ لا يَمنعُ الحَرَارةَ أو اسْتَمْنى بِكفّهِ أو بمباشرةٍ فاحشةٍ ولو بين المرأتينِ فأنزلَ قيد للكلّ حتّى لو لم يُنْزِلْ لم يُفْطِرْ إلخ قضَى في الصّور كلّها فقط (الدّرّ المختار) أي بدون كفّارة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/ ٣٣٨-٣٤١، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفیر

(٣) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔ ١٢

مباشرتِ فاحشہ سے انزال ہوگیا پھر جماع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۱) روزۂ رمضان کی حالت میں کسی نے مباشرت فاحشہ کی جس سے انزال ہوگیا، بعدازاں گھنٹہ دو گھنٹہ بعد جماع کیا، یا کھانا وغیرہ کھایا ایسی حالت میں کفارہ اس کے ذمے ہوگا یا نہیں؟ (۲۱۱۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مباشرت فاحشہ کے ساتھ اگر انزال ہوجاوے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کے بعد کھانا کھانے اور جماع کرنے سے کفارہ لازم نہ آئے گا۔ قال في الدّرّ المختار: أو لمس ولو بحائل لایمنع الحرارة أو استمنیٰ بکفهٖ أو بمباشرة فاحشة ...... فأنزل إلخ ، قضیٰ إلخ [۱]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۷-۴۳۸)

وضاحت: اگر صرف مرد کو مباشرت فاحشہ میں انزال ہوا تو صرف اُسی کا روزہ فاسد ہوگا عورت کا نہیں، اور اگر اُسے بھی انزال ہوا تو اس کا بھی روزہ فاسد ہوگا، اور مرد نے اس طرح فاسد ہونے کے بعد اگر بیوی سے جماع کیا تو اس پر تو کفارہ نہیں ہے؛ لیکن اس کی بیوی بہ خوشی جماع پر آمادہ ہوئی ہے تو اس پر کفارہ بھی ہوگا؛ بہ شرطیکہ پہلے اس کا روزہ فاسد نہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

روزے کی حالت میں کنکری نگلی یا کھانا کھایا یا جماع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۲) زید نے روزہ رکھا پھر دن کو ایک کنکری نگلی، یا بیوی سے جماع کیا، یا کھانا کھایا تو کیا حکم ہے؟ (۲۱۹۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں زید کے ذمہ صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں ہے۔ فقط (۶/۴۱۹)

---

(۱) أوْ قَبَّلَ ولَوْ قُبْلَةً فَاحِشَةً بِأنْ یُدَغْدِغَ أو یَمُصَّ شَفَتَیْهَا أو لَمَسَ ولو بِحَائلٍ لا یَمنعُ الحَرَارةَ أو اسْتَمْنی بِکفّهٖ أو بمباشرةٍ فاحشةٍ ولو بین المرأتینِ فأنزلَ قید للکلّ حتّی لو لم یُنْزِلْ لم یُفْطِرْ إلخ قضیٰ في الصّور کلّها فقط (الدّرّ المختار) أي بدون کفّارة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۳۸-۳۴۱، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ) ظفیر

وضاحت: کنکر نگلنے کی صورت میں تو یہی جواب ہے۔ أَوْ ابْتَلَعَ حَصَاةً وَنَحْوَهَا مِمَّا لَا يَأْكُلُهُ الإِنْسَانُ أَوْ يَعَافُهُ أَوْ يَسْتَقْذِرُهُ إلخ قضٰى في الصّور كلّها فقط. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٣٦-٣٤١، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ)

اور اگر عمداً جماع کیا یا کھایا پیا، تو کفارہ بھی واجب ہے، بہ شرطیکہ رمضان میں ایسا کیا ورنہ نہیں۔ وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّفُ آدميًّا مُشْتَهًى في رَمَضَانَ أدَاء ...... أو جُومِعَ أو تَوَارت الحَشَفَةُ في أحَدِ السّبيلَين أنْزَلَ أوْلَا أوأكل أوشرب غذاء إلخ عمدًا إلخ قضٰى في الصّور كلّها وكفر (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٤٤-٣٤٦، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي)

البتہ غیر رمضان تھا تو صرف قضا ہے کفارہ نہیں، یا یہ صورت ہوئی کہ رمضان میں پہلے کنکر نگل لی پھر اس کے بعد جماع کیا اور کھایا تو بھی صرف قضا واجب ہے۔ ظفیر

سحری کھانے کے بعد صبح صادق کا علم ہو گیا پھر بیوی سے صحبت کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۳) ایک شخص نے رمضان میں بعد فارغ ہونے کھانے سحری کے؛ ایسے وقت اپنی بیوی سے صحبت کی کہ جو اس کو علم میں ہو گیا تھا کہ صبح صادق ہو گئی تھی، اور پھر اس نے روزہ بھی رکھ لیا، اور وہ اس کو بہتر سمجھتا ہے، اس صورت میں قضا آوے گی یا کفارہ؟ (۱۳۳۹/۲۶۹۵ھ)

الجواب: اس صورت میں اگر بعد میں ظاہر ہوا کہ واقعی صبح صادق ہو گئی تھی تو قضا اس روزہ کی اس شخص کے ذمہ لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہوا۔ قال في الدّرّ المختار: أو تسحّر أو أفطر يظنّ اليوم إلخ ليلًا إلخ ، قال في الشّامي: قوله: (ليلًا) ليس بقيد لأنّه لو ظنّ الطّلوع وأكل مع ذلك ثمّ تبيّن صحّة ظنّه فعليه القضاء ولا كفّارة إلخ[1] لیکن یہ فعل اس کا جائز نہ تھا کہ باوجود

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٣٩، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.

علم کے صبح صادق ہوجانے کے ایسا کیا، اور اس کو اچھا سمجھنا خطا اور جہل کی علامت ہے، اور معصیت ہے اس سے توبہ کرے اور آئندہ ایسا نہ کرے۔ و لیس لہ أن یأکل لأنّ غلبة الظّنّ کالیقین [1] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۴۴-۴۴۵)

وضاحت: سحری کھانے کے بعد صبح صادق کا علم ہوگیا یعنی ظن غالب ہوگیا پھر اپنی بیوی سے صحبت کی تو صرف قضاء لازم ہے کفارہ واجب نہیں جیسا کہ حضرت مجیب قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے، لیکن سحری کھانے کے بعد صبح صادق کا یقین ہوگیا جیسا کہ لفظ علم سے ظاہر ہے، پھر اپنی بیوی سے صحبت کی تو قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، نیز اس سوال کے جواب کے آخر میں ہے کہ صبح صادق کا علم ہوجانے کے بعد صحبت کرنا اور اس کو اچھا سمجھنا خطا اور جہل کی بات ہے اور معصیت ہے؛ یہ صحیح ہے؛ لیکن سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص مذکور صورتِ مسئولہ میں صحبت کو بہتر نہیں سمجھتا ہے، بلکہ صحبت کے بعد روزہ رکھنے کو یعنی صحبت کے بعد پورے دن کھانے پینے سے رُکا رہنے کو بہتر اور اچھا سمجھتا ہے، کیوں کہ سوال میں ہے ''اور پھر اس نے روزہ رکھ لیا ہے، اور وہ اس کو بہتر سمجھتا ہے'' اگر ایسا ہے تو پھر اس کو بہتر سمجھنا خطا اور جہل و معصیت نہیں ہے، بلکہ شریعت کا یہی حکم ہے، کیوں کہ رمضان شریف میں روزہ فاسد ہوجانے کے بعد بھی رمضان المبارک کے احترام میں کھانا پینا ممنوع ہے جیسا کہ مسافر جب مقیم ہوجائے، یا حائضہ عورت جب پاک ہوجائے تو بقیہ دن رمضان المبارک کے احترام میں کھانا پینا ممنوع ہے۔ محمد امین پالن پوری

قسم میں حانث ہونے کا روزہ قصداً توڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۴) إنّ رجلاً کان صائمًا لأجل الحنث في الیمین، فتحقّق ناقض الصّوم بالقصد والاختیار؛ أیجب علیه القضاء والکفّارة معًا أم القضاء فقط ؟ (۱۰۱۹/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یجب علیه قضاء الصّوم الّذي أفسده لأنّه أفسد الصّوم الواجب، وقد قال في الدّرّ المختار: أو أفسد غیر صوم رمضان إلخ قضٰی إلخ [2] وکفّارة الیمین أیضًا

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳۹-۳۴۱، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في حکم الاستمناء بالکفّ.

واجبة عليه ﴿لأنّ التّتابع شرط في صيام كفّارة اليمين ولم يوجد فبقيت الكفّارة واجبةً عليه﴾[1] كذا في الدّرّ المختار[2] فقط (۴۲۳/۶-۴۲۴)

ترجمہ سوال: (۱۵۴) ایک شخص قسم توڑنے کی وجہ سے روزے سے تھا، پھر قصداً ناقض صوم پیش آیا؛ تو کیا اس پر قضا اور کفارہ ایک ساتھ واجب ہیں یا صرف قضا؟

الجواب: اس پر اس روزے کی قضا واجب ہے جس کو اس نے توڑا ہے؛ اس لیے کہ اس نے واجب روزے کو توڑا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے: أو أفسد إلخ، اور یمین کا کفارہ بھی اس پر واجب ہے، اس لیے کہ کفارہ یمین میں لگاتار روزے رکھنا شرط ہے اور وہ پایا نہیں گیا تو کفارہ اس پر واجب باقی رہا، ایسا ہی درمختار میں ہے۔ فقط

رمضان کا قضا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں آتا ہے

سوال: (۱۵۵) زید کے ذمہ رمضان شریف کا روزہ تھا، اس نے شوال میں وہ روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا آوے گی یا کفارہ ساٹھ روزوں کا آوے گا؟ (۶۰/۷-۱۳۳۸ھ)

الجواب: قضائے رمضان کے روزے کے توڑنے سے کفارہ نہیں آتا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۱/۴-۴۳۲)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وعليه كفّارة يمين إن أفطر لحنثه وإن نواهما أو نوى اليمين بلا نفي النّذر كان في الصّورتين نذرًا ويمينًا حتّٰى لو أفطر يجب القضاء لنذر والكفّارة لليمين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۷۴/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في الكلام على النّذر)

(۳) وإنْ جَامَعَ إلخ في رمضان أداءً لما مرّ (الدّرّ المختار) أي من أنّ الكفّارة إنّما وجبت لهتك حرمة شهر رمضان فلا تجب بإفساد قضائه ولا بإفساد صوم غيره. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۴۴/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفیر

قصداً روزہ توڑنے کے بعد اسی دن بیماری لاحق ہوگئی یا حیض آ گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۶) جو شخص قصداً روزہ توڑے پھر بیمار ہوجاوے، یا عورت حائضہ ہوجاوے تو ان کو کفارہ دینا ہوگا یا نہیں؟ (۴۵۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کفارہ ساقط ہوجاتا ہے۔ ولم يطرأ مسقط كمرض إلخ(1) (الدّرّ المختار) (۴۲۸/۶)

۲۹ شعبان کو چاند نظر نہیں آیا بعد میں محقق ہوگیا تو قضا ضروری ہے

سوال: (۱۵۷) ۲۹ شعبان یوم جمعہ کو ضلع بھاگلپور کے قرب وجوار میں چاند نہیں ہوا، اورانہوں نے روزہ نہیں رکھا تو ان پر شنبہ کے روزہ کی قضا لازم ہے یا نہیں؟ (۲۱۱۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: شنبہ کا روزہ ہونا محقق ہوگیا ہے، پس جن لوگوں نے شنبہ کا روزہ نہیں رکھا ان کو اس روزہ کی قضا کرنی پڑے گی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۱/۶)

---

(۱) وإنّمايكفّر إن نوى ليلاً ولم يكن مكرهاولم يطرأ مسقط كمرض وحيض (الدّرّالمختار) قوله: (ولم يطرأ) أي بعد إفطاره عمدًا مقيمًا ناويًا ليلًا فتجب الكفّارة لولا المسقطُ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده ، مطلب في الكفّارة)

(۲) جب رمضان ہونا ثابت ہوگیا اور اُس نے روزہ نہیں رکھا تو اس کی قضا بہرحال فرض ہے؛ چنانچہ یوم شک کے روزے کے سلسلہ میں صراحت ہے۔ وإلّا بأن ظهرت فَعَنْهُ (الدّرّ المختار) أي عن رمضان. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۱۰، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں

رمضان میں قصداً روزہ توڑنے سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں

سوال: (۱۵۸) یہ جو فقہ کی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ رمضان شریف میں بلا عذر شرعی قصداً روزہ توڑنے سے قضا اور کفارہ واجب ہے؛ آیا قضا و کفارہ مجموعہ اکسٹھ روزے رکھے یا کفارہ و قضا ایک ساتھ صرف ساٹھ روزے رکھنے سے دونوں ادا ہو جاویں گے؟ (۲۵۴۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: رمضان شریف کا روزہ قصداً توڑنے سے کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوتے ہیں؛ یعنی ایک روزہ قضا کا اور ساٹھ روزے کفارہ کے واجب ہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے: **وإن جامع ...... في رمضان إلخ، أو أكل أو شرب غذاءً ......أو دواءً ......عمدًا إلخ، قضٰى......و كفّر إلخ**[1] اور شامی میں ہے: **وإنّما قدّم القضاء إشعارًا بأنّه ينبغي أن يقدّمه على الكفّارة إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۲۹)

نومسلم نے افشاءِ راز کی خاطر روزہ توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۹) ایک ہندو باطن میں اسلام لے آیا؛ چنانچہ روزۂ رمضان شریف بھی رکھا، بعدہ

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.

افشاءِ راز کی وجہ سے روزہ توڑ دیا، پھر کھلم کھلا مسلم ہوگیا تو کیا اس پر کفارہ لازم آئے گا؟
(۱۳۴۵-۴۴/۱۲۱۳ھ)

الجواب: جب کہ وہ شخص مسلمان ہوگیا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا، اور تمام احکامِ اسلام کو قبول کرلیا تو وہ عنداللہ مسلمان ہوگیا؛ اگرچہ لوگوں پر اس کا اسلام ظاہر نہ ہوا، پس اگر روزۂ رمضان شریف رکھ کر اُس نے توڑ ڈالا تو کفّارہ اس پر لازم آئے گا(۱) فقط (۶/۴۲۵)

رمضان کی ۳۰ تاریخ کوظہر کے بعد چاند دیکھ کر روزہ توڑ دیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے

سوال: (۱۶۰) تیسویں رمضان کو ظہر کے بعد چاند دیکھے تو روزہ توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اس پر قضا یا کفارہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر قبل الزوال چاند دیکھے تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۸/۱۶۸۴ھ)

الجواب: وہ چاند اگلی رات کا ہے، لہٰذا روزہ توڑنا درست نہیں ہے، اور قضا اور کفارہ اس پر واجب ہے، بعد الزوال تو بہ اتفاق ائمۂ ثلاثہ قضا وکفارہ واجب ہے، اور قبل الزوال چاند دیکھنے میں امام اعظم اور امام محمد قضا وکفارہ واجب فرماتے ہیں، اور یہی مختار ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک وہ چاند جو قبل الزوال دیکھا جاوے گزشتہ شب کا ہے اور افطار کرنا روزہ کا لازم ہے، لیکن اوپر معلوم ہوا کہ مختار ومفتی بہ قول امام اعظم وامام محمد کا ہے، شامی میں بعد نقل اختلاف فرمایا: والمختار قولهما(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۴-۴۳۵)

---

(۱) إذا أكل متعمّدًا ما يتغذّى به أو يتداوى به يلزمه الكفّارة إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۵، كتاب الصّوم، الباب الرّابع فيما يفسد وما لا يفسد، النّوع الثّاني: ما يوجب القضاء والكفّارة)

(۲) رؤيته بالنّهار لليلة الآتية مطلقًا على المذهب ذكره الحداديّ (الدّرّ المختار) أي سواء رئي قبل الزّوال أو بعده وقوله "على المذهب" أي الّذي هو قول أبي حنيفة ومحمّد قال في البدائع فلا يكون ذٰلك اليوم من رمضان عندهما، وقال أبو يوسف: إن كان بعد الزّوال فكذٰلك وإن كان قبله فهو للّيلة الماضية، ويكون اليوم من رمضان إلخ، والمختار قولهما. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۲-۳۲۴، كتاب الصّوم، مطلب في رؤية الهلال نهارًا) ظفير

رمضان کی ۳۰ تاریخ کو غروب سے کچھ پہلے چاند دیکھ کر روزہ توڑ دیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے

سوال: (۱۶۱) اگر رمضان شریف کی تیسویں تاریخ کو زوال کے بعد کچھ دن رہے کسی نے چاند دیکھا، اور یہ خیال کر کے کہ جب چاند ہو گیا تو رمضان نہیں ہے، روزہ توڑ ڈالا تو اس نے صحیح و درست کیا؛ یا اس پر قضا و کفارہ بھی لازم ہے؟ (۱۸۶۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (از جائے دیگر) صورت مسئولہ میں ایک مجیب نے جواب لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ چاند لیل مستقبلہ کا ہے، اور روزہ افطار کرنے کو موجب قضا قرار دیا ہے؛ نہ موجب کفارہ، اور صورت مسئولہ کو اس پر قیاس کیا ہے: إذا تسحّر علٰی یقین أنّ الفجر لم یطلع أو أفطر علی یقین أنّ الشّمس قد غربت إلخ[1] پس اس پر حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

الجواب: (از حضرت مفتی صاحب) أقول وباللّٰه التّوفیق: و رؤیته بالنّهار للیّلة الآتیة مطلقًا إلخ (الدّرّ المختار) أي سواء رئي قبل الزّوال أوبعدهٗ، وقوله ''علی المذهب'' أي الّذي هو قول أبي حنیفة ومحمّد إلخ، وقال أبو یوسف: إن کان بعد الزّوال فکذٰلك، وإن کان قبله فهو للیّلة الماضیة ـــــ إلٰی أن قال: ـــــ والمختار قولهما إلخ[2] (شامي) اس عبارت سے واضح ہوا کہ بعد الزوال اگر تیس تاریخ کے دن کو چاند نظر آیا تو بہ اتفاق ائمہ ثلاثہ وہ شب آئندہ کا ہے، شب گزشتہ کا نہیں ہے، پس وہ دن بہ اتفاق رمضان شریف کا دن ہے، لہٰذا دن کو افطار کرنے سے قضا و کفارہ دونوں بہ اتفاق لازم ہوں گے؛ کیوں کہ بعد الزوال میں شبہ اختلاف کا بھی نہیں ہے، اور یہ جہل اس [مفطر][3] کا مسئلہ سے سبب سقوطِ کفارہ کا نہ ہوگا، اور قیاس اس کا مسئلہ إذا تسحّر علٰی یقین أنّ الفجر لم یطلع أو أفطر علی یقین أنّ الشّمس قد غربت إلخ[1] پر

---

(۱) الفتاوی الخانیة مع الفتاوی الهندیة: ۲۱۴/۳، کتاب الصّوم، الفصل السّادس فیما یفسد الصّوم.

(۲) الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲۲-۳۲۳، کتاب الصّوم، مطلب في رؤیة الهلال نهارًا.

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں [مفطر] کی جگہ ''مضطر'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس مسئلہ میں غروب کا یقین ہے، اور یہاں عدم غروب کا یقین ہے۔ فأین هذا من ذاك. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۳۵-۴۳۶)

رمضان کی ۳۰ تاریخ کو چاند دیکھ کر روزہ توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۶۲) اگر در نہار رؤیت شود، روزہ افطار باید کرد یا نہ؟ وبر مفطران قضا لازم آید یا کفارہ؟ (۵۴۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: رؤیت ہلال در نہار معتبر نیست، آں ہلال شب آئندہ است نہ شب گزشتہ، پس افطار براں جائز نیست، قضا بر مفطران لازم است وکفارہ لازم نیست، بہ سبب شبہۃ الاختلاف[1] (۶/۳۶۱)

ترجمہ سوال: (۱۶۲) اگر دن میں رؤیت ہوجائے تو روزہ توڑ دینا چاہیے یا نہ؟ اور روزہ توڑنے والوں پر قضاء لازم آئے گی یا کفارہ؟

الجواب: دن میں رؤیت ہلال معتبر نہیں ہے، یہ آئندہ رات کا چاند ہے نہ گزشتہ رات کا، پس ان کے لیے روزہ توڑنا جائز نہیں ہے، روزہ توڑنے والوں پر قضاء لازم ہے اور کفارہ لازم نہیں ہے شبہۂ اختلاف کی وجہ سے۔ فقط

وضاحت: اس جواب میں اور سابقہ جوابوں میں بہ ظاہر تعارض ہے، اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ سابقہ جوابات میں زوال کے بعد چاند دیکھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور اس جواب میں زوال سے پہلے چاند دیکھنے کا حکم مذکور ہے اور قرینہ ''بہ سبب شبہۃ الاختلاف'' ہے کیوں کہ زوال سے پہلے چاند دیکھنے میں اختلاف ہے، زوال کے بعد دیکھنے میں کوئی اختلاف نہیں، بالاتفاق وہ چاند آئندہ شب کا ہے۔ فقط محمد امین پالن پوری

(۱) و رؤيته بالنّهار لليّلة الآتية مطلقًا على المذهب (الدّرّ المختار) أي سواء رئي قبل الزّوال أو بعده إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲۲/۳، كتاب الصّوم، مطلب في رؤية الهلال نهارًا) ظفیر

روزے کی حالت میں بزرگ کا تھوک چاٹ لینے سے قضاء وکفارہ دونوں لازم ہوں گے

سوال: (۱۶۳) اگر کوئی شخص روزہ میں کسی بزرگ کا تھوک تبرکاً چاٹ لے تو روزہ ٹوٹ جاوے گا یا نہیں؟ اور اس پر قضا لازم آوے گی یا نہیں؟ (۴۴۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: روزہ ٹوٹ جاوے گا، اور قضا اور کفارہ اس پر لازم ہوگا۔ كما في الشّامي: ولو بزاقُ حبيبِه أو صديقِه وجبت كما ذكره الحلوانيُّ لأنّه لا يعافُهُ، إلخ [(۱)] (الدّرّ المختار: جلد ثاني، كتاب الصّوم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۲-۴۳۳)

روزے کی حالت میں جان بوجھ کر کچا گوشت یا چاول کھانے سے قضاء اور کفارہ لازم ہے

سوال: (۱۶۴) ایک شخص نے روزہ کی حالت میں عمداً لحم خام یا چاول کھائے؛ اس شخص پر قضا ہے یا کفارہ؟ (۱۳۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عمداً کچا گوشت اور چاول کھانے سے قضا وکفارہ لازم ہے۔ ولٰكن يُشكل على ذٰلك وجوبُ الكفّارة بأكل اللّحم النّيئ ولو من ميتة إلّا إذا أنتن ودوّد فإنّي لم أر مَن ذكر فيه خلافًا مع أنّه أشدّ عيافةً من اللّقمة المخرّجة إلخ [(۱)] (ردّ المحتار) ثمّ أجاب عن الإشكال [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۴۱-۴۴۲)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۳۴۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.

(۲) اللّٰهمّ إلّا أن يقال: اللحم في ذاته ممّا يقصد به التغذّي وصلاح البدن بخلاف اللقمة المذكورة والعجين، وبخلاف ما إذا دوّد؛ لأنّه يؤذي البدن فلايحصل به صلاحه هذا ما ظهر لي في تحرير هذا المحل والله تعالٰى أعلم (حوالہ سابقہ)

شدّتِ پیاس میں پانی پی لیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٦۵) ہندہ کو رمضان میں پیچش ہو رہی تھی، سویّاں توڑتی تھی، اس کو روزے میں پیاس شدت کی لگی تو پانی پی لیا، ہندہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ رمضان کے روزے توڑنے سے کفارہ ساٹھ روزے لگاتار رکھنے پڑتے ہیں، اب ہندہ ایک روزہ رکھے یا کفارہ واجب ہے؟ (۲۰٦/ ١٣٣٨ھ)

الجواب: اگر ہندہ روزہ رکھ سکتی تھی اور مرض ایسا نہ تھا کہ جس میں روزہ نہ رکھ سکے، اور اس نے عمداً روزہ یاد ہوتے ہوئے پانی پی لیا تو اس کے ذمے قضا اور کفارہ لازم ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴٣١)

صبح صادق کے وقت دودھ پی کر روزہ رکھا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٦٦) اگر کوئی شخص صبح صادق کے وقت دودھ پی کر روزہ رکھے، اس پر اسی روزہ کی قضا واجب ہے یا کہ اس کے عوض ساٹھ روزہ رکھنا اس پر واجب ہوگا؟ (۲۲٣٦/ ١٣٣۷ھ)

الجواب: اگر رمضان شریف کا روزہ ہے، اور صبح صادق کا ہوجانا اس کو معلوم ہے اور پھر دودھ پیا ہے تب تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں[1] اور اگر اس کو صبح صادق کا ہونا معلوم نہ تھا اس نے یہ سمجھ کر دودھ پیا اور سحری کھائی کہ ابھی صبح نہیں ہوئی تو صرف قضا اس پر لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴٣٨-۴٣٩)

---

(١) وإنْ جَامَعَ إلخ أوْ أكَلَ أوْ شَرِبَ غِذَاءً إلخ أو دواءً إلخ عَمدًا إلخ قضٰى في الصّور كلّها وكفّر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/ ٣۴۴-٣۴٦، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي)ظفیر

(٢) أو شرب نائمًا أو تسحرّ أو جامع علٰى ظنّ عدم الفجر إلخ قضٰى في الصّور كلّها فقط (الدّرّ المختار) أي بدون كفّارة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/ ٣٣۴-٣۴١، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ)ظفیر

شرم گاہ کے دخول سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: (۱۶۷)......(الف) دخول سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟
(ب) اگر دخول کیا اور منی نہیں آئی تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۹/۲۲۷۶ھ)

الجواب: (الف) ٹوٹ جاتا ہے اور کفارہ لازم آتا ہے دخولِ فرج سے [1]
(ب) دخول في أحدِ السّبيلين میں منی آوے یا نہ آوے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ لازم ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۱۶-۴۱۷)

روزے دار نے کپڑا لپیٹ کر جماع کیا اور کپڑا پھٹ گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۶۸) إنّ رجلاً جامع مع امرأتہٖ في نہار رمضان؛ وكان الثّوب الغليظ مطويًّا علٰى ذكرہٖ فانخرق الثّوب، وكان الذّكر في فرج امرتہٖ، فخرج الذّكر من الثّوب وصار في فرجها بلا ثوب، وعلم ذٰلك لهما بعد ساعة فلم يزالا بعد علمهما بہٖ في المجامعة حتّٰى (فرغا) [2] أعليهما الكفّارة أم لا؟ (۱۳۳۸/۳۵۷ھ)

الجواب: تجب الكفّارة أيضًا في هٰذه الصّورة، كما في الدّرّ المختار: وإن جامع المكلّف آدميًّا مشتهًى في رمضان أداءً لما مرّ أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين أنزل أو لا إلخ قضٰى ...... وكفّر إلخ [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۰)

---

(۱) وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّفُ آدْمِيًّا مُشْتَهًى في رَمَضَانَ أدَاءً ...... أو جُومعَ أو تَوَارت الحَشَفَةُ في أحَدِ السّبيلَين أنْزَلَ أوْ لَا إلخ قضٰى إلخ وكفّر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۶ كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (فرغا) کی جگہ ''افترقا'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.

ترجمہ سوال: (۱٦۸) ایک شخص نے رمضان میں دن میں اپنی بیوی سے جماع کیا اور دبیز کپڑا اس کے آلہ پر لپٹا ہوا تھا کہ کپڑا پھٹ گیا اور آلۂ تناسل اس کی بیوی کی شرم گاہ میں تھا، پس آلۂ تناسل کپڑے سے نکل گیا اور بغیر کپڑے کے بیوی کی شرم گاہ میں رہا، اور اس کا علم ان دونوں کو کچھ وقفے کے بعد ہوا، اور یہ سب جاننے کے باوجود وہ دونوں برابر مجامعت کرتے رہے یہاں تک کہ فارغ ہوگئے، آیا ان دونوں پر کفارہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں کفارہ بھی واجب ہوگا، جیسا کہ درمختار میں ہے: **وإن جامع المكلّف آدميًا مشتهًى في رمضان إلخ.** فقط واللہ اعلم

روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کی اور انزال نہیں ہوا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱٦۹) ایک شخص نے روزہ کی حالت میں دن کو اپنی بیوی سے مباشرت کی، مگر انزال نہیں ہوا، اس حالت میں کفارہ واجب ہوا یا کیا؟ (۱۳۸۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر دخول ہوا قضا وکفارہ لازم ہے انزال ہو یا نہ ہو؟ **كما في الدّرّ المختار: وإن جامع إلخ أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين أنزل أو لا إلخ ، قضٰى ...... وكفّر إلخ** [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۳۷)

روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کی یا مشت زنی کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۰) جو شخص رمضان المبارک میں روزہ سے ہو اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ اپنی بی بی سے صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے؛ اس نے صحبت کرلی، یا ہاتھ سے منی نکال دی؛ دونوں صورتوں میں کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟ اور بہتر روزہ رکھنا ہے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا؟ (۱۳۳۹/۱۳۳۰ھ)

الجواب: پہلی صورت میں کفارہ لازم ہے [1] اور دوسری صورت میں یعنی **استمناء بالكفّ**

(۱) حوالۂ سابقہ ۱۲

میں کفارہ نہیں ہے صرف قضا اس روزہ کی لازم ہے[1] اور کفارہ میں اگر غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ ہو کما في هٰذه البلاد تو دو ماہ کے روزے پے در پے رکھنا چاہیے، إطعام ستّين مسكينًا (ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے) سے دو ماہ کے روزے مقدم ہیں، اور جب روزوں کی طاقت نہ ہو تو اس وقت ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا کی یا ہر ایک کو بہ قدر فطرہ کے غلہ یا اس کی قیمت دینے کی اجازت ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۹-۴۴۰)

رمضان کے دن میں بیوی سے صحبت کرنے کا کفارہ کیا ہے؟ اور رات میں بیوی سے کب سے کب تک صحبت کرسکتا ہے؟

سوال: (۱۷۱) رمضان میں خاوند اپنی بیوی کے پاس دن میں اگر جاوے تو کس قدر گناہ اور کیا کفارہ ہے؟ اور رات کے وقت وہ کب سے کب تک اپنی بیوی کے پاس جاسکتا ہے؟ اور کس وقت اس کو پاک صاف ہوجانا چاہیے؟ (۱۸۹۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: دن میں اپنی زوجہ سے صحبت کرنا گنہ کبیرہ ہے اور اس میں کفارہ مع قضا کے واجب ہے، اور کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے، وہ نہ ہوسکے تو ساٹھ روزے متواتر رکھے، وہ نہ ہوسکے تو ساٹھ مساکین کو دونوں وقت کھانا کھلاوے[3] اور رات میں بعد غروب آفتاب کے صبح صادق سے

---

(۱) وكذا الاستمناء بالكفّ (الدّرّ المختار) أي في كونه لا يفسد لكن هٰذا إذا لم ينزل أمّا إذا أنزل فعليه القضاء. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۳۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفير

أو استمنٰى بكفّه إلخ فأنزل قضٰى في الصّور كلّها فقط. (ردّ المحتار: ۳/۳۳۸-۳۴۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفير

(۲) وكفّر إلخ ككفّارة المظاهر (الدّرّ المختار) أي مثلها في التّرتيب فيعتق أوّلاً، فإن لم يجد صامَ شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستّين مسكينًا إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۶-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في الكفّارة) ظفير

(۳) وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّف آدميًا مشتهًى في رمضان (أي نهارًا، ردّ المحتار) ==

پہلے پہلے صحبت کرنا درست ہے[۱] اور غسل بعد صبح کے بھی کر سکتا ہے[۲] فقط واللہ اعلم (۶/۴۴۲)

غیر روزہ دار شوہر نے روزہ دار بیوی سے جماع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۲) ایک مرد بے روزہ ماہ رمضان میں اپنی بیوی روزہ دار سے اس گمان پر کہ شاید روزہ سے نہیں ہے صحبت کرتا ہے، بیوی نے سمجھا کہ میرا روزہ مرد کو معلوم ہے، اور شاید روزہ میں مباشرت جائز ہوگی، تاہم مرد سے دریافت کیا مرد فوراً علیحدہ ہوگیا؛ اب کفارہ کس کے ذمہ ہے؟ (۱۳۴۲/۳۱۲۴ھ)

الجواب: اس صورت میں اگر دخول ہوگیا ہے تو کفارہ عورت پر لازم ہے۔ وإن جامع إلخ ، أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين إلخ قضٰی...... و كفّر إلخ[۳] اور اگر ایک دفعہ ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا نہیں کھلا سکتا تو یہ درست ہے کہ ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلاتا رہے، یا روزانہ اس کو قیمت نصف صاع گندم کی دیتا رہے، یا ساٹھ مسکینوں کو اس طرح قیمت تقسیم کرے کہ ہر ایک مسکین کو ایک فطرہ کی قیمت یعنی نصف صاع گندم پونے دو سیر کی قیمت دیوے[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۷)

== قضٰی إلخ و كفّر إلخ ككفّارة المظاهر (الدّرّ المختار) ...... أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين إلخ ، أي مثلها في التّرتيب ويعتق أوّلاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستّين مسكينًا إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفیر

(۱) ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (إلٰى قوله تعالٰى) ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۷)

(۲) أَوْ أَصْبَحَ جُنُبًا إلخ لَمْ يُفْطِرْ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في حكم الاستمناء بالكفّ) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.

(۴) فإن عجز عن الصّوم لمرضٍ لا يرجٰى برؤه أو كِبَرٍ أطعم ...... ستّين مسكينًا كالفطرة قدرًا ومصرفًا أو قيمة ذٰلك ...... كما جاز لو أطعم واحدًا ستّين يومًا (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/۱۱۳-۱۱۴، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، لغز: أيّ حرّ ليس له كفّارة إلاّ بالصّوم)

لواطت سے کفارہ وقضا دونوں لازم آتے ہیں

سوال: (۱۷۳) زید نے ماہ رمضان المبارک میں کسی لڑکے سے لواطت کی؛ انزال بھی ہوگیا اب زید پر قضا رمضان شریف کے روزہ کی آوے گی یا کفارہ بھی آوے گا؟ (۱۸۴/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس صورت میں قضا وکفارہ دونوں لازم ہیں [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۲/۶)

لواطت میں حشفہ اگر غائب ہوجائے اور انزال نہ ہوتو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۴) اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں لواطت کی اور سرِ ذکر غائب ہوجاوے، لیکن انزال نہ ہو؛ تو رمضان شریف کے روزے کا کفارہ دینا واجب ہوگا یا نہیں؟ (۲۱۸۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: لواطت کرنے میں جب کہ حشفہ غائب ہوگیا، اگر چہ منی نہ نکلی یعنی انزال نہ ہوا، قضا اور کفارہ لازم ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وإنّ جامع المكلّف آدميًّا مشتهىً في رمضان أداءً لما مرّ أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين أنزل أولا إلخ قضٰى في الصّور كلّها وكفّر إلخ [1] (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۸/۶)

---

(۱) وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّف آدميًا مشتهى في رمضان أداءً ...... أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين أنزل أو لا إلخ عمدًا إلخ قضٰى في الصّور كلّها وكفّر (الدّرّ المختار) قوله: (في أحد السّبيلين) أي القبل أو الدّبر وهو الصّحيح في الدّبر، والمختار أنّه بالاتّفاق إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفیر

کفارۂ صوم کا بیان

روزے کا کفّارہ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: (۱۷۵) در کفارۂ صوم عتقِ رقبہ یا اطعام شصت مساکین یا دو ماہ پیاپے روزہ داشتن است ازیں ہر سہ حکم برتر ومحکم تر دو ماہ پیاپے روزہ داشتن امر افضل است، اگر چہ توانائی عتقِ رقبہ داشتہ باشد یا قوتِ اطعام شصت مساکین داشتہ باشد؟ (۱۲۰۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ایں ہر سہ امور در کفارہ ترتیب وار واجب اند، اوّل تحریر رقبہ اگر آں ممکن نباشد روزہ دو ماہ متواتر واجب است، اگر آں ہم متعسر باشد اطعام ستین مسکین لازم است، پس حاصلش آنکہ باوجود قدرتِ اعتاق صیام جائز نیست، وباوجود طاقت صیام اطعام جائز نیست۔ کما هو منصوص في النّصّ [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۴۷-۴۴۸)

---

(۱) وكـفّر إلخ ، ككفّارةِ المظاهرِ الثّابتة بالكتابِ ، وأمّا هٰذهِ فبِالسّنّةِ وَمِنْ ثَمَّ شَبّهُوهَا (الدّرّ المختار) قوله: (ككفّارةِ المظاهرِ) مُرْتَبِطٌ بقولهِ "وكفّرَ" أي مثلُها في التّرتيبِ فَيَعْتِقُ أوّلاً، فإن لم يجدْ صامَ شهرين متتابِعَينِ، فإن لَمْ يَسْتَطِعْ أَطْعَمَ ستّينَ مِسْكِينًا لحديثِ الأعرابيِّ المعروفِ في الكتبِ السّتّةِ إلخ ، ولا فَرْقَ في وجوبِ الكفّارةِ بينَ الذّكرِ والأُنْثٰى والحرّ والعبد والسّلطانِ وغيره إلخ، في التّشبيه إشارة إلٰى أنّه لايلزم كونها مثلهامن كلّ وجهٍ فإنّ المسيس في أثنائها يقطع التّتابع في كفّارة الظّهارِ مطلقًا عمدًا أو نسيانًا ليلاً أو نهارًا للآية بخلاف كفّارة الصّوم والقتل فيه، فإنّه لا يقطعه فيهما إلّا الفطر بعذر أو بغير عذر إلخ والحاصل أنّه لا يقطع التّتابع هنا الوطؤ ليلاً عمدًا أو نهارًا ناسيًا بخلاف كفّارة الظّهار (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۶-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في الكفّارة) ظفیر

ترجمہ سوال: (۱۷۵) روزے کے کفارے میں غلام آزاد کرنا، یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا یا دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنا ہے، ان تینوں حکم میں سے عمدہ اور محکم تر دو مہینے کے لگا تار روزے رکھنا امر افضل ہے؛ چاہے غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہو یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کی قوت رکھتا ہو۔

الجواب: کفارے میں یہ تینوں امور بالترتیب واجب ہیں، اوّل غلام آزاد کرنا، اگر یہ ممکن نہ ہو تو لگا تار دو مہینے کے روزے رکھنا واجب ہے، اگر یہ بھی دشوار ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا لازم ہے پس اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرنے کی قدرت ہونے کی صورت میں روزے رکھنا جائز نہیں، اور روزے رکھنے کی قدرت ہونے کے وقت کھانا کھلانا جائز نہیں۔ جیسا کہ نص میں صراحت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کفارہ میں روزوں کے بجائے کھانا کھلانا کب درست ہے؟

سوال: (۱۷۶) زید کے ذمے ایک کفارہ رمضان کا ہے، اور وہ دو ماہ کے روزے نہیں رکھ سکتا تو اگر زید دارالعلوم میں ایک طالب علم کے لیے ادنیٰ درجہ کی دو ماہ کی خوراک کی جو فیس ہے وہ بھیج دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ یا اگر زید کسی غریب کو تین پاؤ آٹا روزانہ دو ماہ تک دیوے اور لکڑی ترکاری کے لیے کچھ دیوے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ (۱۱۹۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: روزے میں تکلیف ہونے کی وجہ سے یہ درست نہیں ہے کہ روزہ کو چھوڑ کر اطعامِ مساکین کی طرف رجوع کرے کیوں کہ اس میں ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ﴾ کی قید ہے؛ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں طاقت ہی روزہ کی نہ ہو، یعنی بہ وجہ مرض لا علاج کے، یا بہ وجہ شیخ فانی ہونے کے، اس وقت اطعام درست ہے۔ **فإن عجز عن الصّوم لمرض لا یرجٰی برءہ أو کبر أطعم .... ستّین مسکینًا إلخ**(۱) پھر جب دو ماہ کے روزہ سے عاجز ہو بہ وجہ بڑھاپے یا مرض شدید لا علاج کے تو ساٹھ مسکینوں کو اطعام ضروری ہے، اس کی دو صورتیں ہیں کہ یا ہر ایک مسکین کو آدھا صاع گندم یعنی اسّی (۸۰) کے تول سے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہر ایک مسکین کو دیوے، یا ساٹھ مسکینوں کو

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۳/۵، کتاب الطّلاق، باب الکفّارۃ، لغز: أيّ حرّ لیس له کفّارۃ إلّا بالصّوم.

دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلاوے، پس تین پاؤ آٹا روزانہ کسی غریب کو دو ماہ تک دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، بلکہ پونے دو سیر آٹا یا گندم یا اس کی قیمت دینے سے ادا ہوگا، اسی طرح کسی طالب علم کو مجملاً روپیہ بھیج دینے سے کفارہ ادا نہ ہوگا، بلکہ یہ لکھا جاوے کہ ساٹھ آدمیوں کو ایک دن دونوں وقت یا ایک آدمی کو دو ماہ تک دونوں وقت پیٹ بھر کر بہ نیت کفارہ کھانا کھلایا جاوے، اور اس میں جو کچھ صرف ہو وہ مجھ سے لیا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۵۵-۴۵۶)

روزے کے کفارے میں پکا ہوا کھانا کھلانا اور کھانے میں بغیر سالن کے روٹیاں دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۷)...... (الف) کفارۂ صوم میں پکے ہوئے گندم دیے جائیں تو کس قدر؟

(ب) روٹیاں بغیر سالن دی جاسکتی ہیں یا نہ؟ (۲۲۷۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) پکا ہوا کھانا کھلانا بھی جائز ہے دو وقت پیٹ بھر کر کھلایا جاوے[2]

(ب) اگر بے سالن کے وہ لوگ پیٹ بھر لیں تو یہ بھی درست ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۶/۴۴۳-۴۴۴)

---

(۱) ولو حكمًا إلخ ، كالفطرة قَدْرًا و مَصْرِفًا إلخ و إن أراد والإباحة فغدّاهم و عشّاهم إلخ وأشبعهم إلخ كما جاز لو أطعمَ واحدًا ستّين يومًا إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (كالفطرة قَدْرًا) أي نصفُ صاع مِن برّ أوصاعٌ من تمر أوشعير إلخ. (الدّرّالمختار و ردّ المحتار: ۵/۱۱۳-۱۱۴، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، لغز: أيّ حرّ ليس له كفّارة إلاّ بالصّوم) ظفير

(۲) فَإنْ عَجزَ عن الصّومِ لمرض إلخ أطعم ...... ستّين مسكينًا ولو حكمًا إلخ كالفطرة قدرًا ومصرفًا أو قيمة ذٰلك من غير المنصوص إلخ وإن أراد الإباحة فَغَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ إلخ أَوْ أَطْعَمَهُمْ غَدَائَيْنِ أَوْ عَشَائَيْنِ إلخ وَأَشْبَعَهُمْ جَازَ بِشَرْطِ إدَامٍ في خُبْزِ شَعِيرٍ وذُرَّةٍ لَا بُرٍّ (الدّرّ المختار) وفي التّتارخانية : وَ الْمُسْتَحَبُّ أَنْ يُغَدِّيَهُمْ وَ يُعَشِّيَهُمْ بِخُبْزٍ مَعَهُ إدَام. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵/۱۱۳-۱۱۴، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة ، لغز: أيّ حرّ ليس له كفّارة إلاّ بالصّوم) ظفير

کفارے میں مساکین کو کھانا کھلانے کے بجائے نقد دینا درست ہے

سوال: (۱۷۸) زید کے ذمہ روزۂ رمضان کا کفارہ ہے؛ لیکن نہ وہ ساٹھ روزے پے در پے رکھ سکتا ہے اور نہ ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلا سکتا ہے؛ آیا اس صورت میں قیمت ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۷۹۳ھ)

الجواب: اگر ساٹھ مسکینوں کو نقد دے دیوے اس طرح کہ ہر ایک مسکین کو قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع جو کی دیوے تو کفارہ ادا ہو جاوے گا۔ کما في الدّرّ المختار: **فإن عجز عن الصّوم لمرض لا یرجٰی برء ہ أو کبرٍ أطعم ...... ستّین مسکینًا ...... کالفطرة قدرًا ومصرفًا أو قیمة ذٰلك إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۴۵)

کفارۂ صوم میں پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟

سوال: (۱۷۹) کفارۂ صوم میں اگر طاقت دو ماہ کے روزوں کی نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۲۹۳ھ)

الجواب: کفارۂ صوم میں اگر دو ماہ کے روزوں پے در پے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کھانا کھلاوے، یا ہر ایک مسکین کو ساٹھ میں سے بہ قدر فطرہ کے گندم وغیرہ یا اس کی قیمت دے دے، یہ بھی جائز ہے کہ ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلاتا رہے[2] فقط (۶/۴۵۸)

سوال: (۱۸۰) زید نے بہ ماہ رمضان روزہ کی حالت میں ایک عورت سے زنا کیا، اب وہ

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) **کفّارة الفطر وکفّارة الظّھار واحدة وھي عتق رقبة مؤمنة أو کافرة فإن لم یقدر علی العتق فعلیه صیام شھرین متتابعین، وإن لم یستطع فعلیه إطعامُ ستّینَ مسکینًا کلَّ مسکین صاعًا من تمر أوشعیر أونصفَ صاع من حنطة إلخ . (الفتاوی الھندیة: ۱/۲۱۵، کتاب الصّوم، المتفرّقات)** ظفیر

توبہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ متواتر ایک سال کے روزے کفارہ کے مجھ میں رکھنے کی طاقت نہیں، ہر مہینہ میں دو چار روزے رکھ لیا کروں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۶۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: رمضان شریف کے ایک روزے کے توڑنے کے کفارے میں دو مہینہ کے روزے متواتر رکھنے کا حکم ہے، پس اس کو چاہیے کہ ساٹھ روزے پے در پے رکھے، درمیان میں روزہ توڑنے سے کفارہ ادا نہیں ہوسکتا، اور جس میں روزوں کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۹/٦)

کفارۂ صوم میں تعدد فقراء یا تعدد ایام ضروری ہے اور فدیہ صوم میں نہیں

سوال: (۱۸۱) فدیۂ صوم میں اگر ایک ماہ یا کم وبیش ایک مسکین کو کھانا دیا جائے اور بقایا ایک ماہ یا کم وبیش کی قیمت اسی کو ایک دفعہ ایک دن دے دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۵۹۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: کفارے میں تو ایک محتاج کو ایک دن میں زیادہ دینے سے ایک دن کا فدیہ ادا ہوتا ہے؛ مثلاً قسم کے کفارے میں دس مسکینوں کو یا روزے کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے، تو ان میں اگر ایک فقیر کو ایک دن میں زیادہ مقدار دے گا تو وہ ایک دن کا ہوگا، زیادہ محسوب نہ ہوگا، اور شیخ فانی جس کو رمضان کے روزوں کا فدیہ دینا درست ہے اس میں اگر ایک محتاج کو کئی روزوں کا فدیہ دے دیوے تو ادا ہو جاتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: وبلا تعدد فقیر، شامی میں ہے: قوله: (وبلا تعدّد فقير) أي بخلاف نحو كفّارة اليمين للنّصّ فيها على التّعدّد إلخ[2] چوں کہ آپ نے تصریح نہیں فرمائی کہ آپ کی مراد کفارہ صوم کا ہے جو کہ ساٹھ مسکینوں کو

---

(۱) وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّف آدميًا مشتهًى في رمضان أداءً ...... أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين أنزل أو لا إلخ ، عمدًا إلخ قضٰى إلخ و كفّر ...... ككفّارة المظاهر (الدّرّ المختار) مُرْتَبِطٌ بقولهٖ "وكفّرَ" أي مثلُها في التّرتيب فَيَعْتِقُ أوّلاً، فإن لم يجدْ صامَ شهرين متتابِعَين ، فإن لَمْ يَسْتَطِعْ أطْعَمَ ستّينَ مِسْكِينًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۴۴/۳-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳٦٦/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

کھانا دیا جاتا ہے یا جو شخص عاجز روزہ رمضان کے رکھنے سے ہے جو فدیہ ادا کرتا ہے وہ مراد ہے، اوّل اور ثانی کے حکم میں فرق ہے، کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا یا اناج یا نقد دیوے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن دیوے یہ ضروری ہے، ایک مسکین کو ایک دن میں زیادہ دے گا تو ایک دن کا ہی ادا ہوگا، الحاصل کفارے میں تعدد فقراء کا یا تعدد ایام کا ضروری ہے، اور فدیہ میں تعددِ فقراء و تعدد ایام کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۵۰-۴۵۱)

کفارۂ صوم میں پندرہ مسکینوں کو ایک دن اور باقی مساکین کو دوسرے دن کھلانا درست ہے

سوال: (۱۸۲) اگر پندرہ کو ایک روز اور باقی کو دوسرے روز کھلایا جاوے جائز ہے یا نہ؟

(۸۷۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درست ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۵۲)

کفارۂ صوم میں تداخل ہوتا ہے یا نہیں؟

(اس عنوان کے تحت چار سوالوں کے جوابات ہیں اور ان میں باہم تضاد ہے؛ اخیر میں اس کی وضاحت ہے۔ محمد امین پالن پوری)

سوال: (۱۸۳) اگر دو روزے رمضان شریف کے قصداً قضا ہو جاویں تو ان کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اگر اس کھانے کی قیمت سے مدرسہ میں ٹاٹ خرید کر دے دیوے؛ یعنی فرش طلباء کے لیے انتظام کر دے تو جائز ہے یا نہ؟ اور تعمیرِ مسجد میں صرف کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۲۵۹۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: ایک روزہ رمضان کا قصداً توڑنے میں ساٹھ روزے پے در پے رکھنے کا حکم ہے، علاوہ ایک روزہ قضا کے، پس دو روزوں کا کفارہ ۱۲۰ دن کے روزے ہیں، اور اگر اس قدر روزوں کی

(۱) ولو أطعمَ مسكينًا واحدًا ستّين يومًا كلّ يوم أكلتين مشبعتين جاز. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۱۴، كتاب الطّلاق، قبيل الباب الحادي عشر في اللّعان) ظفير

طاقت نہ ہو تو پھر ایک روزہ کے عوض ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا یا ہر ایک مسکین کو نصف صاع گندم یعنی پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت دینا ضروری ہے، مدرسہ کا ٹاٹ وغیرہ خریدنا یا مرمت وتعمیر مدرسہ یا مسجد کرنا اس سے درست نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۴۸-۴۴۹)

(تنبیہ): اس جواب سے معلوم ہوا کہ کفارۂ صوم میں تداخل نہیں ہوتا ہے۔ محمد امین

سوال: (۱۸۴) کفارۂ صوم میں تداخل جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اگر زید کے اٹھارہ روزۂ رمضان بلاعذر عمداً قضا ہوئے تو آیا ہر ایک روزہ کا جدا جدا کفارہ دینا ہوگا یا ایک کفارہ سب کے لیے کافی ہوگا؟ (۵۹۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ہر ایک روزہ کا کفارہ علیحدہ علیحدہ لازم ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ایک کفارہ کافی ہے اور اس کی بھی تصحیح کی گئی ہے؛ لیکن ظاہر الروایہ کو ترجیح ہے۔ درمختار میں ہے: ولو تكرّر فطره ولم يكفّر للأوّل يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمّد رحمه الله وعليه الاعتماد إلخ[2] اور شامی میں ہے: قوله: (وعليه الاعتماد) نقله في البحر عن الأسرار، ونقل قبله عن الجوهرة: لو جامع في رمضانين فعليه كفّارتان وإن لم يكفّر للأولى في ظاهر الرّواية وهو الصّحيح أهـ، قلت: فقد اختلف التّرجيح كما ترى ويتقوّى الثّاني بأنّه ظاهر الرّواية[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۵۳-۴۵۴)

(تنبیہ): اس جواب میں صراحت ہے کہ کفارۂ صوم میں تداخل نہیں ہوتا۔ محمد امین

---

(۱) وإنْ جَامَعَ المكلّف إلخ ، أوْ أكَلَ أوْ شَرِبَ غِذَاءً ......أو دواءً إلخ عَمدًا إلخ قضىٰ إلخ وكفّر إلخ ككفّارةِ المظاهرِ (الدّرّ المختار) أي مثلُها في التّرتيبِ فَيَعْتِقُ أوّلاً، فإن لم يجدْ صامَ شهرين متتابِعَينِ، فإن لَمْ يَسْتَطِعْ أطْعَمَ ستّينَ مِسْكِينًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في الكفّارة)

قوله: (أي مصرف الزّكاة والعشر) .... وهو مصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة إلخ . (ردّ المحتار: ۳/۲۵۶، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في الكفّارة.

سوال: (۱۸۵) جوابِ استفتاء نے معزز فرمایا، آج بندہ کا تینتالیسواں روزہ ہے، ایام عیدالاضحیٰ آگئے ہیں، آیا متواتر روزہ رکھتا رہوں یا عید کے روز نہ رکھوں، دیگر ایں کہ دو روزہ ساقط ہوئے تھے: ان کا کفارہ ساٹھ روزے ہوں گے یا فی روزہ ساٹھ کے حساب سے ۱۲۰ ہوں گے؟ (۲۷۵۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: عیدالاضحیٰ کے دن اور تین دن اس کے بعد تیرہ تاریخ تک روزہ نہ رکھنا چاہیے، اور اس فاصلہ کی وجہ سے متواتر روزوں میں فرق آوے گا، لہٰذا کفارہ میں جو پہلے روزے رکھے گئے ہیں وہ شمار نہ ہوں گے، تیرہ تاریخ ذی الحجہ کے بعد ۱۴ تاریخ سے پھر روزے رکھنے چاہئیں، اس وقت سے ساٹھ روزے متواتر رکھنے سے ایک روزہ کا کفارہ ادا ہوگا، آپ کو کفارہ کے لیے ایسے وقت میں روزے رکھنے شروع کرنے چاہئیں تھے کہ درمیان میں عید نہ آتی، اب جو روزے آپ کے عید سے پہلے ہوں گے وہ کفارہ میں شمار نہ ہوں گے کیوں کہ کفارہ میں ساٹھ روزے متصل ہونا ضروری ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک روزہ کا کفارہ ساٹھ روزے برابر ایک دفعہ رکھ لیے جاویں، اور اس کے بعد کچھ توقف کیا جاوے اور کچھ دنوں روزہ شروع نہ کیا جاوے، پھر دوسرے روزہ کا کفارہ شروع کیا جائے اور ساٹھ روزے متواتر رکھ لیے جاویں، اور ایک دفعہ ہی ایک سو بیس روزے برابر رکھے جاویں تو یہ بھی درست ہے، الغرض یہ ضروری ہے کہ ساٹھ روزوں کے درمیان میں کسی دن افطار نہ ہو اور کوئی روزہ درمیان میں قضا نہ ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۵۷-۴۵۸)

(تنبیہ): اس جواب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفارۂ صوم میں تداخل نہیں ہوتا ہے۔ امین

سوال: (۱۸۶) زید نے چند روزے اپنے کسی فعلِ موجبِ کفارہ سے قضا کیے تو اس کو ایک کفارہ کافی ہوگا یا نہیں؟ (۲۱۹۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ایک کفارہ کافی ہوگا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۵۴-۴۵۵)

---

(۱) صَامَ شهرين إلخ متتابعين قبل المسيس ليس فيهما رمضان وأيّام نهي عن صومها، وكذا كلّ صوم شرط فيه التّتابع فإن أفطر بعذر كسفر و نفاس بخلاف الحيض إلخ استأنف الصّوم إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/ ۱۱۰-۱۱۲، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، مطلب: لا استحالة في جعل المعصية سببًا للعبادة) ظفير

(۲) ولو تكرّر فطره ولم يكفّر للأوّل يكفيه واحدة ولو في رمضانين عند محمّد وعليه الاعتماد بزّازية ومجتبىٰ وغيرهما. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۴۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في الكفّارة) ظفير

(تنبیہ): اس جواب میں صراحت ہے کہ کفارۂ صوم میں تداخل ہوتا ہے۔ محمد امین

وضاحت: سابقہ چار جوابوں میں کفارۂ صوم میں تداخل یا عدم تداخل کے سلسلے میں دو قسم کے جوابات ہیں:

۱) مطلقًا تداخل نہیں ہوتا، یعنی ایک رمضان کے بھی متعدد روزے عمدًا توڑے ہوں تو متعدد کفارے واجب ہوں گے۔ دیکھئے: سابقہ چار جوابوں میں سے ابتدائی تین جوابات۔

۲) تداخل ہوتا ہے، دیکھئے: مذکورہ بالا جواب۔

اس سلسلہ میں فقہائے کرام کی عبارتیں بھی مختلف ہیں؛ اس لیے مسئلہ کی تفصیل ضروری ہے، چند مسلمہ اصول ذکر کیے جاتے ہیں؛ تاکہ صحیح نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو۔

اصل اوّل: یہ ہے کہ ایک جنایت کے بعد اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے، پھر اسی جنایت کا ارتکاب کیا جائے تو دوبارہ کفارہ واجب ہوتا ہے؛ کیوں کہ دوبارہ جنایت کے صدور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلے کفارے سے جو زجر مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔

اصل دوم: یہ ہے کہ عمدًا روزہ توڑنے سے جو کفارہ واجب ہوتا ہے اس میں عقوبت کا پہلو غالب ہے، اور باب عقوبت کا قاعدہ یہ ہے کہ اتحادِ سبب اور عدم تکفیر کی صورت میں کفارہ میں تداخل ہوتا ہے۔ **قال الطّحطاوي: لأنّ الغالب في هٰذه الكفّارة العقوبة ، وشأنها التّداخل بشرط اتّحاد السّبب عند غير محمّد وعدم التّكفير قبله أبو السّعود. (حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار: ۱/ ۴۵۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده)**

مثلاً چند بار (العیاذ باللہ!) زنا کیا، یا چند بار چوری کی، تو ایک ہی مرتبہ سزا جاری ہوگی، اور اگر ایک بار یہ گناہ کیے، اور ان کی سزا پالی، پھر وہی گناہ دوبارہ کیا تو دوبارہ سزا جاری ہوگی ـــــــ اسی طرح اگر زنا اور چوری دونوں کا صدور ہوا تو ان کی سزاؤں میں تداخل نہیں ہوگا، کیوں کہ سبب مختلف ہے ـــــــ اسی طرح کفارۂ صوم، کفارۂ یمین، کفارۂ ظہار، کفارۂ قتل جن کے اسباب مختلف ہیں اُن میں بھی تداخل نہیں ہوگا، ایک شخص نے ایک روزہ بھی توڑا، اور ایک قسم بھی توڑی تو روزہ کا کفارہ علیحدہ دے گا، اور قسم کا کفارہ علیحدہ دے گا۔

اصل سوم: یہ ہے کہ مفطرات ثلاثہ یعنی عمداً کوئی چیز کھانا، یا پینا، یا بیوی سے صحبت کرنا یہ تینوں علیحدہ علیحدہ سبب نہیں ہیں، بلکہ تینوں ایک سبب ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ:

{۱} اگر کسی نے کوئی روزہ عمداً توڑا اور اس کا کفارہ ادا کر دیا، پھر دوبارہ عمداً روزہ توڑا تو دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا، پہلا کفارہ کافی نہ ہوگا، خواہ ایک ہی رمضان میں دوبارہ روزہ توڑا ہو، یا دوسرے رمضان میں دوبارہ توڑا ہو ——— اسی طرح دوسرا روزہ اسی ذریعہ سے توڑا ہو جس ذریعہ سے پہلا روزہ توڑا تھا، یا کسی اور ذریعہ سے توڑا ہو، مثلاً پہلا روزہ جماع سے توڑا تھا اور اس کا کفارہ ادا کر دیا، پھر دوسرا روزہ بھی جماع کر کے توڑا، یا کوئی چیز کھا کر توڑا، یا کوئی چیز پی کر توڑا تو سب صورتوں میں حکم یہی ہے کہ پہلا کفارہ کافی نہ ہوگا، دوبارہ کفارہ واجب ہوگا۔

{۲} اور اگر کسی نے متعدد روزے توڑے، اور ابھی کسی کا بھی کفارہ ادا نہیں کیا، تو اگر یہ متعدد روزے کوئی چیز کھا کر یا پی کر توڑے گئے ہیں تو کفارہ میں تداخل ہوگا، یعنی سب توڑے ہوئے روزوں کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہوگا، چاہے وہ متعدد روزے ایک رمضان میں توڑے ہوں، یا متعدد رمضانوں میں توڑے ہوں۔

{۳} اور اگر کسی نے عمداً جماع کر کے متعدد روزے توڑے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) ایک ہی رمضان کے متعدد روزے توڑے ہوں تو اس میں تداخل ہوگا، اور سب توڑے ہوئے روزوں کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہوگا۔

(ب) اور اگر متعدد رمضانوں کے روزے توڑے ہوں تو امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی تداخل ہوگا، یعنی ایک کفارہ کافی ہوگا، اور ظاہر روایت یہ ہے کہ اس صورت میں تداخل نہیں ہوگا، بلکہ ہر رمضان کے توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ علیحدہ ادا کرنا ہوگا۔

درّمختار میں ہے: **ولو تكرّر فطرُهُ ولم يُكفّر للأوّل يكفيه واحدة، ولو في رمضانين عند محمّد وعليه الإعتماد؛ بزّازية ومجتبىٰ وغيرهما، واختار بعضهم للفتوى إن الفطر بغير الجماع تداخلَ وإلاّ لا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۴۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في الكفّارة)**

ترجمہ: اور اگر کسی نے دوبارہ روزہ توڑا، اور (ابھی) پہلے توڑے ہوئے روزہ کا کفارہ ادا نہیں کیا ہے تو اس کے لیے ایک کفارہ کافی ہے، اگر چہ دو رمضانوں میں (توڑے ہوں، اور یہ حکم) امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور یہی قابل اعتماد قول ہے۔ (بزازیہ، مجتبیٰ وغیرہ) اور بعض حضرات نے فتویٰ کے لیے یہ صورت پسند کی ہے کہ اگر جماع کے علاوہ (یعنی کھا، پی کر) روزہ توڑا ہے تو (مطلقًا) کفاروں میں تداخل ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔

علامہ شامی نے **ولم یکفر للأوّل** کے تحت یہ لکھا ہے کہ **أمّا لو کفّر فعلیه أخری في ظاهر الرّوایة للعلم بأنّ الزّجر لم یحصل بالأولیٰ، بحر. (ردّ المحتار: ۳/۳۴۹، کتاب الصّوم)**

ترجمہ: بحرالرائق میں ہے کہ اگر پہلے توڑے ہوئے روزہ کا کفارہ دے دیا ہے، پھر دوسرا روزہ توڑا ہے، تو ظاہر روایت میں اس کے ذمہ دوسرا کفارہ واجب ہوگا، کیوں کہ دوبارہ روزہ توڑنے سے یہ معلوم ہوا کہ پہلے کفارہ سے تنبیہ نہیں ہوئی۔

امام محمدؒ نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں تحریر فرمایا ہے: **قلت: فإن هو کفّر تلك الکفّارة، ثمّ عاد؟ قال: فعلیه کفّارة أخری أیضًا، قلت: وکذٰلك الأکل والشّرب هو بمنزلة الجماع في کلّ وجه من ذٰلك؟ قال: نعم. (المبسوط، ۲/۱۷۷، کتاب الصّوم، المطبوعة: دار عالم الکتب بیروت)**

ترجمہ: میں نے پوچھا پس اگر کسی نے پہلے روزہ کا کفارہ ادا کر دیا ہو، پھر دوبارہ جماع کے ذریعہ روزہ توڑا ہو تو کیا حکم ہے؟ امام محمدؒ نے جواب دیا کہ اس صورت میں اس کے ذمہ دوسرا کفارہ بھی لازم ہے ——— میں نے پوچھا کیا: یہی حکم کھانے اور پینے کا بھی ہے؛ یعنی کھانے پینے کے ذریعہ روزہ توڑنا بھی جماع سے روزہ توڑنے کی طرح ہے تمام احکام میں؟ امام محمدؒ نے جواب دیا: جی ہاں۔

ان عبارتوں سے نمبر (۱) کا حکم واضح ہوا، اور درمختار کے قول: **واختار بعضهم للفتوی إن الفطر بغیر الجماع تداخلَ وإلاّ لا** (اگر جماع کے علاوہ کسی اور مفطر سے روزہ توڑا ہو تو مطلقًا تداخل ہوگا، ورنہ نہیں، یعنی اگر جماع سے روزہ توڑا ہو تو تداخل نہیں ہوگا) سے نمبر (۲) کا حکم واضح ہوا ——— اور نمبر (۳) (الف) کے سلسلہ میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں۔

علامہ شامی نے ''وإلاّ لا'' کی اس طرح شرح کی ہے: أي وإن كان الفطر المتكرّرُ في يومين بجماع لا تتداخل الكفّارةُ ، وإن لم يُكفّر للأوّل لعِظَم الجناية ، ولذا أوجب الشّافعيّ الكفّارةَ بهٖ دُون الأكل والشُّرب (ردّ المحتار: ۳/۳۴۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في الكفّارة)

یعنی اگر دوبارہ روزہ توڑنا دونوں میں جماع کے ذریعہ ہو تو کفارہ میں تداخل نہیں ہوگا، چاہے پہلے کا کفارہ نہ دیا ہو، گناہ سنگین ہونے کی وجہ سے، اور اسی لیے امام شافعیؒ صرف جماع سے کفارہ واجب کرتے ہیں، کھانے، پینے سے کفارہ واجب نہیں کرتے ـــــ علامہ شامیؒ کی اس تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ نمبر {۳} (الف) میں تداخل نہیں ہوگا۔

اور علامہ طحطاویؒ نے إن الْفِطْرُ پر یہ حاشیہ لکھا ہے: وهٰذا في رمضانين لأنّ الخلافَ فيهما (حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار: ۱/۴۵۸، كتاب الصّوم): یعنی بعض حضرات نے جو فتویٰ کے لیے صورت پسند کی ہے کہ اگر متعدد روزے توڑنا جماع کے علاوہ کے ذریعہ ہو تو تداخل ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، یہ مسئلہ دو رمضانوں کے توڑے ہوئے روزوں کے سلسلے میں ہے، کیوں کہ اختلاف اسی صورت میں ہے ـــــ اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نمبر {۳} (الف) میں بھی تداخل ہوگا، کیوں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

الجوهرة النّيّرة میں ہے: إذا جَامع في يوم مِن رمضانَ فلم يُكَفِّر حتّٰى جَامع في يوم آخرَ من ذٰلك الشّهر فعليه كفّارةٌ واحدةٌ ، لأنّ الكفّارةَ عقوبةٌ يؤثّر فيها الشّبهةُ فجاز أن تتداخل كالحدود (الجوهرة النّيّرة ،۱/۱۷۰، كتاب الصّوم) اس عبارت سے بھی یہ بات واضح ہے کہ نمبر {۳} (الف) میں تداخل ہوگا۔

اسی طرح نمبر {۳} (ب) کے سلسلہ میں بھی فقہائے کرام کی عبارتوں میں اختلاف ہے: ـــــ علامہ الحدّاد نے الجوهرة النّيّرة میں تحریر فرمایا ہے: وأمّا إذا جَامع في رمضان في سَنةٍ فلم يكفّر حتّى جامع في رمضان آخر فعليه لكلّ جماعٍ كفّارة في المشهور، لأنّ لكلّ شهرٍ حرمةً علٰى حدةٍ ، وذكر محمّدٌ أنّه يُجْزِيْهِ كفّارةٌ واحدةٌ (حوالۂ سابقہ)

علامہ الحدّادی کی اس رائے کو ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس طرح نقل کیا ہے: ولو جامعَ في رمضانين فعليه كفّارتان ، وإن لم يكفّر للأولیٰ في ظاهر الرّواية وهو الصّحيح كذا في الجوهرة، وقال محمّد:عليه واحدة، قال في الأسرار: وعليه الاعتماد، وكذا في البزّازية (البحر الرّائق: ۴۸۴/۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده)

علامہ شامیؒ نے اس پر لکھا ہے: قلتُ: فقد اختلف التّرجيح كما ترى، ويتقوى الثّاني بأنّه ظاهر الرّواية. (ردّ المحتار: ۳۴۹/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في الكفّارة)

یعنی متعدد حضرات نے امام محمدؒ کے قول پر اعتماد کیا ہے، اور کچھ حضرات نے ظاہر روایت کی تصحیح کی ہے، اور حسبِ قواعد ترجیح ظاہر روایت کو ہونی چاہیے، یعنی فتویٰ یہ دینا چاہیے کہ نمبر (۳) (ب) میں تداخل نہیں ہوگا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ عدم تداخل اگر بہ ایں وجہ ہے کہ جماع کے ذریعہ روزہ توڑنا سنگین جرم ہے، تو پھر ایک رمضان میں بھی تداخل نہیں ہونا چاہیے، حالاں کہ حسبِ تصریحِ علامہ طحطاوی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ بالاتفاق تداخل ہوتا ہے —— اور اگر عدم تداخل بہ ایں وجہ ہے کہ ہر رمضان کا علیحدہ احترام ہے تو یہ بات صحیح ہے، مگر اس کا لحاظ اکل وشرب میں بھی ہونا چاہیے، حالاں کہ اس میں بالاتفاق تداخل ہوتا ہے، اسی طرح ہر روزہ کا بھی علیحدہ احترام ہے، پس جماع کی صورت میں ایک رمضان میں بھی تداخل نہیں ہونا چاہیے، اس اشکال کی وجہ سے بزازیہ، مجتبیٰ وغیرہ نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے، اور علامہ شامیؒ نے ظاہر روایت کی وجہ سے عدم تداخل کو ترجیح دی ہے، اکابر کے فتاویٰ بھی مختلف رہے ہیں، حضرت مجیب قدس سرہٗ کے فتاویٰ میں اختلاف بھی اسی وجہ سے ہے؛ چنانچہ مناسب خیال کیا گیا کہ مسئلہ کی تنقیح کردی جائے۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ (۱۳۵/۲، کتاب الصوم والاعتکاف، عنوان: تحقیق وتفصیل تداخل کفارات صوم، مطبوعہ زکریا، دیوبند) میں جو تنقیحی حاشیہ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”غیر جماع میں تو مطلقًا تداخل جائز ہوسکتا ہے، اور جماع میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہوسکتے ہیں، دو رمضانوں کے نہیں، کیوں کہ جماع میں مطلقًا تداخل نہ ہونا خلاف ظاہر روایت ہے“ واللہ اعلم بالصواب (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۱۶-۲۱) محمد امین پالن پوری

کفارۂ صوم کے درمیان عیدالاضحیٰ آ گئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۷) اگر کوئی شخص ماہ رمضان کے روزے کا کفارہ ادا کر رہا ہو؛ درمیان میں عیدالاضحیٰ کا دن واقع ہو تو چوں کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے تو مکفر کو کیا حکم شرعًا ہے؟ شروع سے پھر روزہ رکھے یا کیا کرے؟ (۱۳۳۸/۲۰۵۰ھ)

الجواب: شروع سے پھر روزے دو ماہ کے متواتر رکھے۔ قال في الدّرّ المختار: صام شهرين إلخ، متتابعين...... ليس فيهما رمضان وأيّام نهيٍ عن صومها وكذا كلّ صوم شرط فيه التّتابع إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (وكذا كلّ صوم إلخ) ككفّارة قتل وإفطار إلخ [1] (شامي: ۵۸۱/۲) (۴۵۵/٦)

کفارے کے روزوں کے درمیان ایک دن کا روزہ فوت ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۸) ایک شخص کفارے کے روزے ادا کرتا ہے، اگر اتفاق سے فجر کی اذان کے وقت سحری کھالیوے تو روزہ درست ہوگا یا نہیں؟ دس روزے رکھ چکا ہے اگر روزہ نہیں ہوا تو از سرِ نو روزے رکھے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۱۱٦۳ھ)

الجواب: اعتبار صبح صادق کا ہے اذان کا نہیں ہے، پس اگر صبح صادق ہو جانے کے بعد اس نے سحری کھائی تو وہ روزہ نہ ہوگا، اور جب کہ وہ روزہ نہ ہوا تو تتابع جو کہ ﴿شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ سے ثابت ہے فوت ہو گیا، لہٰذا اس کو از سرِ نو روزہ رکھنا چاہیے [2] اور اس صورت میں جب کہ روزے

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵/۱۱۰-۱۱۱، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، مطلب: لا استحالة في جعل المعصية سببًا للعبادة.

(۲) صَامَ شهرين إلخ متتابعينِ قبل المسيس إلخ وكذا كلّ صوم شرط فيه التّتابع فإن أفطر بعذر إلخ أو بغيره إلخ استأنف الصّوم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/۱۱۰-۱۱۲، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، مطلب: لا استحالة في جعل المعصية سببًا للعبادة) ظفیر

سے عاجز نہیں ہے؛ اطعام درست نہیں ہے۔فإن عجز عن الصّوم لمرض لایرجی برءه أو كبرٍ أطعم ...... ستّين مسكينًا[1] (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۵۲-۴۵۳)

کفارہ کی رقم مسجد اور مدرسہ میں دینا درست نہیں

سوال: (١٨٩) ایک شخص کے ذمہ روزہ کا کفارہ ہے، اگر وہ ساٹھ مسکینوں کے کھانے کا خرچ کسی مسجد یا مدرسہ میں دے دیوے تو جائز ہے یا نہیں؟ (١۵٨٢/٣۵-١٣٣٦ھ)

الجواب: مسجد اور مدرسہ میں دینا درست نہیں ہے اس سے کفارہ ادا نہ ہوگا[2] البتہ مدرسہ میں اگر طلبہ کے کھلانے میں لگا دیوے تو درست ہے، بہ شرطیکہ ساٹھ طلبہ کو دونوں وقت کھلاوے یا بہ قدر فطرہ ہر ایک کو نصف صاع گندم یا اس کی قیمت دیوے۔فقط واللہ اعلم (٦/۴۵۴)

مہتمم کفارہ کی رقم طلبہ کی خوراک میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (١٩٠) مدرسہ کا مہتمم کفارہ کے کھانا کھلانے کا وکیل ہو کر طلبہ کی خوراک میں روپیہ کو صرف کرسکتا ہے؛ جو کفارہ ادا ہونے کی غرض سے رکھے ہیں؟ {وہ کپڑا خرید کر دے سکتا ہے یا نہیں؟}[3] (٨٧٧/٣٣-١٣٣۴ھ)

الجواب: اس طرح کرسکتا ہے کہ کفارہ کے پورے روپیہ کا کپڑا خرید کر محتاج طلبہ کی ملک کردے یہ درست ہے۔فقط واللہ اعلم (٦/۴۵٢)

وضاحت: طلبہ بالغ ہوں یا قریب البلوغ ہوں تو وہ روپیہ خوراک میں صرف کرسکتا ہے، اگر طلبہ قریب البلوغ نہ ہوں تو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ ولو كان فيهم شبعان قبل

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/١١٣، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، لغز: أيّ حرّ ليس له كفّارة إلّا بالصّوم .

(٢) مصرف الزّكاة والعشر (الدّرّالمختار) وهومصرف أيضًا لصدقة الفطر والكفّارة والنّذر وغير ذٰلك من الصّدقات الواجبة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢۵٦، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

(٣) قوسین والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ کی اضافہ کی ہوئی ہے۔١٢

الأکل أو صبيّ غير مراهق لم يجز . (ردّ المحتار: ۵/۱۱۴، کتاب الطّلاق، باب الکفّارۃ)
البتہ اگر ان کو مقدارِ کفارہ تملیکاً دے دی جاوے مثلاً نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہر ایک طالب علم کی ملک کردی جاوے تو درست ہے۔ محمد امین پالن پوری

کفارے کا کھانا ایک طالب علم کو ساٹھ دن تک کھلا دینا درست ہے

سوال: (۱۹۱) کسی طالب علم کا کھانا دو ماہ کے لیے روزہ کے کفارہ میں مقرر کرنا یعنی ٦٠ وقت کا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/٦٨۳ھ)

الجواب: روزہ کے کفارہ میں ساٹھ دن ایک طالب علم کو دونوں وقت بٹھا کر پیٹ بھر کر کھانا کھلا دینا درست ہے، اور اس سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے؛ مگر بیٹھا کر کھلانا چاہیے؛ کیوں کہ دینے میں ہر روز پوری مقدار نصف صاع گندم یا اس کی قیمت دینے کی ضرورت ہے [1] فقط واللہ اعلم (٦/ ۴۴۸)

آٹھ دس برس کے بچوں کو کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا

سوال: (۱۹۲) کفارۂ صوم میں اگر آٹھ دس برس کے بچے بھی کھانا کھانے میں شریک ہو جائیں تو کفارہ ادا ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۸۷۷ھ)

الجواب: آٹھ دس برس کے بچوں کو جو کہ قریب البلوغ نہ ہوں کھانا کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا، البتہ اگر ان کو مقدار کفارہ تملیکاً دے دی جاوے مثلاً نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہر ایک بچے کی ملک کردی جاوے تو درست ہے۔ کذا في الدّرّ المختار والشّامي [2] قال في الدّرّ المختار: ولا يجزء غير المراهق، بدائع [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۵۱-۴۵۲)

---

(۱) فإن عجزَ عن الصّوم إلخ أَطْعَمَ أيْ مَلَّكَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا إلخ وإنْ ...... غدّاهُمْ وعَشّاهُمْ إلخ جاز إلخ كما جازَ لو أطعم واحدًا ستّين يومًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/۱۱۳-۱۱۴، کتاب الطّلاق، باب الکفّارۃ، لغز: أيّ حرّ ليس له کفّارۃ إلّا بالصّوم) ظفیر

(۲) فالشّرطُ في طعام الإباحةِ أَكْلَتَانِ مُشْبِعَتَانِ لكلِّ مِسْكِيْنٍ، ولو كانَ فيهِمْ شَبْعَانُ قبلَ الأكلِ، أوصبيٌّ غيرُ مُراهِقٍ لَمْ يجز. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵/۱۱۳-۱۱۴، کتاب الطّلاق، باب الکفّارۃ، لغز: أيّ حرّ ليس له کفّارۃ إلّا بالصّوم) ظفیر

مفطراتِ صوم اور فدیہ کے احکام

شیخ فانی کی تعریف

سوال: (۱۹۳) شیخ فانی کس عمر میں ہوجاتا ہے؟ (۸۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: شیخ فانی اس قدر بوڑھا ہے کہ اس میں بالکل قوت نہیں رہی، اور قریب موت کے پہنچ گیا ہے، عمر کی کچھ تحدید نہیں ہے، قوت اور عدم قوت پر دارومدار ہے [1] فقط واللہ اعلم (۴۷۰/۶)

جو دائمی بیمار روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ کیا کرے؟

سوال: (۱۹۴) جو شخص پچاس پچپن برس کی عمر میں ہو اور دائم المریض ہو، اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو اس میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا. فقط (۱۰۷۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسے مریض کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر رمضان شریف میں روزہ نہ رکھ سکے تو اس وقت نہ رکھے بعد میں جب صحت ہو اور طاقت روزہ کی ہو روزوں کی قضا کرے، ہمت روزہ کی نہ ہونا افطار کو جائز نہیں کرتا، بلکہ درحقیقت اس میں طاقت روزہ کی نہ ہو، اور کسی طرح روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا ازدیادِ مرض کا خوف ہو اس وقت افطار کرنا درست ہوتا ہے، اور پھر قضا لازم ہوتی ہے [2] اور فدیہ کا

---

(۱) ولِلشّيخ الفاني العَاجزِ عن الصّومِ الفِطْرُ ويَفْدِي وُجُوبًا إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (العاجز عَنِ الصّومِ) أي عَجزًا مُسْتَمِرًّا كما يَأتِي ، أمّا لَو لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ لِشِدّةِ الْحَرِّ كانَ لَه أنْ يُفْطِرَ ويَقْضِيَهُ في الشِّتَاءِ؛ فَتْحٌ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۵، کتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم)ظفیر

(۲) أو مريضٍ خافَ الزّيادةَ لِمَرَضِهِ وَصَحِيْحٍ خَافَ الْمَرَضَ إلخ الفِطْريومَ العُذْرِإلخ، وقَضَوْا لُزُوْمًا مَا قَدَّرُوْا بِلاَ فِدْيَةٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۰-۳۶۱، کتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم)

حکم خاص شیخ فانی کے لیے ہے اس میں شخص مذکور داخل نہیں ہے[1] فقط واللہ اعلم (٦/٤٧٣-٤٧٤)

بیمار وضعیف بوڑھا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۵) شیخ فانی یا بیمار بوڑھے ضعیف مایوس الحیات کو رمضان شریف کے روزوں کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۲۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جو شخص بوڑھا ضعیف شیخ فانی نہ ہو اس کو فدیہ دینا درست نہیں ہے، اور اگر وہ فدیہ دے گا بھی تو پھر بھی روزوں کی قضا اس کے ذمہ لازم ہے؛ البتہ جو شخص شیخ فانی ہو وہ فدیہ ہر ایک روزے کا نصف صاع گندم یا اس کی قیمت دیوے[1] {نصف صاع بہ وزن انگریزی قریب پونے دوسیر کے ہوتا ہے}[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٦١)

اسّی سالہ بوڑھا جس میں روزہ کی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے؟

سوال: (۱۹٦) ایک شخص کی عمر تقریبًا اسّی سال سے زائد ہے، اور پابند صوم وصلاۃ ہے، اس وقت اس میں صوم کی طاقت نہیں تو وہ ماہ رمضان میں افطار کر کے فدیہ دے سکتا ہے تو کس قدر دے؟ اگر شیخ فانی افطار کرے اور اس کے پاس سامان فدیہ نہیں ہے تو کیا کرے؟ (۱٦۳۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: شخص مذکور جو کہ عاجز ہے روزہ رکھنے سے فدیہ روزوں کا ادا کر سکتا ہے، ایک روزے کا فدیہ مثل فطرہ کے ہے {یعنی پونے دوسیر گندم بہ وزن انگریزی یعنی ۸۰ تولہ کے سیر سے، یا قیمت پونے دوسیر گندم کی دیوے}[2] اور اگر فدیہ دینے کی طاقت نہ ہو تو یہ فرض اللہ کا اس کے ذمے ہے، جس وقت طاقت ہو اس وقت فدیہ ادا کرے یا بہ وقت مرنے کے وصیت کرے، یعنی اگر زندگی میں

---

(۱) ولِلشّيخ الفاني العَاجزِ عن الصّومِ الفِطْرُ ويَفْدِيْ وُجُوبًا (الدّرّ المختار) قوله: (وللشّيخ الفَانِي) أي الّذِيْ فَنِيَتْ قُوَّتُهُ أَوْ أَشْرَفَ عَلَى الفناءِ ، ولِذَا عَرّفُوْهُ بِأنّهُ الّذِيْ كلّ يَومٍ في نَقْصٍ إلٰى أنْ يَمُوْتَ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ٣/٣٦٥، كتاب الصّوم ، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

فدیہ ادا نہ کر سکے تو مرتے وقت وصیت کرے کہ میرے ترکہ میں سے فدیہ روزوں کا ادا کیا جاوے[۱]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۶۷-۴۶۸)

اسّی سالہ بوڑھا فوت شدہ نماز اور روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۷) زید کی عمر ہشتاد (۸۰) سال کی ہو چکی، اور نقاہتِ جسمانی اور ضعفِ پیرانہ سالی اس پر اس قدر طاری ہے کہ وہ روزہ رکھنے پر یا فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنے پر قادر نہیں، وہ چاہتا ہے کہ اس کے بدلہ میں فدیہ ادا کرے، کیا وہ اپنی حیات میں فدیہ ادا کر سکتا ہے؟ (۱۶۸۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: شیخ فانی جس میں بالکل طاقت روزہ کی نہ ہو وہ روزوں کا فدیہ اپنی حیات میں دے سکتا ہے[۱] اور نمازوں کا فدیہ زندگی میں دینا درست نہیں ہے، نماز کی قضا ہی کرنی چاہیے، اگر مرتے دم تک ادا نہ ہوئی تو بہ وقت مرگ وصیت کرنی چاہیے کہ میرے مال میں سے میرے ورثہ فدیہ ادا کریں۔ هٰكذا في كتب الفقه[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۸۴-۴۸۵)

---

(۱) ولِلشّيخِ الْفَانِي الْعَاجِزِ عَنِ الصَّوْمِ الْفِطْرُ وَيَفْدِي وُجُوْبًا ولو فِي أوّلِ الشَّهْرِ وَبِلاَ تَعَدُّدِ فَقِيْرٍ كَالفِطْرَةِ لَوْ مُوْسِرًا وَإلاّ فَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، هٰذَا إذَا كَانَ الصَّوْمُ أصْلاً بِنَفْسِهٖ إلخ، ومتىٰ قدر قضىٰ (الدّرّ المختار) وقوله: (ويَفْدِيْ وُجُوْبًا) لأنّ عُذْرَهُ لَيس بِعَرَضِيٍّ لِلزَّوَالِ حتّى يَصِيْرَ إلى القَضَاءِ فَوَجَبَتِ الْفِدْيَةُ؛ نَهْرٌ، ثُمَّ عِبَارَةُ الكَنْزِ وَهُوَ يَفْدِيْ إشَارَةٌ إلىٰ أنّه لَيْسَ علىٰ غيره الْفِدَاءُ لأنّ نَحْوَ الْمَرضِ والسَّفَرِ فِي عُرْضَةِ الزَّوَالِ فَيَجِبُ الْقَضَاءُ وعِنْدَ العَجْزِ بِالْمَوْتِ تَجِبُ الْوَصِيَّةُ بِالْفِدْيَةِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۵-۳۶۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفير

(۲) مَنْ تَعذَّرَ عَليهِ القِيامُ إلخ صلّى قَاعِدًا ولو مُستنِدًا إلىٰ وِسادةٍ أو إنسان فإنّه يَلزَمُهُ ذٰلك علىٰ المُخْتَارِ كَيفَ شاءَ إلخ وإنْ تَعذّرا إلخ أومأ ...... قاعِدًا إلخ وإن تعذّر القُعود ولو حكمًا أومأ مستلقيًا إلخ، إن تعذّر الإيماء برأسهٖ وكَثُرَتْ الفوائتُ إلخ سَقَطَ القَضَاءُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۳-۴۹۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة المريض)

ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصىٰ بالكفّارة يعطىٰ لكلّ صلاة نصف صاع من برّ كالفطرة وكذا حكم الوتر (الدّرّ المختار) بأن كان يقدر علىٰ أدائها ولو بالإيماء فيلزمه الإيصاء بها وإلاّ فلا يلزمه. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۴۶۵، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت) ظفير

ایک بوڑھا جو کمزور ہے مگر روزہ رکھ سکتا ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۸) زید ایک ایسا بوڑھا شخص ہے کہ اس کے ہوش وحواس وقوائے جسمانی سب درست ہیں، زید مذکور نے رمضان شریف کے ۲۶ روزے رکھے، ستائیسویں روزہ کی نیت کی دو تین گھنٹہ گزرنے کے بعد اتفاقاً بکر آ گیا، زید نے بکر سے اپنے ضعف کی شکایت کی، ایسی صورت میں کہ کسی قسم کی دقت درپیش نہ تھی، بکر نے اس بات پر زور دیا کہ تم کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، بکر کے کہنے سے زید نے افطار کر دیا تو زید پر کفارہ واجب ہے (یا دونوں پر؟)[1] (۹۳۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید شیخ فانی نہیں ہے، جس کو روزہ نہ رکھنا اور فدیہ روزوں کا دینا درست ہو، لہٰذا جس شخص نے اس کو روزہ نہ رکھنے کا حکم کیا اس نے سخت غلطی اور خطا کی اور یہ کہنا اس کا کہ تم کو روزہ رکھنا جائز نہیں ہے یہ اس کے جہل کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اگر شیخ فانی بھی روزہ رکھ لیوے تو ناجائز نہیں ہے، غایت یہ ہے کہ اس کو افطار کرنا درست ہے، مگر زید تو شیخ فانی ہی نہیں ہے تا کہ اس کے لیے افطار کرنا درست ہو۔ درمختار میں ہے: **وللشّيخ الفاني العاجز عن الصّوم الفطر ويفدي إلخ**[2] اور شامی میں لکھا ہے: **قوله: (وللشّيخ الفاني) أي الّذي فنيت قوّته أو أشرف على الفناء ولذا عرّفوه بأنّه الّذي كلّ يوم في نقص إلٰى أن يموت إلخ**[2] اس سے معلوم ہوا کہ زید پر شیخ فانی کی تعریف صادق نہیں آتی، پس زید پر اس صورت میں کفارہ واجب ہے، اور بکر گنہ گار رہا جس نے اس کا روزہ افطار کرایا وہ توبہ کرے اور آئندہ ایسا حکم کسی کو بلا علم کے نہ بتلاوے۔ فقط واللہ اعلم (۴۶۹/۶-۴۷۰)

بوڑھا ذیابیطس میں گرفتار رمضان میں کیا کرے؟

سوال: (۱۹۹) جب کہ زید کی عمر ۵۸ برس کی ہے، اور وہ کئی سال سے مرض ذیابیطس میں

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۶۵/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.**

مبتلا ہے جس کی وجہ سے کمزوری ونقاہت روز افزوں ہے، اور بہ وجہ غلیان تشنگی جو اس مرض میں بہ شدت ہوا کرتی ہے، روزہ رکھنا دشوار ہے، خصوصًا سخت گرمی کے موسم میں؟ (۱۵۱۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسے مریض پر کہ وہ روزہ نہ رکھ سکے بہ وجہ ضعف ومرض کے افطار کرنا یعنی روزہ نہ رکھنا رمضان شریف میں درست ہے، لیکن جب تک توقع صحت کی ہو فدیہ دینا کافی نہیں ہے، بلکہ بعد صحت کے قضا لازم ہے، پھر اگر صحت کی امید نہ رہے اور مرض کا ازالہ نہ ہو تو ان روزوں کا فدیہ دیوے، ہر ایک روزے کا فدیہ مثل صدقۂ فطر کے ادا کرے۔ درمختار میں ہے: **أو مريض خاف الزّيادة لمرضه إلخ الفطر إلخ وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية إلخ ، وللشّيخ الفاني العاجز عن الصّوم الفطر ويفدي وجوبًا إلخ**[1] **وفي الشّامي عن القهستاني عن الكرماني: المريض إذا تحقّق اليأس من الصّحّة فعليه الفدية لكلّ يوم إلخ**[1] فقط واللہ اعلم (٦/ ۴۷۴)

جب تک شیخ فانی کے درجہ کو نہ پہنچے فدیہ دینا درست نہیں

سوال: (۲۰۰) میری والدہ بعارضہ زکام ہر سال مبتلا رہتی ہیں، روزہ رکھ نہیں سکتیں تو اگر بہ عوض روزہ اناج دے دیا کریں تو روزۂ رمضان ادا ہو جاویں گے یا نہیں؟ (۲٦۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جب تک شیخ فانی کے درجہ کو نہ پہنچے فدیہ دینا اناج وغیرہ سے درست نہیں ہے، قضا روزوں کی لازم ہے، یعنی اگر ماہِ رمضان میں بہ وجہ مرض روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا کرنا چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۸۲)

کس قدر کمزوری لاحق ہونے پر فدیہ دیا جا سکتا ہے؟

سوال: (۲۰۱) بہ وجہ کمزوری کے روزۂ رمضان شریف تو بہ تکلف ادا کیے لیکن گزشتہ چند سالوں کے ادا کرنے کی طاقت نہ ہونے سے فدیہ دے سکتا ہے یا نہ؟ اگر رکھنا چاہے تو بہ تدریج ادا کرے یا متواتر ادا کرنے ہوں گے؟ (۸۱٦/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳٦۰-۳٦۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

الجواب: جب تک روزہ رکھ سکے اگر چہ بہ تکلف ہو روزہ رکھے، قضا کے روزے میں متواتر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ متفرق رکھے، فدیہ دینا اس وقت تک کافی نہیں ہے جب تک بالکل طاقت روزہ رکھنے کی نہ رہے، اور کسی طرح روزہ نہ رکھ سکے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۰)

روزے رکھنے سے جو بیمار ہو جاتا ہے وہ کیا کرے؟

سوال: (۲۰۲) ایک شخص صوم وصلاۃ کا بہت پابند ہے؛ لیکن رمضان شریف شروع ہونے پر تین چار روزے رکھنے سے فوراً بیمار ہو جاتا ہے، غریب آدمی عیال دار ہے، دوا وغیرہ کرنے کی یا مساکین کو کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا، اور اگر جاڑوں میں بھی روزہ کی قضا کرتا ہے تب ویسا ہی بیمار قریب المرگ ہو جاتا ہے، اس صورت میں اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۲۸۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایسے مریض کے لیے جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اور ہمیشہ رمضان شریف کے روزے رکھنے سے یا قضا کرنے سے اس کا مرض بڑھتا ہو اور کسی طرح وہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو فدیہ دینا فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ کذا في الدّرّ المختار [1] والشّامي [2] فقط واللہ اعلم (۶/۴۷۸)

روزہ رکھنے سے جس کی بیماری بڑھ جاتی ہے وہ کیا کرے؟

سوال: (۲۰۳) ایک شخص خونی بواسیر میں دو ماہ سے مبتلا ہیں، اور وہ نفل روزہ بھی رکھا کرتے ہیں، جب روزہ رکھتے ہیں خون آنے لگتا ہے اور مسّے بھی پھول آتے ہیں، اور بڑی تکلیف ہوتی ہے؛ لہٰذا روزہ نہ رکھے تو ہو نہیں سکتا اور رکھے تو یہ تکلیف، پھر اس کو رمضان شریف میں کیا کرنا چاہیے؟ (۱۴۳۶/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) ولِلشّيخ الفانِي العَاجِزِ عن الصّومِ الفِطْرُ ويَفْدِيْ وُجُوبًا إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (العاجز عَنِ الصّومِ) أي عَجْزًا مُسْتَمِرًّا كما يَأتِي، أمّا لو لَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ لِشِدّةِ الْحَرِّ كانَ لَه أنْ يُفْطِرَ ويَقْضِيَهُ في الشِّتَاءِ؛ فَتْحٌ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) مِثْلُهُ مَا فِي الْقُهِسْتَانِيْ عن الْكِرْمَانِيِّ: المَرِيضُ إذَا تَحقق الْيأسُ مِن الصّحّةِ فَعَلَيْهِ الْفِدْيَةُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِن الْمَرضِ. (ردّ المحتار: ۳/۳۶۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

الجواب: ایسے مریض کو رمضان شریف میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے، پھر جب تندرست ہوجائے اور قابل روزہ رکھنے کے ہوجائے اس وقت قضا کرے فدیہ دینا اس کو کافی نہیں ہے؛ البتہ ایسے مریض کو جس کا مرض دائمی ہوجائے اور صحت سے ناامیدی ہو فدیہ دینا جائز ہے۔ شامی میں ہے: **المريض إذا تحقّق اليأس من الصّحّة فعليه الفدية لكلّ يوم من المرض**[1] اور درمختار میں ہے: **أو مريض خاف الزّيادة لمرضه إلخ، وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۸۴)

اختلاج کی وجہ سے جو روزہ پر قادر نہیں، وہ کیا کرے؟

سوال: (۲۰۴) عمر کو اختلاج (دل کا مرض) یا اور کوئی ایسا مرض ہے جس سے اس کو روزہ کی مطلق برداشت نہیں ہوتی، اس کو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۷۹۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: روزہ معاف نہیں ہوسکتا، اگر کسی قوی شرعی عذر کی وجہ سے رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو بعد میں قضا کرنا واجب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۸۳)

کفارہ واجب ہے مگر روزے کی طاقت نہیں تو کیا فدیہ دے سکتا ہے؟

سوال: (۲۰۵) ایک شخص کے ذمے چند رمضان کے کفارے ہیں جو بہ اغوائے شیطانی اس کے ذمے ہوئے، ہر ایک کے لیے پیہم دو ماہ روزہ رکھنے کی بہ وجہ کمزوریٔ جسم اس میں طاقت نہیں، البتہ مسکینوں کو فدیہ کفاروں کا دینے پر آمادہ ہے، اور وہ بھی طالب علمان مدرسہ دیوبند کو، پس ایک کفارہ کے لیے کس قدر روپیہ بھیجے؟ بيّنوا توجروا (۲۲۶۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایک روزے کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا، یا ہر ایک مسکین کو نصف صاع گندم یعنی پونے دوسیر گندم بہ وزن انگریزی یا اس کی قیمت دینا ہے، پس اگر قیمت سے کفارہ ادا کرے تو ایک روزے کا کفارہ قریب انیس روپے کے ہوتا ہے، لیکن یہ روزہ رمضان کا

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۰-۳۶۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

رکھ کر توڑا جاوے اس کا کفارہ اس قدر ہے[1] اور اگر رمضان شریف کے روزے رکھے ہی نہیں ہیں تو تیس روزے کی قضا تیس روزے ہی لازم ہیں اور فدیہ دینا درست نہیں ہے، فدیہ کا حکم اس وقت ہے کہ شیخ فانی ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اچھے ہونے کی امید نہ ہو وہ فدیہ ادا کرسکتا ہے، اور جس کے ذمے روزے ہیں اور اس نے زندگی میں ادا نہیں کیے تو بہ وقت مرض الموت اگر وہ وصیت کرے کہ میرے مال میں سے فدیہ روزوں کا ادا کیا جاوے تو فدیہ اس کے مال میں سے ادا کیا جائے گا، زندگی میں فدیہ دینا سوائے شیخ فانی کے ومریض لاعلاج کے اوروں کو دینا درست نہیں ہے[2] فقط واللہ اعلم

(۶/۴۵۸-۴۶۰)

---

(۱) وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّف آدميًا مشتهىً في رمضان أداءً ...... أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين أنزل أو لا، أو أكل أو شرب غذاءً إلخ أو دواءً إلخ عمدًا إلخ قضى في الصّور كلّها وكفّر إلخ ككفّارة المظاهر (الدّرّ المختار) قوله: (وإنْ جَامَعَ إلخ) شروع في القسم الثّالث وهو مايوجب القضاء و الكفّارة، و وجوبها مقيّد بما يأتي من كونه عمدًا لا مُكرَهًا ولم يطرأ مبيح للفطر كحيض و مرض بغير صُنعه، وبما إذا نوى ليلًا. قوله: (ككفّارة المظاهر) ...... أي مثلها في التّرتيب ويعتق أوّلاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستّين مسكينًا إلخ . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي)

أطعم ...... ستّين مسكينًا إلخ كالفطرة قدرًا و مصرفًا أو قيمة ذلك من غير المنصوص (الدّرّ المختار) قوله:(كالفطرة قدرًا) أي نصف صاع من بُرّ أو صاع من تمر أو شعير إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵/۱۱۳-۱۱۴، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، لغز: أيّ حرّ ليس له كفّارة إلّا بالصّوم)

فی مسکین پونے دو سیر گندم کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کے دو من پچیس سیر ہوتے ہیں، اس وقت بازار نرخ ۶۰ روپے فی من کے حساب سے اس کی قیمت ۱۵۷ روپے، پچاس پیسے ہوتی ہے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے حساب سے قیمت لکھی ہے، بہرحال قیمتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ظفیر

(۲) فإن مَاتُوا فيه أيْ في ذٰلكَ العُذْرِ فلاَ تجبُ عليهم الوصيّة بِالفِدْيَةِ لِعَدَمِ إدْرَاكِهِمْ عِدَّةً مِنْ أيّامٍ أُخَرَ ولَوْ مَاتُوْ بعدَ زَوالِ العُذْرِ وجَبَت الوصيّةُ إلخ ، وَفَدٰى لُزُوْمًا عَنْهُ أي عن الميّتِ وَلِيُّهُ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۱-۳۶۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

عمر رسیدہ فدیہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰٦) ایک شخص جس کی عمر ستر برس کی ہے وہ بہ وجہ امراض کے بہت کمزور ہوگیا ہے اب ایک برس سے اس کو کوئی مرض نہیں، لیکن طاقت روزے کی نہیں ہے، اور بہ وجہ مسکنت فدیہ دینے سے مجبور ہے، اب اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۹۵۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: شیخ فانی جو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے اس کو فدیہ دینا لازم ہے، اور فدیہ اس کے ذمے دَین ہے جس وقت ہو ادا کرے، ورنہ مرتے وقت وصیت کرے کہ اس کے ورثہ اس کے ترکے میں سے فدیہ دیویں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۷۷)

بیماری کی وجہ سے جو روزہ قضاء ہوا، اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۷) زید پار (گزشتہ) سال رمضان المبارک میں سخت علیل ہوگیا، مسلمان معالج نے روزہ رکھنے سے زید کو منع کر دیا، چنانچہ اس نے پورے ماہ کے روزے نہیں رکھے، بعد اختتام ماہ مبارک بھی زید کی صحت قابل اطمینان نہیں رہی، اب پھر ماہ مبارک قریب ہے، اور امسال بھی روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، گزشتہ روزوں کا کفارہ کس طور پر ادا کیا جاوے، اور اب کے رمضان میں کیا شکل اختیار کی جاوے جس سے روزوں کا کفارہ ادا ہوتا رہے؟ (۱۷٦۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: زید کو فدیہ روزوں کا دینا اس صورت میں درست نہیں ہے، بلکہ انتظارِ صحت کرے اور بہ وقت صحت روزوں کی قضا کرے، اور اگر فدیہ روزوں کا دے دے گا تو وہ تبرع ہوگا، اور صدقہ نفلی ہوگا، بعد تندرست ہونے کے قضا روزوں کی اس کے ذمہ لازم ہوگی، البتہ آخر حیات تک اگر وہ روزوں کی قضا نہ کر سکے تو اس کو وصیت ادائے فدیہ کی کرنی چاہیے؛ تاکہ بعد وفات اس کے مال میں سے فدیہ ادا کیا جاوے۔ درمختار میں ہے: لمسافر إلخ أو مريض إلخ الفطر يوم العذر إلاّ السّفر .... وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية .... فإن ماتوا فيه أي في ذٰلك العذر

---

(۱) وللشّيخ الفاني العَاجزِ عن الصّومِ الفِطْرُ ويَفْدِيْ وُجُوبًا (الدّرّ المختار) وعِنْدَ الْعِجْزِ بالموتِ تجب الوصيّة بالفديةِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳٦۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

فـلا تجب عليهم الوصية بالفدية .... ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصية بقدر إدراكهم عدّةً من أيّام أخر [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۷۸-۴۷۹)

بعد صحت بیمار پر قضا ضروری ہے فدیہ کافی نہیں

سوال: (۲۰۸) ہم میں کا ایک بیمار اس دفعہ رمضان شریف کے روزے رکھنے سے معذور ہے لہٰذا طعامِ مسکین والا فدیہ کس صورت میں ادا کیا جاوے؟ کیوں کہ یہاں اوّل تو کوئی مسکین نظر نہیں آتا، اور بہ صد جدو جہد اگر تلاش کرنے پر کوئی نکل بھی آئے تو وہ غیر روزہ دار ہوتا ہے، لہٰذا فرض کس طرح ادا کیا جائے؟ (۱۳۴۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: بیمار سے جو روزے فوت ہوں ان کی قضا بعد میں رکھنا ضروری ہے، فدیہ سے کام نہیں چلتا، اگر فدیہ دے دیا تب بھی قضا لازم ہے، چوں کہ فدیہ اس صورت میں کافی نہیں ہے، اس لیے فدیہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے [۱] باقی جہاں فدیہ درست ہے مثلاً شیخ فانی کو تو وہاں بے نمازی اگر محتاج ہو اس کو فدیہ دیا جاسکتا ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۸۳)

ایسا تندرست جس میں روزہ کی طاقت نہیں ہے وہ کیا کرے؟

سوال: (۲۰۹) ایک شخص دیکھنے میں جوان اور تندرست ہے اور کسی قسم کی علالت ظاہرہ اس کو نہیں ہے، مگر کمزور بہت ہے، اور رمضان شریف کا روزہ اس سے نہیں رکھا جاتا ہے، روزے رکھنے سے اس کو بہت ہی کمزوری ہوتی ہے، اگر وہ روزہ ترک کرے گا تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

(۱۶۹۵/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ شیخ فانی کو روزہ نہ رکھنا اور فدیہ دے دینا درست ہے، اور شیخ فانی کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قوت فنا ہوگئی ہو اور روزہ کی طاقت نہ ہو، پس اگر وہ شخص خلقۃً ایسا ضعیف اور کمزور ہے کہ کسی طرح روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کو درست ہے کہ روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے دیوے،

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۵۹-۳۶۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

درمختار میں ہے: وللشّيخ الفاني العاجز عن الصّوم الفطر ويفدي وجوبًا إلخ، اور شامی میں ہے: قوله: (وللشّيخ الفاني) أي الّذي فنيت قوّته أو أشرف على الفناء إلخ (۱) فقط واللہ اعلم
(۶/۴۶۸-۴۶۹)

مرض شدید میں مبتلا شخص جس کو صحت کی امید نہیں ہے وہ کیا کرے؟

سوال: (۲۱۰) ایک شخص کئی سال سے مرض شدید میں مبتلا ہے، جس کی وجہ سے تین سال سے متواتر رمضان المبارک کا روزہ نہیں رکھ سکتا، اور اس سال بھی روزہ کی طاقت نہیں اور آئندہ بھی صحت کی امید نہیں، حالت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی ہے، اب اس کی خواہش ہے کہ اپنی زندگی میں اگلے پچھلے تمام روزوں کا فدیہ ادا کرے تو فرمایئے کہ وہ فدیہ فی روزہ کتنا ہونا چاہیے؟ اور اس کی ادا کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اگر تین سالی فدیہ اس طرح ادا کردے کہ نوے محتاجوں کو کھانا پکوا کر دے دے تو درست ہے یا نہیں؟ کسی ایک محتاج کو دو یا دو سے زیادہ روزوں کا فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (۲۲۲۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ہر ایک روزہ کے بدلے نصف صاع گندم یعنی بہ وزن انگریزی پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت محتاج کو دے، اور اگر کھانا کھلاوے تو دو وقت کھلاوے حسب حیثیت جس قدر وہ کھاوے،

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۵، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

لیکن اگر وہ ایسا نہیں ہے، بلکہ عارضی طور پر مرض کی وجہ سے ایسا ہے تو افطار کی اجازت ہے، اور بعد صحت قضا واجب ہے۔ أو مريض خاف الزّيادة لمرضه وصحيح خاف المرض إلخ الفطر يوم العذر إلخ وقضوا لزومًا ما قدروا بلا فدية وبلا ولاء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۰-۳۶۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم)

بلکہ شیخ فانی کے لیے بھی حکم ہے کہ بعد میں وہ اگر روزہ رکھنے پر قادر ہوجائے گا قضا کرے گا، شیخ فانی کے حکم کے بعد مذکور ہے: ومتٰى قدر قضٰى لأنّ استمرار العجز شرط الخلفية (الدّرّ المختار) قوله: (ومتٰى قدر) أي الفاني الّذي أفطر وفدٰى. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۶، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

غرض یہ کہ پیٹ بھر کر کھلاوے، تین سال کا فدیہ اگر ایک دن نوے مساکین کو دونوں وقت بٹھا کر پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیوے تو فدیہ ادا ہو جاوے گا، اور ایک محتاج کو ایک دن میں ایک روزہ سے زیادہ کا فدیہ نہ دے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٤٦٥/٦-٤٦٦)

استدراک: اس جواب کے اخیر میں ہے: ''ایک محتاج کو ایک دن میں ایک روزہ سے زیادہ کا فدیہ نہ دے'' اس میں تسامح ہے؛ کیوں کہ کفارۂ صوم میں تعدد فقراء یا تعدد ایام ضروری ہے، لیکن فدیۂ صوم میں تعدد فقراء یا تعدد ایام ضروری نہیں، لہٰذا کفارہ میں اگر ایک فقیر کو ایک دن میں زیادہ مقدار دے گا تو وہ ایک دن کا ہوگا؛ زیادہ محسوب نہ ہوگا، لیکن فدیہ میں اگر ایک فقیر کو ایک دن میں کئی روزوں کا فدیہ دے گا تو سب روزوں کا فدیہ ادا ہو جائے گا، جیسا کہ کتاب الصوم کے سوال: (١٨١) کے جواب میں ہے۔ محمد امین پالن پوری

دمہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا اور اب بھی مرض ہے تو کیا کرے؟

سوال: (٢١١) زید رمضان شریف میں بہ عارضہ کھانسی و دمہ مبتلا تھا، ایک روزہ رکھ کر پھر نہیں رکھ سکا، چنانچہ وہی مرض اب بھی ہے، اگر زید مذکور ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا دے تو معافی رمضان شریف کے روزوں کی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (١٣٣٨/٤٣١ھ)

الجواب: زید مریض بہ مرض مذکور کے ذمے قضا روزوں کی لازم ہے، فدیہ دینا کافی نہیں ہے، یعنی قضا اس سے ساقط نہ ہوگی بلکہ جس زمانے میں وہ مرض نہ ہو اس وقت قضا کرے، اور فدیہ ایک روزے کا ایک مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلانا ہے یا بہ قدر صدقۂ فطر کے غلہ یا قیمت دینا، مگر یہ

---

(١) فإن عجزَ عن الصّوم لمرض لا يرجى برء ه أو كبرٍ أطعم أي ملّك سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ولو حُكْمًا ولا يجزئ غير المراهق ...... كالفطرة قدرًا ومصرفًا أو قيمة ذٰلك من غير المنصوص ...... وإن أراد الإباحة فَغدّاهُمْ وعَشّاهُمْ أو غَدّاهُمْ و أعطاهم قيمة العشاء أو عكسه إلخ و أشبعهم جاز إلخ كما جاز لو أطعمَ واحدًا ستّين يومًا لتجدّد الحاجة ولو أباحه كلّ الطّعام في يومٍ واحدٍ دفعة أجزأ عن يومهٖ ذٰلك فقط إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (كالفطرة قدرًا) أي نصف صاع من برّ أوصاع من تمرٍ أوشعير، ودقيقُ كلٍّ كأصلهٖ. (الدّرّ المختار وردّالمحتار: ١١٣/٥-١١٥، كتاب الطّلاق، باب الكفّارة، لغز: أيّ حرّ ليس له كفّارة إلّا بالصّوم) ظفير

فدیہ شیخ فانی کے حق میں درست ہے، دیگر بیماروں کو قضا روزے کی کرنا لازم ہے، درمختار میں ہے: وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية إلخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۲/۶)

شدید دمہ میں مبتلا نوجوان فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۲) زید کو مرض ضیق شدید ہے، تمبا کو نوشی کی طرح ایک دوا کا دخان سینہ میں بار بار کشید کرنے سے بلغم خارج ہو کر دم درست آتا ہے، ورنہ سخت مصیبت ہے اور کوئی دوا مفید نہیں، یہ مجرب ہے، دن میں کئی دفعہ بار بار کشید دخان مفسدِ صوم کی نوبت آتی ہے، غرض روزہ نہیں رکھ سکتا، زید جوان ہے یہ دوا پیتا رہتا ہے تو تندرست ہے، سب کام کرتا ہے کیا فدیۂ صوم کافی ہے؟
(۱۶۲۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: فدیہ دینا اس کو کافی نہیں ہے جس وقت دورۂ ضیق نہ ہو قضا کرے۔ كذا في الدّرّ المختار (۲) وغيره. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۴/۶-۴۷۵)

طبیب روزے کو مضر بتلائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۳) نیاز مند بہ عارضہ گرمی و بخار شدید بیمار ہے، لیکن کسل وگرانیٔ اعضاء حتی کہ نماز میں اٹھنا بیٹھنا متعذر ہو جاتا ہے، کیا اس حالت میں افطار جائز ہے؟ (۲۰۵۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: آپ کے جو مرض کی حالت ہے اس میں طبیب حاذق مسلم کی رائے کے مطابق عمل کرنا چاہیے، اگر طبیب روزہ کو مضر بتلاوے تو ترک کر دیا جاوے ورنہ نہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۴۷۶/۶-۴۷۷)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۰-۳۶۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

(۲) أومريض خافَ الزّيادة لمرضه وصحيح خافَ المرض...... بغلبة الظّنّ بأمارة أو تجربة أوبإخبار طبيب حاذق مسلم إلخ الفطر إلخ وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۰-۳۶۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

شدید بخار میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۴) روزہ کی حالت میں اگر بخار شدید ہو اور تشنگی کی وجہ سے صائم مضطر اور بے قرار ہو تو ایسی حالت میں روزہ افطار کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۸۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر خوف ہلاکت یا زوال عقل ہو تو ایسی حالت میں افطار کرنا درست لکھا ہے، اور نیز اگر کسی طرح وہ روزہ نہیں پورا کر سکتا اور عاجز ہے تو بھی افطار کر سکتا ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۷۵-۴۷۶)

طبیب کی رائے ہو کہ دوا پینا ضروری ہے تو روزہ افطار کرنا درست ہے

سوال: (۲۱۵) اگر بیمار نے روزہ رکھ لیا ہو اور صحت و تندرستی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اور طبیب کی رائے ہو کہ وہ دوا ضرور پیے تو وہ روزہ افطار کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۴۰۴/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: ایسے مریض کو افطار صوم کی شرعاً اجازت ہے، مریض کا غلبۂ ظن یا طبیب مسلم کا خبر دینا اس شرعی رخصت کے لیے کافی ہے۔ فتاویٰ عالم گیریہ میں ہے: ومنها المرض: المريض إذا خاف علىٰ نفسه التّلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلّة وامتداده فكذٰلك عندنا وعليه القضاء إذا أفطر كذا في المحيط، ثمّ معرفة ذٰلك باجتهاد المريض، والاجتهاد غير مجرّد الوهم ، بل هو غلبة ظنّ عن أمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق كذا في فتح القدير[۲] وفي البحر: أطلق في المرض فشمل ما إذا مرض

---

(۱) لمسافر إلخ أو مريض خافَ الزّيادة لمرضه وصحيح خافَ المرض إلخ الفطر إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (خافَ الزّيادة) أو إبطاء البرء أو فساد عضو ...... أو وجع العين إلخ . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۳۵۹-۳۶۰، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصّوم، الباب الخامس في الأعذار الّتي تبيح الإفطارَ.

قبل طلوع الفجر أو بعده بعد ما شرع إلخ[1] (البحر الرّائق، مطبوعة مصر) افطار اپنے معنی کے لحاظ سے شروع نہ کرنے اور شروع کر کے توڑ دینے دونوں پر صادق ہے، مسئولہ صورت میں افطار کے یہی دوسرے معنی ہیں، مریض کو اگر مرض کی زیادتی کا خوف ہے تو وہ افطار کر سکتا ہے، یعنی شروع کرنے کے بعد اس کو فسخ کر دینے کا اختیار ہے، فقہ کی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ مسافر کو روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے، یعنی اس کے لیے جائز ہے کہ بہ حالت سفر روزہ نہ رکھے یہ معنی نہیں کہ رکھنے کے بعد توڑ سکتا ہے، یہاں افطار کا لفظ اپنے پہلے معنی یعنی شروع نہ کرنے پر بولا گیا ہے، حاصل یہ کہ افطار کا لفظ عام ہے شروع نہ کرنے اور شروع کرنے کے بعد افطار کرنے پر بولا جاتا ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم {کتبہ: عتیق الرحمٰن عثمانی}[2] (٦/٤٧٩-٤٨٠)

غشی والے کا روزہ تڑوانا ضروری نہیں ہے؛ جائز ہے

سوال: (٢١٦) حالتِ غشی میں روزہ توڑا جاوے یا نہیں؟ اگر کوئی پانی وغیرہ ڈال دے تو اس پر کچھ گناہ ہے؟ اگر ہے تو کیا کفارہ ہے؟ یا پانی ڈالنا بہتر ہے؟ اور مرض والا اس کے عوض بعد میں ایک روزہ ادا کرے یا کیا؟ (١٦٥٩/ ٣٥-١٣٣٦ھ)

الجواب: کتب فقہ میں ہے کہ یوم حدوث غشی کے روزے کی قضا نہیں ہے؛ کیوں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے اس دن نیت روزہ کی کی ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ غشی والے کا روزہ تڑوانا ضروری نہیں ہے جائز ہے[3] البتہ اگر طبیب دوا دینے کی ضرورت سمجھے تو اس کا روزہ تڑوانا اور اس کی مُنہ میں پانی دوا وغیرہ ڈالنا ضروری ہے، اور اگر کسی نے غشی والے کے مُنہ میں پانی یا دوا ڈالی تو وہ گناہ گار

---

(١) البحر الرّائق: ٤٩٢/٢، كتاب الصّوم، فصل في العوارض.

(٢) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(٣) وَقَضٰى أيّامَ إغْمَائِهِ ولو كانَ الإغماءُ مُسْتَغْرِقًا لِلشَّهْرِ لِنُدْرَةِ امتدادِهِ سِوَى يَوْمٍ حَدَثَ الإغْماءُ فِيهِ أو في لَيْلَتِهِ فلاَ يَقْضِيْهِ إلاّ إذَا عَلِمَ أنّهُ لَمْ يَنْوِهِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٧١-٣٧٢، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يقدّم القياس على الاستحسان) ظفیر

نہیں ہے، اور اس روزے کی قضا مریض پر لازم ہے؛ کفارہ واجب نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(٦/۴۸٦-۴۸۷)

ضعف دماغ کا مریض روزہ افطار کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۷) زید بہ عارضۂ ضعف دماغ مبتلا ہے جس کی وجہ سے رعشہ میں مبتلا ہو رہا ہے، اور وقتاً فوقتاً ہوجایا کرتا ہے؛ جس کی وجہ سے وہ نہایت دقت سے اپنی ملازمت کا کام انجام دیتا ہے، روزہ رکھنے سے مجبور ہے، بہ حالت صوم کوئی کام نہیں کرسکتا، اور بہ حالت انجام دہی کام ملازمت روزہ نہیں رکھ سکتا، ایسی حالت میں روزہ رکھے یا کفارہ دے یا قضا کرے۔ بیّنوا توجروا
(۱۴٦۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: مریض کو روزہ افطار کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے کہ زیادتی مرض کا اندیشہ ہو، اور تکلیف بڑھنے کا خوف ہو؛ ایسی حالت میں افطار کرنا اس کو درست ہے، اور بعد میں قضا لازم ہے فدیہ دینا اس کو جائز نہیں ہے۔ کما في الدّرّ المختار: أو مريض خاف الزّيادة لمرضه إلخ ، وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية إلخ[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۸۷)

مریض کو روزے قضا کرنے کی مہلت نہیں ملی تو نہ قضا لازم ہے نہ فدیہ واجب ہے

سوال: (۲۱۸) مریض اگر شدتِ مرض سے روزۂ رمضان نہ رکھ سکے اور انتقال کرجائے تو اس کے ورثاء کفارہ کس طرح ادا کریں؟ (۲۰۵۱/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) أو مريض خاف الزّيادة لمرضه وصحيح خاف المرض وخادمة خافت الضّعف بغلبة الظّنّ بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳٦۰، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳٦۰-۳٦۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

الجواب: مریض کو اگر اس قدر مہلت نہیں ملی اور صحت نہیں ہوئی کہ وہ ان دنوں میں روزوں کی قضا کر سکے تو اس کے ذمے قضا ان روزوں کی لازم نہیں ہوئی، اور وارثوں کے ذمے کفارہ بھی لازم نہیں ہوا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۴۸۸)

سوال: (۲۱۹) (کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت مسئولہ میں کہ)[2] زید بہ وجہ شدت مرض کے روزۂ رمضان رکھنے سے معذور رہا، اسی حالت بیماری میں انتقال ہوگیا، بہ وقت انتقال وصیت کی کہ اس رمضان کا فدیہ دے دینا، پس اس صورت میں آیا فدیہ دیا جاوے گا یا نہیں؟ (اور کس قدر؟)[2] (۴۷۷/ ۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ان روزوں کا فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔ كذا في الدّرّ المختار[1] فقط واللہ اعلم (٦/ ۴٦۲-۴٦۳)

سوال: (۲۲۰) ایک شخص فوت ہوگیا، اس پر سات روز کی نمازیں بہ وجہ مرض کے فوت ہوگئی ہیں، اور دو ماہ کے روزے قضا ہوگئے ہیں، مرض سے کافی صحت نہ ہونے کی وجہ سے معالج روزہ رکھنے سے روکتا رہا، اگر اس کے وارث اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیویں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۷۵۸/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر اس مرض سے صحت نہ ہوئی تھی جس میں روزے فوت ہوئے اور اسی مرض میں انتقال ہوگیا تو ان روزوں کی قضا لازم نہیں ہوئی، لہٰذا ان کا فدیہ ادا کرنا بھی لازم نہیں ہے[1] البتہ نمازوں کا فدیہ وارثوں کو ادا کر دینا چاہیے؛ اگرچہ میت نے وصیت نہ کی ہو، امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کفارہ نمازوں کا ہو جاوے گا، سات دن کی نمازیں ۴۲ ہوئیں مع وتر کے، اور ہر ایک نماز کا فدیہ مثل صدقۂ فطر کی پونے دو سیر گندم بہ وزن انگریزی یا ان کی قیمت دینی چاہیے[3] اور روزوں کا فدیہ

(١) فَإِنْ مَاتُوْا فِيْهِ أَيْ فِي ذٰلِكَ الْعُذْرِ فَلَا تجبُ عَلَيهِم الوصِيَّةُ بِالْفِدْيَةِ لِعَدَمِ إِدْرَاكِهِمْ عِدَّةً مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳٦۱-۳٦۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفير

(٢) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔١٢

(٣) إذا مات الرّجل وعليه صلوات فائتة فأوصٰى بأن تعطٰى كفّارة صلواته يعطٰى لكلّ صلاة نصف صاع من برّ وللوتر نصف صاع ...... من ثلث ماله إلخ، وفي فتاوى الحجّة؛ وإن لم يوص لورثته وتبرّع بعض الورثة يجوز إلخ. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٢۵، كتاب الصّلاة، قبيل الباب الثّاني عشر في سجود السّهو) ظفير

اگرچہ واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر دے دیا جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے، میت کو ثواب پہنچ جاوے گا، اور فدیہ ایک روزے کا مثل ایک نماز کے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴٦۴-۴٦۵)

سوال: (۲۲۱) ایک شخص رمضان میں بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے معذور رہا، اور بعد رمضان بھی چھ سات ماہ تک بیمار رہ کر فوت ہوگیا، اس کے ذمے ان روزوں کا فدیہ دینا واجب ہے یا نہیں؟ (۲۴۴۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کے ذمے ان روزں کا فدیہ لازم نہیں ہوا۔ کذا في الدّرّ المختار [1] وغیرہ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۷۷)

سفر میں جو روزے فوت ہوئے ان کو قضا کرنا ضروری ہے، فدیہ کافی نہیں

سوال: (۲۲۲) مسافر نے سفر میں چند روزے نہیں رکھے اور فدیہ دے دیا، اگر ان روزوں کی قضا نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ تو نہیں ہے؟ (۱۹۰۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: ان روزوں کی بعد میں قضا کرنا ضروری ہے، فدیہ کافی نہیں ہے، جیسا کہ آیت: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۴) سے ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴٦۳)

سفر میں روزہ رکھنا بہتر ہے یا نہ رکھنا؟

سوال: (۲۲۳) جس طرح نماز میں قصر ہے اسی طرح روزہ میں بھی ہے یا نہیں؟ یعنی اگر سفر میں پوری نماز پڑھے تو گنہ گار ہے کیوں کہ کفرانِ نعمت ہے، اگر روزہ رکھے تو اس وقت تو گنہ گار نہ ہوگا، کیوں کہ یہ کفرانِ نعمت ہے یا نہیں؟ روزہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ اگر سفر میں روزہ رکھے تو ثواب ہوگا یا نہ؟ (۱۲۹۰/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) أو مريض خافَ الزّيادة لمرضه إلخ فَإنْ مَاتُوْا فِيْهِ أيْ في ذٰلِكَ الْعُذْرِ فَلَا تجبُ عَليهم الوصِيّةُ بِالْفِدْيَةِ لِعَدَمِ إدْرَاكِهِمْ عِدّةً مِنْ أيّامٍ أخَرَ (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۳/۳٦۰-۳٦۲ كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم ومالايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفير

الجواب: روزہ کے لیے سفر میں یہ حکم ہے کہ بعد میں قضا ان روزوں کی کرلو جو سفر میں نہ رکھے ہوں۔ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۴) نماز کے لیے حدیث شریف میں یہ حکم آ گیا ہے کہ اس تخفیف کو قبول کرو (۱) لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امر کو وجوب کے لیے لیتے ہیں کہ قصر کرنا نماز میں ضروری فرماتے ہیں (۲) اور روزے کے لیے نص سے اختیار ثابت ہوتا ہے کہ چاہو رکھو چاہو پھر قضا کرلو، اگر سفر سہولت کا ہے اور روزے میں کچھ دشواری نہیں ہے تو بہتر روزہ رکھنا ہے، جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۴) درمختار میں ہے: **ويندب لمسافر الصّوم لآية: ﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا﴾ والخير بمعنى البرّ لاأفعل تفضيل إن لم يضرّه، فإن شقّ عليه أو علٰى رفيقه فالفطر أفضل لموافقته الجماعة إلخ** (۳) پس معلوم ہوا کہ سفر میں بہ حالت عدم مشقت روزہ (۴) رکھنے کی فضیلت اور خیریت خود خدا تعالیٰ نے فرمادی، اور نماز میں قصر نہ کرنے میں کفران نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی حکم خدا تعالیٰ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۷۱-۴۷۲)

تین دن کا شرعی سفر ہو تو روزہ افطار کرنا مسافر کو درست ہے ورنہ نہیں

سوال: (۲۲۴) ایک روز کے سفر میں بھی روزہ قضا کرسکتا ہے؟ یا تین ہی روز کے سفر میں قضا کرسکتا ہے اور کم میں نہیں کرسکتا؟ (۱۳۰۱/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) **عن يعلٰى بن أميّة قال: قلتُ لعمر بن الخطّاب: إنّما قال اللّٰه تعالٰى: ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ فقد أمن النّاس، قال عمر: عجبتُ مما عجبتَ منه: فسألتُ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم فقال: صدقة تصدّق اللّٰه بها عليكم فأقبلوا صدقته رواه مسلم.** (مشكاة المصابيح، ص: ۱۱۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة السّفر، الفصل الأوّل)

(۲) **وأمر "فأقبلوا" ظاهره الوجوب، فيؤيّد قول أبي حنيفة أنّ القصر عزيمة والإتمام إساءة** (هامش مشكاة المصابيح، ص: ۱۱۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة السّفر، رقم الحاشية: ۷)

(۳) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.**

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں "روزہ" کے بعد "نہ" تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں لفظ "نہ" نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔ ۱۲

الجواب: تین دن کا سفر ہو جب ہی روزہ افطار کرنا مسافر کو درست ہے، اس سے کم کے سفر میں روزہ افطار کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ نماز قصر کرنا تین دن سے کم سفر میں درست نہیں ہے، درمختار میں ہے: لمسافر سفرًا شرعيًّا ولو بمعصية إلخ (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٧٢-٤٧٣)

جو حالتِ تردد میں نماز قصر کرتا ہے اس کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (٢٢٥) جو لوگ حالت تردد میں قصر نماز پڑھتے ہیں ان کو رمضان شریف میں روزہ قضا کرنا جائز ہے یا نہ؟ (١٦٦۵/١٣٣٧ھ)

الجواب: مسافر کو جب تک وہ کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرے، اور تردد میں ہو نماز قصر کرنا چاہیے، اور روزے کو بھی وہ افطار کر سکتا ہے، بعد میں قضا کرے غرض جس حالت میں نماز قصر جائز ہے روزہ کا افطار کرنا بھی درست ہے (٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٧۵)

جو ہمیشہ سفر میں رہتا ہے اس کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (٢٢٦) ایک شخص جہاز میں نوکر تھا، اس نے اپنے کو مسافر سمجھ کر دو تین رمضان روزے نہیں رکھے، اور نہ بعد میں قضا کیا، اسی حالت میں مر گیا؛ وہ گنہ گار ہے یا نہیں؟ جو ریل یا جہاز میں ملازم ہوتا ہے وہ ہمیشہ سفر میں رہتا ہے، روزہ قضا کرنے کی کیا صورت ہے؟ (١٨٤٧/١٣٣٩ھ)

الجواب: وہ مسافر ہے جب تک کسی ایک مقام پر پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرے گا مسافر ہی رہے گا، اور مسافر کو روزہ افطار کرنا بہ حالت سفر درست ہے، مگر بعد سفر ختم ہونے کے قضا ان روزوں

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣۵٩، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

(٢) لمسافر سفرًا شرعيًا ولو بمعصية إلخ الفطر إلخ وقضوا لزومًا (الدّرّ المختار) قوله: (سفرًا شرعيًا) أي مقدّرًا في الشّرع لقصر الصّلاة ونحوه. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/٣۵٩-٣٦٠، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفير

کی لازم ہے، اگر قضا نہ کرے گا اور بدون وصیت فدیہ کے مر گیا تو اس پر مواخذہ رہے گا[۱] (اور سفر میں مر گیا تو نہ روزوں کی قضا لازم ہے، نہ فدیہ یا فدیہ کی وصیت کرنا لازم ہے[۲] محمد امین) فقط واللہ اعلم (٦/۴۸۵)

مسافر سفر میں انتقال کر گیا تو اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۷) ایک شخص رمضان شریف میں مسافر ہوا اور وہ روزہ دار نہیں تھا؛ وہ انتقال کر گیا، اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۲۹۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس کے ذمہ قضا روزہ کی لازم نہیں ہوئی، اور فدیہ یا وصیت بالفدیہ بھی لازم نہیں ہوئی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۳۲)

حاملہ عورت کی رضاعت کی مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر حاملہ ہوگئی تو روزہ کس طرح رکھے؟

سوال: (۲۲۸) ایک حاملہ عورت بہ وجہ اندیشۂ نقصانِ حمل روزہ رکھنے سے محروم رہی، اور بعد وضع حمل بہ وجہ رضاعت کے معذور رہی، اور رضاعت کی مدت پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ حمل پھر قرار پا گیا، اسی طرح پر تواتر قائم ہو گیا تو اب حاملہ روزہ کس طرح پر رکھے؟ جب کہ اس کا تواترِ حمل قائم نہ رہے اس وقت گزشتہ سالوں کے روزے رکھے یا کفارہ ادا کرے؟ (۱۳۱۱/۱۳۴۰ھ)

---

(۱) لمسافر سفرًا شرعيًّا إلخ الفطر يوم العذر إلّا السّفر ...... وقضَوا لزومًا ما قدّروا إلخ ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵۹-۳٦۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) فإن ماتوا فيه أي في ذٰلك العذر فلا تجب عليهم الوصيّة بالفدية لعدم إدراكهم عدّة من أيّام أخر (الدّرّ المختار) أي فلم يلزمهم القضاء ووجوب الوصيّة فرع لزوم القضاء. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳٦۱-۳٦۲، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم)

الجواب: اگر حالتِ حمل میں اس کو روزے رکھنے کی طاقت نہیں ہے، یا بچہ کی طرف سے اندیشہ ہے تو جس وقت اس کا تواترِ حمل منقطع ہو اس وقت قضا کرے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(٦/٤٦١-٤٦٢)

دردِ زہ کی وجہ سے روزہ توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟ اور کن اعذار کی وجہ سے روزہ توڑنا درست ہے؟

سوال: (۲۲۹) ...... (الف) حالتِ صومِ رمضان میں عورت حاملہ کو دردِ زہ ہوا، تشنگی غالب ہونے پر روزہ افطار کردیا، اور قریب عصر کے وضعِ حمل بھی ہوگیا، اس صورت میں عورت پر کفارہ واجب ہوگا یا صرف قضا؟

(ب) انسان کن کن عذرات سے بلا کفارہ روزہ توڑ سکتا ہے؟ (۱۲۰۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں صرف قضا اس روزہ کی لازم ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔
ثمّ إنّما يكفّر إن نوى ليلاً ولم يكن مكرهًا ولم يطرأ مسقط كمرض وحيض إلخ [۲] (الدّرّ المختار) اور ظاہر ہے کہ نفاس مثل حیض کے ہے، مسقط صوم ہونے میں۔

(ب) مرض اور سفر وغیرہ اور خوفِ زیادتیٔ مرض وغیرہ اعذار کی وجہ سے روزہ توڑ سکتا ہے اور کفارہ نہیں آتا، اور بلا عذر رمضان کا روزہ رکھ کر توڑنا موجبِ کفارہ ہے؛ لیکن وجوبِ کفارہ میں وہی شرط ہے جو عبارت مذکورہ بالا إنّما يكفر إلخ میں مذکور ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(٦/٤٦٣-٤٦٤)

---

(۱) لِمُسَافِرٍ سَفرًا شَرْعِيًّا ...... أَوْ حَامِلٍ أَوْ مُرْضِعٍ أُمًّا كَانَتْ أَوْ ظِئْرًا عَلَى الظَّاهِرِ خَافَتْ بِغَلَبَةِ الظَّنِّ عَلىٰ نَفْسِهَا أَوْ وَلَدِهَا إلخ الفِطْر إلخ وقَضَوْا لُزُوْمًا ما قَدَّرُوْا بِلاَ فِدْيَةٍ (الدّرّ المختار) أي من تقدّم حتّى الحاملَ والمرضع وغلب الذّكور فأتى بضميرهم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۵۹-۳٦۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في الكفّارة.

زچّہ یا کمزور عورت روزے کے بدلے فدیہ دے سکتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۳۰) زچہ یا کمزور عورت جو روزہ نہ رکھ سکے فدیہ دے دے تو جائز ہے یا نہ؟
(۲۱۷۷/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں فدیہ دینا کافی نہیں ہے، اگر فدیہ دے دیا اور پھر صحت اور قوت آ گئی تو اس روزہ کی قضا کرنی لازم ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۷۸)

دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۲۳۱) جو عورت بچہ کو دودھ پلاتی ہو اس کو روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؛ جب کہ عورت کمزور ہے؟ (۱۹۳۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر بچے کی طرف سے یا اس عورت کی طرف سے اندیشہ ہو کہ عورت کے روزہ رکھنے کی وجہ سے بچہ ہلاک ہو جاوے گا، یا عورت بہ وجہ ضعف کے ہلاک ہو جاوے گی، یا اس کے دودھ نہ رہے گا اور بچہ ہلاک ہو جاوے گا؛ تو اس صورت میں عورت رمضان شریف میں روزہ افطار کرے اور بعد میں قضا کرے۔ کما في الدّرّ المختار: أو حامل أو مرضع ...... خافت بغلبة الظّنّ علی نفسها أو ولدها إلخ الفطر إلخ[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۶۴)

سوال: (۲۳۲) ایک عورت جس کی گود میں تین مہینہ کی بچی ہے، اور دودھ بہت کم ہے اور سحری کا کھانا ہضم نہیں ہوتا، وہ روزے رمضان کے افطار کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور پھر قضا متواتر رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۲۰۱۹/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس عورت کے لیے روزوں کا افطار کرنا درست ہے، مگر بعد میں قضا کرنا ضروری ہے

---

(۱) والحامل والمرضع إذا خافتا علیٰ أنفسهما أو ولديهما أفطرتا وقضتا دفعًا للحرج ولا كفّارة عليهما لأنّه إفطار بعذر ولا فدية عليهما. (الهداية: ۱/۲۲۲، كتاب الصّوم، باب ما يوجب القضاء والكفّارة) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵۹-۳۶۰، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.

جس وقت بچی بڑی ہوجاوے اور اس کا دودھ چھوٹ جاوے اس وقت قضا کرے، بہر حال غرض یہ ہے کہ جس وقت اتنی طاقت آجاوے کہ روزہ رکھ سکے اس وقت قضا کرے فدیہ کافی نہ ہوگا[1] اور روزوں کی قضا کا متواتر رکھنا ضروری نہیں ہے، متفرق رکھے جاسکتے ہیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(٦/٤٨٠-٤٨١)

دشوار معاشی کاموں کی وجہ سے رمضان کے روزے قضا کرنا درست نہیں

سوال: (٢٣٣٣) روزۂ رمضان کہ فرضیت اومؤکد بالقرآن والحدیث واجماع امت است، بہ عذر کارہائے معاش ہمچو کاشتکاری وخبازی ودیگر افعال شدید کہ در موسم گرما انسان راچنداں تشنگی می دہند، اکثر مردم کار نیز می کنند وروزہ نیز می دارند، وبعض مردم کاہل روزہ نمی دارند، وقضا بعد آں نمی شود؛ آیا گزاشتن روزہ بدیں عذر چہ حکم دارد؟ (١٣٣٥/١٧٢٥ھ)

الجواب: ازیں عذرہا روزۂ رمضان شریف قضا کردن درست نیست، بلکہ لازم است کہ در رمضان المبارک ایں چنیں اعمال شاقہ نکند کہ نوبت قضا کردن روزہ برسد۔ قال في الدّرّ المختار: **لا يجوز أن يعمل عملاً يصل به إلى الضّعف فيخبز نصف النّهار ويستريح الباقي، فإن قال: لا يكفيني كذب بأقصر أيّام الشّتاء فإن أجهد الحَرّ نفسه بالعمل حتّٰى مرض فأفطر ففي كفّارته قولان إلخ**[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٦٦-٤٦٧)

---

(١) وَمِنْهَا حَبْلُ الْمَرْأَةِ وَإِرْضَاعُهَا الْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إذا خَافَتَا علٰى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدِهِمَا أَفْطَرَتَا وَقَضَتَا ولاَ كفّارةَ عَلَيْهِمَا كذا فِي الخُلاصةِ. (الفتاوى الهندية: ١/٢٠٧، كتاب الصّوم، الباب الخامس في الأعذار الّتي تبيح الإفطارَ) ظفير

(٢) أو مُرضع إلخ خافت...... علٰى نفسها أو ولدها...... الفطر إلخ وقضوا لزومًا إلخ بلا ولاء (الدّرّ المختار) أي موالاة بمعنى المتابعة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٥٩-٣٦١ كتاب الصّوم، الباب الخامس في الأعذار الّتي تبيح الإفطارَ) ظفير

(٣) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٥٧-٣٥٨، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، قبيل فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم.　==

ترجمہ سوال: (٢٣٣) رمضان کا روزہ جس کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، معاشی کاموں جیسے کاشتکاری، روٹی بنانا اور دیگر دشوار کاموں کے عذر کی وجہ سے جو گرمی کے موسم میں انسان کو بہت پیاسا کر دیتے ہیں، اکثر لوگ کام بھی کرتے ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں، اور بعض کاہل لوگ روزہ نہیں رکھتے اور اس کے بعد قضا بھی نہیں کرتے، آیا اس عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ان عذروں کی بناء پر رمضان شریف کے روزے قضا کرنا درست نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ رمضان المبارک میں اس قسم کے دشوار ترین کام نہ کرے کہ روزے کے قضا کرنے کی نوبت آئے۔ درمختار میں ہے: **لا یجوز أن یعمل عملاً یصل به إلی الضّعف إلخ .**

جانکنی کی حالت میں روزہ افطار کرانا درست ہے

سوال: (٢٣٤) اگر کوئی روزہ دار جانکنی کی حالت میں ہو تو اس کو روزہ افطار کرا کر شربت دینا چاہیے یا نہیں؟ (١٥٧١/٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: ایسی حالت میں روزہ افطار کرا دینا چاہیے اور شربت وغیرہ دینا چاہیے۔ (٤٧٠/٦)

وضاحت: اگر یہ شخص بعد میں تندرست ہو گیا تو اس روزے کی قضا لازم ہے، ورنہ نہیں۔ امین

شدید پیاس ہو تو روزہ افطار کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (٢٣٥) اگر پیاس شدید ہو تو روزہ چھوڑنا درست ہے یا نہیں؟ (٣٨٠/١٣٣٨ھ)

== والّذي یَنْبغي فِي مَسْئلةِ الْمُحْترِفِ حَیثُ کانَ الظّاهرُ أنَّ مَا مَرَّ مِنْ تَفقُّهاتِ الْمَشائِخِ لَا مِنْ منقُولِ المذْهبِ أن یقالَ: إذا کانَ عندهُ ما یکفیهِ وعِیالهُ لَا یحلُّ لهُ الفطرُ ؛ لأنّه یحرُمُ عَلیهِ السُّؤالُ من النّاسِ فالفطرُ أولٰی وإلاّ فله العملُ بقدر ما یکفیه، ولو أدّاهُ إلی الفطرِ یحلُّ لهُ إذا لم یُمکنهُ العملُ في غیرِ ذٰلكَ ممّا لَا یُؤدّیهِ إلی الفطرِ ...... قال الشُّرُنْبُلَالِيْ: صورتهُ : صَائِمٌ أتْعَبَ نَفْسَهُ في عملٍ حتّی أجهده العطشُ فأفْطرَ لزِمَتْهُ الکفّارةُ ، وقیل: لَا، وبهٖ أفتی الْبَقَّالِيُّ.......... وظاهرُهُ وهو الّذيْ في الشُّرُنْبُلَالِیَّةِ عن الْمُنْتَقٰی: تَرْجِیْحُ وُجُوبِ الکَفّارَةِ . (ردّ المحتار: ٣/ ٣٥٨، کتاب الصّوم، فصل في العوارض المبیحة لعدم الصّوم) ظفیر

الجواب: رمضان شریف کے روزے میں اگر پیاس اس درجہ شدید ہو کہ خوفِ ہلاکت یا نقصانِ عقل ہو تو افطار جائز ہے۔ اور اس صورت (۱) میں فتویٰ مفتی کا (دربارۂ افطار) جائز ہے، اور جو شخص یہ کہے کہ بلا کفارہ مفتی کے پیچھے نماز جائز نہیں وہ خطا پر ہے اور قول اس کا غلط ہے (۲) فقط واللہ اعلم (۴۷۶/۶)

نذر کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۳۶) ایک عورت نے نذر کی کہ اگر میرے اولاد ہو، خداوند کریم مجھ کو اولاد بخشے؛ تو نو ماہ کے روزے رکھوں گی، اب اس کے اولاد ہونے لگی، اور نذر کے روزے رکھ نہیں سکتی، جب روزہ رکھتی ہے بیمار ہو جاتی ہے، لہٰذا وہ عورت فدیہ دے سکتی ہے یا نہیں؟ (۲۱۶۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں ان روزوں کا رکھنا لازم ہے جس وقت ممکن ہو رکھے، اور جب کہ رکھنے سے بالکل ناامید ہو جاوے اس وقت فدیہ کی وصیت کر دے (۳) فقط واللہ اعلم (۴۸۱/۶)

نذر کے بیس روزے رکھے، دس باقی تھے کہ انتقال ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۳۷) زید نے ایک ماہ کے روزے کی نذر کی، بیس روزے پورے ہوئے تھے کہ انتقال ہو گیا، اب اس کے ذمے دس روزے جو باقی ہیں اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ (۱۷۴۹/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) رجسٹر نقول فتاویٰ میں سوال وجواب اسی طرح ہیں، جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کو محرر نے مختصر کر کے نقل کیا ہے۔ محمد امین پالن پوری

(۲) قَدْ ذَكَرَ الْمُصَنِّفُ مِنْهَا خَمْسَةً وَبَقِيَ الإِكْرَاهُ وخَوْفُ هَلاَكٍ أو نُقْصانُ عَقْلٍ وَلَوْ بِعَطَشٍ أو جُوْعٍ شَدِيْدٍ وَلَسْعَةِ حَيَّةٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۵۸-۳۵۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفير

(۳) وَلَوْ أَخَّرَ الْقَضَاءَ حتّٰى صارَ شَيْخًا فَانِيًا أَوْ كانَ النَّذْرُ بِصِيَامِ الأَبَدِ فَعَجَزَ إلخ فَلَهُ أَنْ يُفْطِرَ وَيُطْعِمَ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا علىٰ ما تَقَدَّمَ (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۹، كتاب الصّوم، الباب السّادس في النّذر) ظفير

الجواب: اگر زید نے کچھ مال چھوڑا ہو اور وصیت ادائے فدیہ کی کر گیا ہو تو دس روزوں کا فدیہ زید کے ترکہ میں سے دے دیا جاوے، اور اگر زید نے وصیت نہیں کی تو اگر تبرعًا اس کے ورثہ اس کے روزوں کا فدیہ ادا کر دیں تو یہ اچھا ہے، اور امید ہے کہ متوفی کے روزوں کا کفارہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جاوے گا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۸۱-۴۸۲)

بلا عذر شرعی رمضان کے روزوں کا فدیہ دینا درست نہیں

سوال: (۲۳۸) ایک شخص بلا عذر شرعی کے رمضان شریف کے روزے نہیں رکھتا، ایک مسکین کو روزمرہ کھانا کھلا دیتا ہے روزہ ساقط ہوتا ہے یا نہ؟ (۱۳۳۹/۱۹۷۷ھ)

الجواب: اس طریق سے روزے اس کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتے، اور آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۴) منسوخ ہے یا مؤوَّل ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۸۶)

میزان اور فارسی پڑھنے والوں کو فدیہ دینا درست ہے

سوال: (۲۳۹) میزان و فارسی پڑھنے والوں کو اگر فدیہ دیا جاوے تو اس میں ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۵۴۸ھ)

الجواب: میزان اور فارسی پڑھنے والوں کو فدیہ دینے میں ثواب ضرور ہے، مگر حدیث پڑھنے

---

(۱) ولَوْ قَالَ مَرِيضٌ: لِلّٰهِ عليَّ أنْ أصُوْمَ شهرًا فَمَاتَ قَبْلَ أن يَصِحّ لا شيءَ عليهِ ، وإنْ صَحّ ولو يَومًا ولَمْ يَصُمْهُ لَزِمَهُ الوصيّةُ بِجميعِهٖ على الصّحيحِ كالصّحيحِ إذَا نَذَرَ ذٰلكَ وماتَ قبلَ تمامِ الشّهرِ لزِمَهُ الوصيّةُ بالجَميعِ بالإجْمَاعِ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۷۷-۳۷۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده ، مطلب في صوم السّتّة من شوّال) ظفیر

(۲) فذهب أكثرهم إلى أنّ الآية منسوخة .... وذٰلك أنّهم كانوا في ابتداء الإسلام مخيّرين إلخ ثمّ نسخ التّخيير ونزلت العزيمة إلخ. (تفسير المظهري: ۱/۲۱۵، تفسير سورة البقرة) ظفیر

والوں کو دینے میں زیادہ ثواب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۱/۶)

ایک ماہِ رمضان کا فدیہ کس قدر ہوتا ہے؟

سوال: (۲۴۰) کل ماہِ رمضان المبارک کا فدیہ ایک آدمی کا کس قدر ہوتا ہے؟

(۱۳۳۳-۳۲/۵۴۸ھ)

الجواب: ایک ماہِ رمضان کا فدیہ اسّی (۸۰/تولہ) کے وزن سے ساڑھے ۵۲ سیر گندم ہوتے ہیں، ایک روزے کا فدیہ پونے دو سیر ہے اسّی (۸۰/تولہ) کے وزن سے، اور اس وقت قیمت ساڑھے ۵۲ سیر گندم کی تقریباً ۵ روپے ہوتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۱/۶)

---

(۱) وفِي سَبيل اللّٰهِ وهو مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ، وقِيْلَ: الحَاجُّ، وقيلَ: طَلَبَةُ الْعِلْمِ، وَفَسَّرَهُ فِي الْبَدَائِعِ بِجَمِيْعِ الْقُرَبِ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲۶۱/۳، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

روزہ کے متفرق مسائل

شوال کے چھ روزے متفرق رکھنا افضل اور بہتر ہے

سوال: (۲۴۱) ماہ شوال میں جو چھ روزے نفلی رکھے جاتے ہیں؛ ان روزوں کو عید کے اگلے ہی روز سے شروع کردے یا کیا؟ اگر عید سے اگلے روز شروع نہ کیا تو باقی مہینے میں رکھے یا نہیں؟
(۱۳۳۶-۳۵/۲۰۷۱ھ)

الجواب: شوال کے چھ روزے جو شش عید کے نام سے مشہور ہیں درمختار میں لکھا ہے کہ متفرق رکھنا ان کا بہتر اور مستحب ہے، اور پے در پے رکھنا بھی مکروہ نہیں ہے۔ **وندب تفریق صوم السّت من شوّال ولا یکرہ التّتابع إلخ** [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۱/٦)

سوال: (۲۴۲) شوال کے چھ روزے متفرق رکھنا افضل ہے یا پے در پے رکھنا؟
(۱۳۳۳-۳۲/۴۷۱ھ)

الجواب: درمختار اور شامی میں ہے کہ شوال کے چھ روزے متفرق رکھنا افضل اور بہتر ہے، اور پے در پے رکھنا ۲ شوال سے بھی جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔ **وندب تفریق صوم السّتّ من شوّال ولا یکرہ التّتابع علی المختار** [1] **(الدّرّ المختار)** فقط واللہ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

شوال کے چھ روزے لگاتار رکھنا مکروہ نہیں

سوال: (۲۴۳) در شوال شش روزہ متصل داشتن مکروہ است یا نہ؟ یا شش روزہ متفرق دارد؟
(۱۳۳۵/۱۵۸۲ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۷۵، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسدہ، مطلب في صوم السّتّة من شوّال .

الجواب: قال في الدّرّ المختار: وندب تفريق صوم السّتّ من شوّال ولا يكره التّتابع على المختار [1] یعنی مستحب است، متفرق کردن شش روزۂ شوال را و تتابع ہم مکروہ نیست على القول المختار. فقط (٦/٤٨٩)

ترجمہ سوال: (٢٤٣) شوال میں چھ روزے متصل رکھنا مکروہ ہے یا نہ؟ یا چھ روزے الگ الگ رکھے؟

الجواب: درمختار میں ہے: وندب تفريق صوم السّتّ من شوّال إلخ. یعنی شوال کے چھ روزوں کو الگ الگ رکھنا مستحب ہے، اور قول مختار کے مطابق لگاتار رکھنا بھی مکروہ نہیں ہے۔ فقط

نفل روزے کتنی تعداد میں مسلسل رکھنا ضروری ہے؟

سوال: (٢٤٤) عالمے می فرماید کہ ہر روزۂ نفل یک و دو نباید داشت کہ مشابہت بہ صوم یہود می شود، بالخصوص صوم عاشوراء محرم از نہم تا یازدہم باید داشت، وعلی ہذا ہر صوم کم از سہ یوم نباید داشت تا مشابہت نہ آید؟ (٣٠٤/٣٥-١٣٣٦ھ)

ترجمہ سوال: (٢٤٤) ایک عالم فرماتے ہیں کہ کوئی بھی نفلی روزہ ایک اور دو نہیں رکھنا چاہیے، اس لیے کہ یہود کے روزے کے ساتھ مشابہت ہوجاتی ہے، بالخصوص عاشوراء محرم کے روزے نو سے گیارہ تک رکھنے چاہئیں، اور اسی بناء پر تمام روزے تین دن سے کم نہیں رکھنے چاہئیں تاکہ (یہود کے ساتھ) مشابہت نہ ہو۔

الجواب: عاشوراء کے روزے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ تنہا روزہ رکھنا عاشوراء کا مکروہ تنزیہی ہے یعنی غیر اولیٰ ہے، اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھے؛ نویں کا یا گیارہویں کا، اور شنبہ کے روزے میں بھی فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھے، شنبہ کا روزہ تنہا نہ رکھے بہ وجہ مشابہت یہود کے کہ وہ شنبہ کا روزہ تعظیماً رکھتے تھے [2] باقی یہ نہیں ہے کہ کوئی روزہ نفلی تنہا نہ رکھے،

---

(١) حوالۂ سابقہ۔١٢

(٢) ونَفْلٌ كَغَيْرِهِمَا يَعُمُّ السُّنَّةَ كصومِ عاشوراءَ مَعَ التَّاسِعِ إلخ (الدّرّالمختار) ويُسْتَحَبُّ أنْ يصُومَ يوم عاشُوراءَ بصومِ يومٍ قَبْلَهُ أوْيَوْمٍ بعدَهُ لِيَكُونَ مُخالفًا لأهلِ الكتابِ إلخ، وقوله: (وعاشُوْرَاءَ وحَده) أيْ مُفْرَدًا عنِ التَّاسِعِ أوْ عنِ الْحَادِيْ عَشَرَ ...... لأنّه تَشَبُّهٌ باليَهُوْدِ ...... قوله: (وسَبْت وحدَه) لِلتّشبّهِ باليَهُود. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٠٠-٣٠٢، كتاب الصّوم) ظفير

بلکہ پیر اور جمعرات کا تنہا تنہا روزہ رکھنا حدیث شریف میں وارد ہوا ہے[۱] اور یہ بھی قول غلط ہے کہ تین روزے سے کم نہ رکھے بلکہ جو روزہ تنہا مکروہ ہے، جیسا کہ عاشوراء کا روزہ اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھنے سے کراہت مرتفع ہو جاتی ہے، دو روزے ہو جانا کافی ہے؛ چنانچہ وہ روایت جو صوم کے متعلق ان مولوی صاحب نے نقل فرمائی ہے اس میں بھی یہ لفظ ہے: **ويصوم التّاسع من المحرّم ويوم عاشواء أو الحادي عشر إلخ**[۲] اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صوم عاشوراء کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھے یا گیارہویں کا، پس معلوم نہیں کہ یہ وہ کہاں سے کہتے ہیں کہ تین دن سے کم نفلی روزے نہ ہوں یہ بالکل غلط ہے، عموماً ایک روزہ نفل کا درست ہے، جیسا کہ پیر اور جمعرات کا روزہ منفرداً حدیث شریف میں وارد ہے[۱] اور جمعہ کا روزہ بھی **منفردًا على الصّحيح** مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: **والمندوب كأيّام البيض من كلّ شهر ويوم الجمعة ولو منفردًا وعرفة ولو لحاجّ إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (ويوم الجمعة ولو منفردًا) صرّح به في النّهر وكذا في البحر، فقال: إنّ صومه بانفراده مستحبّ عند العامّة كالإثنين والخميس إلخ**[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۸۹-۴۹۰)

نابالغ کے لیے رمضان کا روزہ رکھنا بہتر ہے یا پڑھنے میں سعی کرنا؟

سوال: (۲۴۵) نابالغ طلباء کو رمضان کے روزے رکھنا بہتر ہے یا درس میں سعی کرنا، جب کہ

---

(۱) عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يتحرّى صومَ الاثنين والخميس. (جامع الترمذي: ۱/۱۵۷، أبواب الصّوم، باب ما جاء في صوم يوم الاثنين والخميس) ظفیر

وعن مولى أسامة بن زيد أنّه انطلق مع أسامة إلى وادي القرى في طلب مال له فكان يصوم يوم الاثنين ويوم الخميس، فقال له مولاه لم تصوم الاثنين ويوم الخميس، وأنت شيخ كبير؟ فقال: إنّ نبيّ الله صلّى الله عليه وسلّم كان يصوم يوم الاثنين ويوم الخميس، وسئل عن ذلك؟ فقال: إنّ أعمال العباد تعرض يوم الاثنين ويوم الخميس (أبوداؤد: ۱/۳۳۱، كتاب الصّيام، باب في صوم الاثنين والخميس)

(۲) یہ روایت ہمیں نہیں ملی ۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۰۱، كتاب الصّوم.

روزہ رکھنے سے ان کوضعف ہوتا ہواوروہ تعلیم میں مصروف رہتے ہوں؟ (۱۵۳۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وإن وجب ضُرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبةٍ لحديث مروا أولادكم بالصّلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر، قلت: والصّوم كالصّلاة على الصّحيح كما في صوم القهستاني معزيًا للزّاهدي، وفي حظر الاختيار: أنّه يؤمر بالصّوم والصّلاة ويُنهى عن شرب الخمر ليألف الخير ويترك الشّرّ إلخ[1] اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا حکم روزے کے بارے میں مانند نماز کے ہے کہ سات برس کی عمر سے نماز روزے کا حکم کیا جاوے، اور دس برس کی عمر میں مار کر نماز روزہ رکھوایا جاوے، پس چاہیے کہ رمضان شریف میں بچوں سے تحصیلِ علم کی محنت کم لی جاوے[2] اسی وجہ سے مدارس اسلامیہ میں عمومًا رمضان شریف کی تعطیل کردی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۰-۴۹۱)

۲۷ رجب کے روزے کی جو فضیلت بیان کی جاتی ہے اس کی کچھ اصل نہیں

سوال: (۲۴۶) ۲۷ رجب کو جو روزہ رکھتے ہیں یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اس کو بعض لوگ ہزارہ روزہ کہتے ہیں؟ (۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ستائیسویں رجب کے روزے کو جو عوام ہزارہ روزہ کہتے ہیں اور ہزار روزوں کے برابر اس کا ثواب سمجھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۴۹۱-۴۹۲)

روزے کی حالت میں شطرنج کھیلنے سے روزے کا ثواب کم ہوجاتا ہے

سوال: (۲۴۷) ایک واعظ نے بیان کیا کہ جو شخص روزے میں شطرنج وغیرہ کھیلے گا اس روزے کا

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶-۷، كتاب الصّلاة.

(۲) ويؤمر الصّبيّ بالصّوم إذا أطاقه ويضرب عليه ابن عشر كالصّلاة في الأصحّ (الدّرّ المختار) قوله: (ويضرب) أي بيد لا بخشبة ولا يجاوز الثّلاث كما قيل به في الصّلاة (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۴، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفیر

ثواب کامل نہیں ملے گا، اور حالانکہ شطرنج امام شافعی صاحب کے نزدیک جائز ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ سے کھیلنا ثابت ہے؛ یہ قول اس واعظ کا صحیح ہے یا نہیں؟ (۴۲۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: واعظ مذکور کا قول صحیح ہے، جس روزے میں شطرنج اور لہو ولعب میں مشغول رہا اور معصیت کا ارتکاب کیا، اس روزے کا ثواب کامل نہ ملے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: من لم يدع قولَ الزّور والعملَ به فليس لله حاجةٌ في أن يدع طعامَهٗ وشرابَهٗ، رواه البخاري(۱) وفي حديث آخر: كم من صائم ليس له مِن صيامه إلّا الظّمأُ، وكم من قائم ليس له من قيامه إلّا السّهرُ، رواه الدّارمي(۱) قال الطّيبي: فإنّ الصّائم إذا لم يكن محتسبًا أو لم يكن مجتنبًا عن الفواحش من الزّور والبهتان والغيبة ونحوها من المناهي فلا حاصل له إلّا الجوع والعطش إلخ(۲) وفي الدّرّ المختار: وكره تحريمًا اللّعب بالنّرد وكذا الشّطرنج إلخ(۳) وفي الشّامي: فهو حرام وكبيرة عندنا إلخ(۳) پس جب کہ کتب فقہ میں تصریح ہے شطرنج کے ساتھ کھیلنے کی کراہت اور حرمت کی؛ تو حنفیہ کے لیے کوئی عذر باقی نہیں ہے، امام شافعی(۴) کے قول سے حنفیہ کو حجت لانا صحیح نہیں ہے، اور حضرت ابو ہریرہؓ کا شطرنج کھیلنا ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۲/۶-۴۹۳)

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۱۷۶-۱۷۷، كتاب الصّوم، باب تنزيه الصّوم، عن أبي هريرة مرفوعًا.

(۲) هامش مشكاة المصابيح، ص:۱۷۷، باب تنزيه الصّوم، رقم الحاشية:۴.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۸۱/۹، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع.

(۴) یہ قول بھی درست نہیں ہے کہ امام شافعیؒ شطرنج کھیلنا جائز فرماتے ہیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے جواز کے قول کی تردید کی ہے؛ وہ تحریر فرماتے ہیں: قال الشّافعيّ في اللّعب بالشّطرنج: هو لهوٌ شبهُ الباطل أكرهُهٗ ولا يتبيّن لي تحريمه فقد نصّ علٰى كراهته وتوقّف في تحريمه فلا يجوز أن يُنسب إليه وإلٰى مذهبه أنّ اللّعب بها جائز، وأنه مباحٌ فإنّه لم يقل هٰذا ولا ما يدلّ عليه. (إعلام الموقعين عن ربّ العالمين: ۷۹/۲-۸۰، رأي الشّافعي في اللّعب بالشّطرنج بتحريمه، المطبوعة: دار ابن الجوزي، الرّياض) ظفیر

دوسرے کی افطاری سے روزہ افطار کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۴۸) ایں کردن کہ افطارِ صوم بر افطاری غیر نباید کرد کہ ثواب صوم صاحبِ طعام را می رسد، صحیح است یا نہ؟ (۱۳۸۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: ایں عقیدہ فاسد است کہ افطار بر افطاری غیر نباید کرد کہ ثوابِ صوم؛ صاحبِ طعام را می رسد[1] فقط (۶/۴۹۳)(۲)

ترجمہ سوال: (۲۴۸) یہ بات کہ دوسرے کی افطاری سے روزہ افطار نہیں کرنا چاہیے کہ (اس سے) روزے کا ثواب صاحب طعام کو مل جاتا ہے؛ صحیح ہے یا نہ؟

الجواب: یہ عقیدہ فاسد ہے کہ دوسرے کی افطاری سے افطار نہیں کرنا چاہیے کہ (اس سے) روزے کا اجر صاحب طعام کو پہنچ جاتا ہے۔ فقط

کھجور اور چھوارے سے روزہ افطار کرنا افضل ہے

سوال: (۲۴۹) روزہ افطار کرنا چھوہارے یعنی کھجور سے بہتر ہے یا دودھ پیڑے سے؟

(۲۷۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: کھجور اور چھوارے سے افطار کرنا افضل ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۴)

---

(۱) حدیث نبوی ہے: من فطّر فيه صائمًا كان لهٗ مغفرةً لذنوبهٖ وعتقَ رقبتِهٖ من النّار وكان له مثل أجرهٖ من غيرِ أن ينتقص من أجرهٖ شيء. (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۳، كتاب الصّوم، الفصل الثّالث، عن سلمان الفارسيّ مرفوعًا) ظفیر

(۲) یہ سوال و جواب مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کے اضافہ کیے ہوئے ہیں؛ کیوں کہ اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے، نیز جواب بھی رجسٹر میں مطبوعہ کے مطابق نہیں ہے، صرف یہ عبارت موجود ہے: ''درفسادِ عقیدۂ عوام کہ افطار بر افطاری غیر نباید کہ ثواب صوم صاحب طعام را برسد'' ۔۱۲

(۳) عن أنس قال: كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يُفطر قبل أن يُصلّي على رُطَبَات فإن لم تكن رُطباتٌ فتُمَيراتٌ فإن لم تكن تُميرات حسا حسواتٍ من ماء، رواه التّرمذي وأبو داؤد (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۵، كتاب الصّوم، باب؛ بعد باب رؤية الهلال، الفصل الثّاني) ظفیر

ہندو کے پانی سے روزہ کھولنا درست ہے

سوال: (۲۵۰) ایک شخص روزہ دار نے ایک ہندو سے پانی لے کر روزہ افطار کیا، ایک شخص جھگڑا کرتا ہے کہ روزہ جاتا رہا وہ پانی حرام ہے، ہندو لوگ کافر ہیں؟ (۱٦۷۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس روزہ دار کا ہندو مذکور سے پانی لے کر وقت پر روزہ افطار کرنا جائز وحلال ہے، جھگڑا کرنے والے کا جھگڑا غلط ہے، اس کو جھگڑا کرنا نہ چاہیے، یہ اس کی ناواقفیت ہے اور بے علمی کی بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۳۵٦)

ہندو کی چیزوں سے افطار کرنے میں کچھ حرج نہیں

سوال: (۲۵۱) ایک ہندو مشرک ہر ماہ رمضان میں دودھ اور کھانڈ اور برف خرید کر مسلمانوں کے حوالہ کر دیتا ہے، اس سے روزہ افطار کرنے میں کچھ حرج تو نہیں؟ (۲۴۹۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۴۹۴)

رنڈی کی بھیجی ہوئی افطاری سے روزہ افطار کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۵۲)......(الف) کسبی (فاحشہ) کی بھیجی ہوئی افطاری سے روزہ افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

(ب) کسی ہندو کی بھیجی ہوئی افطاری سے روزہ افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف) خلافِ تقوی ہے، گو از راہِ فتویٰ بہ صورتِ عدمِ علمِ حرمت درست ہے (۱)

---

(۱) سئل الفقيهُ أبو جعفر عمّن اكتسب مالَهُ من أمراء السّلطان وجمع المالَ من أخذ الغَرامات المحرَّمات وغير ذٰلك هل يحلُّ لمن عرف ذٰلك أن يأكل من طعامهٖ؟ قال: أحبّ إلـيَّ أن لا يأكل منه ويسعه حكمًا أن يأكله إن كان ذٰلك الطّعام لم يكن في يد المُطعم غصبًا أو رشوةً اهـ. أي إن لم يكن عين الغصب أو الرّشوة لأنّه لم يملكه فهو نفسُ الحرام فلا يحلّ له ولا لغيرهٖ. (ردّ المحتار: ۲۰۲/۳، كتاب الزّكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التّصدّق من المال الحرام) ظفیر

(ب) درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۴)

جن ایام میں نفلی روزہ مستحب ہے ان ایام میں رمضان کا قضا روزہ رکھنے سے نفلی روزہ کا ثواب نہ ہوگا

سوال: (۲۵۳) اگر کسی شخص نے رمضان کی قضا ایسے ایام میں کی کہ ان میں نفلی روزہ بھی مستحب اور سنت ہے تو ثواب نفلی روزہ کا بھی ہوگا یا نہیں؟ (۱۴۲۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں وہ روزے قضا کے ہوئے، نفلی روزے کا ثواب اس میں نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۵)

چند آدمی افطاری کے لیے روٹیاں لائے اور ایک کی روٹی سے افطاری کی تو باقی کو بھی ثواب ملے گا

سوال: (۲۵۴) چار شخص افطاری کے لیے چار روٹی لائے اور ایک جگہ رکھ دی، پانچ سات آدمیوں نے اوپر کی روٹی سے روزہ افطار کیا تو باقی تینوں کو بھی افطاری کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۲۰۶۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ان تینوں کو بھی ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۵)

مریض دوا سے روزہ افطار کر سکتا ہے

سوال: (۲۵۵) جو شخص مریض ہو وہ دوا سے رمضان شریف میں روزہ افطار کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۰۳۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: وہ شخص دوا سے روزہ افطار کرے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۵)

---

(۱) پاک وحلال غذا ہے؛ اس لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ ظفیر

رمضان کا روزہ نہ رکھنے کے لیے حیلہ کرنا مذموم ہے

سوال: (۲۵۶) اگر قصداً روزہ سے بچ کر حیلۂ سفر یا مرض وغیرہ کر کے روزہ قضا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسافر شرعی اور مریض کو افطار کرنا درست ہے (۱) اور حیلہ کرنا مذموم اور قبیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۶)

سحری کھائے بغیر روزہ رکھنے سے روزہ ہوجاتا ہے

سوال: (۲۵۷) بغیر سحری کھائے روزہ درست ہے یا نہیں؟ (۲۲۶۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: سحری کھانا روزہ کے لیے مستحب ہے، پس بلا سحری کے بھی روزہ ہوجاتا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۶)

سحری کھانے کے بعد بیوی سے ہم بستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۸) رمضان المبارک میں سحری کھانے کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستر ہوسکتا ہوں یا نہیں؟ بعد کو غسل کا وقت کب تک رہتا ہے؟ (۱۸۱۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: رمضان شریف میں سحری کھانے کے بعد اگر صبح صادق ہونے میں کچھ دیر ہو تو اپنی زوجہ سے جماع کرنا درست ہے، غرض یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے پہلے جماع سے فراغت

---

(۱) لمسافر سفرًا شرعیًا ولو بمعصیة إلخ أو مریض خاف الزّیادة لمرضه إلخ ، الفطر إلخ وقضوا لزومًا ما قدّروا (الدّرّ المختار) قوله: (لمسافر)......وأشارَ باللّام إلٰی أنّه مخیّر ولکن الصّوم أفضل إن لم یضرّه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۵۹-۳۶۰، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، فصل في العوارض المبیحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) ویستحبّ السّحور وتأخیره (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵۶-۳۵۷، کتاب الصّوم ، باب ما یفسد الصّوم وما لایفسده، مطلب في حدیث التّوسعة علی العیال والاکتحال یوم عاشوراء) ظفیر

ہوجانی چاہیے غسل چاہے صبح ہونے کے بعد ہو روزے میں کچھ نقصان نہ آوے گا[۱] آج کل صبح صادق ۴ بج کر ۴۳ منٹ پر ہے ریلوے ٹائم سے، اور آخر اپریل تک سوا چار بجے صبح صادق ہوگی، اور آخر رمضان شریف تک صبح صادق چار بجے سے دو چار منٹ کم پر ہوگی۔ فقط واللہ اعلم (صبح صادق کا وقت ہر جگہ ایک نہیں ہوتا۔ ظفیر) (۶/۴۹۶-۴۹۷)

ہمیشہ روزہ رکھنا درست ہے مگر اچھا نہیں

سوال: (۲۵۹) عیدالاضحیٰ وعیدالفطر کا روزہ افطار کرکے باقی تمام سال یعنی بارہ ماہ روزہ رکھنا ایک قضا نہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۵۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: سال بھر میں پانچ روزے رکھنا ممنوع ہے[۲] عیدالفطر وعیدالاضحیٰ اور تین دن ایام تشریق کے باقی تمام برس روزہ رکھنا درست ہے؛ لیکن یہ اچھا نہیں ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ بھی رکھتے تھے اور افطار بھی کرتے تھے، پس ایسا ہی کرنا موافق سنت ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۷)

---

(۱) ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ (البقرة: ۱۸۷) .... وَالرَّفَثُ المذكور هو الجماع ولا خلافَ بين أهل العلم فيه (أحكام القرآن للجصّاص: ۱/۲۸۱، باب الأكل والشّرب و الجماع ليلة الصّيام، المطبوعة: دار إحياء التّراث العربي بيروت)

وكذا لا يفطر لو جامع عامدًا قبل الفجر ونزع في الحال عند طلوعه (ردّ المحتار: ۳/۳۳۰، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب: يكره السّهر إذا خاف فوت الصّبح) ظفیر

(۲) والمكروه تحريمًا كالعيدين وتنزيهًا كعاشوراء وحده إلخ وصوم دهره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۰۲، كتاب الصّوم) ظفیر

(۳) عن عائشة قالت: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يصوم حتّٰى نقول: لايفطر، ويفطر حتّٰى نقول: لايصوم، وما رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم استكمل صيام شهر قطّ إلّا رمضان، وما رأيته في شهر أكثر منه صيامًا في شعبان، وفي رواية قالت: كان يصوم شعبان كلّه وكان يصوم شعبان إلّا قليلاً، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۸، كتاب الصّوم، باب صيام التّطوّع، الفصل الأوّل)

افطار ونمازِ مغرب کا صحیح وقت کیا ہے؟

سوال: (٢٦٠) نمازِ مغرب وافطارِ روزہ کا حکم ایسے وقت دینا جب کہ چند حُضّار (حاضرین) مسلمانوں کوغروب آفتاب میں کلام ہوگیا ہے، اوران دونوں کا صحیح وقت کیا ہے؟ اوراس کی شناخت مقرر کردہ علماء کیا ہے؟ (١٦٥٤/١٣٣٨ھ)

الجواب: یہ امر تجربہ اور مشاہدہ پر موقوف ہے، اور جاننے والے اس کے ہر وقت میں موجود رہتے ہیں، اور صحیح گھڑی سے اور جنتری طلوع وغروب سے بھی اس میں مدد ملتی ہے، پس جو جنتری طلوع وغروب کی صحیح ہو اور اس کا تجربہ ہو چکا ہو، صحیح گھڑی سے اس کے مطابق افطار ونماز مغرب کا حکم کیا جاوے گا، اور اکثر زمانوں میں مشاہدہ اور علامات سے بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم (٦/٤٩٧-٤٩٨)

رمضان میں روزہ کب افطار کرنا چاہیے؟

سوال: (٢٦١) روزہ ماہِ رمضان شریف کا کس وقت افطار کرنا چاہیے؟ (١٥٤٧/٢٩-١٣٣٠ھ)

الجواب: روزہ رمضان شریف میں غروب آفتاب کے بعد افطار کر لینا چاہیے، گھڑی سے وقت اس کا مختلف رہتا ہے، اس سے کوئی مستقل وقت کی تعیین نہیں ہوسکتی (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
کتبہ: عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ (٦/٤٩٩-٥٠٠) (٢)

روزہ دار نے حقہ سے افطار کیا تو روزہ ہو گیا

سوال: (٢٦٢) جس شخص نے تمام دن روزہ رکھا اور بہ وقت اذان حقہ پی کر بے ہوش ہو گیا، اس کا روزہ جائز ہے یا نہیں؟ (١٨٥٥/١٣٣٨ھ)

---

(١) هو ...... إمساك عن المفطرات ...... حقيقةً أو حكمًا ...... في وقتٍ مخصوصٍ وهو اليوم (الدّرّ المختار) وقال في ردّ المحتار: أي اليوم الشّرعيّ من طلوع الفجر إلى الغروب إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٢٩٦، كتاب الصّوم) ظفير

(٢) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیے گئے ہیں۔١٢

الجواب: اس کا روزہ ہوگیا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۸/٦)

قضا روزے سے پہلے نفل روزہ رکھنا جائز ہے

سوال: (۲٦۳) فرض روزہ جو قضا ہوگیا تھا اس کو ادا کرنے کے قبل نفل روزہ رکھا تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جائز ہے؛ وہ روزہ نفل ہوجاوے گا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۸/٦)

ایام سرما میں روزوں کی قضا کرنے سے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی

سوال: (۲٦۴) جن لوگوں کے روزے ماہ رمضان میں بہ سبب عذر کے قضا ہوجاتے ہیں ان کو سرما میں ادا کرنے سے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟ (۱۵/۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ایام سرما میں قضا روزوں کی کرنے میں ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی[3] فقط واللہ اعلم (۴۹۸/٦-۴۹۹)

---

(۱) اس لیے کہ روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزے کی نیت کے ساتھ کھانا پینا اور جماع کے چھوڑ دینے کا نام ہے، اور اس پر اس نے عمل کیا۔ وشرعًا إمساك عن المفطرات الآتية حقيقةً أو حكمًا إلخ في وقت مخصوص وهو اليوم إلخ مع النّيّة المعهودة (الدّرّالمختار) قوله: (وهو اليوم) أي اليوم الشّرعيّ مِن طلوع الفجر إلى الغروب . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۹٦/۳، كتاب الصّوم) ظفیر

(۲) ولذا جاز التّطوّع قبله ـــــ قبل قضاء رمضان ـــــ بخلاف قضاء الصّلاة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳٦۱/۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۳) لمسافر إلخ أو مريض إلخ الفطر يوم العذر إلخ وقضوا لزومًا ما قدّروا بلا فدية وبلا ولاء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۵۹/۳-۳٦۱، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

بے نمازی کا روزہ ہو جاتا ہے

سوال: (٢٦٥) جو شخص رمضان شریف میں روزہ رکھتا ہو اور نماز نہ پڑھتا ہو اس کا روزہ ہوتا ہے یا نہیں؟ (۱۸۵۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: روزہ ہو جاتا ہے اور ترک نماز کا گناہ رہتا ہے، نمازوں کی قضا اس کے ذمے فرض ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٩٩)

رمضان کے روزوں کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟

سوال: (٢٦٦) بعد روزۂ رمضان کے زیادہ ثواب والے کون کونسے روزے ہیں؟ اور بعد فرائض اور سنن کونسے نوافل زیادہ ثواب والے ہیں؟ (۱۶۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حدیث صحیح مسلم میں ہے: **أفضل الصّيام بعد رمضان شهر الله المحرّم وأفضل الصّلاة بعد الفريضة صلاة اللّيل، رواه مسلم** [2]: (یعنی رمضان کے روزوں کے بعد محرم کے روزوں کا درجہ ہے، اور فرض نمازوں کے بعد رات کی نفل نمازوں کا۔ ظفیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٤٩٩)

شعبان میں کونسا روزہ ضروری ہے اور کونسا ممنوع؟

سوال: (٢٦٧) شعبان میں کس تاریخ کا روزہ فرض یا مسنون ہے، نیز یہ روایت کہ اس ماہ میں سوائے ۱۳ تاریخ کے اور روزہ رکھنا ناجائز یا ممنوع ہے کہاں تک صحیح ہے؟ (۱۹۰۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ماہ شعبان میں کسی تاریخ اور دن کا روزہ فرض اور واجب نہیں ہے، اور تیرہ شعبان کے روزہ کی کوئی خاص فضیلت حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، البتہ یہ حدیث شریف میں

---

(۱) دونوں فرض الگ ہیں، ایک دوسرے پر موقوف نہیں۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) **مشكاة المصابيح ، ص: ۱۷۸، كتاب الصّوم ، باب صيام التّطوّع ، الفصل الأوّل ، عن أبي هريرة .**

وارد ہوا ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو اور پندرہویں تاریخ کا روزہ رکھو[۱] پس پندرہویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۰)

رمضان سے پہلے ایک یا دو دن کا روزہ رکھنا ممنوع ہے

سوال: (۲۶۸) رمضان شریف کا چاند دیکھنے سے قبل ایک دو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۷۱/۹۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ایسا کرنا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے کہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے کوئی روزہ نہ رکھا جائے[۲] حدیث شریف میں ہے: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۹۶)

بیوی کے قضا روزے شوہر رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۹) کسی عورت سے ماہ صیام کے روزے قضا ہو جاویں، اس کا شوہر رکھ دے تو درست ہے یا نہ؟ (۱۶۰۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: عورت کو ہی وہ روزے رکھنے چاہئیں، شوہر کے رکھنے سے عورت کے روزے

---

(۱) عن عليّ رضي الله عنه عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال : إذا كانت ليلة النّصف مِن شعبانَ فقوموا ليلها و صوموا يومها الحديث . (التّرغيب و التّرهيب للمنذري : ۲/۷۴، كتاب الصّوم ، التّرغيب في صوم شعبان وما جاء إلخ ، المطبوعة : دار الكتب العلمية بيروت) ظفیر

(۲) عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : لا يتقدمنّ أحدكم رمضانَ بصوم يومٍ أو يومين إلاّ أن يكون رجلٌ كان يصوم صومًا فليصم ذٰلك اليوم، متّفق عليه (مشكاة المصابيح، ص:۱۷۴، كتاب الصّوم، باب رؤية الهلال، الفصل الأوّل)

(۳) عن أبي هريرة قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: صوموا الحديث (مشكاة المصابيح ، ص:۱۷۴، كتاب الصّوم ، باب رؤية الهلال ، الفصل الأوّل)

ادا نہ ہوں گے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۲/۶)

قضا نماز اور قضا روزوں کی تعداد یاد نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال: (۲۷۰) کسی شخص کے ذمہ چند رمضان کے روزں کا کفارہ[۲] ہو کہ تعداد بھی یاد نہ ہو؛ ایسے ہی نماز کی قضا یاد نہ ہو کہ کئی سال کی ذمے ہیں تو کیسے ادا کرے؟ قسموں کے کفارے اگر بہت ذمے ہوں اور تعداد یا نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؛ آیا سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہوگا یا نہیں؟ (۱۸۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز اور روزوں کا اندازہ کرکے قضا کرے، اور کفارہ میں تداخل ہوسکتا ہے؛ یعنی ایک کفارہ سے سب کے مواخذہ سے بری ہوجائے گا۔ شامی میں ہے: **وفي البغية : كفّارات الأيمان إذا كثرت تداخلت ويخرج بالكفّارة الواحدة عن عهدة الجميع إلخ**[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۴۲۹-۴۳۰)

روزہ کا کفارہ توبہ سے معاف نہیں ہوگا

سوال: (۲۷۱) زید نے کہ جس کو کفارہ کا علم نہ تھا اپنی عورت سے روزے کی حالت میں ہم بستری کی؛ تو ان پر جو کفارہ واجب ہوا ہے وہ اس کو کسی طرح ادا نہیں کرسکتے، اس صورت میں ان کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ (۲۵۳۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ادائے قضا و کفارہ اس صورت میں ضروری ہے توبہ بھی جبھی قبول ہوگی، اگر دو مہینہ کے روزوں کی پے در پے طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیویں[۴] ﴿فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ

---

(۱) العبادة المالية كزكاة وكفّارة تقبل النّيابة عن المكلّف مطلقًا إلخ والبدنية كصلاةٍ و صوم لا تقبلها مطلقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۴/۴-۱۵، كتاب الحج، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة و الطّاعة) ظفیر

(۲) کفارہ سے مراد یہاں قضا ہے۔ محمد امین پالن پوری

(۳) ردّ المحتار: ۳۸۷/۵، كتاب الأيمان، مطلب: تتعدّد الكفّارة لتعدّد اليمين .

(۴) وإنْ جَامَعَ الْمُكَلّف آدميًا مشتهًى في رمضان (أي نهارًا، ردّ المحتار) .... ==

فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا﴾ (سورۂ مجادلہ، آیت: ۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۵۰)

کیا مزدور شخص کے لیے کفارۂ صوم کے ساقط ہونے کی کوئی صورت ہے؟

سوال: (۲۷۲) ایک شخص نے رمضان شریف کے دو روزے ضائع کر دیئے، اس نے بہ حکم مولوی محمد حسن صاحب روزے رکھنے شروع کر دیئے اور تیس روزہ رکھ لیے، مگر وہ بڑھئی کا کام کرتا ہے اگر کوئی صورت سہولت کی ہو تو تحریر فرمائے؟ (۱۳۳۹/۲۶۵۰ھ)

الجواب: جب کہ کفارہ بہ وجہ افسادِ صومِ رمضان کے بلا عذر واجب ہو گیا تو پھر کوئی صورت اس میں سقوطِ کفارہ کی اور سہولت کی بہ حالت موجودہ نہیں ہے، کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۴۵۴)

جس نے شدید بھوک، پیاس کے باوجود روزہ افطار نہیں کیا اور مر گیا وہ عاصی نہیں؛ ماجور ہے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا فرض ہے

سوال: (۲۷۳) ایک شخص حالت صوم میں شدت پیاس یا بھوک سے فوت ہو گیا ہے، اس کو یہ کہا گیا کہ ایسی حالت میں شرع نے اجازت افطار کی دی ہے؛ لیکن اس نے نہ مانا اور فوت ہو گیا، اس کے جنازہ کے جواز وعدم جواز کا جواب بہ حوالۂ کتب تحریر کریں۔ (۱۳۳۳-۳۲/۲۲۸۹ھ)

الجواب: اس صورت میں اگر حالت صوم میں وہ شخص فوت ہو گیا تو ماجور ہے عاصی نہیں ہوا، پس اس کے جنازہ کی نماز کے جواز میں کچھ شک نہیں ہو سکتا ہے۔ (رد المحتار فصل فی العوارض میں ہے:

== أو جومع وتوارت الحشفة في أحد السّبيلين إلخ ، قضٰى إلخ ، وكفّر إلخ ، ككفّارة المظاهر (الدّرّ المختار) أي مثلها في التّرتيب ويعتق أوّلاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين فإن لم يستطع أطعم ستّين مسكينًا إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۴۴-۳۴۸، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لايفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي) ظفير

ویؤجر لو صبرَ ومثله سائر حقوقه تعالیٰ کإفسادِ صوم وصلاة إلخ﴾[1] فقط واللہ اعلم (۶/۴۷۱)

سوال: (۲۷۴) ایک شخص صائم صومِ رمضان میں مضطر ہوگیا؛ لیکن روزہ افطار نہ کیا، اور روزہ ہی کی حالت میں فوت ہوگیا؛ اس صورت میں اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۵۰۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ صائم اگر مضطر ہوا، اور روزہ افطار نہ کیا تو ماجور ہے۔ ویؤجر لو صبر ومثله سائر حقوقه تعالیٰ کإفساد صوم إلخ[1] (جلد ثانی، صفحہ: ۱۱۵، کتاب الصّوم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۷۳)

کفارے کے روزوں میں حیض کا آنا مانع تتابع نہیں اور نفاس مانع تتابع ہے

سوال: (۲۷۵) کفارہ کے روزوں میں ایام حیض ونفاس اور ایام بیماری مستثنیٰ ہیں یا از سرنو روزہ رکھنا شروع کرے؟ (۲۰۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: کفارۂ افطار کے روزوں میں حیض کا آنا مانع تتابع سے نہیں ہے، بعد انقطاعِ حیض کے فوراً پھر روزہ رکھنا شروع کردے، حیض سے پہلے روزے بھی شمار میں آجائیں گے، اور نفاس مانع تتابع سے ہے یعنی نفاس کے بعد از سرنو دو ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہے۔ کذا في الدّرّ المختار[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۴۳۱)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۳۵۹، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسده، فصل في العوارض المبیحة لعدم الصّوم.

نوٹ: قوسین والی عبارت کو مفتی ظفیر الدینؒ نے حاشیہ میں رکھا، ہم نے اس کو جواب میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ پوری عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں موجود ہے۔۱۲

(۲) صَامَ شَهْرَینِ إلخ متتابعین قبل المسیس إلخ وکذا کلّ صوم شرط فیه التّتابع فإن أفطر بعذر کسفر ونفاس بخلاف الحیض إلخ أو بغیرہٖ أو وطئها إلخ، استأنف الصّوم (الدّرّ المختار) قوله: (بخلاف الحیض) فإنّه لا یقطع کفّارة قتلها وإفطارها لأنّها لا تجد شهرین خالیین عنه إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵/۱۱۰-۱۱۲، کتاب الطّلاق، باب الکفّارة، مطلب: لا استحالة في جعل المعصیة سببًا للعبادة) ظفیر

ماہِ رمضان میں دن میں حیض آجائے تو شام تک کھانے پینے سے رکنا ضروری نہیں اور دن میں حیض بند ہو جائے تو شام تک کھانے پینے سے رکنا ضروری ہے

سوال: (۲۷۶) رمضان میں بہ وجہ ایام جس وقت روزہ کی قضا معلوم ہوا اسی وقت افطار کرے یا شام تک روزہ کو پورا کرے، پورا کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ روزہ قضا نہیں ہوا، اور اسی طرح جب غسل طہر ہو تو بقیہ دن میں کچھ کھالے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۳۷۱ھ)

الجواب: اس صورت میں کھانے پینے سے شام تک رکنے کی ضرورت نہیں ہے؟ اور اگر دن میں حیض منقطع ہو گیا تو شام تک رکنا کھانے پینے سے اس کو ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: **كمسافر أقام وحائض ونفساء طهرتا، قال في ردّ المحتار: والأصل في هذه المسائل أنّ كلّ مَن صار في آخر النّهار بصفة لو كان في أوّل النّهار عليها للزمه الصّوم فعليه الإمساك إلخ** (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۸۲/۶)

---

(۱) **الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۴۲/۳-۳۴۳، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده، مطلب في جواز الإفطار بالتّحرّي.**

اعتکاف کے مسائل

عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے

سوال: (۲۷۷) عشرۂ اخیرۂ رمضان المبارک کا اعتکاف نفل ہے یا واجب؟ (۱۳۴۲/۲۵۵۰ھ)

الجواب: عشرۂ اخیرۂ رمضان المبارک کا اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے، یہ قسم واجب اور نفل دونوں سے جداگانہ ہے اور ممتاز ہے۔ کما فصّله في الشّامي (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۰۷/۶)

کیا اعتکاف دس روز سے کم کا ہوسکتا ہے؟

سوال: (۲۷۸) اعتکاف دس روز سے کم میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۷۴۵ھ)

الجواب: اعتکاف مسنون دس روز سے کم نہیں ہے۔ کما في الشّامي: والحاصل أنّ الوجه يقتضي لزوم كلّ يوم شرع فيه عندهما بناءً علىٰ لزوم صومهٖ بخلاف الباقي لأنّ كلّ يوم بمنزلة شفع من النّافلة الرّباعيّة، وإن كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامهٖ تأمّل (۲) (ص:۱۳۵ ج/۲) اور اعتکاف نفل علاوہ از اعتکاف مسنون رمضان کے ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے۔ کما في الدّرّ المختار: قال: وبه يفتیٰ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۱۰/۶-۵۱۱)

---

(۱) وسنّةٌ مؤكّدةٌ في العشر الأخير مِن رمضانَ أي سنّة كفاية إلخ ، لاقترانها بعدم الإنكار علىٰ مَن لم يفعله من الصّحابة (الدّرّ المختار) قوله: (أي سنّةُ كِفَايَةٍ) نظيرُها إقامةُ التّراويح بالجماعةِ فإذا قامَ بها البعضُ سَقَطَ الطّلبُ عَنِ الْبَاقِيْنَ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۸۳/۳، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۳۸۷/۳، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف .

(۳) وأقلّه نفلًا ساعةٌ من ليل أو نهار ...... وهو ظاهر الرّواية عن الإمام ...... وبه يفتیٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۸۵/۳-۳۸۶، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف)

معتکف تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے

سوال: (۲۷۹) معتکف، معتکَف کے بغیر مسجد ہی میں شب کے وقت دوسری جگہ سو سکتا ہے یا نہیں؟ (۱٦٦۷/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے، اور سو سکتا ہے۔ كما يظهر من حدّه بأنّه: لبث ...... في مسجدِ جماعةٍ إلخ[1] وقيّد لخروج المحتلم للغسل بعدم إمكان الغسل في المسجد حيث قال: وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد إلخ[2] فعلم أنّ المسجدَ كلّه معتكَفهٗ. فقط واللہ اعلم (٦/ ۵۰۳-۵۰۴)

معتکف ضرورت سے باہر آیا تو واپس آکر مسجد میں جس جگہ چاہے بیٹھ سکتا ہے

سوال: (۲۸۰) اگر کوئی معتکف حوائج ضروریہ کے لیے مسجد سے باہر جاوے واپس آنے پر مقررہ جگہ پر بیٹھے یا جس جگہ چاہے بیٹھ سکتا ہے؟ (۵۷۲/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسجد میں جس جگہ چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳/ ۳۵۰-۳۵۱)

معتکف مسجد میں جہاں چاہے رہے

سوال: (۲۸۱) معتکف جو اپنے لیے مسجد میں جگہ مقرر کرلیتا ہے تو اس کو اس جگہ رہنا چاہیے یا مسجد میں جہاں چاہے وہاں رہے؟ (۱۷۱۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: تمام مسجد میں جہاں چاہے بیٹھے کچھ حرج نہیں ہے[3] فقط واللہ اعلم (٦/ ۵۰۲)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۸۱، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۸۷، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف .

(۳) وخصّ المعتكف بأكْلٍ وشُرْبٍ إلخ (الدّرّ المختار) أي في المسجدِ والباءُ دَاخِلةٌ على المَقْصُورِ عليه بمعنى أنّ المعتكفَ مقصورٌ على الأكلِ ونحوِه في المسجد . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۹۱، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

معتکف برآمدۂ مسجد میں نکل آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۲) اگر معتکف بلاعذر برآمدۂ مسجد میں نکل جاوے تو اس کے اعتکاف میں کچھ خلل اور حرج ہوگا یا نہ؟ (۲۷۴۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر اعتکاف منذور ہے تو باطل ہوجائے گا، اور اگر اعتکاف نفل ہے تو باطل نہ ہوگا، اس لیے کہ فقہاء نے اعتکاف واجب کے ہوتے ہوئے مسجد سے باہر نکلنے کو حرام قرار دیا ہے، اور اعتکاف نفل میں مباح کہا ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وحرم علیه أي علی المعتکف إعتکافًا واجبًا، أمّا النّفل فله الخروج لأنّه مُنهٍ له لا مبطل ...... الخروج إلّا لحاجة الإنسان، وفي الشّامي قوله: (أمّا النّفل) أي الشّامل للسنّة المؤکّدة [۱] (ص،۱۳۵،ج:۲) وفیه أیضًا: لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر إلخ [۱] وفي الخلاصة: لو اعتکف الرّجل من غیر أن یوجب علیٰ نفسه ثمّ یخرج من المسجد لا شيء علیه [۲] (خلاصة، ص:۲۷۲ ج:۱) ان عبارت سے ثابت ہوا کہ اعتکاف نفل میں خروج من المسجد مبطل نہیں ہے، بلکہ مُنہی ہے، نیز یہ کہ اعتکاف مسنون وہی ہے جو رمضان کے عشر اواخر میں ہو، نیز یہ کہ اعتکاف مسنون یعنی اعتکاف رمضان میں بھی مسجد سے خارج ہونے کا وہی حکم ہے جو اعتکاف نفل میں ہے، یعنی یہ کہ خروج من المسجد نہ حرام ہے نہ اعتکاف کے لیے وہ مبطل، بلکہ وہ مُنہی ہے، البتہ نبی کریم ﷺ سے اگر ایسا خروج ثابت نہ ہو تو طریقہ مسنون کے خلاف ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(٦/۵۱۰-۵۱۱)

وضاحت: یہ حکم اس وقت ہے جب مسجد کا برآمدہ مسجد میں داخل نہ ہو، اگر مسجد میں داخل ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو برآمدہ میں نکلنے سے واجب اعتکاف نہ باطل ہوگا؛ نہ نفل اعتکاف ختم ہوگا۔ محمد امین پالن پوری

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۸٦-۳۸۷، کتاب الصّوم، باب الاعتکاف .

(۲) خلاصة الفتاوی: ۱/۲۷۲، کتاب الصّوم، الفصل السّادس في الاعتکاف، الجنس الثّاني في النّذر، المطبوعة: مکتبه رشیدیه کوئٹا، باکستان .

معتکف کے لیے مسجد کی فصیل صحن میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۳) اعتکاف کرنے والے کے لیے مسجد کی فصیل مسجد کے صحن میں داخل ہے یا نہیں؟ (۴۳۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس میں بانیٔ مسجد کی نیت کا اعتبار ہے، اگر اس نے اس فصیل کو داخل مسجد سمجھا تو داخل ہے ورنہ خارج، اور اکثر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ جو فصیل فرش مسجد سے ملی ہوئی ہے وہ داخلِ مسجد ہوتی ہے اور دوسری طرف کی فصیل خارج ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۵۰۷)

معتکف کو مسجد سے نکل کر صحن یا احاطہ میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۴) احاطۂ مسجد کی زمین مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟ اور معتکف کو مسجد سے نکل کر صحن یا احاطہ میں بیٹھنا بلاضرورت جائز ہے یا نہ؟ (۲۰۵۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسجد کا اطلاق صرف مسجد کی سہ دری اور فرش ہی پر ہوتا ہے، اور یہی شرعًا مسجد ہوتی ہے، معتکف کے لیے جائز نہیں کہ اس سے تجاوز کرے اگر ایسا کیا گیا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۵۰۷-۵۰۸)

معتکف مسجد میں مریض کو دیکھ کر نسخہ لکھ سکتا ہے

سوال: (۲۸۵) معتکف مسجد میں مریض کو دیکھ کر یا حال سن کر نسخہ لکھ سکتا ہے یا نہیں؟ ایسے اگر معتکف ضرورت طبعی سے باہر جائے تو باہر کسی مریض کے پوچھنے پر دوا بتا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۲۷٦/۱۳۳۵ھ)

الجواب: معتکف مسجد میں مریض کو دیکھ کر اور حال سن کر نسخہ لکھ سکتا ہے اور علاج کرسکتا ہے، اور معتکف اگر بہ ضرورت طبعی باہر مسجد سے ہے، اور کوئی مریض حال کہے اور دوا دریافت کرے؛ بتلانا جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۵۰۱-۵۰۲)

---

(۱) وَخُصّ المعتكفُ بأكلٍ وشربٍ ونومٍ وعقدٍ احتاج إليه لنفسهِ أو عيالهِ فلو لتجارة كُره (الدّرّ المختار) ==

معتکف مسجد میں چھوٹے بچوں کو پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۶) معلم معتکف مسجد میں لڑکوں کو تعلیم دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۵۵۱ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار عن الوهبانية:

ویُفسقُ معتادُ المرورِ بجامعٍ ❁ ومَن علّم الأطفالَ فیه ویُوزرُ

قوله: (ومن علّم الأطفالَ إلخ) الّذي في القنية: أنّه يأثَم ولا يلزم منه الفسق، ولم ينقل عن أحدٍ القولُ به، ويمكن أنّه بناء علىٰ أنّه بالإصرار عليه يفسقُ، أفاده الشّارح قلت: بل في التّتارخانية عن العيون: جلس معلّمٌ أو ورّاقٌ في المسجد فإن كان يعلّم أو يكتب بأجر يكره إلّا لضرورة، وفي الخلاصة: تعليم الصّبيان في المسجد لا بأس به أهـ. لٰكن استدلّ في القنية بقوله عليه الصّلاة والسّلام: جنّبوا مساجدَكم صبيانَكم ومجانِيكم إلخ [1] (ردّ المحتار) الحاصل راجح یہ ہے کہ بلاضرورت تعلیم اطفال مسجد میں مکروہ ہے، اور ممکن ہے کہ إلّا لضرورۃ سے معتکف کو مستثنیٰ کیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۹)

معتکف دوسری جگہ تراویح میں قرآن سنانے کے لیے جا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۷) زید ہمیشہ اخیر عشرۂ رمضان المبارک میں معتکف ہوتا ہے، امسال تازہ حالت یہ پیش آئی کہ زید کو نواب صاحب کے مکان پر قرآن شریف تراویح میں سنانے کے لیے جانا پڑتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۲۱۳۶ھ)

== لکن قال في متن الوقاية: ويأكل أي المعتكف ويشرب وينام ويبيع ويشتري فيه لا غيره قال ملّا علي في شرحه: أي لا يفعل غير المعتكف شيئًا من هٰذه الأمور في المسجد أهـ ومثله في القهستاني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۹۱-۳۹۲، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹/۵۲۶-۵۲۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في المبيع.

الجواب: اگر اعتکاف کے وقت یہ نیت کرلے کہ میں تراویح میں قرآن شریف سنانے جایا کروں گا تو یہ جائز ہے (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥١٢)

معتکف کے لیے مسجد میں ڈاک خانہ کا کام کرنا جائز ہے

سوال: (٢٨٨) بندہ کے پاس ڈاک خانے کا کام ہے، کیا اعتکاف کی حالت میں ڈاک خانے کا کام کرسکتا ہوں، جب کہ زبانی گفتگو نہ کی جاوے؟ (١٧٥٩/٤٦-١٣٤٧ھ)

الجواب: مسجد میں رہنا معتکف کا اعتکاف کے لیے ضروری ہے، بدون اس کے اعتکاف نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے: فاللّبث: هو الرّكن والكون في المسجد إلخ ، وحرم عليه أي على المعتكف إلخ ، الخروج إلّا لحاجة الإنسان طبيعيّة كبول وغائط وغسل لو احتلم إلخ ، أو شرعيّةً كعيدٍ وأذانٍ لو مؤذّنًا ، وباب المنارة خارج المسجد والجمعة وقت الزّوال إلخ (٢) اس روایت سے معلوم ہوا کہ معتکف کو مسجد میں رہنا ضروری ہے، بول و براز اور غسل جنابت اور جمعہ وغیرہ کے لیے نکلنا جائز ہے، بناءً علیہ مسجد کے اندر ڈاک خانے کا کام کرنا یا ضرورت کی وجہ سے زبانی گفتگو کرنا جائز ہے (٣) لیکن ڈاک خانے کے کام کی وجہ سے مسجد سے نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے، اور اعتکاف کی حالت میں خاموش رہنا ضروری نہیں، البتہ بلا ضرورت اور فضول گفتگو مکروہ ہے، اور وعظ کرنا اور جماعت کرانا معتکف کے لیے بلا شبہ جائز بلکہ موجبِ اجر و ثواب ہے (٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥١٣)

---

(١) ولو شرط وقت النّذر والالتزام أن يخرج إلىٰ عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذٰلك كذا في التّتارخانية . (الفتاوى الهندية: ١/٢١٢، كتاب الصّوم ، الباب السّابع في الاعتكاف) ظفیر

(٢) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٨٢-٣٨٨، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف .

(٣) وَخصّ المعتكف بأكلٍ وشربٍ ونومٍ وعقدٍ احتاج إليه لنفسه أو عياله فلو لتجارة كره إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٩١، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

(٤) إلّا بَخَيْرٍ وهوَ مَا لَا إثْمَ فيهِ إلخ، كقراءَةِ قُرآن وحَدِيثٍ وعِلْمٍ وتَدْرِيْسٍ في سِيَرِ الرّسولِ عليهِ الصّلاةُ والسّلامُ وقَصَصِ الأنبياءِ عليهمُ السّلامُ وحكاياتِ الصّالحينَ وكتابَةِ أمورِ الدِّينِ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٣٩٢-٣٩٣، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

ملازمت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا مفسد اعتکاف ہے

سوال: (۲۸۹) معتکف اگر مسجد سے باہر کسی ملازمت کی ضرورت سے جاوے تو اعتکاف باقی رہے گا یا نہ؟ (۲۱۱۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں اعتکاف باقی نہ رہے گا ٹوٹ جاوے گا۔ والتّفصیل في کتب الفقه[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۰۵-۵۰۶)

معتکف تبرید کے لیے غسل کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۰) معتکف واجب اور نفل غسل کے سوا گرمی کی وجہ سے تبرید کے لیے غسل کرسکتا ہے یا نہیں؟ شرح مشکاۃ میں واجب اور نفل غسل کی اجازت دی ہے۔ (۱۶۶۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وغسل لو احتلم[2] معلوم ہوا کہ اعتکاف واجب میں غسل واجب کے سوا اور کسی غسل کے لیے نکلنا درست نہیں ہے، البتہ اگر مسجد میں موقع غسل کا ہو تو پھر تبریداً بھی ہوسکتا ہے، اور موافق قاعدہ: أمّا النّفل فله الخروج[2] یعنی اعتکاف نفلی میں مطلقاً خروج درست ہے، لأنّه مُنهٍ لهٗ لا مبطل[2] غسل تبرید کے لیے بھی نکلنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۵۰۳)

وضاحت: رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے مسنون اعتکاف یا نذر کے واجب اعتکاف میں واجب غسل یعنی غسل جنابت کے علاوہ؛ جمعہ وغیرہ کے غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، مراقی الفلاح میں ہے: والقسم الثالث (مستحبٌّ فیما سواه) أي في أيّ وقتٍ شاء سوی العشر الأخیر ولم یکن منذورًا. اور چند سطروں کے بعد ہے: (وانتهی به) أي بالخروج (غیره) أي غیر الواجب وهو النّفلُ إذ لیس له حَدٌّ. (مراقي الفلاح ص:۷۰۱-۷۰۳، کتاب الصّوم، باب الاعتکاف) محمد امین پالن پوری

---

(۱) فلو خرج ولو ناسیًا ساعة زمانیّة...... بلا عذر فسد فیقضیه. (الدّرّ المختار مع ردّ المختار: ۳/۳۸۹، کتاب الصّوم، باب الاعتکاف) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۸۶-۳۸۷، کتاب الصّوم، باب الاعتکاف.

معتکف صحن مسجد کے کونے پر غسل کرے تو کچھ حرج نہیں

سوال: (۲۹۱) معتکف محض ٹھنڈا ہونے کے واسطے بہ وجہ شدت گرما اگر غسل کرنا چاہے تو مسجد سے باہر آنا جائز ہے یا مسجد کے کونے پر کھڑا ہو کر غسل کرے؟ (۲۶۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مسجد سے باہر جانا معتکف کو غسل تبرید کے لیے درست نہیں ہے، اگر مسجد کے فرش کے کونے پر غسل کرے تو کچھ حرج نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۴)

سوال: (۲۹۲) معتکف غسل جمعہ کے لیے مسجد کے باہر تو جا نہیں سکتا، گوشۂ صحن میں جو خارج مسجد کے قریب ہو یا فصیل پر غسل جمعہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۷۱۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: کرسکتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۲-۵۰۳)

برائے ٹھنڈک غسل کرنے کے لیے معتکف مسجد کے غسل خانہ میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۳) معتکف کے واسطے محض تبرید اور دفع گرمی کی وجہ سے غسل خانۂ مسجد میں غسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۷۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: معتکفِ اعتکاف نفل کو درست ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۲)

معتکف کا برآمدۂ مسجد میں وضو اور غسل کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۴) معتکف کے لیے برآمدۂ مسجد میں وضو، غسل کرنا کیسا ہے؟ (۲۷۴۵/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) وحَرُمَ عَلَيْهِ أي علی المُعتكفِ إعتكافًا واجبًا أمّا النّفلُ فَله الخروجُ إلخ الخروج إلاّ لحاجة الإنسان طبيعيّة كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسالُ في المسجد (الدّرّ المختار) فلو أمكنه مِنْ غيرِ أنْ يَتلوّثَ المسجدُ فلاَ بأسَ بهِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۸۶-۳۸۷، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف)

(۲) هٰذَا كُلُّهُ في الاعتكاف الواجبِ أمّا في النّفلِ فلا بأس بأن يخرجَ بعذرٍ وغيرهٖ في ظاهرِ الرّوايةِ، وفي التُّحفةِ: لا بأسَ فيه بأن يعُودَ المريضَ ويَشْهَدَ الجَنازَةَ. (الفتاوی الهندية: ۱/۲۱۳، كتاب الصّوم، الباب السّابع في الاعتكاف) ظفير

الجواب: اعتکاف واجب میں اگر غسل کی ضرورت پیش آگئی اور مسجد میں غسل نہ کرسکتا ہو تو خارج مسجد میں غسل کرنا جائز ہے، اور یہی حکم وضو کا بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۵۱۰-۵۱۱)

معتکف مسجد سے نکل کر تالاب میں وضو اور غسل کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۵) معتکف مسجد سے نکل کر تالاب میں وضو کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور غسل ضروری کے سوا تالاب میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟ (۲۵۵۱/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: بہ حالت مذکورہ معتکف کو مسجد سے باہر نکل کر تالاب میں وضو کرنا جائز نہیں ہے، اور غسل ضروری کے سوا دوسرے غسل کے لیے وہاں جانا بھی درست نہ ہوگا۔ **هٰكذا يفهم من الدّرّ المختار والشّامي : كبول وغائط وغسلٍ لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد (الدّرّ المختار) قوله : (ولا يمكنه إلخ) فلو أمكنه من غير أن يتلوّث المسجد فلا بأس به إلخ**[1] (ردّ المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ۵۰۹-۵۱۰)

وضاحت: معتکف کو مسجد سے باہر نکل کر تالاب میں وضو کرنا جائز نہیں جب کہ مسجد کے احاطہ میں وضو کرنے کا انتظام ہو، اور اگر مسجد کے احاطہ میں وضو کرنے کا انتظام نہ ہو اور مسجد سے متصل تالاب ہو اور لوگ عام طور پر وہیں وضو کرتے ہیں تو پھر تالاب میں وضو کرنا جائز ہوگا، جیسے حوض مسجد سے خارج ہوتا ہے، اور معتکف اور غیر معتکف سب حوض پر جاکر وضو کرتے ہیں۔

محمد امین پالن پوری

بڑے قصبہ کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے چھوٹی بستی کے لوگوں سے سنت کفایہ ادا نہ ہوگی

سوال: (۲۹٦) بڑے قصبے کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے چھوٹی بستی جو اس قصبہ کے متصل ہو وہاں کے لوگوں کے ذمے سے یہ سنت کفایہ ادا ہو جاوے گی یا نہ؟ (۱۳۳۴/ ۱۳۳۵ھ)

---

(۱) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۳۸۷، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف.**

الجواب: بڑے قصبے کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے چھوٹی بستی کے لوگوں کے ذمے سے یہ سنت کفایہ ادا نہ ہوگی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۱)

ایک گاؤں کا آدمی دوسرے گاؤں میں جاکر اعتکاف کرے تو سنت کس سے ساقط ہوگی؟

سوال: (۲۹۷) اگر ایک گاؤں کا آدمی دوسرے گاؤں میں جاکر اعتکاف کرے تو سنت کفایہ کون سے گاؤں والوں کے سر سے ساقط ہوگی؟ (۱۳۴۳/۲۷۴۵ھ)

الجواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں کے لوگوں سے ساقط ہوگا جس میں معتکف نے اعتکاف کیا؛ اس لیے کہ اعتکاف علی الاشہر سنت کفایہ ہے؛ جس کا تعلق ہر بستی کے لوگوں کے ساتھ ہے، پس جیسے کہ ترک سے وہی لوگ مسیٔ ہوں گے، اسی طرح ادا سے وہی لوگ بری بھی ہوں گے۔ وفي جامع الرّموز: وقيل: سنة على الكفاية حتّٰى لو تُرك في بلدة لأساؤا إلخ [۲] (ص:۱۶۴) ظاہر ہے کہ اس عبارت میں اساءت کا تعلق اہل بلدہ کے ترکِ اعتکاف کے ساتھ قرار نہیں دیا گیا، بلکہ متروک فی البلدہ ہوجانے سے اہل بلدہ کو مسیٔ قرار دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اگر اجنبی آدمی بھی معتکف ہوجائے تو اس صورت میں بھی اعتکاف کا متروک فی البلد ہونا صادق نہیں آتا ہے؛ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ اہل بلدہ سے سنت ادا ہوجاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۱۰-۵۱۲)

معتکف حقہ پی سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۸) بہ وجہ نفخ اور کثرتِ ریاح اگر کوئی شخص حقہ کا عادی ہو اور فرض کرلیا جاوے کہ

---

(۱) وسنّةٌ مؤكّدةٌ في العشر الأخير مِن رمضانَ أي سنّة كفاية إلخ ، لاقترانها بعدم الإنكار علىٰ مَن لم يفعله من الصّحابة (الدّرّ المختار) قوله: (أي سنّةُ كِفَايَةٍ) نظيرُها إقامةُ التّراويح بالجماعةِ فإذا قامَ بها البعضُ سَقَطَ الطّلبُ عَنِ الْبَاقِيْنَ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۸۳، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

(۲) جامع الرّموز: ۱/۱۶۴، كتاب الصّوم، فصل الاعتكاف، المطبوعة: مطبع نول كشور.

اس کا بدل سریع الاثر دستیاب نہ ہو تو ایسا شخص بہ حالت اعتکاف مسجد سے باہر نکل کر حقہ پی سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۹۸۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: معتکف کا کھانا پینا سب مسجد میں ہوتا ہے، لہٰذا باہر نکلنا بہ غرض حقہ نوشی جائز نہ ہوگا، باقی یہ کہ حقہ نوشی مسجد میں مکروہ ہے تو اس وجہ سے اس کو ترک اعتکاف کرنا چاہیے، کیونکہ سنت کی ادا کی وجہ سے ارتکابِ مکروہ درست نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۰۵/۶)

اعتکاف میں بدکلامی ولڑائی جھگڑا کرنا مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۲۹۹) بدکلامی ولڑائی جھگڑے سے اعتکاف میں کچھ خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۰۵۵ھ)[۲]

الجواب: معتکف کے لیے مناسب نہیں کہ بدکلامی اور جھگڑا کرے، فقہاء نے لکھا ہے کہ معتکف کے لیے اچھی باتوں کے سوا کلام کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ اوّل تو مسجد میں بغیر اعتکاف کے بھی ایسے کلام کی اجازت نہیں، پھر خصوصًا اعتکاف کے بعد تو اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ درمختار میں ہے: ويكره تحريمًا إلخ تكلّم إلاّ بخير وهو ما لا إثم فيه إلخ[۳] معتکف کو چاہیے کہ تلاوت قرآن مجید وغیرہ میں مشغول رہے کہ اعتکاف کی غرض اصلی انابت الی اللہ ہی ہے۔ قال في البحر: قالوا: ويلازم قراءةَ القرآن والحديث والعلم والتّدريس وسير النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم وقصصَ الأنبياء وحكايات الصّالحين وكتابةَ أمور الدّين إلخ[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۰۸/۶-۵۰۹)

---

(۱) فيفهمُ منه حُكمُ النّباتِ الّذي شاعَ في زمانِنَا المُسمّٰى بالتُّتُنِ فتنبّه، وقد كرهَهُ شيخنا العِمَاديُّ في هديّتِهِ إلحاقًا لَهُ بالثّومِ والبَصَلِ بالأَولٰى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۲/۱۰، كتاب الأشربة) ظفیر

(۲) سوال مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۲/۳، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف.

(۴) البحر الرّائق: ۵۳۲/۲، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف.

غصب کی ہوئی جگہ پر بنے فرش مسجد پر معتکف کا جانا اور بیٹھنا مفسد اعتکاف ہے

سوال: (۳۰۰) زید نے عمر، بکر وخالد کے راستہ حویلی مملوکہ سے فرش مسجد میں غصبًا جو جگہ داخل کرلی ہے، اس جگہ میں جو بہ ظاہر سب فرش مسجد معلوم ہوتا ہے معتکف کا بلاضرورت ٹھہرنا یا وضو کے واسطے اس جگہ بیٹھنا معتکف کو جائز ہے یا نہیں؟ یا اس جگہ بیٹھنے سے اعتکاف ٹوٹ جاوے گا اور قضا اس کی واجب ہوگی؟ (۱۸۷۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ظاہر ہے کہ جو جگہ غصبًا مسجد میں داخل کی گئی ہے وہ مسجد نہیں ہوئی، معتکف کو بہ حالت اعتکاف وہاں جانا اور بیٹھنا مفسدِ اعتکاف ہوگا اور اعتکاف واجب کی قضا بھی لازم ہوگی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۰۵/٦)

گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے اعتکاف ترک کرنے والا موجبِ ملامت نہیں

سوال: (۳۰۱) ایک مولوی صاحب مسافر دو سال سے یہاں سکونت پذیر ہیں، اعتکاف کے بہت فضائل بیان فرماتے ہیں اور خود اعتکاف میں نہیں بیٹھتے، اور یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ میرے مکان میں ہمراہ رہنے کے لیے کوئی نہیں ہے، یہاں میرے خویش واقارب نہیں ہیں، میرے گھر کے متصل ایک خالی میدان ہے، عورت، بچے بہت گھبراتے ہیں، اور کبھی کبھی گھر میں پتھر آکر گرتے ہیں، یہ عذر مولوی صاحب کے قابلِ قبول ہیں یا نہ؟ (۱۹۲۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: بہ وجہ اعذار مذکور کے اعتکاف کو ترک کرنا گناہ نہیں ہے اور موجبِ ملامت نہیں ہے۔ درمختار باب الاعتکاف میں ہے: وسنّة مؤكّدة في العشر الأخير من رمضان

---

(۱) فلو خرج ولو ناسيًا ساعةً زمانيّةً ...... بلا عذر فسد فيقضيه . (الدّرّ المختار مع ردّ المختار: ۳۸۹/۳، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

أي سنّة كفاية إلخ ، لإقترانها بعدم الإنكار على من لم يفعله من الصّحابة وهٰكذا في الشّامي (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۶-۵۰۷)

اکیسویں شب کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد اعتکاف میں بیٹھا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۳۰۲) اگر معتکف اعتکاف میں بیسویں (۲) کی رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد داخل ہوتو کیا عشرۂ اخیرہ کی سنت ادا نہ ہوگی؟ (۲۲۷۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں عشرۂ اخیرہ کا پورہ اعتکاف نہ ہوا اور وہ سنت پوری ادا نہ ہوئی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۶)

سوال: (۳۰۳) جو شخص اکیسویں شب کو سحری کھا کر صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہو، اس کا اعتکاف صحیح ہوگا یا نہیں؟ (۲۰۵۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: سنت یہ ہے کہ بیسویں تاریخ کو غروب سے پہلے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے، لیکن اگر اس کے بعد کسی وقت میں بھی اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہوجائے؛ تب بھی صحیح ہے، لیکن عشرۂ کامل کی فضیلت اس صورت میں حاصل نہ ہوگی، نبی کریم ﷺ نے عشرۂ کامل کا اعتکاف کیا ہے جو کہ بیسویں تاریخ کی شام ہی سے پورا ہوسکتا ہے (۳) غرضیکہ صورت مسئولہ میں یہ اعتکاف صحیح ہوگیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۰۷-۵۰۸)

اجرت دے کر اعتکاف کرانا جائز نہیں

سوال: (۳۰۴) کچھ دے کر اعتکاف کرانا کیسا ہے؟ (۲۷۴۵/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۸۳، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف .

(۲) یعنی بیسویں تاریخ کے بعد جو رات آتی ہے، اس کا کچھ حصہ الخ۔ محمد امین پالن پوری

(۳) وعند الأئمّة الأربعة أنّه يدخل قبل غروب الشّمس إن أراد إعتكاف شهر أوعشر. (مرقاة المفاتيح: ۴/۵۲۹، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف، الفصل الثّاني، رقم الحديث: ۲۱۰۴) ظفیر

الجواب: اجرت دے کر اعتکاف کرانا جائز نہیں، کیوں کہ عبادات کے لیے اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہے۔ **كما هو مبسوط في الشّامي في فصل الجنائز والإجارات**[1] اور اگر بدون ٹھہرائے اجرت کے اعتکاف کرایا، اور اعتکاف کرا کے اجرت دینا وہاں معروف بھی نہ ہو تو یہ جائز ہے، بلکہ یہ امر بالمعروف میں داخل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۱۰-۵۱۲)

بیماری کی وجہ سے اخیر عشرۂ رمضان میں اعتکاف کر کے توڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۳۰۵) زید نے رمضان شریف کے آخر عشرہ کا اعتکاف کیا، درمیان میں بیمار ہو کر اعتکاف توڑ دیا، اب بعد صحت کے اس اعتکاف کی قضا کرے یا نہیں؟ اور روزہ بھی قضا کرے یا نہ؟ اور بیماری میں پانچ روزے قضا ہوئے، اعتکاف میں وہ روزے ادا ہو سکتے ہیں یا نہ؟

(۶۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وشرط الصّوم لصحّة الأوّل اتّفاقًا فقط على المذهب، قوله: (وشرط الصّوم لصحّة الأوّل) أي النّذر**[2] **(شامي) فلو شرع في نفله ثمّ قطعه لا يلزمه قضائه لأنّه لا يشرط له الصّوم على الظّاهر من المذهب إلخ، أمّا النّفل فله الخروج. قوله: (أمّا النّفل) أي الشّامل للسّنّة المؤكّدة؛ ح، إلخ**[3] **(شامي)** ان روایات سے یہ ظاہر ہے کہ اعتکاف عشرۂ اخیرۂ رمضان کی قضا لازم نہیں ہوتی، علامہ شامی نے محقق ابن ہمام کا اس میں خلاف بھی نقل کیا ہے[3] لیکن اکثر متون وشروح اسی پر ہیں کہ اعتکاف عشرۂ اخیرۂ رمضان واجب نہیں ہے، اور قضا سوائے واجب کے لازم نہیں ہوتی، اور نفل بھی شروع کرنے سے اگر چہ لازم ہو جاتی ہے مگر اعتکاف میں اسی قدر واجب ہوگا جو اقل نفل ہے، بہر حال مقتضی ان روایات کا

---

(۱) ولا يجوز أخذ الأجرة على الطّاعة كالمعصية. (ردّ المحتار: ۳/۸۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث كلّ سبب و نسب منقطع إلّا سببي ونسبي) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۸۴، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۸۶، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف.

یہ ہے کہ اعتکاف کی قضا نہیں، اورصرف انہیں پانچ روزوں کی قضا لازم ہے جو قضا ہوئے ہیں، اور ایک روزہ پہلی تاریخ رمضان کا جو نہیں رکھا گیا اس کی قضا لازم ہے، اور اگر اعتکاف کی بھی قضا کرے تو وہ روزے رمضان کے جو قضا ہوئے اس میں وہ اعتکاف بھی ہوسکتا ہے؛ تو گویا اس صورت میں کل دس روزے رکھے جاویں، چھ روزے قضا رمضان کے ہوجاویں گے اور باقی چار روزے اور رکھنے چاہئیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۵۱۴)

نفلی اعتکاف توڑ دینے سے قضا لازم نہیں آتی

سوال: (۳۰٦) نفلی اعتکاف سے اگر بہ ضرورت شدیدہ قبل از یوم ولیلہ باہر آئے تو قضا اس کی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر یوم ولیلہ سے زائد ٹھہر کر باہر آیا لیکن ختم ماہ صیام سے قبل تو بھی یوم ولیلہ قضا کے واسطے کافی ہوگا یا زائد کی ضرورت ہوگی؟ (٦/۲۳۷۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اعتکاف نفل کو قطع کردینے سے قضا لازم نہیں آتی، خواہ ایک دن رات سے قبل قطع کیا ہو یا بعد ایک دن رات کے؛ جس قدر ادا ہوگیا وہ ہوگیا؛ کیوں کہ بر بناء روایت اصل ادنیٰ مدت اعتکاف کی ایک ساعت ہے، اور اس کے لیے صوم بھی شرط نہیں ہے بہ خلاف اعتکاف واجب کے کہ اس کے قطع کردینے سے قضا لازم آتی ہے اور صوم اس کے لیے شرط ہے [1] فقط (٦/۵۰۴)

---

(۱) فَلَوْ شَرَعَ فِي نَفْلِهِ ثمّ قَطَعَهُ لا يلزَمُهُ قَضَاؤه لأنّه لا يُشترطُ لهُ الصّومُ على الظّاهرِ مِن المذْهَبِ ومَا في بعضِ المعتبراتِ أنّه يلزمُ بِالشّروعِ مُفرَّعٌ على الضّعيفِ قَالَهُ المصنّفُ وغيرُهُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۸٦، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف)

فلوخرج ولو ناسيًا ساعة إلخ بلا عذر فسد فيقضيه (الدّرّ المختار) أي لو واجبًا بالنّذر أمّا التّطوّع لو قطعه قبل تمام اليوم فلا إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المختار: ۳/۳۸۹، كتاب الصّوم، باب الاعتكاف) ظفیر

کتاب الحج

حج کی فرضیت اور اس کی ادائیگی کے احکام

حج کب فرض ہوتا ہے؟ اور عورت بغیر محرم حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱) عورت کو بغیر کسی محرم کے حج کو جانا جائز ہے یا نہ؟ اور عورت پر حج کس وقت فرض ہوتا ہے؟ اور مرد پر حج کس وقت فرض ہوتا ہے؟ (۴۰۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: عورت کو حج کو جانا بدون کسی محرم شوہر وغیرہ کے جائز نہیں ہے، اور عورت پر حج اسی وقت فرض ہوتا ہے کہ اس کے پاس اس قدر روپیہ ہو کہ دونوں کا خرچ وہ اٹھا سکے[۱] یعنی اپنا خرچ اور محرم کا خرچ اٹھا سکے اور مرد کے ذمہ حج اس وقت فرض ہوتا ہے کہ علاوہ اپنے خرچ کے اپنے اہل وعیال کے لیے مدت سفر کا خرچ کافی چھوڑ جاوے، اور جو کچھ قرضہ ہو وہ سب ادا کردے[۲]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۲۱/۶-۵۲۲)

---

(۱) ومنها المحرم للمرأة شابةً كانت أو عجوزًا إذا كانت بينها وبين مكّة مسيرة ثلاثة أيّام إلخ ، وتجب عليها النّفقة والرّاحلة في مالها للمحرم ليحجّ بها. (الفتاوی الهندية: ۲۱۸/۱-۲۱۹، كتاب المناسك ، الباب الأوّل في تفسير الحجّ وفرضيته ووقته إلخ)ظفير

(۲) ومنها القدرة علی الزّاد والرّاحلة إلخ وتفسير ملك الزّاد والرّاحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته وهو ما سوی مسكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلٰی مكّة ذاهبًا وجائيًا راكبًا لا ما شيًا وسوی ما يقضي به ديونه ==

غیر محرم کے ساتھ حج کرنا عورت کے لیے درست نہیں

سوال: (۲) ایک عورت ضعیف شوہر کی اجازت سے تنہا یا دوسرے شخص کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۳۰۲ھ)

الجواب: اجنبی لوگوں کے ساتھ سفر کرنا عورت کو درست نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ شوہر یا کوئی دوسرا محرم اس کے ساتھ ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۵۳۲)

بیوہ غیر محرم کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۳) ایک عورت جس کی عمر ۲۴ برس کی ہے اور وہ بیوہ ہے، ارادہ حج کا کرتی ہے، ایک غیر شخص کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہ؟ (۱۳۳۸/۱۵۴۱ھ)

الجواب: بدون محرم کے ساتھ لیے عورت کو سفر کرنا درست نہیں ہے، اوراس حالت میں حج اس پر فرض نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۵۳۵)

= = ويمسك لنفقة عياله ومرمّة مسكنه ونحوه إلى وقت انصرافه كذافي محيط السّرخسي ويعتبرفي نفقته ونفقة عياله الوسط من غيرتبذيرولا تقتير؛كذا في التّبيين. (الفتاوی الهندية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك ، الباب الأوّل في تفسيرالحجّ وفرضيته ووقته وشرائطه إلخ)ظفير

(۱) ومع زوج أو محرم ولو عبدًا إلخ بالغ إلخ عاقل والمراهق كبالغ ...... غير مجوسي ولا فاسق لعدم حفظهما مع وجوب النّفقة لمحرمها عليها لأنّه محبوس عليها لامرأة حرّة ولو عجوزًا في سفر إلخ، وليس عبدها بمحرم لها وليس لزوجها منعها عن حجّ الإسلام، ولو حجّت بلا محرم جاز مع الكراهة (الدّرّ المختار) أي التّحريميّة للنّهي في حديث الصّحيحين إلخ .(الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۱۱-۴۱۲، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع)ظفير

(۲) هو ....فرض مرّةً على الفور بشرط حرّية إلخ ومحرم أو زوج لامرأة في سفر (كنز الدّقائق) أمّا في الصّحيحين لا تسافر امرأة ثلاثًا إلّا ومعها محرم، و زاد مسلم في رواية أو زوج، و روى البزّار لا تحجّ امرأة إلّا ومعها محرم إلخ وأشار المصنّف إلى أنّ أمن الطّريق والمحرم من شرائط الوجوب. (كنزالدّقائق والبحرالرّائق: ۲/۵۳۷-۵۵۲، كتاب الحجّ)ظفير

غیرمحرم پیر یا صرف مستورات کے ساتھ عورت کے لیے حج کا سفر کرنا جائز نہیں

سوال: (۴)......(الف) ایک عورت بیوہ جو صاحبِ نصاب ہے وہ اپنے غیرمحرم پیر کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہے تو جائز ہے یا نہ؟

(ب) اگر یہ عورت صرف مستورات کے ساتھ مل کر جاوے تو جائز ہے یا نہ؟

(۴۲۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) جائز نہیں ہے، شامی میں ہے: وفيه إشارة إلى أنّ الحرّة لا تسافر ثلاثة أيّام بلا محرم إلخ[1]

(ب) جائز نہیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۴۰/٦)

کیا عورت ان عورتوں کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے جو اپنے محرم کے ساتھ جارہی ہیں؟

سوال: (۵) ایک بیوہ عورت جس کا کوئی محرم ساتھ نہیں ہے حج کو جانا چاہتی ہے، باقی اور عورتیں اپنے اپنے خاوندوں کے ہمراہ جارہی ہیں، زنانہ ساتھ دیکھ کر یہ بھی تیار ہوگئی تو کیا بغیر محرم جاسکتی ہے؟ اور اگر کوئی منع کرے تو اس کی کیا سزا ہے؟ (۹۸/۷۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۴۷۵/۹، كتاب الحظر والأباحة، فصل في البيع.

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحجّ به أو زوج ولا يجوز لها أنّ تحجّ بغيرهما إذا كان بينها وبين مكّة ثلاثة أيّام. (الهداية: ۲۳۳/۱، كتاب الحجّ) ظفير

(۲) ومع زوج أو محرم إلخ مع وجوب النّفقة لمحرمها عليها إلخ لامرأة حرّة ولو عجوزًا في سفر (الدّرّ المختار) والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهريّة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۱۱/۳، كتاب الحجّ، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع)

وروى البزّاز: لا تحجّ امرأة إلّا ومعها محرم. (البحر الرّائق: ۵۵۱/۲، كتاب الحجّ) ظفير

الجواب: جب تک اس عورت بیوہ کے ساتھ اس کا کوئی محرم نہ ہو اس وقت تک اس پر حج فرض نہیں ہے اور جانا جائز نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۴۰)

عورت نے غیر محرم کے ساتھ حج ادا کرلیا تو فرض ساقط ہو گیا

سوال: (۶) عورت نے غیر محرم کے ساتھ جا کر حج ادا کرلیا تو جو فرض اس کے ذمے تھا وہ ساقط ہو گیا یا نہ؟ اور عورت پر غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ ہے یا نہ؟ (۴۲۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: حج اس کا ادا ہو گیا اور فرض ساقط ہو گیا، اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ اس پر ہوا توبہ واستغفار کرے۔ درمختار میں ہے: ولو حجّت بلا محرم جاز مع الكراهة إلخ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۲۲)

عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج فرض ادا کرسکتی ہے

سوال: (۷) عورت حج بغیر رضائے شوہر کرسکتی ہے یا نہیں؟ (۴۴۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: حج فرض کرسکتی ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۲۸)

عورت حج کے لیے جانا چاہے تو شوہر روک سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۸) ایک عورت حج کے لیے اپنے پھوپھی زاد بھائی اور خالہ زاد بہن اور دیگر عورتوں کے ہمراہ جانا چاہتی ہے؛ شوہر روکتا ہے، آیا شرعاً شوہر اس کو روک سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۷/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۱۲/۳، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع .

(۳) عن النّواس بن سِمعان قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: لا طاعةَ لمخلوق في معصية الخالق. (مشكاة المصابيح، ص:۳۲۱، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الثّاني)

وليس لزوجها منعها عن حجّة الإسلام . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۲۱/۳، كتاب الحجّ ، مطلب في قولهم : يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع) ظفیر

الجواب: اگر عورت کے ذمے حج فرض ہو تو شوہر اس کو حج سے نہیں روک سکتا، اگر شوہر ساتھ نہ جاوے تو دوسرے محرم کے ساتھ حج کر سکتی ہے، اور بلا محرم کے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ کما قال في الدّرّ المختار: وليس لزوجها منعها عن حجّة الإسلام ولو حجّت بلا محرم جاز مع الكراهة إلخ (الدّرّ المختار) أي التّحريميّة إلخ[1] (شامی) اور پھوپھی زاد بھائی محرم نہیں ہے اس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے[2] اسی طرح عورتوں کے ساتھ سفر کرنا درست نہیں ہے، یہ اصل مذہب ہے[3] اور بعض نے کہا کہ اگر صلحاء کے ساتھ سفر کرے تو درست ہے۔ وقيل: إنّها تسافر مع الصّالحين والصّبيّ والمعتوه غير محرمين كما في المحيط، قهستاني[4] فقط واللہ اعلم (٦/٥٣٩-٥٤٠)

جس عورت کا کوئی محرم نہ ہو اس کا بغیر محرم حج کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۹) ایک عورت جو کسی طرح سے محل فتنہ نہیں ثقہ بھی ہے، اس کے کوئی محرم نہیں، اس کا ایک شخص (رشتہ دار جو نہایت دین دار ہے حج کو جاتا ہے، نیز چند عورتیں بھی جاتی ہیں؛ وہ بھی ان کے ہمراہ جاتی ہے، اور ایک شخص کو)[5] جو بہ ظاہر دین دار ہے اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی ہے تا کہ سفر میں اس کی امداد کرے؛ ایسی صورت میں وہ شخص اس کے ہمراہ سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۹۸۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۱۲، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع .

(۲) والمحرم مَن لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (ردّ المحتار: ۳/۴۱۱، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع) ظفیر

(۳) ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحجّ به أو زوج، ولا يجوز لها أنّ تحجّ بغيرهما...... وقال الشّافعي: يجوز لها الحجّ إذا خرجت في رفقة ومعها نساء ثقات لحصول الأمن بالمرافقة، ولنا قوله عليه السّلام: لا تحجّنّ امرأة إلّا ومعها محرم ولأنّها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة، وتزداد بانضمام غيرها إليها ولهٰذا تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها. (الهداية: ۱/۲۳۳، كتاب الحجّ) ظفیر

(۴) ردّ المحتار: ۹/۴۷۵-۴۷۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع .

(۵) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

الجواب: روایت فقہیہ جواز کی بعض مشائخ سے بعض معتبرات میں موجود ہیں۔ قال الشامي من الحظر والإباحة ، فصل في البيع : وفيه إشارة إلى أنّ الحرّة لا تسافر ثلاثة أيّام بلا محرم ، واختلف في ما دون الثّلاثة، وقيل: إنّها تسافر مع الصّالحين والصّبيّ والمعتوه غير مَحرمين كما في المحيط، قهستاني[1] اور فصل حداد میں یہ عبارت بھی قابل لحاظ ہے۔ قال في الدّرّ المختار: ولا بدّ من سترة بينهما في البائن لئلاّ يختلي بالأجنبية (الدّرّ المختار) و يمكن أن يقال في الأجنبيّة كذٰلك ، و إن لم تكن معتدّته إلاّ أن يوجد نقل بخلافه ، بحر[2] اور بعض وقائع صدر اوّل کے مثلاً مہاجرت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور رجل من الانصار کے ساتھ مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ تک، اور امثال اس کے بھی قابل لحاظ ہیں، اور واقعی یہ ہے کہ وقائع میں ایک ضربِ اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔ قال في الفتح: والحقّ أنّ على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ: محمد انور عفا اللہ عنہ (۶/۵۳۴)

بے پردگی کے خوف سے حج کو ممنوع کہنا غلط ہے

سوال: (۱۰) ایک شخص مع اپنی اہلیہ کے جس پر حج فرض ہے حج کو جانا چاہتے ہیں، مگر ایک مولوی صاحب نے ان کو یہ رائے دی کہ چوں کہ ریل وجہاز میں مستورات کی بے پردگی ہوتی ہے؛ اس لیے ان کو ہمراہ نہ لے جانا چاہیے، بلکہ یہ فتویٰ دینے کے لیے تیار ہیں کہ مستورات کا اپنے محرم کے ساتھ حج کو جانا بہ وجہ بے پردگی شرعاً ممنوع ہے (اس صورت میں صحیح حکم شرعی کیا ہے؟)[4]

(۱۳۳۸/۱۶۴۲ھ)

الجواب: جب کہ کسی عورت پر حج فرض ہو اور محرم یا خاوند ساتھ جانے والا موجود ہو اور ساتھ جا سکے تو اس عورت کو حج کو جانا فرض ہے، کسی صاحب کا یہ فتویٰ دینا کہ مستورات کی جہاز وریل میں

(۱) ردّ المحتار: ۹/۴۷۵-۴۷۶، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۵/۱۸۱-۱۸۲، كتاب الطّلاق، باب العدّة، مطلب: الحقّ أنّ على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع.

(۳) ردّ المحتار: ۵/۱۷۹، كتاب الطّلاق، باب العدّة، مطلب: الحقّ أنّ على المفتي إلخ .

(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

بے پردگی ہوتی ہے اس لیے ان کو محرم کے ساتھ جانا بھی ممنوع ہے؛ بالکل غلط ہے، مستورات پر بہ صورت بالاضرور حج فرض ہے، اور محرم کا ساتھ ہونا کافی ہے، اور جب کہ برقع ہو تو بے پردگی کچھ نہیں ہے، یہ خیال بے پردگی کا غلط ہے، زمانۂ رسول اللہ ﷺ سے آج تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اگر خیال اس شخص مانع کا صحیح ہوتا تو کسی زمانے میں بھی عورتوں پر حج فرض نہ ہوتا، الغرض اس شخص کے قول کا اعتبار نہ کریں اور اپنی اہلیہ کو جس پر حج فرض ہے ضرور حج کو لے جاویں[1] فقط واللہ اعلم (۵۲۹/۶)

عورت کے لیے عدت کے اندر حج کا سفر جائز نہیں

سوال: (۱۱) ہندہ کا شوہر فوت ہو گیا عدت پوری نہیں ہوئی، کیا ہندہ ایام عدت میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے سفر کر سکتی ہے یا نہیں؟ (۲۳۰۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: ہندہ ایام عدت میں فریضۂ حج کے لیے سفر نہیں کر سکتی۔ کذا في الدّرّ المختار[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۳۴-۵۳۵)

عورت کو شوہر اور لڑکے نے جو روپیہ دیا عورت اس کی مالک ہے اور حج کے لیے کافی ہو تو حج کرے

سوال: (۱۲) ایک عورت کو اس کا لڑکا اور شوہر سات روپیہ ماہوار دیتے ہیں، عورت نے بہت

(۱) ومع زوج أومحرم إلخ لامرأة حرّة ولوعجوزًا في سفر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۱۱، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع) ظفير

(۲) ومع زوج أو محرم إلخ مع وجوب النّفقة لمحرمها عليها ...... لامرأة حرّة ولو عجوزًا في سفر إلخ ومع عدم عدّة عليها مطلقًا أيّةَ عدّة كانت (الدّرّ المختار) فلا يجب عليها الحجّ إذا وجدت ...... قوله: (أيّة عدّة كانت) أي سواء كانت عدّة وفاة أو طلاق بائن أو رجعيّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۱۱-۴۱۳، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع)

ولا تخرج معتدّةُ رجعيٍ وبائنٌ إلخ من بيتها أصلاً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/۱۷۹-۱۸۰، كتاب الطّلاق، باب العدّة، مطلب: الحقّ أنّ على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع) ظفير

کم خرچ کیا اور حج کے لیے روپیہ جمع کیا، اب اس کا شوہر مرگیا تو جو روپیہ عورت نے حج کے لیے جمع کیا تھا وہ عورت کا ہے یا لڑکے کا؟ (۱۱۵۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جو روپیہ اس عورت کے شوہر اور لڑکے نے اس کو دیا اس روپیہ کی وہ عورت مالک ہوگئی، اگر وہ روپیہ اتنا ہے کہ حج کے سفر کے لیے کافی ہے، اور اس کے محرم کا خرچ بھی اس میں پورا ہوسکتا ہے تو اس عورت کے ذمہ حج فرض ہے اپنے محرم کے ساتھ اس کو حج کو جانا چاہیے [۱] فقط واللہ اعلم (۵۲۱/٦)

غریب شخص جس پر حج فرض نہیں تھا اس نے حج کیا تو فرض حج ادا ہوگیا مال دار ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں

سوال: (۱۳) ایک شخص غریب جس پر حج فرض نہیں ہے وہ کسی طریق سے مکہ معظمہ پہنچا، اور حج ادا کیا، واپس آنے کے بعد وہ غنی ہوگیا تو اب اس پر دوبارہ حج فرض ہے یا وہ حج نفل اس کے لیے کافی ہے؟ (۶۴۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں اس شخص کے ذمے سے حج فرض ادا ہوگیا۔ کما في الشّامي: بخلاف ما لو خرج ليحجّ عن نفسهٖ وهو فقير فإنّه عند وصولهٖ إلى الميقات صار قادرًا بقدرة نفسهٖ فيجب عليه إلخ [۲] وفيه أيضًا: الآفاقيّ إذا وصل إلىٰ ميقات فهو كالمكّيّ إلخ [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳۱/٦)

سوال: (۱۴) ایک شخص ملازم ہوکر حج کو گیا، بعد چند سال کے وہ صاحب نصاب ہوگیا تو کیا دوبارہ اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ (۱۵۴۳/۴٦-۱۳۴۷ھ)

الجواب: دوبارہ اس پر حج فرض نہ ہوگا حج فرض ادا ہوچکا [۳] (درمختار) فقط (۵۲۵/٦)

---

(۱) ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحجّ بهٖ إلخ ونفقة المحرم عليها لأنّها تتوسّل بهٖ إلىٰ أداء الحجّ. (الهداية: ۲۳۳/۱-۲۳۴، كتاب الحجّ) ظفير

(۲) ردّ المحتار: ۲۱/۴، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة.

(۳) هو إلخ فرض إلخ مرّة لأنّ سببه البيت وهو واحد والزّيادة تطوّع. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۸/۳-۴۰۱، كتاب الحجّ) ظفير

جس نے باپ کے مال سے حج کیا اس پر دوبارہ حج فرض ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۵) ایک شخص نے اپنے باپ کے مال سے باپ کی موجودگی میں حج کیا تھا، بعد انتقال باپ یہ شخص مالک مال اور قادرِ زاد وراحلہ ہوا؛ آیا اس پر دوبارہ حج فرض ہے یا نہیں؟
(۱۷۸۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر پہلا حج بلوغ کے بعد ہوا تو حج فرض ادا ہو گیا؛ دوبارہ حج فرض نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: فلو جدّد الصّبيُّ الإحرامَ قبلَ وُقوفِهِ بِعَرَفةَ ونوى حَجّةَ الإسلامِ أجْزَأه إلخ ، وفي ردّ المحتار: ولو أحرم الصّبيّ أو المجنون أو الكافر؛ ثمّ بلغ أو أفاق و وقت الحجّ باق فإن جدّدوا الإحرامَ يجزيهم عن حَجّة الإسلام[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳۰/۶)

مال دار پہلے حج کرے پھر گنجائش ہو تو مسجد تعمیر کرائے

سوال: (۱۶) زید صاحبِ نصاب ہے، اور ان کی مسجد بھی خراب ہے، تو پہلے حج کرے یا مسجد کی تعمیر کراوے؟ اور نیت اس نے دونوں کی کر لی ہے اور روپیہ اتنا ہے کہ ایک کام کر سکتا ہے؟
(۱۳۴۵-۴۴/۷۴۴ھ)

الجواب: حج فرض ہے پہلے حج کرنا چاہیے اس کے بعد اگر گنجائش ہو مسجد بھی تعمیر کرادی جاوے وہ کارِ ثواب ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۲۰/۶-۵۲۱)

صاحبِ استطاعت پہلے حج کرے پھر دیگر کارِ خیر کرے

سوال: (۱۷) زید کہتا ہے کہ میرا ارادہ ہے کہ خدا تعالیٰ اگر مجھے روپیہ دے تو میں اپنے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی کروں؛ وہ تنگدست ہیں، اور وسعت ہونے پر کنواں اور مسجد بناؤں گا، اگر خدا تعالیٰ

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۱۳/۳-۴۱۴، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع.

(۲) فرض مقدم ہے۔ هو ...... فرض ......مرّةً ...... على الفور في العام الأوّل عند الثّاني وأصحّ الرّوايتين عن الإمام ومالك وأحمد فيفسق وتردّ شهادته بتأخيره إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۸/۳-۴۰۲، كتاب الحجّ) ظفير

اس کو مال عطا فرماوے تو وہ پہلے حج ادا کرے یا اپنے بھائیوں کو روپیہ دے یا مسجد اور کنواں بناوے؟ (۱۳۴۲/۱۶۷۰ھ)

الجواب: جب روپیہ ہو جاوے اور حج فرض ہو جاوے تو پہلے حج کرے، پھر غریب بھائیوں کی امداد، پھر مسجد و چاہ بنوائے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۱۵-۵۱۶)

فریضۂ حج؛ حج کرنے سے ہی ادا ہوگا

مدارس وغیرہ میں دینے سے ادا نہیں ہوگا

سوال: (۱۸) ایک شخص فریضۂ حج ادا کر چکا ہے، مگر اس کی بیوی نے نہیں کیا، اب ان کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میاں بیوی دونوں بہ خوبی حج کر سکتے ہیں؛ لیکن مرد کمزور اور دائم المریض ہے اور بیوی بھی کمزور ہے، مگر ایسے کمزور بھی نہیں کہ چل پھر نہ سکیں، دیگر اس وقت حجاز میں راستہ کی تکلیفات زیادہ ہیں، پس مذکورہ حالات میں دونوں کے لیے حج کو جانا ضروری ہے، یا اسی قدر روپیہ مدارس اسلامیہ کو بہ طور خیرات دے دینا بہتر ہے؟ (۱۳۴۳/۱۳۲۰ھ)

الجواب: جب کہ اس کی زوجہ پر حج فرض ہے تو اس کو حج کرانا چاہیے، اور چوں کہ عورت کو محرم کے ساتھ لینے کی ضرورت ہے تو خواہ شوہر ساتھ ہو یا کوئی دوسرا محرم، یہ اختیار ہے کہ اگر سردست بہ وجہ عدم اطمینان کے سفر حج میں تامل ہے تو انتظار کیا جاوے کہ جس وقت خبریں اطمینان کی آجاویں اس وقت ارادہ کیا جاوے[2] غرض یہ کہ فریضۂ حج، حج کرنے سے ہی ادا ہوگا، مدارس وغیرہ میں دینے سے حج ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۴۴)

---

(۱) حج فرض ہونے کے بعد پہلے اس کی ادائیگی ضروری ہے، بقیہ چیزوں کا درجہ اس کے بعد ہے۔

عن أبي هريرة قال: خطبنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فقال: يا أيّها النّاس! قد فرض عليكم الحجّ فحُجّوا الحديث.

وعنه قال: سئل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أي العمل أفضل؟ قال: إيمان بالله ورسوله، قيل: ثمّ ماذا؟ قال: الجهاد في سبيل الله، قيل: ثمّ ماذا؟ قال: حجّ مبرور، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۲۲۰-۲۲۱، كتاب المناسك، الفصل الأوّل) ظفير

(۲) مع أمن الطّريق بغلبة السّلامة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۰۹، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع) ظفير

یتامی، فقراء یا مدرسہ کو روپیہ دینے سے حج ادا نہیں ہوگا

سوال: (۱۹) زید ۵۵ سال کی عمر کا ضعیف القویٰ شخص ہے، لیکن صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے اس پر حج فرض ہے، تکالیف سفر اور اپنی کمزوریٔ قوی جو بہ لحاظ عمر و مرض کے ہے سفر حج کرنے میں جان کا خطرہ سمجھ کر ادائے فریضۂ حج کے لیے ایک معقول اور مناسب رقم یتیموں اور بیواؤں کو یا مدرسہ اسلامیہ میں صرف کر کے اس فرض کو ادا کرنا چاہتا ہے؛ آیا اس کا یہ فعل ادائے فریضۂ حج میں شمار ہوگا یا نہیں؟ دوسری شکل یہ ہے کہ اس سرمایہ سے حج بدل کرایا جاوے؛ لیکن جو شخص حج بدل کے واسطے بھیجا جاوے اس کے لیے کیا شرائط ہوں؟ (۹۲۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یتامی و فقراء کو دینے سے فریضۂ حج سے سبکدوش نہیں ہوسکتا، البتہ دوسری صورت یعنی حج بدل کی ہوسکتی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ حج بدل اس سے کراوے جو پہلے حج کر چکا ہو، ورنہ مکروہ ہوگا؛ اگرچہ حج ادا ہوجاوے گا۔ کذا في الشّامي[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۳۲-۵۳۳)

مسجد و مدرسہ میں روپیہ خرچ کرنے سے حج ادا نہیں ہوگا

سوال: (۲۰) ایک شخص حج کے ارادے سے گھر سے روانہ ہوا، راستے میں سے کسی وجہ سے مکان پر واپس چلا آیا، اب وہ بیمار قریب المرگ ہے اس روپیہ کو مسجد و مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۸۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس کو لازم ہے کہ جب کہ اس پر حج فرض ہے اور خود نہیں کرسکتا تو اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کراوے، اور اس روپے کو دوسرے کسی مصرف میں مثل مسجد و مدرسہ کے خرچ کرنا جائز نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۶۷)

---

(۱) العبادة الماليّة ...... تقبل النّيابة عن المكلّف مطلقًا إلخ والبدنيّة كصلاةٍ وصومٍ لا تقبلها ...... والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز إلى الموت لأنّه فرض العمر حتّى تلزم الإعادة بزوال العذر وبشرط نيّة الحجّ عنه إلخ لكنّه يشترط لصحّة النّيابة أهليّة المأمور لصحّة الأفعال إلخ فجاز حجّ الصّرورة إلخ وغيرهم أولى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۱۴-۲۰، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة) ظفير

مکان نہ ہو تو حج کی استطاعت رکھنے والا حج کرے یا مکان بنوائے؟

سوال: (۲۱) ہمارے پاس مکان نہیں ہے تو مکان میں روپیہ خرچ کر سکتے ہیں یا حج کرنا فرض ہے؟ (۱۳۴۳/۱۳۱۴ھ)

الجواب: جب کہ روپیہ حج کے موافق موجود ہے تو حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۱۷)

وضاحت: مکان بنانے کے لیے جمع کی ہوئی رقم اس قدر ہے کہ حج کے تمام مصارف کے لیے کافی ہو سکتی ہے مگر ابھی یہ رقم مکان میں خرچ نہیں کی تھی اور حج کا موسم آ گیا تو ایسی صورت میں حج کرنا فرض ہے، ہاں موسم حج سے پہلے یہ رقم تعمیر مکان وغیرہ میں لگا دی تو اب حج کرنا فرض نہیں۔

وكذا لو كان عنده ما لو اشترى بهٖ مسكنًا وخادمًا لا يبقٰى بعده ما يكفي للحجّ لا يلزمه خلاصة (الدّرّ المختار) والّذي رأيته في الخلاصة هٰكذا، وإن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذٰلك وعنده دراهمُ تبلغ به الحجَّ وتبلغ ثمنَ مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحجّ، وإن جعلها في غيرهٖ أثِم أهـ . لكنّ هٰذا إذا كان وقتُ خروج أهل بلده كما صرّح بهٖ في اللُّباب أمّا قبله فيشتري بهٖ ما شاء لأنّه قبل الوجوب. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۴۰۸، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) محمد امین پالن پوری

ایک شخص کے پاس چھ سو روپے ہیں
تو وہ حج کرے یا مکان بنوائے؟

سوال: (۲۲) ایک شخص کے پاس چھ سو روپیہ ہے، اور وہ شخص تین برس سے ارادہ حج کا رکھتا ہے، اور اس شخص کے یہاں شریعت کے مطابق پردہ نہیں ہے، اور مکان بھی ایسا نہیں کہ پردہ کر سکے تو یہ شخص اس حالت میں کیا کرے؛ مکان بنوائے یا حج کرنے جاوے، اور مکان بنوانے میں سب روپیہ صرف ہو جانے کا بھی خوف ہے؟ (۱۳۳۸/۱۶ھ)

الجواب: اگر چھ سو روپیہ میں حج کا خرچ اور اہل وعیال کا خرچ واپس آنے تک پورا ہو سکے

تو حج اس پر فرض ہے حج ادا کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۲۰)

والدین کو حج کرانے سے فریضۂ حج ادا نہیں ہوتا

سوال: (۲۳) ایک آدمی کے ذمہ حج فرض ہے؛ لیکن اس کے والدین کے پاس اس قدر مال نہیں جو حج کر سکیں، اب اس آدمی کو خود حج کرنا چاہیے یا اپنے باپ کو بھیج کر حج کراوے، اگر باپ کو حج کراوے گا تو اس کے ذمے سے فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ (۲۲۹۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کو خود حج کرنا چاہیے اگر باپ کو حج کراوے گا تو پھر بھی اس کو خود اپنا حج کرنا لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۴۱-۵۴۲)

ایک مال دار نے اولاد کی شادی میں روپیہ خرچ کر دیا پھر تمام عمر مفلس رہا اور حج کیے بغیر مر گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۴) ایک شخص کے پاس اس قدر مال تھا کہ وہ حج کر سکتا تھا، لیکن اس نے حج تو نہ کیا بلکہ وہ روپیہ اپنی اولاد کے بیاہ میں خرچ کر دیا، اب مفلس ہو گیا اگر وہ تمام عمر مفلس رہے اور مال جمع نہ کیا اور مر گیا؛ تو کیا تارک حج مرا اور گنہ گار مرا؟ (۱۳۱/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) علٰی مسلم إلخ ذي زاد إلخ و راحلة إلخ وفضلاً عن نفقة عياله إلخ إلٰى حين عوده . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۰۳-۴۰۹، كتاب الحجّ ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع) ظفیر

(۲) ومن كان صحيح البدن ، قادرًا على المشي ، وله زاد فقد استطاع إليه سبيلاً، فيلزمه فرض الحجّ. (بدائع الصّنائع: ۲/۲۹۷، كتاب الحجّ، شرائط فرضيّته)

ثمّ ما ذكر من الشّرائط لوجوب الحجّ من الزّاد والرّاحلة وغير ذٰلك يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلٰى مكّة .... فلا يجوز له صرفه إلٰى غيره، فإن صرفه إلٰى غير الحجّ أثِمَ وعليه الحجّ كذا في البدائع . (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۹، كتاب المناسك ، الباب الأوّل في تفسير الحجّ وفرضيته و وقته إلخ)

الجواب: اس پر حج فرض ہو چکا تھا اگر بلا حج مرگیا تارکِ حج فرض ہوا اور گنہ گار رہا[1]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۱۸/۶)

مال دار شخص پہلے حج کرے یا اولاد کی شادی؟

سوال: (۲۵) اگر کسی شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ وہ حج کرسکتا ہے، اور عیال دار بھی ہے تو اس کو اولاد کا نکاح کرنا واجب ہے یا پہلے حج کرنا؟ (۱۳۳۵/۱۳۱ھ)

الجواب: اس کو پہلے حج کرلینا چاہیے، صرف نفقۂ اہل وعیال واپسی تک اِس وقت اُس کے ذمے ہے، باقی نکاحوں وغیرہ کا سامان اِس وقت کرنا اُس کے ذمے نہیں ہے، اوّل حج کرے بعد میں آکر نکاح اولاد کا بندوبست کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۱۹/۶)[2]

باپ پہلے حج کرے یا اولاد کی پرورش؟

سوال: (۲۶) ایک شخص کے دولڑکے مراہق ایک بیس روپے ماہوار، دوسرا چودہ روپے ماہوار کا ملازم ہے اور ایک بھائی ہے، کیا یہ شخص ان لڑکوں کی پرورش کرے یا چچا کے سپرد کرکے حج کو جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اس کو ایک معذور شخص اپنے ہمراہ حج کو لے جانا چاہتا ہے؟ (۱۳۳۸/۲۳۴۰ھ)

الجواب: اس شخص کو حج کو جانا درست ہے، کیوں کہ اولاد اس کی محتاج نہیں ہے، اور نگرانی ان کی ان کے چچا کے سپرد کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳۰/۶-۵۳۱)

چھوٹا لڑکا جس کی ماں مرگئی ہے اس کو چھوڑ کر حج میں جانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۷) ایک شخص ارادہ حج کا رکھتا ہے، لیکن اس کے ایک لڑکا صغیر سن ہے جس کی ماں

---

(۱) هو (أي الحجّ) ...... فرض إلخ مرّة إلخ عَلَى الفورِ ...... عِندَ الثّاني إلخ ولِذَا أجْمَعُوْا أنّه لَوْ تَراخى كانَ أداءً وإنْ أثِمَ بموتهِ قَبْلَهُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۹۸-۴۰۳، كتاب الحجّ) ظفیر

(۲) اس سوال کا جواب مفتی ظفیر الدینؒ صاحب کی ترتیب میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا، احقر نے سنہ ۱۴۰۹ھ میں ضمیمہ لکھتے وقت اس کو رجسٹر نقول فتاویٰ ۱۳۳۵ھ سے شامل طباعت کیا تھا۔ محمد امین پالن پوری

نہیں ہے، لڑکا بغیر والد کے نہیں رہ سکتا، البتہ لڑکے کے چچا تایا موجود ہیں، اگر لڑکے کو ان کے پاس چھوڑ کر چلا جاوے تو کچھ گناہ تو نہ ہوگا؟ (۱۶۸۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حج فرض کو اس وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا، باپ کے جانے کے بعد لڑکے کے ولی تایا چچا موجود ہیں؛ وہ پرورش کریں گے، البتہ لڑکے کا نفقہ باپ دے کر جاوے۔ فقط واللہ اعلم (۶/۵۳۳)

مہر دَین مقدم ہے یا حج؟

سوال: (۲۸) اگر بر کسے حج فرض شدہ باشد وزوجہ اش مانع شود، وگوید کہ مہر ادا کن؛ دریں صورت کہ نزدش برائے ادائیگیٔ مہر سوائے ایں مال دیگر نیست، برآں کس فریضۂ حج ادا کردن لازم است یا ادائیگیٔ مہر زوجہ؟ (۱۳۹۶/۲۹-۱۳۳۰ھ)[۱]

الجواب: بہ صورت فرضیتِ حج اگر زوجہ مانع شود وگوید کہ (مہر ادا بکنید)[۲] مہر ادا کردن لازم است، حج را مؤخر کند ومہر ادا کند[۳] فقط (۶/۵۳۸-۵۳۹)

ترجمہ سوال: (۲۸) اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہو اور اس کی بیوی مانع بنے اور کہے کہ مہر ادا کرو، اس صورت میں جب کہ اس کے پاس ادائیگیٔ مہر کے لیے سوائے اس مال کے دوسرا نہیں ہے، اس شخص پر فریضۂ حج ادا کرنا لازم ہے یا بیوی کے مہر کی ادائیگی؟

الجواب: حج فرض ہو جانے کی صورت میں اگر بیوی مانع بنے اور کہے کہ مہر ادا کرو تو مہر ادا کرنا لازم ہے، حج کو مؤخر کرے اور مہر ادا کرے۔ فقط

والدین کی خاطر فریضۂ حج میں تاخیر جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹) اگر بر کسے حج فرض شدہ باشد در ادائیگی تاخیر کردن جائز است یا نہ؟ واگر

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) قال الشّامي تحت قول الدّرّ المختار: ممّن يجب استيذانه: وكذا الغريم لمديون لا مال له يقضي به و...... بالإذن فيكره خروجه بلا إذنهم كما في الفتح، وظاهره أنّ الكراهة تحريميّة ولذا عبّر الشّارح بالوجوب إلخ . (ردّ المحتار: ۳/۴۰۲، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) ظفير

والدین از سفر حج مانع آیند از جہت آنہا مؤخر کردن جائز است یا نہ؟ (۱۳۹۵/۲۹-۱۳۳۰ھ) [۱]

الجواب: بہ صورت فرض شدن حج تاخیر نباید کرد، اگر والدین منع کنند باز نہ آید، البتہ اگر والدین محتاج خدمت ایں کس باشند وہیچ خادم دیگر نہ باشد حج مؤخر کند [۲] فقط (۶/۵۳۸)

ترجمہ سوال: (۲۹) اگرکسی پر حج فرض ہو چکا ہے تو ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز ہے یا نہ؟ اور اگر والدین سفر حج سے منع کریں تو ان کی خاطر مؤخر کرنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: حج فرض ہو جانے کی صورت میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، اگر والدین منع کریں تو باز نہ آئے، البتہ اگر والدین اس شخص کی خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت گزار نہ ہو تو حج کو مؤخر کردے۔ فقط

حج فرض نہ ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر حج کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰) اگر حج فرض نہ ہو تو بلا اجازت والدین کے جانا جائز ہے یا نہیں؟
(۱۳۳۹/۷۸۸ھ)

الجواب: اگر والدین کو اس کی خدمت کی ضرورت ہے تو جائز نہیں ہے [۳] فقط (۶/۵۳۱)

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

قال في الدّرّ المختار: وقد يتّصف بالحرمة كالحجّ بمال حرام وبالكراهة كالحجّ بلا إذن ممّن يجب استيذانه. قال الشّامي: كأحد أبويه المحتاج إلٰى خدمته إلخ.

وقال في الدّرّ المختار: فرض ...... مرّة ...... على الفورِ فى العام الأوّل عند الثّاني وأصحّ الرّوايتين عن الإمام إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۰۰-۴۰۲، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) ظفیر

(۳) وقد يتّصف بالحرمة كالحجّ بمال حرام وبالكراهة كالحجّ بلا إذن ممّن يجب استيذانه (الدّرّ المختار) كأحد أبويه المحتاج إلٰى خدمته والأجداد إلخ فيكره خروجه بلا إذنهم كما في الفتح، وظاهره أنّ الكراهة تحريميّة إلخ قال في البحر: وهٰذا كلّه في حجّ الفرض أمّا حجّ النّفل فطاعة الوالدين أولٰى مطلقًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۰۲، كتاب الحجّ ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) ظفیر

والدہ کی ناراضگی کی حالت میں حج کو چلا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۳۱) ایک شخص نے اپنی والدہ کی نافرمانی کی، اور بہ حالت ناراضیٔ والدہ حج کو چلا گیا واپس آکر بھی معافی نہیں چاہی، والدہ کا انتقال ہوگیا تو اس کے حج میں کچھ فرق آیا یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۱۱۸۶ھ)

الجواب: اس شخص کا حج تو ادا ہوگیا وہ ایک مستقل عبادت تھی جو ادا کرنے سے ادا ہوگئی، لیکن ماں کی ناراضگی کا جو گناہ اس کی گردن پر ہے، اب اس کی مکافات اس کے علاوہ کیا ہوسکتی ہے کہ توبہ واستغفار کے بعد اس پر ایصال ثواب کرے، موت کے بعد ایصال ثواب ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے میت کی روح خوش ہوتی ہے اور اس کو اس کا نفع پہنچتا ہے[1] فقط واللہ اعلم (۶/۵۲۲-۵۲۳)

نفل حج والدین کی رضامندی کے بغیر نہیں کرنا چاہیے

سوال: (۳۲) رفتن برائے حج بدون رضاء والدین جائز است یا نہ؟ (۱۲۱۷/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)[2]

الجواب: حج نفل بدون رضاء والدین نباید کرد[1] فقط (۶/۵۳۸)

ترجمہ سوال: (۳۲) والدین کی رضامندی کے بغیر حج کو جانا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: نفل حج والدین کی رضامندی کے بغیر نہ کرنا چاہیے۔ فقط

عورت کا باپ حج سے مانع ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۳۳) زوجہ کا والد زندہ ہے اور اس نے ابھی تک کوئی حج نہیں کیا، بلکہ خاوند سے کہتی ہے کہ مجھ کو حج کرادو یہی میرا مہر ہے، اور اس وقت جانے کے واسطے آمادہ ہے، اس عورت کا باپ مانع ہے، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ (۹۴۰/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر عورت پر حج فرض نہیں ہے اور شوہر کا کچھ اصرار لے جانے پر نہیں ہے تو عورت کو اپنے والد کی اطاعت کرنی چاہیے، یعنی اس وقت حج نفل کو نہ جانا چاہیے۔ شامی میں ہے: أمّا حجّ

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

النّفل فطاعة الوالدین أولٰی مطلقًا إلخ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۸۴/۶)

کسی کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ صرف حج کرسکتا ہے مدینہ نہیں جاسکتا تو اس پر حج فرض ہے

سوال: (۳۴) ایک شخص کے پاس مبلغ ۳۵۰ روپیہ جمع ہے، آیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ چوں کہ روپیہ ناکافی معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کا ارادہ کنواں بنوانے کا ہے؛ اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر روپیہ کافی نہ ہو تو سال آئندہ کا انتظار ضروری ہے یا نہ؟ (۲۰۷۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر یہ محقق ہوجائے کہ ۳۵۰ روپے میں صرف مکہ معظّمہ کی آمدورفت اور وہاں تا زمانہ حج قیام کے لیے کافی ہوجاوے گا تو حج اس پر فرض ہوگیا؛ کیوں کہ حج کے فرض ہونے کے لیے مدینہ شریف کی آمدورفت کے خرچ کا لحاظ نہ کیا جاوے گا، اور اگر کرایہ جہاز وغیرہ کی تحقیق سے یہ معلوم ہو کہ ۳۵۰ روپیہ صرف مکہ معظّمہ کی آمدورفت کے خرچ کو بھی کافی نہیں ہے تو پھر حج فرض نہیں ہوا، اس صورت میں اس روپیہ کو دوسرے کارِ خیر مثل تعمیر چاہ وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے، اور بہ صورت نہ فرض ہونے حج کے سال آئندہ کا انتظار لازم نہیں ہے [2] فقط واللہ اعلم (۵۱۹/۶)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۰۲/۳، کتاب الحجّ، مطلب فیمن حجّ بمال حرام .

(۲) ومنها القدرة علی الزّاد والرّاحلة إلخ وتفسیر ملك الزّاد والرّاحلة أن یکون له مال فاضل عن حاجته وهو ما سوی مسکنه ولبسه وخدمه وأثاث بیته قدر ما یبلغه إلٰی مکّة ذاهبًا وجائیًا راکبًا لا ما شیًا وسوی ما یقضي به دیونه ویمسك لنفقة عیاله ومرمّة مسکنه ونحوه إلٰی وقت انصرافه کذا في محیط السّرخسيّ، ویعتبر في نفقته ونفقة عیاله الوسط من غیر تبذیر ولا تقتیر؛ کذا في التّبیین. (الفتاوی الهندیة: ۲۱۷/۱، کتاب المناسك، الباب الأوّل في تفسیر الحجّ وفرضیته ووقته وشرائطه إلخ) محمد امین

علٰی مسلم إلخ ذي زاد إلخ وراحلة إلخ فضلاً عمّا لا بدّ منه ...... وفضلاً عن نفقة عیاله إلخ إلٰی حین عوده إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (ذي زاد وراحلة) أفاد أنّه لا یجب إلاّ بملكِ الزّاد وملكِ أجرة الرّاحلة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۰۳/۳-۴۰۹، کتاب الحجّ، کتاب الحجّ، مطلب فیمن حجّ بمال حرام)

تین ساڑھے تین سو روپے میں حج ۱۳۳۷ھ میں ممکن تھا، اور اُسی زمانہ کا فتویٰ ہے۔ ظفیر

سوال: (۳۵) اگر کسی شخص کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ صرف حج کر سکتا ہے اور مدینہ منورہ نہیں جاسکتا ہے؛ تو اس پر حج فرض ہے کہ نہیں یا انتظار کرے کہ مدینہ منورہ کا بھی خرچ ہو جاوے؟

(۱۳۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس پر حج فرض ہو گیا انتظار نہ کرنا چاہیے [۱] فقط واللہ اعلم (۶/ ۵۱۸-۵۱۹)

سوال: (۳۶) بندہ کی والدہ زندہ ہے اور حج کو دل چاہتا ہے، والدہ کہتی ہے کہ یا تو مجھ کو ساتھ لے چل یا میرے مرنے کے بعد حج کو جانا، اگر میں ساتھ لے جاؤں تو روپیہ اتنا نہیں ہے کہ مدینہ شریف تک دونوں جاسکیں، مکہ شریف تک جاسکتے ہیں؛ اس صورت میں مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟

(۲۷۵۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر اس قدر روپیہ موجود ہے کہ مکہ شریف تک تم دونوں جاسکتے ہو تو حج فرض ہے، آپ اپنی والدہ کو لے کر حج کرالاویں تا کہ فرض ادا ہو جاوے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۲۰)

ابن سعود نجدی کے تسلط اور کسی طبیب کے کہنے کی وجہ سے کہ تمہارے لیے دریا کا سفر مضر ہوگا فرض حج کو ترک نہ کرنا چاہیے

سوال: (۳۷) زید اپنی استطاعت وغیرہ کے خیال سے ادائے فریضہ حج کے لیے تیار ہے؛ لیکن اسے وہ اطباء جو اس کے اکثر معالج رہتے ہیں یہ رائے دیتے ہیں کہ سفر دریا کا مضر ہوگا، ثانیاً یہ کہ ملک کے بہت حضرات ابن سعود نجدی کی حکومت کی وجہ سے حج کو نہ جانے کی رائے ظاہر کر رہے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۲/۱۷/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جو لوگ ابن سعود نجدی کا تسلط حرمین شریفین پر ہونے کی وجہ سے حج کو نہ جانے اور حج نہ کرنے کی رائے دیتے ہیں وہ راہِ صواب سے دور ہیں اور سخت غلطی پر ہیں، اور حکم صریح ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷) کے خلاف کرتے ہیں،

(۱) حوالۂ سابقہ۔ ۱۲

(۲) فرض إلخ علىٰ ...... حرّ مكلّف إلخ ذي زاد إلخ و راحلة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۰۰-۴۰۶، كتاب الحجّ) ظفیر

اور جس پر حج فرض ہواور وہ تندرست ہواور سفر کی طاقت اور قدرت رکھتا ہو؛ اس کو حج ادا کرنا چاہیے، اور کسی طبیب کے اس کہنے سے کہ تمہارے لیے دریا کا سفر مضر ہوگا فرض حج کو ترک نہ کرنا چاہیے (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۲۳-۵۲۴)

شاہ ابن سعود کی حکومت کی وجہ سے فرض حج میں تاخیر کرنا درست نہیں

سوال: (۳۸) سلطان ابن سعود کے تسلط کے بعد سے ارض حجاز میں کامل امن وامان ہے جس کی تصدیق امسال کے حجاج کرتے ہیں؛ لیکن بعض حضرات ابن سعود کے ہدم قبات واعلان ملوکیت حجاز کی بناء پر اس وقت تک حج کے التوا کا مشورہ دے رہے ہیں جب تک حجاز سے ابن سعود کی حکومت کا اخراج نہ ہواور منہدم قبہ جات کی تعمیر نہ ہو؛ شرعاً یہ مشورہ صحیح ہے یا نہیں؟ درصورت ثانی وہ مستطیع حضرات جن پر حج فرض ہو چکا ہے صرف اس مشورہ پر عامل ہوکر ادائیگی فرض میں تاخیر کردیں، اوراس توقف میں خدانخواستہ اگر موت کے شکار ہوجائیں تو عنداللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟
(۱۷۷۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ مشورہ مانعینِ حج کا صحیح نہیں ہے اور ایسا مشورہ دینے والے عاصی ہیں، التواءِ فریضۂ حج کسی طرح اس صورت میں جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں پر حج فرض ہو چکا ہے اگر وہ بدون حج کے یا وصیت بالحج کے فوت ہوجاویں گے تو عنداللہ وہ ماخوذ ہوں گے، اوراس وعید کے مستحق ہوں گے جو کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس پر حج فرض ہوا اور اس نے حج ادا نہ کیا اور وہ مرگیا تو وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے؛ اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں ہے (۲) **والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ جلّ ذکرہ.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۲۴-۵۲۵)

---

(۱) الحجّ واجب علی الأحرار البالغین العقلاء الأصحاء إذا قدروا علی الزّاد والرّاحلة فاضلاً عن المسکن وما لا بدّ منه وعن نفقة عیاله إلٰی حین عوده وکان الطّریق آمنًا وصفه بالوجوب وهو فریضة محکمة ثبتت فرضیتها بالکتاب وهو قوله تعالٰی: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الآية﴾ (الهداية: ۱/۲۳۱-۲۳۲، کتاب الحجّ) ظفیر

(۲) عن عليّ قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم من ملك زادًا وراحلةً تبلغه إلٰی بیت اللّٰه ولم یحجّ فلا علیه أن یموت یهودیًّا أو نصرانیًّا الحدیث. (مشکاة المصابیح، ص: ۲۲۲، کتاب المناسك، الفصل الثّاني) ظفیر

غیر مسلّم سیادت میں حج ساقط نہیں ہوگا

سوال: (۳۹) اعتراض کیا جاتا ہے کہ خانۂ کعبہ غیر مسلّم سیادت میں ہے، اب وہ دارالامن نہیں رہا، اگرچہ بہ ظاہر ادائے رسوم مذہبی میں کوئی مزاحمت نہ ہو، اس حالت میں حج ساقط ہے یانہیں؟ (۱۶۱۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: جب کہ حج کی ممانعت نہیں ہے، اورارکانِ حج میں کچھ ممانعت نہیں ہے، اورطریق مامون ہے تو استطاعتِ زاد وراحلہ کی صورت میں حج کرنا فرض ہے، پس بہ وجہ مذکورہ فرضیتِ حج ساقط نہ ہوگی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۲۸)

خلیفۃ المسلمین کے نہ ہونے کی وجہ سے حج میں کچھ خلل اور نقصان نہیں ہوتا

سوال: (۴۰) امسال میرا عزم سفرحج کا ہے، مگر خلافت کے بارے میں جو جھگڑا پیدا ہوا ہے، میرے دل میں ایسا خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید ادائے ارکان حج میں کسی قسم کا نقصان یا فتور واقع ہو، اور میری صعوبتِ راہ واخراجات کثیر فعل عبث ہوجائے، آیا مسئلۂ خلافت کو حج سے کسی قسم کا تعلق ہے یانہیں؟ اور خلیفۃ المسلمین کے نہ ہونے سے حج درست ہوگا یانہیں؟ (۱۰۶۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: حج میں اس وجہ سے کچھ خلل اور نقصان نہیں ہے، آپ شوق سے ارادۂ حج بیت اللہ کریں اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۲۷)

شریف مکہ کے تسلط کی وجہ سے فرض حج ترک نہیں کرنا چاہیے

سوال: (۴۱) چندلوگ جن پر حج فرض تھا، امسال ارادہ حج بیت اللہ کا رکھتے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی

---

(۱) هو ...... فرض مرّةً على الفور بشرط حرّية وبلوغ وعقل وصحّة وقدرة زاد وراحلة فضلت عن مسكنه وعمّا لا بدّ له منه نفقة ذهابه وإيابه وعياله وأمن طريق (كنز) وحقيقة أمن الطّريق أن يكون الغالب فيه السّلامة؛ كما اختاره الفقيه أبو اللّيث وعليه الإعتماد. (البحر الرّائق مع كنز الدّقائق: ۲/ ۵۳۷-۵۵۰، كتاب الحجّ) ظفير

کہ شریف مکہ حاجیوں سے بالجبر بیعت لیویں گے کہ امیر المؤمنین ہم ہیں؛ امسال حج کو جانا اور شریف مکہ سے بیعت کرنا شرعاً کیسا ہے؟ (۱۲۷۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: ایسی خبروں سے حج فرض ساقط نہیں ہوتا، لہٰذا جن لوگوں پر حج فرض ہے ان کو حج کرنا چاہیے اور شریف مکہ سے بیعت کرنا درست نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٣٣)

سوال: (۴۲) علماء پنجاب دربارۂ حج بیت اللہ شریف یہ فرماتے ہیں کہ آج کل حج بہ وجہ اس کے کہ وہ مقام شریف کے قبضے میں ہے؛ ناجائز ہے، کیا یہ درست ہے؛ کیونکہ میری ہمشیرہ اور برادر کا ارادہ امسال حج کا ہے؟ (۱۴۷۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حج بیت اللہ ان لوگوں پر جن کو استطاعت ہو فرض ہے، یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اب بہ وجہ مذکورہ حج فرض نہیں رہا (پس جن لوگوں پر حج فرض ہے)[2] ان کو بے تامل حج کا ارادہ کرنا چاہیے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٥٢٧-٥٢٨)

والیٔ حجاز شاہانِ کفار کے زیر اثر ہو تو بھی فرض حج کرنا ضروری ہے

سوال: (۴۳) جب کہ کفار ومشرکین کا اثر خانۂ کعبہ وجزیرۂ عرب پر ہے، اور انہیں کے حسب الاشارہ وہاں کی حکومت حرکت کرتی ہے تو کیا اس حالت میں حج جائز ہے؟ (۱۹۰۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: بہ صورت مذکورہ حج فرض ہے، پس جن لوگوں پر حج فرض ہے ان کو حج کرنا ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٥٢٥)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) هو ...... فرض إلخ على مسلم إلخ حرّ مكلّف إلخ ذي زاد إلخ وراحلة إلخ فضلاً عمّا لا بدّ منه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۹۸-۴۰۸، كتاب الحجّ) ظفیر

حج کی فرضیت خلیفہ کے ہونے پر موقوف نہیں

سوال: (۴۴) ادائے حج کے لیے خلیفہ کا موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تقررِ خلیفہ تک حج بندرہے گا یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۱۵۳ھ)

الجواب: حج کسی وقت بند نہیں ہوسکتا اور حج کی فرضیت خلیفہ کے ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۹۷) پس استطاعتِ سبیل اور استطاعتِ زاد و راحلہ سے حج فرض ہوجاتا ہے، اور جو شروط فقہاء نے مثل امنِ طریق وغیرہ لکھی ہیں وہ بھی استطاعتِ سبیل میں داخل ہیں۔ فقط (۶/ ۵۲۸-۵۲۹)

حج کا زمانہ آنے سے پہلے روپیہ قرض میں دے دیا اور وصول نہ ہوا تو حج فرض نہیں

سوال: (۴۵) ایک شخص کے پاس ماہ صفر میں اس قدر روپیہ ہوا کہ حج کو چلا جاوے، مگر ربیع الثانی میں کسی کو قرض دے دیا اور اب تک وصول نہیں ہوا تو اس شخص پر حج فرض ہوا یا نہیں؟ مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنیؒ (۱) فرماتے تھے کہ حج جب فرض ہوتا ہے کہ جب اس شہر کے سفر حج جانے کا زمانہ ہو، تجربہ سے یہاں کے لوگوں کا جانا ماہ شوال میں ہوتا ہے۔ (۲۰۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بہ ظاہر جو کچھ مولانا حسین احمد صاحبؒ نے فرمایا صحیح ہے۔ فقط (۶/ ۵۳۶-۵۳۸)

قرض دار قرض ادا کیے بغیر حج کو جاسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۴۶) اگر کوئی شخص حج کو جانا چاہے اور وہ قرض دار ہو تو اس کو حج کو جانے سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور بغیر قرض ادا کیے حج کو جاسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۱۸۸/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وغيرها سنن و آداب كان يتوسّع في النّفقة ويحافظ على

---

(۱) مراد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۷۷ھ) سابق صدر المدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ہیں۔

الطّهارة وعلیٰ صون لسانه ويستأذن أبويه ودائنه وكفيله إلخ [1] اورشامی میں ہے: وكذا يكره بلا إذن دائنه وكفيله، والظّاهر أنّها تحريميّة لإطلاقهم الكراهة، ويدلّ عليه قوله فيما مرّ في تمثيله للحجّ المكروه "كالحجّ بلا إذن" ممّا يجب استيذانه فلا ينبغي عدّه ذلك من السّنن والآداب إلخ [1] ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج میں جانے کے وقت دائن سے اجازت لینا یا مستحب ہے یا واجب، ادائے قرض کا ضروری ہونا ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم (٦/٥٤٤-٥٤٥)

جائداد بیچ کر حج کو جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: (٤٧) ایک شخص کے پاس روپیہ نقد نہیں ہے؛ لیکن اس کے نام جائداد صحرائی اس قدر ہے کہ اس میں سے کچھ جز وحصہ جائداد فروخت کر کے واسطے سفر خرچ حج بیت اللہ شریف اور نیز گھر والوں کے واسطے انتظام روپے کا ہوسکتا ہے اس شخص پر حج فرض ہے یا نہیں؟ (١٤٥٤/١٣٣٨ھ)

الجواب: اگر جائداد صحرائی اس قدر ہے کہ اس کی آمدنی اور پیداوار اس کے اور اس کے عیال کے خرچ سالانہ سے زیادہ نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے، اور فروخت کرنا زمین کا اس کے ذمے لازم نہیں ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥١٥)

جس کے پاس جائداد گزراوقات سے زیادہ نہیں اس پر حج فرض نہیں

سوال: (٤٨) ایک شخص کسی پنشن سے گزراوقات کرتا ہے اور جائداد ہے کہ وہ گزارے کو کافی نہیں، اور اس پر دارومدار بھی ہے، لیکن جائداد اس قیمت کی ہے کہ اگر اس کو فروخت کرے تو حج

(١) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٤١٩، كتاب الحجّ، مطلب في فروض الحجّ وواجباته .

(٢) هو...... فرض ...... علىٰ مسلم ...... حرّ ...... صحيح ...... بصير ...... ذي زاد ...... فضلاً عمّا لا بدّ منه إلخ وحرّر في النّهر: أنّه يشترط بقاء رأس مال لحرفته (الدّرّ المختار) كتاجرٍ و دهقانٍ ومزارعٍ كما في الخلاصة، و رأس المال يختلف باختلاف النّاس: بحر، قلت: والمراد ما يُمكنه الاكتساب به قدرَ كفايته وكفاية عياله لا أكثرُ لأنّه لا نهايةَ لهُ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣/٣٩٨-٤٠٨، كتاب الحجّ) ظفير

ہوسکتا ہے؟ اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ (۲۰۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اگر جائداد گزر اوقات سے زیادہ نہیں تو حج اس پر فرض نہیں، اور فروخت کرنا اس کا ضروری نہیں، وجہ یہ ہے کہ ملکِ غیر سے بسر اوقات کرنا شرعًا معتبر نہیں ہے، اپنی ہی آمدنی کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور شریعت میں لحاظ جائز آمدنی کا ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۳۶-۵۳۸)

جائداد رہن کر کے حج کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۴۹) میں حج کو جانا چاہتا ہوں نقد میرے پاس نہیں ہے، البتہ جائداد ہے؛ کیا اس جائداد کو رہن کر کے اس روپیہ سے حج کو جاسکتا ہوں اور حج کرسکتا ہوں؟ (۱۴۸۰/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر حج فرض ہو چکا ہے تو قرض لے کر حج کر سکتے ہو[۲] اور رہن کرنا جائداد کا اس طرح کہ نفع اس کا مرتہن لیوے جائز نہیں ہے، اور اگر منافع زمین کے مرتہن نہ لیوے تو درست ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۱۷)

رہائشی مکان کا کچھ حصہ زائد از حاجت ہو تو حج فرض ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۵۰) ایک شخص (عمر) کے پاس نیچے کا مکان زائد از حاجت ہے، مگر اوپر جو اس کے مکان ہے اس میں وہ خود رہتا ہے، پس اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ (۲۰۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضّياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزّاد والرّاحلة ذاهبًا وجائيًا ونفقة عياله و أولاده ويبقى له من الضّيعة قدر ما يعيش بغلّة الباقي يفترض عليه الحجّ وإلاّ فلا. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الأوّل في تفسير الحجّ وفرضيته ووقته وشرائطه إلخ) ظفیر

(۲) قوله: (وسعه أن يستقرض إلخ) أي جاز له ذٰلك، وقيل: يلزمه الاستقراض. (ردّ المحتار: ۳/ ۴۰۳، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) ظفیر

(۳) يكره للمرتهن أن ينتفع بالرّهن وإن أذن له الرّاهن ...... وعليه يحمل ما عن محمّد بن أسلم من أنّه لا يحلّ للمرتهن ذٰلك ولو بالإذن. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰/ ۱۱۷، كتاب الرّهن، باب التّصرّف في الرّهن والجناية عليه إلخ، فصل في مسائل متفرقة) ظفیر

الجواب: یہ ہی صحیح ہے کہ عمر پر حج فرض نہیں ہوا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۳۶-۵۳۷)

حرام مال سے حج فرض نہیں ہوتا مگر فرض حج ادا کرے تو ادا ہو جاتا ہے

سوال: (۵۱) ایک شخص کے پاس سود، چوری وغیرہ کا اس قدر روپیہ ہے کہ اس پر حج فرض ہے اس سے حج کرے یا نہ کرے؟ اگر کرے تو ادا ہوگا یا نہ؟ (۱۳۴۲/۱۶۷۰ھ)

الجواب: حج فرض ادا کرے حج ادا ہو جاوے گا[2] اور جن لوگوں کا روپیہ ناجائز طور سے لیا ہے، اُن کو یا اُن کے ورثہ کو اس قدر روپیہ دیوے یا معاف کراوے ورنہ صدقہ کرے۔ فقط (۶/۵۱۶)

وضاحت: کسی کے پاس مال حرام کتنا ہی زیادہ ہو اس سے حج فرض نہیں ہوتا ہے، البتہ مال حرام سے حج کرلے تو فریضۂ حج اس کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا؛ لیکن اس حج کا ثواب نہیں ملتا ہے۔ **ولا بمال حرام و لو حجّ به سقط عنه الفرض لكنّهٗ لا تقبل حجته. (غنية النّاسك في بغية المناسك، ص:۴۰، باب شرائط الحجّ، أداء الحجّ بمال حرام أو مشتبه، المطبوعة: دار الكتب العلمية بيروت)** محمد امین پالن پوری

---

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

ومنه المسكن ومرمّته ولو كبيرًا يمكنه الاستغناء ببعضه والحجّ بالفاضل فإنّه لا يلزمه بيع الزّائد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۰۸، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) ظفیر

(۲) وقد يتّصف بالحرمة كالحجّ بمال حرام (الدّرّ المختار) فقد يقال: إنّ الحجّ نفسه الّذي هوزيارة مكان مخصوص إلخ ليس حرامًا بل الحرام هو انفاق المال الحرام ولا تلازم بينهما كما أنّ الصّلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضًا إلخ، قال في البحر: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فإنّه لا يقبل بالنّفقة الحرام كما ورد في الحديث مع أنّه يسقط الفرض عنه معها إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۰۲، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام) ظفیر

تارک زکاۃ کا حج کو جانا درست ہے

سوال: (۵۲) جو صاحبِ نصاب ہیں مگر زکاۃ ادا نہیں کرتے اور حج کے لیے تیار ہیں ان کا حج کو جانا کیسا ہے؟ (۳۷۶/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اگر کوئی شخص ایک فرض ادا نہ کرے اور دوسرا فرض ادا کرے تو ظاہر ہے کہ جو فرض ادا کیا جاوے گا وہ ادا ہو جاوے گا، اور جو فرض ادا نہ ہوگا اس کا گناہ رہے گا، بناءً علیہ حج اس کا ادا ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۲۴/٦)

زانی کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

سوال: (۵۳) ایک شخص ایک شوہر دار عورت کو بہکا کر اپنے گھر ڈال لیا، اور کئی ماہ تک اس سے زنا کرتا رہا، اس کے بعد حج کو گیا، واپس آ کر پھر بہ دستور بدکاری میں مشغول رہا، اب اس عورت کے شوہر نے مجبور ہو کر اس کو طلاق دے دی ہے، بعد عدت کے زانی نے اس سے نکاح کر لیا ہے تو اس شخص کا حج ہوا یا نہیں؟ (۱۸۸/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: حج اس کا صحیح ہو گیا اور قائم رہا اور دوبارہ حج کرنا اس پر فرض نہیں ہے[1] فقط (البتہ زنا کاری کا گناہ ہوگا، مگر اس کی وجہ سے حج کی ادائیگی پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ ظفیر) (۵۴۲/٦)

ترکہ میں سے چرائے ہوئے روپیوں اور مرض الموت میں ہبہ کردہ روپیوں سے حج فرض ہوگا یا نہ؟

سوال: (۵۴)...... (الف) زید کے باپ نے روپیہ اس قدر چھوڑا کہ حج کے قابل تھا،

(۱) هو —— أي الحجّ —— إلخ فرض إلخ مرّة لأنّ سببه البيت وهو واحد (الدّرّ المختار) ولا يتكرّر الواجب إذا لم يتكرّر سببه ولحديث مسلم: يا أيّها النّاس! قد فرض عليكم الحجّ فحجّوا، فقال رجل: أ كلُّ عام يا رسول الله! ...... فسكت حتّى قالها: ثلاثًا، فقال رسول الله: لو قلتُ: نعم لوجبت ولما استطعتم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٣٩٨/٣-٤٠١، كتاب الحجّ) ظفير

مگر وقتِ مرگِ والد؛ زید موجود نہ تھا بلکہ زید کا بیٹا عمر تھا، اس نے ڈیڑھ ہزار روپیہ چرایا اور خرچ کر ڈالا، بعدہ مرض الموت میں پانچ سو روپیہ عمر کے دادا نے اس کو بتایا کہ فلاں جگہ سے نکال لینا، اب فرمائیے کہ یہ پانچ سو روپیہ ملک عمر کی ہے اور حج اس پر فرض ہے یا نہیں؟

(ب) بہشتی زیور حصہ پنجم میں ہے کہ وصیت ثلث مال کی جائز اور قبضہ شرط ہے[1] تو ترکہ والدِ زید کا کل دو ہزار تھا، جس میں سے پانچ سو روپے اس نے عمر کو بتلائے، مگر قبضہ نہیں کرایا تو وہ مالک اس روپے کا ہوا یا نہیں؟ اور حج فرض ہوا یا نہیں؟

(ج) زید جب مرا تو اس کے وارث دو بیٹے، ایک بیٹی تھی، اور عمر جو اس کا بیٹا ہے، وہ ان پانچ سو روپے کو جو دادا نے دیے تھے کھا پی چکا تھا، مگر ڈیڑھ ہزار روپیہ جو دادا کا اس نے چرایا تھا اس میں کا چار سو روپیہ باقی ہے؛ تو آیا اس چار سو روپے کو ملک عمر سمجھا جاوے گا یا اس کو سب ورثہ پر حسب حصص تقسیم کیا جاوے گا؟ اور اس میں سے جو اس کے حصے کا ہوگا وہ اگر حج کے قابل ہو تو حج فرض ہوگا؟

(۲۰۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) اس پانچ سو روپیہ کا بھی عمر مالک نہیں ہوا[2] پس اس روپیہ کی وجہ سے بھی حج اس پر فرض نہیں ہوا۔

(ب) جو رائے حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی اس میں ہے؛ بندہ کے نزدیک صحیح ہے۔

---

(۱) مسئلہ (۱۱): جس طرح تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر جانا درست نہیں، اسی طرح بیماری کی حالت میں اپنے مال کو تہائی سے زیادہ بجز اپنے ضروری خرچ کھانے، پینے، دوا دارو وغیرہ کے خرچ کرنا بھی درست نہیں، اگر تہائی سے زیادہ دے دیا تو بدون اجازت وارثوں کے یہ دینا صحیح نہیں ہوا، جتنا تہائی سے زیادہ ہے وارثوں کو اس کے لے لینے کا اختیار ہے، اور نابالغ اگر اجازت دیں تب بھی معتبر نہیں، اور وارث کو تہائی کے اندر بھی بدون سب وارثوں کی اجازت کے دینا درست نہیں، اور یہ حکم جب ہے کہ اپنی زندگی میں دے کر قبضہ بھی کرا دیا ہو اور اگر دے تو دیا لیکن قبضہ ابھی نہیں ہوا تو مرنے کے بعد وہ دینا بالکل ہی باطل ہے، اس کو کچھ نہ ملے گا، وہ سب مال وارثوں کا حق ہے، اور یہی حکم ہے بیماری کی حالت میں خدا کی راہ میں دینے، اور نیک کام میں لگانے کا، غرض کہ تہائی سے زیادہ کسی طرح صرف کرنا جائز نہیں۔ (اختری بہشتی زیور، حصہ۵، ص:۵۹-۶۰، مسئلہ نمبر (۱۱) وصیت کا بیان)

(۲) چوں کہ یہ ہبہ ہے، جس کے لیے قبضہ شرط ہے۔ جمیل الرحمٰن

(ج) کل دو ہزار میں سے عمر کو حصہ پہنچے گا، مگر جو چار سو روپے موجود ہیں یہ سب دیگر ورثہ کو دے دے، عمر کا حصہ اس میں محسوب نہ ہوگا، جو وہ صرف کر چکا بعد وضع اپنے حصے کے باقی سب دیگر ورثہ کو دے دیوے، اور جب کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہے گا تو حج فرض نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳۵/۶-۵۳۷)

وضاحت: جواب میں مذکور پہلے دو اجزاء (الف، ب) سے یہ واضح ہوگیا کہ والدِ زید نے انتقال کے وقت جو دو ہزار روپے چھوڑے تھے ـــــ یعنی پانچ سو وہ جو عمر (زید کے بیٹے اور متوفی کے پوتے) کو بتلائے تھے، اور قبضہ نہیں کرایا تھا، اور ڈیڑھ ہزار وہ جو عمر نے چرائے تھے ـــــ عمر اُن کا مالک نہیں ہوا، لہٰذا وہ پوری رقم زید (متوفی کے بیٹے) کی ملکیت ہوگی۔

اب جب کہ زید کا انتقال ہوگیا تو ورثاء کو کل دو ہزار میں سے حصہ ملے گا، اور ورثاء کل تین ہیں: دو بیٹے اور ایک بیٹی، مسئلہ پانچ سے بنے گا اور ہر بیٹے کو دو دو سہام اور ایک سہام بیٹی کو ملے گا، یعنی دو ہزار میں سے آٹھ آٹھ سو دونوں بیٹوں کے اور چار سو بیٹی کے حصہ میں آئیں گے۔

چوں کہ عمر اپنے حصہ کے آٹھ سو سے زائد خرچ کر چکا ہے، لہٰذا اُس کے پاس بچے ہوئے چار سو میں سے اُس کا کوئی حصہ نہیں، بلکہ آٹھ سو سے زائد جو بھی اُس نے خرچ کیا وہ دیگر ورثاء کو لوٹانا اُس کے ذمہ ضروری ہے۔ محمد امین پالن پوری

ہبہ میں اتنا روپیہ ملا کہ حج کے لیے کافی ہے تو حج فرض ہوا یا نہیں؟

سوال: (۵۵) جس شخص نے کسی عزیز غیر وارث کو بلا اجازت ورثہ اس قدر روپیہ دیا کہ وہ حج کے لیے کافی ہے تو اس پر حج فرض ہو جاوے گا؟ (۲۰۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اگر وہ روپیہ ثلث سے زیادہ نہیں تو حج فرض ہو جاوے گا۔ فقط (۵۳۶/۶-۵۳۸)

وضاحت: یہ حکم اس وقت ہے جب مرض وفات میں روپیہ دیا ہو، اگر صحت کے زمانہ میں دیا ہے تو ثلث کی قید نہیں ہوگی۔ محمد امین پالن پوری

بھیک مانگ کر حج کرنا جائز نہیں

سوال: (۵۶) بھیک مانگ کر حج کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۶۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ جائز نہیں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۱۸)

غریب کو کوئی زکاۃ دے تو اس سے حج درست ہے

سوال: (۵۷) زید استطاعتِ حج ندارد، بکر اورا از مالِ زکاۃ خود امداد نمود؛ آیا حجش جائز خواہد شد یا نہ؟ (۲۱۳۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حجش ادا خواہد شد [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۳۰)

ترجمہ سوال: (۵۷) زید حج کی طاقت نہیں رکھتا ہے، بکر نے اس کی اپنے مالِ زکاۃ سے امداد کی؛ آیا اس کا حج جائز ہوگا یا نہ؟

الجواب: اس کا حج ادا ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) وأمّا القدرة على الزّاد والرّاحلة فالفقهاء علٰى أنّه من شرط الوجوب فلا وجوب أصلاً يتعلّق بالفقير لاشتراط الاستطاعة في آية الحجّ. (البحر الرّائق: ۲/ ۵۴۶، كتاب الحجّ)

احادیث میں سوال کرنے کو منع کیا گیا ہے، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں: أَمَرَنِيْ خَلِيْلِيْ بِسَبْعٍ : أَمَرَنِيْ بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ إلخ وأَمَرَنِيْ أنْ لاَ أَسْأَلَ أَحَدًا شَيْئًا الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۴۴۹، كتاب الرّقاق، باب فضل الفقراء وما كان من عيش النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم، الفصل الثّالث) ظفیر

(۲) وكره الإغناء وندب عن السّوال (كنز) أي كره أن يدفع إلٰى فقير ما يصير به غنيًّا وندب الإغناء عن سوال النّاس (البحر الرّائق مع كنز الدّقائق: ۲/ ۴۳۱-۴۳۵، كتاب الزّكاة، باب المصرف)

اور زکاۃ دینے والے نے جب دے دی اور اُس نے حج ادا کیا تو اس کے درست ہونے میں کیا اشکال ہے۔ واللہ اعلم۔ وكذا لو تصدّق به عليه إلخ ما لايَحُجّ به لايَجِبُ عليه القَبُوْلُ عندنا إلخ فإن قبل المالَ وجب. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسّط، ص:۱۲، باب شرائط الحجّ، المطبوعة: مطبع التّرقي الماجدية، مكّة) ظفیر

صاحبِ استطاعت فوراً حج نہ کرے تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۵۸) شخص توفیقِ زاد و راحلۂ حج می دارد در قلب ارادۂ صادق می دارد، مگر بہ سبب گردش زمانہ تاخیر واقع می شد بہ موجب روایت فور آثم می شود، وجوہ ذیل رفع اثم او می کنند یا نہ؟ اگر در آخر عمر ادا کرد فبہا، اگر فوت شد فرض از و ساقط شد یا نہ؟ و وجہ ضعیف مقابل اصح اند و یک قوی است۔

وجہ ضعیف قول امام محمد علیہ الرحمۃ: أنـه عـلى التراخي [۱] (شامی، باب حج صفحہ ۲۲۶) ایں وجہ برائے رفعِ اثم است نہ سقوطِ فرض۔ وجہ ضعیف قول صاحب:

واختلف في سقوطهِ إذا لم يكن بدٌّ من ركوب البحر،فقيل:يسقط، وقال الكرماني: إن كان الغالب فيه السّلامة من موضعٍ جرتِ العادة بركوبهٖ يجب وإلّا فلا وهو الأصحّ [۲] (شامی، باب حج، صفحہ: ۲۳۳) وجہ قوی در رکوب بحر بہ سبب چکر و سرگردانی وقتیکہ حجاج را در سفر واقع می شود، و نماز ہا قضا می شوند، پس بہ روایت ذیل حج از و ساقط می شود یا کم از کم رافع اثم تاخیر است۔

ذكر شارح اللّباب أنّ منها ــــ أي من الشّرائط ــــ أن يتمكّن مِن أداء المكتوبات في أوقـاتهـا، قـال الكرمانيّ : لأنّه لا يليق بالحكمة (إيـجـاب فرض علىٰ وجه يفوت به فرض آخر [۳] (شامی، باب حج، صفحہ: ۲۳۶)) [۴] اگر رائے جناب مطابق آید فبہا ورنہ بدلائل قطعی تردید فرمایند؟ (۲۱۹۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اثم تاخیر را ادائے حج قبل موت ساقط می کند لا غیر، ولـذا أجـمـعوا أنّه لو تراخىٰ كان أداءً (الدّرّ المختار) أي ويسقط عنه الإثم (شامی) [۵] و ہر گاہ رکوب بحر را اولاً وجہ ضعیف گفتہ شد، و در حقیقت ضعیف است و خلاف اصح است، پس آنچہ بر رکوب بحر از گردشِ رأس وغیرہ مرتب اند، و از لوازمِ رکوبِ بحر اند چگونہ وجہ قوی خواہد شد۔ وفـي الدّرّ المختار: والعبرة لوجوبها

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۴۰۲، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام .
(۲) ردّ المحتار: ۳/۴۱۰، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع.
(۳) ردّ المحتار: ۳/۴۱۳، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع.
(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲
(۵) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۰۳، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام.

أي العدّة المانعة من سفرها وقت خروج أهل بلدها و كذا سائر الشّروط[1] وازیں شروط است آنچہ از شارح لباب نقل کردہ اند: أنّ منها أن يتمكّن من أداء المكتوبات إلخ[1] پس بہ وقت خروج از بلد ظاہر است کہ (برادائے)[2] مکتوبات متمکن است وضرورت رکوب بحر و مایترتب علیہ مانع عن الفرضیت نیست، پس ایں وجہ را مسقط فرضیت گفتن، واز ہمہ کسان کہ رکوب بحراوشاں راضروری باشد حج اسلام راساقط گفتن کار فقیہ نیست، وباید دانست کہ آناں کہ رکوب بحر مانع عن الفرضیت گفتہ اند، بہمیں وجہ دورانِ رأس وغثیان وغیرہ گفتہ اند، پس ایں دوران وغیرہ را وجہ مستقل گفتن نشاید، وہرگاہ آں وجہ معتبر نیست ایں ہم معتبر نخواہد شد۔ فقط (۶/۵۲۶-۵۲۷)

ترجمہ سوال: (۵۸) ایک شخص حج کے لیے زادِراہ اور سواری کی توفیق اور دل میں سچا ارادہ رکھتا ہے؛ مگر حالات زمانہ کی وجہ سے تاخیر ہوجاتی ہے، آیا روایت علی الفور کے بہ موجب گنہ گار ہوگا؟ اور درج ذیل وجوہات اس کے گناہ کو رفع کریں گی یا نہیں؟ اگر آخر عمر میں ادا کردے تو بہت خوب؛ اگر فوت ہوجائے تو اس سے فرض ساقط ہوگا یا نہ؟ اور وجہ ضعیف اصح کے بالمقابل ہیں اور ایک وجہ قوی ہے۔

وجہ ضعیف امام محمد علیہ الرحمہ کا قول: أنه على التّراخي إلخ ہے، یہ وجہ رفع گناہ کے لیے ہے نہ کہ سقوطِ فرض کے واسطے، اور ایک وجہ ضعیف قول صاحب:

واختلف في سقوطه إلخ ہے، وجہ قوی سمندری سفر میں چکر، دوران سر اور قے کی وجہ سے ہے جو کہ سفر میں حاجیوں کو پیش آتی ہے اور نمازیں قضا ہوجاتی ہیں، پس درج ذیل روایت کی وجہ سے حج اس سے ساقط ہوگا یا کم ازکم تاخیر کے گناہ کو اٹھانے والا ہوگا؛ ذكر شارح اللّباب أنّ منها أي من الشّرائط إلخ، اگر جناب کی رائے موافق ہے تو بہت خوب ورنہ دلائل قطعیہ سے تردید فرمائیں۔

الجواب: مرنے سے پہلے حج کی ادائیگی صرف تاخیر کے گناہ کو ساقط کرتی ہے، ولذا أجمعوا أنه إلخ، اور ہر جگہ سمندری سفر کو اولاً وجہ ضعیف کہا گیا ہے، اور درحقیقت وہ ضعیف اور خلاف اصح ہے

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۱۲-۴۱۳، كتاب الحجّ، مطلب في قولهم: يقدّم حقّ العبد على حقّ الشّرع .

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (برادائے) کی جگہ ''برائے'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

پس جو کچھ سمندری سفر کی بناء پر دوران سر وغیرہ مرتب ہوتے ہیں، اور سمندری سفر کے لوازمات میں سے ہیں؛ کیسے وجہ قوی ہو سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے: **والعبرة لوجوبها أي العدّة المانعة إلخ**، اور انہیں شروط میں سے ہے وہ جو شارح لباب سے نقل کیا ہے: **أنّ منها أن يتمكّن إلخ**، پس ظاہر ہے کہ شہر سے نکلتے وقت وہ فرائض کی ادائیگی کے لیے قدرت رکھتا ہے، اور سمندری سفر کی ضرورت اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات فرضیت سے مانع نہیں ہیں، لہٰذا اس وجہ کو مسقطِ فرضیت کہنا اور ان تمام لوگوں سے کہ سمندری سفر جن کے لیے ضروری ہے حج اسلام کو ساقط کہنا فقیہ کا کام نہیں ہے، اور جاننا چاہیے کہ جن لوگوں نے سمندری سفر کو فرضیت سے مانع بتلایا ہے؛ انہی دوران سر اور قے وغیرہ کی وجہ سے بتلایا ہے، پس اس دوران سر وغیرہ کو مستقل وجہ نہیں کہنا چاہیے، جہاں وہ وجہ معتبر نہیں ہے یہ بھی معتبر نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ارکان وواجباتِ حج کا بیان

عرفات میں حاضری کا وقت کیا ہے؟

سوال:(۵۹) حاجی کو عرفات پر کونسے دن اور کس وقت پہنچنا چاہیے؟ حاجی کے لیے عرفات پر پہنچنے کا انتہائی وقت کونسا ہے جس سے کہ اس کا حج ساقط نہ ہو، یعنی حج ادا ہو جاوے؟ حاجی کو عرفات سے مزدلفہ کی طرف کس وقت لوٹنا چاہیے؟ اور اس کی انتہا کہاں تک ہے، اگر کوئی حاجی عرفہ کے دن شام کو بعد غروب آفتاب عشاء کے وقت، یا دو پہر رات کے یعنی عید کی رات میں عرفات پر پہنچا تو اس کا حج ادا ہوا یا نہ ہوا؟ اگر ادا ہو گیا تو پھر رات کو مزدلفہ کی طرف کب لوٹے گا؟ (۱۸۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وقت مستحب عرفات کی طرف جانے کا یہ ہے کہ یوم عرفہ میں بعد طلوع شمس منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو، اور وہاں پہنچ کر حسب قاعدہ نماز ظہر وعصر سے فارغ ہو کر وقوفِ عرفات کرے، اور وقوف عرفات کا وقت زوالِ یومِ عرفہ سے طلوعِ فجرِ یومِ نحر تک ہے؛ یعنی دسویں تاریخ کی تمام رات بھی وقوف کا وقت ہے، اگر اس عرصے میں کسی وقت بھی عرفات پر پہنچ گیا تو فرض وقوف ادا ہو گیا، اور مزدلفہ کی طرف لوٹنے کا مستحب وقت تو وہی ہے جو معروف ہے کہ بعد غروب آفتاب یوم عرفہ عرفات سے چل کر مزدلفہ پہنچے، اور رات کو وہاں رہے، اور صبح کی نماز اندھیرے سے پڑھ کر وقوف مزدلفہ کرے، اور وقت اس وقوف کا طلوعِ فجرِ یومِ نحر سے طلوع آفتاب تک ہے اور یہ وقوف واجب ہے، اور جو حاجی عرفہ کے دن شام کو بعد غروب آفتاب یا بہ وقت عشاء یا اس کے بھی بعد صبح صادق سے پہلے پہلے عرفات پر پہنچ گیا؛ اس کا حج صحیح ہو گیا، وہ عرفات پر کچھ ٹھہر کر اسی وقت وہاں سے لوٹ کر مزدلفہ پہنچ کر وقوف مزدلفہ بھی اگر وقت وقوف مزدلفہ کا باقی ہو کر لیوے؛

تا کہ واجب ساقط نہ ہو[۱] اور اگر وقوف مزدلفہ نہ ہوسکا کہ اس کا وقت نہ ملا تو ترک واجب ہوا دم دیوے، باقی تفصیل مناسک حج کی معروف ومشہور ہے اور کتب میں مذکور ہے۔فلیراجع. فقط (۶/۵۴۷-۵۴۹)

سوال: (۶۰) عرفات پر حجاج کس وقت تک پہنچنے پر حج میں شامل ہوسکتے ہیں؟ (۲۳۴۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کے زوال کے بعد سے یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے جس وقت بھی عرفات پر پہنچ جاوے فرض ادا ہوجاتا ہے، اور حج ادا ہوجاتا ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۴۶)

مُحرِم عرفات کے قریب پہنچ گیا تو اس کا حج ہوا یا نہیں؟

سوال: (۶۱) مُحرِم یوم نحر کی طلوع فجر سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا، لیکن اس قدر فاصلہ رہے کہ میدان عرفات میں پہنچتے پہنچتے فجر طلوع ہوجائے گی، البتہ اگر وہ پتھر پھینکے تو وہاں پہنچ سکتا ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ محرم کے پتھر کا پہنچنا محرم ہی کا پہنچنا سمجھا جائے گا، اور اس کا حج ہوجائے گا تو کیا یہ صحیح ہے؟ (۸۲۵/۱۳۴۶ھ)

---

(۱) فإذا صلّى الفجر يوم التّروية بمكّة خرج إلٰى مِنٰى فيقيم بها حتّى يصلّي الفجر من يوم عرفة إلخ ثمّ يتوجّه إلٰى عرفات فيقيم بها إلخ وإذا زالت الشّمس يصلّي الإمام بالنّاس الظّهر والعصر إلخ ويصلّي بهم الظّهر والعصر في وقت الظّهر بأذان وإقامتين إلخ، وإذا غربت الشّمس أفاض الإمام والنّاس معه إلخ فلو مكث قليلًا بعد غروب الشّمس وإفاضة الإمام ...... فلا بأس به إلخ وإذا أتى مزدلفة إلخ ويصلّي الإمام بالنّاس المغرب والعشاء بأذان وإقامة واحدة إلخ، ثمّ وقف إلخ ثمّ هٰذا الوقوف واجب عندنا وليس بركن إلخ. (الهداية: ۱/۲۴۴-۲۴۸، كتاب الحجّ، بابُ الإحرام)

و ...... فَرْضُهُ ثلاثةٌ الإحرامُ إلخ والوُقُوْفُ بعرفَةَ في أوانه (الدّرّ المختار) وهو من زوال يوم عرفةَ إلٰى قبيل طلوع فجر النّحر. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۴۱۴-۴۱۵، كتاب الحجّ ، مطلب في فروض الحجّ و واجباته) ظفیر

الجواب: یہ قول اس شخص کا غلط ہے، میدان عرفات میں سے کسی جزو میں پہنچ جانا مُحرِم کا ضروری ہے، اگر چہ ایک لحظہ کے لیے ہو، بدون عرفات میں گزرنے کے حج نہ ہوگا؛ چنانچہ شرح لباب المناسک میں ہے کہ شرط ثالث وقوف عرفہ کی مکان عرفات ہے۔ فلو أخطأه ...... لم یجز وقوفه بغیر عرفة أي ولو ببطن عرفة ـــــ إلٰی أن قال ـــــ الخامس کینونته بعرفة في وقتهٖ إلخ ولو لحظةً (١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٥٤١/٦)

خطبۂ حج کا وقت کیا ہے؟

سوال: (٦٢) خطبہ حج کس وقت شروع اور کس وقت ختم ہوتا ہے؟ (١٣٣٩/٢٣٤٣ھ)

الجواب: حج میں تین خطبے ہیں: ایک ساتویں ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ میں، دوسرا نویں ذی الحجہ کو عرفات میں بعد زوال شمس قبل از نماز ظہر وعصر کے، اور تیسرا خطبہ گیارہ ذی الحجہ کو منی میں، اور تفصیل ان کی کتابوں میں ہے (٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٥٤٦/٦-٥٤٧)

---

(١) المسلك المتقسط في المنسك المتوسّط، ص:١٠١، باب الوقوف بعرفات و أحكامه، فصل في شرائط صحّة الوقوف، المطبوعة: مطبع التّرقي الماجدية، مكّة.

والحجّ فرضه ثلاثة الإحرام إلخ والوقوف بعرفة في أوانهٖ (الدّرّ المختار) وهو من زوال يوم عرفة إلٰى قبيل طلوع فجر النحر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٤١٤/٣-٤١٥، كتاب الحجّ، مطلب في فروض الحجّ وواجباته)

أمّا زمانه فزمان الوقوف من حين تزول الشّمس من يوم عرفة إلٰى طلوع الفجر الثّاني من يوم النّحر حتّى لو وقف بعرفة في غير هٰذا الوقت كان وقوفه وعدم وقوفه سواء لأنّه فرض موقّت إلخ وكذا من لم يدرك عرفة بنهار ولا بليل فقد فاته الحجّ إلخ ، أمّا القدر المفروض من الوقوف فهو كينونته بعرفة في ساعة من هٰذا الوقت فمتٰى حصل إتيانها في ساعة من هٰذا الوقت تأدّى فرض الوقوف سواء كان عالمًا بها أو جاهلاً نائمًا أو يقظان مفيقًا أو مغمًى عليه وقف بها أو مرّ وهو يمشي أو على الدّابّة أو محمولاً. (بدائع الصّنائع: ٣٠٣/٣-٣٠٥، كتاب الحجّ ، فصل في ركن الحجّ) ظفير

(٢) فإذا كان قبل يوم التّروية بيوم خطب الإمام خطبة يعلّم فيها النّاس الخروج إلٰى مِنٰى والصّلاة بعرفات والوقوف والإفاضة إلخ ثمّ يتوجّه إلٰى عرفات فيقيم بها إلخ . ==

غروبِ آفتاب سے پہلے عرفات سے واپس آ گیا تو دم واجب ہوگا

سوال: (٦٣) اگر غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے آجاوے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟
(۱۳۳۹/۲۳۴۳ھ)

الجواب: غروب آفتاب تک رہنا چاہیے، اگر قبل از غروب آفتاب واپس آ گیا تو دم لازم ہے کذا في الشّامي[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۵۴۶-۵۴۷)

طوافِ زیارت یا طوافِ وداع نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (٦٤) زید حج فرض ادا کرنے کے لیے بیت اللہ روانہ ہوا؛ چوں کہ زمانہ حج کا زیادہ باقی رہا تھا، زید نے اور اس کے ہمراہیوں نے یلملم کے پہاڑ سے اس وجہ سے احرام نہیں باندھا، اوّل مدینہ منورہ حاضری کا قصد کرلیا؛ چنانچہ اوّل مدینہ طیبہ پہنچ کر شرف زیارت روضۂ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیا، وہاں سے رخصت ہوکر بیت اللہ شریف کو آیا، بہ مقام رابغ زید نے بہ نیت ادائے حج احرام باندھا، اور جب حرم شریف کے اندر داخل ہوا تو طواف داخلی اور دیگر ارکان حج ادا کیے اس کے بعد پھر ایک مرتبہ طواف کیا، بعدہ سخت بیمار ہوگیا، پھر سات ذی الحجہ کو وقت روانگی عرفات

== و إذا زالت الشّمس يصلّي الإمام بالنّاس الظّهر والعصر فيبتدأ بالخطبة ، فيخطب خطبة يعلّم فيها النّاس الوقوف بعرفة إلخ ويخطب خطبتين يفصل بينهما بجلسة كما في الجمعة إلخ. (الهداية: ۱/۲۴۳-۲۴۴، كتاب الحجّ، باب الإحرام)

قوله: (وبعد الزّوال ثاني النّحر) قال في اللّباب: ثمّ إذا كان اليوم الحادي عشر وهو ثاني أيّام النّحر خطب الإمام خطبة واحدة بعد صلاة الظّهر لايجلس فيها كخطبة اليوم السّابع يعلم النّاس أحكام الرّميّ وما بقي من أمور المناسك وهٰذه الخطبة سنّة وتركها غفلة عظيمة أهـ (ردّ المحتار: ۳/۴۷۹، كتاب الحجّ، مطلب في حكم صلاة العيد والجمعة في منٰى) ظفير

(۱) ثامن الشّهر خرج إلٰى منٰى إلخ ومكث بها إلٰى فجر عرفة ثمّ بعد طلوع الشّمس راح إلٰى عرفات إلخ وإذا غربت الشّمس أتى مزدلفة (الدّرّ المختار) قوله: (وإذا غربت الشّمس إلخ) بيان للواجب حتّى لو دفع قبل الغروب فإن جاوز حدود عرفة لزمه دم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۵۹-۴۶۵، كتاب الحجّ، مطلب في الرّواح إلى عرفات) ظفير

طواف بہ حالت مرض چار پائی پر کیا، عرفات پر میدان مخصوصہ میں داخل ہو کر خطبہ سنا، اور تمام دیگر ارکان حج صفا ومروہ اثناءِ راہ میں ادا کیے، پھر مقام منیٰ میں تیرہ ذی الحجہ تک مثل دیگر حجاج کے قیام کیا، اور اسی تاریخ تیرہ کو احرام کھول دیا، اور سر منڈوایا؛ جیسا کہ اور حجاج نے کیا، دوسرے روز بیت اللہ شریف کو واپس آیا، مگر بہ وجہ علالت کے پا پیادہ خود طواف واپسی حرم شریف نہ کرسکا؛ گو مثل سات تاریخ کے چار پائی پر کرلینا ممکن تھا، مگر مطوف و دیگر اہلیان دیار نے یہ مسئلہ اس کو بتلایا کہ طواف واپسی کی اب ضرورت نہیں ہے، اس وجہ سے طواف واپسی نہیں کرایا گیا، اور اسی حالت بیماری میں زید اپنے وطن کو واپس چلا آیا، اور اس کو عرصہ تخمیناً دو سال کا گزر گیا، اور اپنی زوجہ سے مجامعت برابر کرتا رہا، علماء ہند سے جب اس طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا گیا تو بعض نے طواف واپسی واجب فرمایا کہ یہ بھی رکن حج ہے، جب تک نہ کرلیا جاوے گا حج کامل نہ ہوگا، بعض نے فرمایا کہ جب تک طواف واپسی نہ کیا عورت کے پاس جانا حرام ہے، اور بعض نے فرمایا کہ طواف واپسی نہ کرنے سے عورت کی حرمت لازم نہیں، مگر طواف واپسی واجبات سے ہے، اور بہ وجہ مرض وغلط بیانیٔ مسئلہ ادا نہ ہوسکا، لہٰذا دو دَم دے دے، تاکہ جو تاخیر ہوئی ہے وہ رفع ہوجاوے، مگر طواف واپسی ادا کرنا پڑے گا؛ چوں کہ مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے، لہٰذا کون قول صحیح ومعتبر سمجھا جاوے گا؟ جماع کی شمار نہیں ہوسکتی، اور زید میں اب استطاعت دوبارہ جانے کی نہیں، ہاں دم دے سکتا ہے کہ صاحب نصاب زکاۃ وقربانی ہے؟ بینوا توجروا؟ (٨٧٧/٢٩-١٣٣٠ھ)

الجواب: سوال میں یہ ذکر نہیں کیا کہ زید نے طواف افاضہ بھی کیا ہے یا نہیں؛ یہ طواف رکن اور فرض ہے، بدون اس طواف کے احرام سے نہیں نکلتا اور جماعِ زوجہ حلال نہیں ہوتا، وقت اس طواف کا ١٠ ذی الحجہ سے ١٢ ذی الحجہ تک ہے، منیٰ کی حالت میں مکہ معظّمہ آ کر یہ طواف کر کے پھر واپس منیٰ کو جایا کرتے ہیں، پس یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زید نے یہ طواف بھی کرلیا تھا یا نہیں، اگر نہیں کیا تھا تو پھر مکہ معظّمہ جا کر یہ طواف کرنا لازم ہے، اور جماعِ زوجہ کی وجہ سے اور تاخیر اس احرام کی وجہ سے دم لازم ہے، اور اگر یہ طواف یعنی طواف افاضہ کرلیا تھا تو فرض حج ادا ہوگیا [1]

---

(١) و......فَرْضُہٗ ثلاثۃٌ: الإحرامُ......والوُقُوْفُ بعرفَۃَ...... و......طواف الزّیارۃ إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٤١٤-٤١٥، کتاب الحجّ، مطلب في فروض الحجّ و واجباتہ) ==

طواف وداع یعنی مکہ معظّمہ سے واپسی اور رخصت ہونے کا طواف فرض نہیں واجب ہے، اس کے ترک سے صرف ایک دَم لازم ہے (۱) واپس جانے کی اور اس طواف کو کرنے کی ضرورت نہیں، پس سائل کو یہ تشریح کرنی چاہیے کہ ایام نحر میں، یعنی ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک کوئی طواف زید نے کیا ہے یا نہیں، اگر نہیں کیا تو طواف زیارت اس کے ذمے باقی ہے، اور مکہ معظّمہ جا کر جب ہو سکے وہ طواف کرنا ضروری ہے، بدون اس طواف کے جماعِ زوجہ حلال نہیں ہوتا۔

حج کا جب ارادہ کیا جاوے تو ضروری ہے کہ مسائلِ حج سے واقفیت حاصل کرے، اردو میں احکام حج کی کتابیں موجود ہیں، اتنا تو ضرور معلوم کر لینا چاہیے کہ حج میں کیا کیا فرض ہے، بہر حال اب صاف لکھنا چاہیے کہ طواف زیارت کیا ہے یا نہیں، اس کے بعد مکرر مشرح جواب لکھ دیا جاوے گا اور واضح ہو کہ طواف زیارت اور ہے اور طواف وداع اور ہے؛ اوّل فرض اور رکن حج ہے، اور دوسرا واجب ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: عزیز الرحمٰن، مفتی مدرسہ عربی دیوبند (۶/ ۵۴۹-۵۵۱)

طوافِ زیارت نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۶۵) اگر کوئی شخص حج کو گیا اور اس نے حج کے سب افعال ادا کیے؛ لیکن طوافِ زیارت نہ کر سکا اور اپنے وطن واپس چلا آیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ (۸۴۴/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

== وطواف الزّيارة أوّل وقته بعد طلوع الفجر ، يوم النّحر وهو فيه أي الطّواف في يوم النّحر الأوّل أفضل............وحلّ له النّساء إلخ فإن أخرّه عنها أي أيّام النّحر ولياليها منها كره تحريمًا ووجب دم لترك الواجب إلخ ثمّ أتٰى منٰى (الدّرّ المختار) قوله: (كره تحريمًا إلخ) أي ولو أخرّه إلى اليوم الرّابع الّذي هو آخر أيّام التّشريق وهو الصّحيح إلخ وبه يفتٰى. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۴۷۷-۴۷۸، كتاب الحجّ ، مطلب في طواف الزّيارة) ظفير

(۱) ثمّ إذا أراد السّفر طاف للصّدر أي الوداع سبعة أشواط بلا رمل وسعي وهو واجب إلاّ علٰى أهل مكّة (الدّرّ المختار) قوله: (وهو واجب) فلو نفر ولم يطف وجب عليه الرّجوع ليطوف ما لم يجاوز الميقات فيخيّر بين إراقة الدّم والرّجوع بإحرام جديد بعمرة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۴۸۲-۴۸۳، كتاب الحجّ ، مطلب في طواف الصّدر) ظفير

الجواب: حج کرنے والا اگر بدون طوافِ زیارت کے اس طرح کہ ایام نحر اور اس کے بعد کوئی طواف اس نے نہ کیا ہو اپنے وطن کو واپس چلا آوے تو عورتیں اس پر حرام ہیں، اور اس بارے میں احرام اس کا باقی ہے، واپس جانا مکہ معظّمہ کو اور طواف زیارت کرنا اس پر لازم وفرض ہے، بدون اس طواف کے احرام سے باہر نہیں ہوسکتا اور عورتیں اس کے لیے حلال نہیں ہوسکتیں (١) فقط واللہ اعلم

(٥٥٢-٥٥١/٦)

(١) ولـو لم يَطف طوافَ الـزّيارة أصلاً حتّـى رجـع إلٰى أهـلـه فعليه أن يعود بذٰلك الإحرام لانـعـدام التّحلّل منه وهو مُحرَّم عن النّساء أبدًا حتّٰى يطوف (الهداية: ١/٢٧٣، كتاب الحجّ، باب الجنايات، فصل من طاف القدوم محدثًا)

وكـذا إذا رجـع إلٰى أهلهٖ وقد ترك منه أربعة أشواط يعود بذٰلك الإحرام، وهو مُحرم أبدًا في حقّ النّساء وكلّما جامع لزمه دمٌ إذا تعدّدت المجالس. (فتح القدير: ٣/٤٩، كتاب الحجّ، باب الجنايات) ظفیر

احرام کے مسائل

مُحرم ربڑ یا تار کی پیٹی سے تہبند باندھ سکتا ہے

سوال: (۶۶) ربڑ یا تار کی پیٹی سے تہبند احرام باندھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲۱۴۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: ربڑ وغیرہ سے احرام کا تہبند باندھ سکتے ہیں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۵۲/۶)

گرمی کی وجہ سے مُحرم احرام کی چادر اتار سکتا ہے

سوال: (۶۷) حالت احرام میں جو چادر اوڑھی جاتی ہے، بہ حالت پسینہ اس کو اتار سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲۱۴۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، پسینہ وغیرہ کی ضرورت سے علیحدہ کی جاسکتی ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۵۲/۶-۵۵۳)

حج کی دعائیں کتاب دیکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۶۸) جس شخص کو ادعیہ حج کی زبانی یاد نہ ہوں وہ کتاب میں دیکھ کر پڑھ سکتا ہے

---

(۱) فإن زرّره أو خلّله أو عقده أساء ولا دم عليه (الدّرّ المختار) وكذا لو شدّهٗ بحَبْل ونحوه لشبهه حينئذ بالمَخيط من جهة أنّه لا يحتاج إلٰى حفظه بخلاف شدّ الهِمْيَان في وسطه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۲/۳، كتاب الحجّ ، فصل في الإحرام) ظفير

(۲) وكذا يستحبّ لمريد الإحرام إلخ لبس إزار .... ورداء علٰى ظهره إلخ وهٰذا بيان السّنّة وإلّا فستر العورة كافٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۳۱/۳-۴۳۲، كتاب الحجّ ، فصل في الإحرام) ظفير

اور بعد پڑھنے پھر رکھ) [1] سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۱۴۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: کتابیں دیکھ کر پڑھ سکتا ہے بعد پڑھنے کے رکھ سکتا ہے۔ فقط (۶/۵۵۲-۵۵۳)

محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۶۹) محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۵۷۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: لگا سکتا ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۵۴)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **فجملة الكلام فيه أن محظورات الإحرام في الأصل نوعان: نوع لا يوجب فساد الحجّ، ونوع يوجب فسادهٗ، أمّا الّذي لا يوجب فساد الحجّ فأنواع: بعضها يرجع إلى اللّباس وبعضها يرجع إلى الطِّيْب وما يجري مجراه مِنْ إزالة الشّعَثِ وقضاء التّفَثِ وبعضها يرجع إلٰى توابع الجماع وبعضها يرجع إلى الصّيد. (بدائع الصّنائع: ۲/۴۰۴، كتاب الحجّ ، بيان محظورات الإحرام)** ظفیر

جنایات کے احکام

محرم مینڈک کو مارڈالے تو کیا حکم ہے؟

سوال:(۷۰) عن أبي الزّبير المكّي عن جابر بن عبد الله قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من قتل ضفدعًا فعليه شاة مُحرمًا كان أو حلالاً الحديث[1] آیا درقتل ضفدع شاة واجب است یانہ؟ (۱۳۴۰/۲۷۰۸ھ)

الجواب:قال في ردّ المحتار: تحت قوله: فإن قتل مُحرِم صيدًا أي حيوانًا برّيًّا متوحّشًا بأصل خلقتهٖ إلخ(الدّرّ المختار) واحترز به عن البحريّ، وهو ما يكون توالدُهٗ في الماء ولو كا ن مثواه في البرّ لأنّ التّوالد أصلٌ، والكيونة بعدَهٗ عارضٌ، فكلبُ الماء والضّفدعُ مائيٌّ كما قيّده في الفتح، قال: ومثله السّرطان والتِمساح والسُّلحفاة البحريّ يحلّ اصطياده للمُحرِم بنصّ الآية، وعمومُها متناولٌ لغير المأكول منه وهو الصّحيح، خلافًا لما في مناسك الكرمانيّ من تخصيصهٖ بالسّمك خاصّةً، أمّا البرّيّ فحرام مطلقًا إلخ[2] (شامی) پس معلوم شد کہ صحیح عند الحنفیہ ایں است کہ ضفدع مائی درعموم آیت: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ الآية﴾ (سورۂ مائدہ، آیت:۹۶) داخل است، ودرقتل آں شاة واجب نیست، ولعلّ الحديث محمول على البرّي. فقط (۵۵۳/۶)

---

(۱) مسند أبي حنيفة: ص:۲۹، ما أسنده الإمام أبو حنيفة عن أبي الزّبير ...... المكيّ، المطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۲۷، كتاب الحجّ، باب الجِنَايَاتِ .

ترجمہ سوال: (۷۰) عن أبي الزّبير المكّي عن جابر الحديث، کیا مینڈک کے مارنے میں بکری واجب ہے یا نہ؟

الجواب: شامی میں ہے: تحت قوله: فإن قتل مُحرِم صيدًا أي حيوانًا برّيًّا متوحّشًا بأصل خلقته إلخ (الدّرّ المختار) واحترز به عن البحريّ، وهو إلخ. پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بحری مینڈک آیت: ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ الآية ﴾ کے عموم میں داخل ہے، اور اس کے مارنے میں بکری واجب نہیں ہے، اور غالباً حدیث بری مینڈک پر محمول ہے۔ فقط

ازدحام کی وجہ سے عورتوں کی رمی ترک ہوگئی تو دم واجب نہ ہوگا

سوال: (۷۱) زید نے رمی جمرات ثلاثہ ۱۲ تاریخ کو عورتوں کی طرف سے وکالۃً کی، کیوں کہ قافلہ چل رہا تھا، عورتوں کا رمی کرنا بہت دشوار تھا؛ یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں؟ بہ حالت عدم صحت دم واجب ہے یا نہیں ہے؟ (۱۵۷۰/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: رمی جمار واجب ہے اور ترک واجب اگر بہ سبب کسی عذر کے ہو تو اس میں کچھ نہیں آتا کما في ردّ المحتار: وكذا كلّ واجب إذا تركه بعذر لا شيء عليه كما في البحر[1] (شامي) وهٰكذا في لباب المناسك وغيره[2] پس اس صورت میں بہ سبب عذر ازدحام کے جو عورتوں کی رمی ترک ہوئی تو اس میں دم واجب نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۵۳-۵۵۴)

محرم پر بوٹ پہننے سے دمِ جنایت لازم ہے

سوال: (۷۲) محرم نے اگر بوٹ پہنا اور کعبین چھپے رہے تو دمِ جنایت لازم آوے گا یا نہیں؟ اگر جنایات متعدد ہوں تو ایک دم آئے گا یا متعدد دم لازم ہوں گے؟ (۱۰۰۷/ ۴۶-۱۳۴۷ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۴۶۹، کتاب الحجّ ، مطلب في الوقوف بمزدلفة.

(۲) ولو ترك شيئًا من الواجبات بعذر لا شيء عليه علٰى ما في البدائع . (لُباب المناسك مع المسلك المتقسط، ص: ۱۸۴، باب الجِنايات، فصل في ترك الوجبات بعذر، المطبوعة: مطبع التّرقي الماجديّة ، مكّة .

و هٰكذا في ردّ المحتار: ۳/ ۵۰۸، كتاب الحجّ ، باب الجنايات) ظفیر

الجواب: اس صورت میں اس کے ذمے دمِ جنایت لازم ہے؛ لیکن جنایات میں تداخل ہوکر صرف ایک ہی دم آئے گا؛ جس کا حرم میں ذبح ہونا ضروری ہے، اگر اب خود نہیں جاسکتا تو کسی حج میں جانے والے کو اپنا وکیل بنادے وہ خرید کر ذبح کردے گا۔ بدائع میں ہے: **إذا لَبِسَ المَخِيْطَ مِن قميصٍ أو جُبّةٍ إلخ ، أو خفّين أو جوربين من غيرِ عذرٍ وضرورةٍ يومًا كاملاً فعليه الدّم، لا يجوز غيره لأنّ لُبس أحد هٰذه الأشياء إلخ ، يومًا كاملاً ارتفاقٌ كاملٌ فيوجبُ كفّارةً كاملةً وهي الدّم إلخ** [١] **(بدائع الصّنائع جلد: ٢) وفيه أيضًا: ولهٰذا لم يجز الدّم إلّا بمكّة إلخ وإنّما عرف اختصاص جواز الذّبح بمكّة بالنّصّ وهو قوله تعالىٰ: ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾** [٢] **وفي شرح لباب المناسك لملاّ علي قاري في شرائط جواز الدّم: والثّالث ذبحهٗ في الحرم بالاتّفاق سواء وجب شكرًا أو جبرًا إلخ** [٣] **وفي الدّرّ المختار: والزّائد على اليوم كاليوم وإن نزعهٗ ليلاً وأعاده نهارًا إلخ ، ما لم يعزم على التّرك إلخ** [٤] فقط واللہ اعلم (٦/٥٥٤-٥٥٥)

محرم مزدلفہ کے بجائے منیٰ سے اٹھا کر کنکریاں مارے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (٣٧) اگر حاجی سنگریزہ مزدلفہ سے نہیں لائے بلکہ منیٰ سے اٹھا کر مارتے ہیں تو دم لازم آتا ہے یا نہیں؟ (٦٧١/١٣٤٥ھ)

الجواب: سنگریزہ اگر مزدلفہ سے نہیں لایا بلکہ منیٰ سے اٹھا کر رمی کیا تو اس سے دم لازم نہیں آیا،

---

(١) بدائع الصّنائع: ٢/٤١٠، كتاب الحجّ ، بيان محظورات الإحرام.

(٢) بدائع الصّنائع: ٢/٤١٢، كتاب الحجّ ، بيان محظورات الإحرام.

(٣) المسلك المتقسط في المنسك المتوسّط، ص:٢٠٧، باب في جزاء الجنايات وكفّاراتها، فصل في أحكام الدّماء وشرائط جوازها إلخ، المطبوعة: مطبع التّرقي الماجديّة، مكّة)

(٤) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٣/٥١١-٥١٢، كتاب الحجّ، باب الجنايات.

لیکن اگر جمرہ کے پاس سے اٹھائے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے[1] (درمختار وشامی)(٦/٥٥٥-٥٥٦)

خلافِ ترتیب رمی جمار کرنے سے دم لازم نہیں آتا

سوال: (٧٤) اگر رمی جمار ترتیب وار نہیں کی تو دم لازم آوے گا یا نہیں؟(١٧١/١٣٤٥ھ)

الجواب: رمی جمرہ اگر ترتیب وار نہیں کیا تو اس میں ترک سنت ہوا، اس میں دم لازم نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٥٥-٥٥٦)

١٣ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے سے دم لازم نہیں آتا

سوال: (٧٥) تیسرے دن رمی جمار نہ کرنے سے دم لازم آتا ہے یا نہیں؟(١٧١/١٣٤٥ھ)

الجواب: ١٣ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے سے دم لازم نہیں آتا۔ وفيه تفصيل مذكور في كتب الفقه[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٥٥-٥٥٦)

---

(١) ويكره أخذها من عند الجمرة (الدّرّ المختار) وأمّا ما في البدائع وغيرها: من أنّه يأخذ حَصَى الجمار من المزدلفة أو من الطّريق فينبغي حملهٗ على الجمار السّبعة، و كذا ما في الظّهيريّة من أنّه يستحبّ التقاطها من قوارع الطّريق (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/٤٧٣، كتاب الحجّ ، مطلب في رمي جمرة العقبة)امین

ويستحبّ أن يأخذ حصى الجمار من المزدلفة أو من الطّريق ولا يرمي بحصاة أخذها من عند الجمرة فإن رمى بها جاز وقد أساء كذا في السّراج الوهّاج. (الفتاوى الهندية: ١/٢٣٣، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحجّ)ظفير

(٢) (الثّاني عشر) أنّه في اليوم الأوّل يرمي جمرة العقبة لا غير، وفي بقية الأيّام يرميها يبدأ بالأولٰى ثمّ بالوسطٰى ثمّ بجمرة العقبة كذا في المحيط. وإن بدأ في اليوم الثّاني بجمرة العقبة فرماها ثمّ بالوسطٰى ثمّ بالّتي تلي المسجد إن أعاد الوسطٰى والعقبة فحسن كذا في محيط السّرخسي، رجل رمى في اليوم الثّاني الجمرة الوسطٰى والثّالثة ولم يرم الأولٰى فإن رمى الأولٰى ثمّ أعادَ على الثّانيّة والثّالثة فحسن مراعاة للتّرتيب، وإن رمى الأولٰى وحدها أجزأه عندنا إلخ. (الفتاوى الهندية: ١/٢٣٤، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحجّ)ظفير

حج بدل کے مسائل

حج بدل کب کراسکتا ہے؟

سوال: (۷۶) حج فرض ہو، وہ بجائے خود کسی دوسرے سے کس حالت میں ادا کراسکتا ہے؟
(۸۱۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جب خود نہ جاسکے بہ سبب زیادہ بڑھاپے کے کہ سفر نہ کر سکے یا بہ سبب مرض کے تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے؛ لیکن مرض کی صورت میں اگر پھر تندرست ہوگیا اور وہ مرض ممکن الزوال تھا تو دوبارہ خود حج کرنا ہوگا۔ کذا في الدّرّ المختار [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۶۹/۶)

معذور کا حج بدل کرانا درست ہے

سوال: (۷۷) زید پر بہ اعتبار زاد وراحلہ کے حج فرض ہے؛ لیکن وہ بہ وجہ بوڑھاپے اور نابینا ہونے کے چلنے سے عاجز ہے، اور قائد کے خرچ پر قادر نہیں تو وہ دوسرے شخص سے حج کراسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۸۷۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: معذور مذکور کو غیر سے حج کرانا بہ شرائط جائز ہے، اور معذور کا حج فرض ادا ہوجاوے گا

---

(۱) کحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت لأنّه فرض العمر حتّى تلزم الإعادة بزوال العذر (الدّرّ المختار) أي العذر الّذي يرجى زواله كالحبس والمرض بخلاف نحو العمى فلا إعادة لو زال علىٰ ما يأتي . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۵/۴، كتاب الحجّ ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة) ظفیر

درمختار میں ہے: والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۷۷-۵۷۸)

حج بدل کے لیے کس قدر خرچ دینا چاہیے؟

سوال: (۷۸) زید بہ وجہ کسی عذر کے اپنی جانب سے کسی دوسرے کو بہ تکفلِ مصارفِ امیرانہ ادائے فریضۂ حج کے لیے بھیجنا چاہتا ہے، آیا یہ حج عن الغیر جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جواز ایں صورت زادِ راہ میں کیا لحاظ و اعتبار کیا جائے گا؟ امیرانہ یا توسط یا بہ قدر کفایت؟ (۱۱۰۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حج فرض میں کسی دوسرے کو اپنے عوض حج کے لیے بھیجنے میں یہ شرط ہے کہ خود کسی طرح حج کو نہ جا سکے بالکل معذور ہو بہ صورت عذر اگر کسی کو اپنی طرف سے نیابۃً حج کو بھیجے تو اس کا خرچ سفر دیوے، زادِ راہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ امیرانہ دے یا متوسط یا بہ قدر کفایت؛ جس طرح حج کرنے والا راضی ہو جاوے، اور جس طرح خرچ کرے وہ مالِ آمر سے ہونا چاہیے، اگر آمر امیرانہ خرچ دیوے یہ بھی درست ہے، اور متوسط خرچ دیوے یا بہ قدر کفایت دیوے اور مامور راضی ہو تو یہ بھی جائز ہے، غرض مامور جیسے خرچ کا عادی ہو اور جس طرح اس کو آسائش ہو وہ کام کرے[2] فقط (۶/۵۶۸-۵۶۹)

بوڑھے ضعیف کے لیے تکالیفِ سفر اور مرض کے احتمالات کی وجہ سے حج بدل کرانا مسقطِ فرض نہیں

سوال: (۷۹) جس شخص پر حج فرض ہے اور عمر اس کی ۶۲ برس کی ہے، بہ وجہ ضعیفی؛ قویٰ اس کے کمزور اور ناتواں ہو گئے ہیں، اس کو فکر یہ ہے کہ میں تکالیفِ سفر کا متحمل نہ ہو سکوں گا، اور نیز وہ ضعفِ ہاضمہ میں بھی مبتلا ہے، اور تین لڑکیاں اس کی نابالغ موجود ہیں، ایسی حالت میں اس کو حج کے لیے

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۱۵، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

(۲) وبقي من الشّرائط النّفقة من مال الآمر كلّها أو أكثرها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۱۷، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة)

خود جس طرح سے ہوسکے جانا چاہیے یا حج بدل کرانے سے اس کا فرض ادا ہو جاوے گا؟
(١٤٥٤/١٣٣٨ھ)

الجواب: ایسے احتمالات سے نیابت حج میں یعنی حج بدل کرانا مسقطِ فرض نہیں ہے؛ کیوں کہ حج بدل کے لیے بالکل عاجز ہونا اصل کا شرط ہے۔ کما في الدّرّ المختار: والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت لأنّهٗ فرض العمر حتّٰى تلزم الإعادة بزوال العذر إلخ[١] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٥٧)

جو بوڑھا نہایت کمزور ہے وہ حج بدل کرا سکتا ہے

سوال: (٨٠) میری عمر ستر سال کی ہے، میری نظر نہایت ضعیف ہے، اور دن بہ دن کمزوری نگاہ وغیرہ کی بڑھ رہی ہے سر چکراتا ہے تو میں حج سے معذور ہوں یا نہیں؟ اگر میں اپنا نائب حج کے لیے بھیجوں تو حج فرض ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (٣٠١٢/١٣٤٥ھ)

الجواب: اس صورت میں آپ کو اپنی طرف سے دوسرے شخص سے حج کرانا جائز اور صحیح ہے کیوں کہ عاجز ہونا آپ کا سفر حج سے ظاہر ہے۔ درمختار میں ہے: والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت لأنّه فرض العمر إلخ[١] الغرض آپ اپنی طرف سے حج کرا سکتے ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کراویں جو اپنا حج فرض پہلے کر چکا ہو، اور احکام حج سے واقف ہو۔ والأفضل إحجاج الحرّ العالم بالمناسك الّذي حجّ عن نفسهٖ إلخ[٢] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٦٢)

سن رسیدہ بیمار شخص جو سفر نہ کرسکتا ہو وہ حج بدل کرا سکتا ہے

سوال: (٨١) ایک شخص ٦٦ سال کا بوڑھا مجبور ہے، بعض بیماریاں ایسی لاحق ہیں کہ دور دراز کا سفر برداشت نہیں کرسکتا، ایسا شخص حج بدل کرالے تو درست ہے یا نہیں؟ (٢٠٩٠/١٣٤٥ھ)

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/١٥، كتاب الحجّ ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة .

(٢) ردّ المحتار: ٤/٢١، كتاب الحجّ ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة .

الجواب: ایسا شخص بہ شرط عدم قدرت علی السفر حج بدل کرا سکتا ہے[1] فقط (٦/٥٦٠-٥٦١)

سفر کی تکلیف کے ڈر سے حج بدل کرانا درست نہیں

اور حرام روپیہ سے جو حج کیا وہ مقبول نہیں

سوال: (٨٢) ایک مال دار شخص جس کی عمر تخمیناً ساٹھ برس کی ہے؛ لیکن حج کو جانے کے قابل ہے، محض سفر کی تکلیف کے خوف سے دوسرے شخص کو روپیہ دے کر حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتا ہے اس صورت میں اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اور یہ کہ اس کا مال سودی کاروبار کا ہے؟ (٢٨٤٧/١٣٤٥ھ)

الجواب: اس شخص کو خود حج کو جانا چاہیے، بہ حالت موجودہ دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجنے سے اس کا حج فرض ادا نہ ہوگا[1] اور حرام روپے سے حج نہ کرنا چاہیے، وہ حج مقبول نہ ہوگا، اگرچہ فرضیتِ حج ساقط ہو جاوے گی، اور یہ طریقہ اختیار کیا جاوے کہ وہ شخص قرض لے کر حج کرے پھر وہ قرض ادا کر دیوے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٦١)

---

(١) عن ابن عبّاس قال : إن امرأة من خثعم قالت: يا رسول الله! إن فريضة الله علٰى عباده في الحجّ أدركتْ أبي شيخًا كبيرًا لا يثبت على الرّاحلة ، أ فأحجُّ عنه ؟ قال: نعم، وذٰلك في حجّة الوداع، متّفق عليه (مشكاة المصابيح، ص:٢٢١، كتاب المناسك، الفصل الأوّل)

والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط ، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/١٥، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة) ظفیر

(٢) وقد يتّصف بالحرمة كالحجّ بمال حرام (الدّرّ المختار) ليس حرامًا بل الحرام هو انفاق المال الحرام إلخ ، مع أنّه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/٤٠٢، كتاب الحجّ، مطلب فيمن حجّ بمال حرام)

إذا أراد الرّجل أن يحجّ بمال حلال فيه شبهة فإنّه يستدين للحجّ ويقضي دينه من ماله كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ١/٢٢٠، كتاب المناسك ، الباب الأوّل في تفسير الحجّ وفرضيته ووقته وشرائطه إلخ) ظفیر

نابینا اپنی طرف سے حج بدل کرا سکتا ہے

سوال: (۸۳) ایک شخص نابینا ہے اس پر حج فرض ہے، اور اتنی استطاعت رکھتا ہے کہ ایک دو شخصوں کو اپنے ہمراہ خدمت کے لیے لے جاوے، ایسی حالت میں وہ خود حج کرے یا حج بدل کراوے؟ (۱۳۴۲/۱۶۱۵ھ)

الجواب: اس صورت میں اپنی طرف سے حج بدل کرا سکتا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز، فقط. لكن بشرط دوام العجز إلى الموت إلخ ، هٰذا أي اشتراط دوام العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجٰى زواله .... وإن لم يكن كذٰلك كالعمٰى والزّمانة سقط الفرض بحجّ الغير عنه، فلا إعادة مطلقًا سواء استمرّ به ذٰلك العذر أم لا إلخ(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۵۹)

شیخ فانی حج بدل کرا سکتا ہے

سوال: (۸۴) اگر زید مال دار نے بہ وجہ غفلت کے حج نہ کیا حتی کہ شیخ فانی ہوگیا، اگر زید اپنی طرف سے کسی کو ادائے حج کے لیے بھیجے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۷-۴۶/۳۵ھ)

الجواب: اس حالت میں وہ اگر کسی کو اپنی طرف سے حج کو بھیجے اور اس سے حج کراوے تو صحیح ہے اس کا حج ادا ہو جاوے گا(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۶۲)

مرحوم نے حج بدل کے لیے جو روپے دیے ہیں وہ ناکافی ہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۸۵) زید نے ڈھائی سو روپے عمر کو دیئے کہ میری وفات کے بعد میرا حج کرا دینا،

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵/۴-۱۶، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

(۲) والحاصل أنّ مَن قدرعلى الحجّ وهو صحيح ثمّ عجز لزمه الإحجاج اتّفاقًا (ردّ المحتار: ۱۵/۴، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة) ظفير

چھ ماہ بعد زید کا انتقال ہوگیا، انتقال سے تین روز پیشتر دریافت کیا کہ اس روپے کا کیا ہوگا؟ جواب دیا کہ حج کرا دینا، لوگوں نے کہا کہ اتنے روپے میں حج نہیں ہوسکتا، جواب دیا کہ عمر کو اختیار ہے جس طریقہ پر چاہے خرچ کرے، اور اسی روز پچاس روپے عمر کو دیئے کہ میرے کفن وقبر وغیرہ میں صرف کردینا، ایک بیٹا اور بیوی زید نے چھوڑے، ایک شخص تین سو روپے میں حج بدل کرنے کو تیار ہے، اگر عمر پچاس روپے اپنے پاس سے شامل کر کے حج کرادے تو کچھ حرج تو نہیں؟

(۱۳۴۲/۲۳۵۵ھ)

الجواب: اگر رقم مذکور ڈھائی سو ثلث ترکہ سے زیادہ نہیں ہے تو اس رقم کو حج میں صرف کرنا چاہیے، اور ایسی صورت میں کہ روپیہ مذکورہ وطن میت سے حج کرانے کو کافی نہ ہو؛ یہ حکم ہے کہ جس جگہ سے اس روپے میں حج ہوسکے وہاں سے کرادیا جاوے۔ درمختار میں ہے: **وإلاّ فيحُجُّ عنه من بلده إلخ إن وفى به إلخ ، ثُلُثُهُ وإن لم يفِ فَمِنْ حَيْثُ يبلغُ** [1] باقی عمر اگر اپنے پاس سے پچاس روپے مثلاً دے کر حج کرادے تو اس میں اختلاف روایات ہے جواز کی بھی روایت ہے، لہٰذا حج کرادینے میں کچھ حرج نہیں ہے نفع ہی ہے۔ درمختار میں ہے: **وكذا لو أحجّ لا ليرجع كالدّين إذا قضاه من مال نفسه إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (وكذا لو أحجّ لا ليرجع) أي إنّه يجوز إلخ** [2] **(الشّامي)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۷۷)

مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے

سوال: (۸٦) زید متوفّٰی کی طرف سے کوئی عورت حج بدل ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۵/۲۳۰۷ھ)

الجواب: مرد کی طرف سے عورت حج بدل کرسکتی ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ مرد سے ہی حج بدل

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۲۲-۲۳، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا.**

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۲۴، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا.**

کرایا جاوے۔فجاز حجّ الصّرورة إلخ والمرأة إلخ وغيرهم أولٰى إلخ[1] (الدّرّ المختار)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٥٥٧)

عورت کی طرف سے مرد اور مقلد کی طرف سے غیر مقلد حج کرسکتا ہے

سوال: (٨٧) مرد؛ عورت کی جانب سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟ حنفی کی طرف سے غیر مقلد بھی حج کرسکتا ہے؟ (١٦١٥/ ١٣٣٨ھ)

الجواب: عورت کی طرف سے حج بدل مرد بھی کرسکتا ہے، اور مقلد کی طرف سے غیر مقلد بھی کرسکتا ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٥٧٤)

ایک شخص حج کے لیے روانہ ہوا مگر راستہ میں انتقال کرگیا باقی ماندہ روپیہ سے دوسرے آدمی نے اس کی طرف سے حج کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (٨٨) ایک شخص حج فرض کو مکہ شریف روانہ ہوا، اور راستے میں میقات پہنچنے سے پہلے ہی انتقال ہوگیا، باقی ماندہ روپیہ سے دوسرے آدمی نے اس کی طرف سے حج ادا کیا، اب اس کے ورثہ اس سے روپیہ مانگتے ہیں؛ کیوں کہ میت نے اس کو وصیت نہیں کی تھی، اس صورت میں میت کی طرف سے حج ادا ہوگیا یا نہیں؟ اور ورثہ کو روپیہ طلب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ بعض وارث نابالغ ہیں؟ (٩٨٦/ ١٣٤٣ھ)

---

(١) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/ ٢٠، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة .

(٢) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحجّ رجلاً عن نفسه أن يحجّ رجلاً قد حجّ عن نفسه إلخ ولو أحجّ عنه امرأة أو عبد أو أمة بإذن السّيّد جاز و يكره، هٰكذا في محيط السّرخسي. (الفتاوى الهندية: ١/ ٢٥٧، كتاب المناسك ، الباب الرّابع عشر في الحجّ عن الغير)

فجاز حجّ الصّرورة إلخ والمرأة ولو أمة والعبد وغيره كالمراهق وغيرهم أولٰى لعدم الخلاف. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/ ٢٠، كتاب الحجّ ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة) ظفير

الجواب: اس شخص کو وہ روپیہ ورثہ کو دینا ہوگا، کیوں کہ متوفی نے کچھ وصیت نہیں کی، اور روپیہ باقی ماندہ میراث وارثوں کی ہوگیا، لہٰذا صرف کرنا اس شخص کا روپیہ مملوکۂ ورثہ کو بلا اجازت ورثۂ بالغین جائز نہ تھا، اور جب کہ ورثہ میں نابالغ بھی ہیں تو اس باقی ماندہ روپیہ کی ان کی طرف سے اجازت بھی نہیں ہوسکتی، بہر حال روپیہ باقی ماندہ جو اس نے اس کے حج میں خرچ کیا، وہ اس کو واپس دینا ہوگا، اور حج اس میت کی طرف سے ان شاء اللہ تعالیٰ ادا ہوجاوے گا۔ كما في تبرّع الوارث أو الأجنبيّ قال في الشّامي: وإن لم يوص به أي بالإحجاج فتبرّع عنه الوارث إلخ، جاز، والمعنٰى جاز عن حجّة الإسلام إن شاء اللّٰه تعالٰى ...... ثمّ أعاد في شرح اللّباب المسئلةَ في محلّ آخر وقال: فلو حجّ عنه الوارث أو أجنبي يجزيه وتسقط عنه حجّة الإسلام إن شاء اللّٰه تعالٰى لأنّه إيصال للثّواب إلخ [۱] (وفي الدّرّ المختار: خرج المكلّف إلى الحجّ ومات في الطّريق وأوصٰى بالحجّ عنه إلخ) [۲] فإن فسّر المال إلخ، فالأمر عليه إلخ [۳] وفي ردّالمحتار: لو كان الميّت هو الّذي دفع للمأمور ثمّ مات كان للوارث استرداد ما في يد المأمور وإن أحرم إلخ ، لأنّ الباقي صار ميراثًا لكون الميّت لم يوص به إلخ [۳] (شامي جلد ثاني) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۵۸)

وصیت کے بغیر وارثوں پر حج بدل کرانا ضروری نہیں

سوال: (۸۹) زید مرچکا اور اس پر حج فرض تھا وہ ادا نہ کرسکا، بہ وجہ دُنیوی کاروبار کے اور حج کے متعلق وصیت بھی نہیں کی تو اب اس نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس سے پہلے حج بدل کرادیا جائے یا ترکہ تقسیم کردیا جاوے؟ اور پھر ورثاء بہ طور خود زید مرحوم کی طرف سے حج بدل کرائیں، شرعًا کیا حکم ہے؟ اور زید قرض دار بھی ہے؟ (۴۲۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

(۱) ردّ المحتار: ۴/۱۶-۱۷، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۲۲-۲۳، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا .

الجواب: بدون وصیت کے ورثہ کے ذمے ضروری نہیں ہے کہ وہ متوفی کی طرف سے حج بدل کراویں، لیکن اگر جملہ ورثہ اس پر راضی ہوں اور وہ سب بالغ ہوں تو اگر وہ سب متوفی کی طرف سے حج کراویں تو اچھا ہے، اور امید ہے کہ ان شاء اللہ میت کی طرف سے حج فرض ادا ہو جاوے گا۔ درمختار میں ہے: وبشرط الأمر به أي بالحجّ عنه فلا يجوز حجّ الغير بغير إذنه إلّا إذا حجّ أو أحجّ الوارث عن مورثه إلخ (۱) وفي الشّامي: وإن لم يوص به أي بالإحجاج فتبرّع عنه الوارث إلخ ، جاز، والمعنیٰ جاز عن حجّة الإسلام إن شاء اللّٰہ تعالیٰ إلخ (۱) پس اگر جملہ ورثہ بالغ ہیں، اور وہ سب مورث متوفی کی طرف سے حج کرانے پر راضی ہیں تو قبل از تقسیم ترکہ بھی حج کرا سکتے ہیں، اور اگر بعض ورثہ بالغ ہیں اور بعض ورثہ نابالغ تو پہلے ادائے قرض کے بعد ترکہ تقسیم کرلیا جاوے، اس کے بعد بالغین اپنے حصے میں سے متوفی کی طرف سے حج کرا سکتے ہیں، الغرض بدون وصیت کے وارثوں کے ذمے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ضرور حج کراویں، البتہ اگر چاہیں تو کرا سکتے ہیں، اور اس سے حج فرض میت کا ان شاء اللہ تعالیٰ ادا ہو جاوے گا۔ فقط واللہ اعلم (۶/۵۵۹-۵۶۰)

بلا وصیت بیٹا ماں کی طرف سے حج کرائے تو ماں کی طرف سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۹۰) ہندہ پر حج فرض تھا اس کا انتقال ہو گیا، مگر اس نے حج کی وصیت نہیں کی، اب اس کا بیٹا زید اس کی طرف سے حج کرانا چاہتا ہے، زید کو اپنے گھر سے آدمی بھیجنا ایسے حج بدل کے لیے جو وصیت کا نہ ہو ضروری ہے یا نہ؟ اور اگر مکہ معظّمہ سے ہی کسی سے حج کرا دے تو والدہ کی طرف سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے حج میں مدینہ منورہ جانا ضروری ہے یا نہ؟ (۲۰۴۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جب کہ متوفیہ کی وصیت نہیں ہے تو وارث جو اس کی طرف سے حج کراوے گا وہ تبرع ہے، مکہ معظّمہ سے بھی کرا سکتا ہے، اور مدینہ منورہ جانا ایسے حج میں ضروری نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۷۲)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۱۶-۱۷، کتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

بلاتقسیم ترکہ حج بدل کرانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۹۱) اگر بلاتقسیم زرنقد یا زیورات متعلقہ فرائض (ترکہ) اس مال سے زید حج بدل کرائے تو جائز ہے کہ نہیں؟ اور جو غرض اور ثواب حج بدل کا ہے وہ ہندہ کو حاصل ہے؛ یعنی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۰۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: زید کو یہ جائز نہیں ہے کہ بلاتقسیم ترکہ حج بدل کرائے یا صدقہ وخیرات برائے ایصال ثواب کرے، البتہ اپنے حصے میں سے یا جو بالغ وارث راضی ہوں ان کے حصے میں سے حج بدل کرا سکتا ہے، اور صدقہ وخیرات کرسکتا ہے، نابالغوں کے حصے میں سے نہیں کرسکتا، ان کا حصہ علیحدہ کردینا چاہیے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۶۲/۶-۵۶۳)

بلاوصیت یتیم نابالغ کے مال سے حج بدل کرانا درست نہیں

سوال: (۹۲) میرے بھائی منشی عمرعلی مرحوم نے انتقال کیا، اور وہ بہت مال دار تھا، مگر حج کی وصیت نہیں کی، اور وارث ان کے چار لڑکے ایک بالغ اور تین نابالغ ہیں، اور تین بیوی اور پانچ لڑکی، تو اس صورت میں حج کرانے کا کیا حکم ہے؟ اور یتیم کی زمین کو ٹھیکہ پر دینا اور مورث کا قرض ادا کرنا کیسا ہے؟ (۱۱۵۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جوامور متعلق نفع یتیم نابالغ کے ہیں، وہ کرنا درست ہے، مثلاً زمین کو ٹھیکہ پر دینا اگر موجبِ نفع ہے تو درست ہے، اور حج کرانا حصۂ یتیم نابالغ میں سے بدون وصیت متوفی کے درست نہیں ہے، اور بالغوں کے ذمے بھی لازم نہیں، البتہ اگر بالغین اپنے حصے میں سے حج میت کی طرف سے کرادیویں تو بہتر ہے مگر فرض اور واجب نہیں ہے (۲) اور جن لوگوں کا قرض بہ ذمے متوفی ہے،

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔۱۲

(۲) لو مات رجل بعد وجوب الحجّ ولم یوص بہٖ فحجّ رجل عنه أو حجّ عن أبیه أو أمّه عن حجّة الإسلام من غیر وصیّة قال أبو حنیفة: یجزیه إن شاء اللّٰه وبعد الوصیّة یجزیه من غیر المشیّة (ردّالمحتار: ۱۷/۴، کتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغیر، مطلب في الفرق بین العبادة والقربة والطّاعة) ظفیر

وہ ادا کرنا چاہیے، مشترک ترکہ میں سے سب کا قرض ادا کر دیا جاوے، اور زکاۃ نابالغ کے حصے میں واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٥٧٠/٦)

کسی وارث کا ترکہ میں سے حج بدل کے لیے روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (٩٣)...... (الف) ہندہ نے جائداد متروکۂ زید سے مبلغ چھ سو روپے اپنے ایک بیٹے عمر کو اپنی طرف سے ادائے حج کے واسطے دیا، یہ روپیہ ہندہ کے حصے میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

(ب) عمر نے بہت لوگوں کے سامنے ظاہر کیا کہ میں اپنا ایک مکان بیچ کر اسی روپے سے حج کرنے جا رہا ہوں، اس صورت میں عمر کو وہ روپیہ جو اپنی ماں ہندہ سے حج بدل کے لیے لیا ہے واپس کرنا واجب ہوگا یا نہ؟ (٢٧٥/ ١٣٤١ھ)

الجواب: (الف) ہندہ اس روپے کو اپنے حصے میں لگاوے، عمر کے سب ورثہ اس کے ذمے دار نہیں ہیں۔

(ب) اگر واقعی عمر نے روپیہ ہندہ سے نہیں لیا تو اس پر واپسی اس کی لازم نہیں ہے، اور اگر درحقیقت لیا ہے تو یا اس کو واپس دے یا اپنے حصے میں لگا دے۔ (٥٦٤/٦-٥٦٥)

بدون وصیت کے ورثاء حج بدل کرائیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (٩٤) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں بہ موجب شرع شریف؛ جواب سے معزز فرماویں: ایک صاحب کا انتقال ہوگیا؛ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے، اس کے ورثاء ان مرحوم کا حج بدل کرائیں؛ حالانکہ انہوں نے وصیت بھی نہ کی ہو، میت کے اوپر سے حج ادا ہوسکتا ہے اور داخل ثواب ہے؟ (٤٨٣/ ٢٩-١٣٣٠ھ)

الجواب: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر میت کے ذمے حج فرض ہو، اور اس نے وصیت حج کی نہ کی ہو، اور اس کے ورثاء اس کی طرف سے حج کراویں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حج میت کی طرف سے ادا ہوجاوے گا، پس ورثاء کو مناسب ہے کہ وہ میت کی طرف سے حج کرادیویں کہ اس میں امید اس کے حج کے ادا ہونے کی ہے، اور ورثاء کو ثواب حاصل ہوگا۔

قال الشّامي: ففي مناسك السّروجي: لو مات رجل بعد وجوب الحجّ ولم يوص بهٖ فحجّ رجل عنه أو حجّ عن أبيه أو أمّهٖ عن حجّة الإسلام من غير وصيّة: قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء اللّٰه، وبعد الوصيّة يجزيه من غير المشيّة، وفيه أيضًا عن اللّباب: وإن لم يوص به .... فتبرّع عنه الوارث، وكذا مَن هُم أهل التّبرع فحجّ أي الوارث ونحوه بنفسه أي عنه أو أحجّ عنه غيره جاز، والمعنىٰ جاز عن حجّة الإسلام إن شاء اللّٰه تعالىٰ [1] (شامي جلد: ۲:ص:۳۲۸) أخرج الدّار قطني عن جابر قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: من حجّ عن أبيه أو أمّه فقد قضى عنه حجّته، وكان له فضل عشر حجج، وأخرج أيضًا عن زيد ابن أرقم قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: إذا حجّ الرّجل عن والديه تقبّل منه ومنهما، واستبشرت أرواحهما في السّماء وكتب عند اللّٰه برًّا [2] (ج:۲:ص:۲۷۲. مطبوعه: مطبع فاروقي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۶۳/۶-۵۶۴)

ورثاء والدین کی طرف سے حج بدل کرادیں تو اُن کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

سوال: (۹۵) زید اپنے والدین کے مرنے کے بعد ان کی جانب سے حج بدل کرانا چاہتا ہے، ان کو ثواب پہنچے گا یا نہ؟ (۱۱۵۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: فقہاء نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ بدون وصیت متوفی کے اگر اس کے ورثہ اس کی طرف سے تبرعًا حج کرادیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کی طرف سے حج ادا ہو جاوے گا اور فرضیت ساقط ہو جاوے گی اگرچہ یقینی نہیں، اور حصولِ ثواب میں تو کچھ تردد نہیں ہے۔ كما في الشّامي: وإن لم يوص بهٖ إلخ فتبرّع عنه الوارث إلخ فحجّ أي الوارث و نحوه بنفسهٖ ...... أو أحجّ عنه غيره جاز إلخ قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء اللّٰه إلخ [3] فقط واللہ اعلم (۵۷۱/۶-۵۷۲)

---

(۱) ردّ المحتار: ۴/۱۶-۱۷، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

(۲) سنن الدّارقطني: ۳/۲۹۹-۳۰۰، كتاب الحجّ، باب ما جاء في الصّفا والمروة و السّعي بينهما، رقم الحديث: ۲۶۱۰و۲۶۰۷ .المطبوعة: المؤسسة الرّسالة، بيروت.

(۳) ردّ المحتار: ۴/۱۶-۱۷، كتاب الحجّ ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة .

حج بدل کی رقم سے حج بدل کرنے والا پہلے اپنا حج کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۹۶) جس شخص نے کبھی حج نہیں کیا ہے، اس کو کسی شخص نے روپیہ حج بدل کے لیے دیا مگراس نے اسی سے اجازت لے لی کہ اس سال اپنا حج کروں گا، اور آئندہ سال آپ کا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ جس کے روپے سے سفر حج کیا، اور جس کا روپیہ صرف کیا اسی کی طرف سے پہلا حج کرے، پس صورت مسئولہ میں آمر کا حج ادا نہ ہوگا[1] فقط (۵۶۴/۶)

حج بدل کے روپے سے تجارت درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۹۷) ہندہ مال دار جس پر حج فرض تھا مگر بہ وجہ کاروبار دنیاوی کے زندگی میں ادا نہ کرسکی، وصیت کرگئی میری جانب سے حج کرادینا، فاطمہ اس کی لڑکی جو اس کے مال کی وارث ہوئی، اس نے زید کو مبلغ تین سو روپے حج کرنے کے لیے دیا کہ میری والدہ کی جانب سے حج کیجیے، زید نے روپیہ لے لیا اور چوں کہ راستہ مخدوش یا بند ہے؛ اس لیے روپیہ عمر کو دے دیا کہ تجارت کرے، تجارت شروع ہوئی نفع بھی ہوا، چنانچہ اس منافع سے اس روپیہ کی زکاۃ بھی زید نے ادا کی، بعد چندے فاطمہ نے زید سے کہا کہ مجھے بروقت روپے کی ضرورت ہے دے دیجیے، بعد میں میں روپیہ دے دوں گی، زید نے واپس دے دیا، آیا زید کا اس روپیہ سے تجارت کرانا اور اس کے منافع کے روپیہ سے زکاۃ ادا کرنا اور فاطمہ کے مانگنے پر واپس کردینا کیسا ہے؟ نیز باقی منافع کا کون مستحق ہے؟

(۲۰۳۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) درج ذیل عربی عبارت جس کو مفتی ظفیر الدینؒ نے شامل جواب کیا تھا، ہم نے اس کو حاشیہ میں رکھا ہے، کیوں کہ یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے:

ولجواز النّيابة في الحجّ شرائط ـــــ إلٰى أن قال ـــــ ومنها نيّة المحجوج عنه عند الإحرام، والأفضل أن يقول: بلسانه لبّيك عن فلان، ومنها أن يكون حجّ المأمور بمال المحجوج عنه. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرّابع عشر في الحجّ عن الغير) ظفير

الجواب: جب کہ مامور بالحج یعنی زید نے مخدوش یا بند ہونے راستہ کے حج نہ کیا تو اس کی ذمے واپسی اس روپے کے لازم تھی، یعنی فاطمہ کو واپس کرنا لازم تھا، پھر اگر بہ اجازت فاطمہ اس نے اس میں تجارت شروع کی اور زکاۃ ادا کی تو یہ جائز ہوا، اور نفع جو اس روپے سے ہوا فاطمہ کا ہے، اور فاطمہ کا اس روپیہ کو واپس لے لینا اس صورت میں صحیح ہوا، لیکن فاطمہ کے ذمے ہے کہ ہندہ متوفیہ کی طرف سے حج کراوے، تہائی مالِ ہندہ تک اس میں صرف ہوسکتا ہے، تہائی سے زیادہ صرف ہوتو بہ اختیار فاطمہ کے ہے کہ دے یا نہ دے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/۵٧١)

جس نے حج فرض ادا نہ کیا ہو، اس کو حج بدل میں بھیجنا کیسا ہے؟

سوال: (٩٨) جس شخص نے حج فرض نہ کیا ہو، اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا اور اس کو حج بدل کرنا کیسا ہے؟ اور جو عالم اس کو مکروہ کہے اس پر طعن کرنا اور اس کو غیر مقلد کہنا کیسا ہے؟ اور طعن کرنے والے پر شرعاً کیا حکم ہے؟ (٢١٣٠/١٣٣٧ھ)

الجواب: حج بدل ایسے شخص سے کرانا جس نے حج نہ کیا ہو صحیح اور جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کرایا جاوے جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو، پس ایسے شخص سے حج کرانا جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ مفاد عبارت درمختار ہے: **فجاز حجّ الصّرورة بمهملة من لم يحجّ إلخ ، وغيرهم أولٰى إلخ**[2] (**درّ مختار**) اور علامہ شامی نے محقق ابن ہمام سے نقل کیا ہے کہ جس شخص سے حج بدل کرایا جاوے اگر اس نے باوجود فرض ہونے کے اپنی طرف سے حج نہیں کیا تو اس کے حق میں مکروہ تحریمی ہے، پس حاصل یہ ہے کہ آمر کے حق میں یہ فعل

---

(١) خرج المكلّف إلى الحجّ ومات في الطّريق و أوصٰى بالحجّ عنه إنّما تجب الوصيّة به إذا أخّره بعد وجوبه إلخ فإن فسّر المال أو المكان فالأمر عليه أي علٰى ما فسّره وإلّا فيحجّ عنه من بلده إلخ إنْ وَفَى به أي بالحجّ مِن بلده ثُلُثُهُ (الدّرّ المختار) أي ثُلُثُ مالِ المُوْصِي إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/٢٢-٢٣، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا) ظفیر

(٢) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/٢٠-٢١، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة.

مکروہ تنزیہی ہے، اور حج کرنے والے کے حق میں جب کہ اس پر حج فرض ہوگیا ہو مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ وہ بہ وجہ اپنے حج کے ادا نہ کرنے کے اور تاخیر کرنے کے گنہ گار ہوا، لہٰذا مکروہ کہنے والے عالم پر طعن و تشنیع کرنا ناجائز اور ممنوع ہے، اور جب کہ حنفیہ خود مامور کے حق میں مکروہ تحریمی ہونے کے قائل ہیں تو مکروہ کہنے والے کو غیر مقلد کہنا مسائل شرعیہ سے ناواقفیت اور جہل کی دلیل ہے۔

شامی میں فتح القدیر سے منقول ہے: **والّذي يقتضيه النّظر أنّ حجّ الصّرورة عن غيره إن كان بعد تحقّق الوجوب عليه بملك الزّاد والرّاحلة والصّحّة فهو مكروه كراهة تحريم، لأنّه تضيق عليه في أوّل سني الإمكان فيأثم بتركه إلخ ، قال في البحر: والحقّ أنّها تنزيهيّة على الآمر لقولهم: والأفضل إلخ، تحريميّة على الصّرورة المأمور الّذي اجتمعت فيه شروط الحجّ ولم يحجّ عن نفسه لأنّه أثم بالتّأخير إلخ**[1] (شامي، ص: ۲۴۱، جلد ۲) اور حج بدل کرنے والوں کو اس روپے میں سے جو اس کو خرچ سفر حج کے لیے ملا، زائد از خرچ سفر کا رکھنا اس صورت میں درست ہے کہ روپیہ دینے والے نے اس کو وکیل بالہبہ بنا دیا ہو، یعنی یہ اجازت اور اختیار دے دیا ہو کہ زائد روپیہ تم خود رکھ لینا۔ درمختار میں ہے: **وعليه ردّ ما فضل من النّفقة وإن شرطه له فالشّرط باطل إلاّ أن يؤكّله بهبة الفضل من نفسه إلخ**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۶/۵۷۲-۵۷۳)

جس پر حج فرض ہے اس کا اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۹۹) عمر نے اس سے پہلے حج ادا نہیں کیا حالانکہ اس پر حج فرض تھا، ایسی حالت میں اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کرنا جائز ہوگا؟ (۱۳۴۱/۲۷۵ھ)

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۲۰-۲۱، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۳۲، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا.

الجواب: اس صورت میں دوسرے کی طرف سے حج کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کیا تو جس کی طرف سے کیا اس کا حج ادا ہو گیا، اور اپنی طرف سے اس کو پھر حج کرنا ہوگا[۱] فقط واللہ اعلم (۶/۵۶۵)

جس نے اپنا حج نہیں کیا اس کو حج بدل کرنا کراہت سے خالی نہیں

سوال: (۱۰۰) جس شخص نے حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کے لیے جانا مکروہ تحریمی ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ اگر ذی استطاعت حج بدل کو جاوے اس کے لیے مکروہ تحریمی ہے یا جس شخص پر بہ لحاظ استطاعت حج فرض نہیں ہے؛ لیکن وہ بہ شوق زیارت واسطے حج بدل کے جانا چاہتا ہے تو اس میں کسی قسم کا اکراہ شرعی تو نہیں ہے؟ (۲۳۸۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جس پر پہلے سے حج فرض ہو چکا ہے اس کا حج بدل کو جانا تو بہ اتفاق مکروہ تحریمی ہے، اور جس پر حج فرض نہیں ہے اور اس کو استطاعت نہیں ہے اس پر بھی چوں کہ بعض علماء محققین کے نزدیک مکہ معظّمہ پہنچ کر حج فرض ہو جاتا ہے، اس لیے ان علماء کے نزدیک وہ بھی تارک فرض ہونے کی وجہ سے مرتکب کراہت تحریمیہ کا ہے، جیسا شامی میں بدائع سے منقول ہے: **يكره إحجاج الصّرورة لأنّه تارك فرض الحجّ، يفيد أنّه يصير بدخول مكة قادرًا على الحجّ عن نفسه إلخ، قلت: وقد افتٰى بالوجوب مفتي دار السّلطنة العلّامة أبو السّعود وتبعه في سكب الأنهر و كذا أفتٰى به السّيّد أحمد بادشاه وألّف فيه رسالةً إلخ**[۲] اور بہرحال جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اس کو حج بدل کرنا کسی صورت میں کراہت سے خالی نہیں ہے، غایت یہ کہ بہ صورت ذی استطاعت نہ ہونے کے عند البعض وہ کراہت تنزیہی ہے، اور ان علماء کے نزدیک جو مکہ معظّمہ پہنچ کر اس پر حج فرض کہتے ہیں کراہت تحریمی ہے، اور بہ صورت ذی استطاعت ہونے کے بہ اتفاق کراہت تحریمی ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۷۶-۵۷۷)

---

(۱) **فجازَ حجُّ الصّرورةِ......مَن لم يَحُجَّ إلخ وغيرُهُم أولٰى لعدم الخلاف (الدّرّ المختار) قال في الفتح بعد ما أطالَ في الاستدلال: والّذي يقتضيه النّظرُ أنّ حجّ الصّرورةِ عن غيرِه إن كان بعد تحقّق الوُجُوْبِ عليهِ بِمِلْكِ الزّادِ والرّاحلةِ والصّحّة فهومكروهٌ كَرَاهَةَ تَحْرِيْمٍ إلخ ومعَ ذٰلك يصحُّ لأنّ النّهيَ ليس لعين الحجّ المفعولِ بل لغيرِه وهو الفواتُ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۲۰-۲۱، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة)** ظفیر

(۲) **ردّ المحتار: ۴/۲۱، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة.**

جس نے حج نہیں کیا وہ میت کی طرف سے حج کرے تو میت کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے

سوال: (۱۰۱) شخصے کہ حج نکرد و بروے حج فرض نیست، اگر از جانب کسے کہ قبل ادائے حج مفروض انتقال کرد، و وصیت ادائے حج کرد، حج ادا کند از ذمہ میت مذکور حج ادا خواہد شد یا نہ؟
(۲۰۵۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: دریں صورت حج از میت ساقط خواہد شد و ادا خواہد شد، البتہ فقہاء حنفیہ ایں صورت را مکروہ داشتہ اند، بہتر آں است از چنیں کسے حج کنانند کہ او حج خود ادا کردہ باشد (۱) فقط (۵۷۸/۶)

ترجمہ سوال: (۱۰۱) جس شخص نے حج نہیں کیا ہے اور اس پر حج فرض نہیں ہے، اگر وہ اس شخص کی طرف سے جو فرض حج کی ادائیگی سے پہلے انتقال کر گیا اور ادائے حج کی وصیت کر گیا ہے حج ادا کرے تو مذکور میت کی طرف سے حج ادا ہو جائے گیا یا نہ؟

الجواب: اس صورت میں میت کی طرف سے حج ساقط اور ادا ہو جائے گا، البتہ فقہاء حنفیہ اس صورت کو مکروہ گردانتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج کراویں کہ اس نے اپنا حج ادا کر لیا ہو۔ فقط

حج بدل اس سے کرایا جائے جس نے اپنا حج کر لیا ہو

سوال: (۱۰۲)...... (الف) حج بدل کے لیے کون لائق ہے؟

---

(۱) فجاز حجّ الصّرورة .... مَن لم يحجّ والمرأة إلخ وغيرهم أولٰى لعدم الخلاف (الدّرّ المختار) يكره إحجاج الصّرورة لأنّه تارك فرض الحجّ يفيد أنّه يصير بدخول مكّة قادرًا على الحجّ عن نفسه إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۰/۴-۲۱، باب الحجّ، مطلب في حجّ الصّرورة)

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحجّ رجلاً عن نفسه أن يحجّ رجلاً قد حجّ عن نفسه ومع هٰذا لو أحجّ رجلاً لم يحجّ عن نفسه حجّة الإسلام؛ يجوز عندنا وسقط الحجّ عن الآمر كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۲۵۷/۱، كتاب المناسك، الباب الرّابع عشر في الحجّ عن الغير) ظفیر

(ب) غیر مستطیع جس نے حج کرلیا ہے وہ حج بدل کرسکتا ہے؟ (۲۰۹۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) حج بدل اس سے کرایا جاوے جس نے اپنا حج کرلیا ہو۔

(ب) جس نے ایک دفعہ حج کرلیا ہے خواہ وہ مستطیع تھا یا غیر مستطیع حج بدل کرسکتا ہے۔

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

جس نے اپنا حج کیا ہو اُس کو حج بدل کے لیے بھیجنا بہتر ہے

سوال: (۱۰۳) جس نے پہلے حج نہ کیا ہو اس سے حج کرانا کیسا ہے؟ اور جس نے پہلے حج کرلیا ہو اور وہ خوش حال ہو اس سے حج بدل کرانا کیسا ہے؟ (۵۹۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: دوسرے شخص سے جو کہ حج کیے ہوئے ہے حج بدل کرانا افضل و بہتر ہے پہلے شخص سے جس نے حج نہیں کیا حج بدل کرانا مکروہ ہے۔ كذا في الدّرّ المختار والشّامي[1] فقط واللہ اعلم (۵۷۵/۶)

حج بدل کے لیے اولاد کا جانا ضروری نہیں اور حج بدل کی رقم سے قرض دینا روا نہیں

سوال: (۱۰۴) قاسم نے اپنی جائداد ۵۰ ہزار کی چھوڑی اور حج بدل کی وصیت کی، ایک عرصہ کے بعد جب قاسم کی اولاد نے جائداد تقسیم کی تو روپیہ حج بدل کا علیحدہ رکھ کر کئی برس کے بعد کسی شخص سے ارکان حج پورے کرادیے، بعد کو یہ معلوم کرکے کہ جہاں کا قاسم رہنے والا ہے وہیں سے کسی کو بھیجنا چاہیے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ قاسم کی اولاد ہی باپ کی طرف سے حج بدل کرے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور جو روپیہ حج بدل کا علیحدہ رکھا ہوا ہے اس میں سے کسی کو قرض حسنہ دینا یا اپنے کام میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۵۵۰/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) فجاز حجّ الصّرورة ...... مَن لم يحجّ إلخ وغيرهم أولٰى لعدم الخلاف (الدّرّ المختار) أي خلاف الشّافعي فإنّه لا يجوز حجّهم كما في الزّيلعيّ ...... ولا يخفٰى أنّ التّعليل يفيد أنّ الكراهة تنزيهيّة ؛ لأنّ مراعاة الخلاف مستحبّة فافهم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۲۰-۲۱، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة) ظفير

الجواب: قاسم کی اولاد میں سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیجنا ضروری نہیں ہے، اور بہ نسبت غیر کے اس بارے میں ان کو کچھ زیادہ استحقاق نہیں ہے، اور یہ بے شک ضروری ہے کہ حج بدل کے لیے کسی کو قاسم کے وطن سے ہی بھیجنا چاہیے، اور جو روپیہ حج کے لیے علیحدہ کیا گیا اس کو حج میں ہی صرف کرنا چاہیے، جلدی کسی کے بھیجنے کا انتظام کر دینا چاہیے، کسی کو قرض دینا یا اپنے کاموں میں صرف کرنا اس روپے کا جائز نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٧٥)

حج بدل کرنے والے کو حج کا ثواب نہیں ملے گا

سوال: (١٠٥) میرے والد مرحوم پر حج فرض تھا بہ وجہ بیماری نہیں جا سکے، اگر میں دوسرے شخص کو جو صاحب استطاعت نہ ہو اپنے والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرانے کے لیے ہمراہ لے جاؤں تو والد صاحب کا فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اس شخص کو بھی ثواب حج کا ملے گا یا نہیں؟
(١٨٠٥/١٣٤١ھ)

الجواب: اگر آپ کے والد صاحب وصیت کر جاتے اور مال چھوڑ جاتے تب تو ان کی طرف سے حج کرانا ضروری تھا، اور ان کا حج فرض ادا ہو جاتا، لیکن جب کہ ایسا نہیں ہوا تو آپ تبرعًا ان کی طرف سے حج بدل کرالیں یہ اچھا ہے، اور امید ہے کہ ان کی طرف سے حج ادا ہو جاوے گا اور ثواب حج کا ان کو پہنچنے میں تو کچھ تردد ہی نہیں ہے، اور حج بدل کرنے والے کو حج کا ثواب نہیں ہوگا، البتہ وہاں جا کر عمرہ وغیرہ کرے گا اس کا ثواب ہوگا[2] فقط واللہ اعلم (٦/٥٦٦)

---

(١) أمّا إذا لم يخرج وأوصٰى بأن يحجّ عنه إلخ ، فإنّه يحجّ عنه مِن ثلث مالهٖ مِن بلدهٖ إلخ. (ردّ المحتار: ٤/٢٢، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في حجّ الصّرورة) ظفیر

(٢) فلا يجوز حجّ الغير بغير إذنه إلّا إذا حجّ أو أحجّ الوارث عن مورثهٖ لوجود الأمر دلالة (الدّرّ المختار) والمعنى جاز عن حجّة الإسلام إن شاء اللّٰه تعالٰى إلخ وهٰذا مقيّد بالمشيّة ففي مناسك السّروجي لو مات رجل بعد وجوب الحجّ ولم يوص بهٖ فحجّ رجل عنه أو حجّ عن أبيه أو أمّهٖ عن حجّة الإسلام من غير وصيّة؛ قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء اللّٰه، وبعد الوصيّة يجزيه من غير المشيّئة اهـ. ثمّ أعاد في شرح اللّباب المسئلة في محلّ آخر وقال: فلو حجّ عنه الوارث أوأجنبي يجزيه وتسقط عنه حجّة الإسلام إن شاء اللّٰه لأنّه إيصال للثّواب إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٤/١٦-١٧، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة) ظفیر

کیا وجوبِ حج کے لیے تین کوس چلنے کی طاقت ضروری ہے؟

سوال: (۱۰۶) وجوب حج کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ تین کوس چلنے کی اس کو طاقت ہو، جن لوگوں نے ہندہ کو یہ مسئلہ بتلا کر حج کو جانے سے روکا ان کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۷۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ شرط نہیں ہے، پس جس شخص نے ایسا مسئلہ بتلایا اس نے غلطی کی، آئندہ ایسا مسئلہ نہ بتلاوے، اور اگر عمداً دھوکا دینے کے لیے ایسا کہا تو بے شبہ وہ لوگ عاصی اور گنہ گار ہوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۶۵)

چندہ کی رقم سے حج بدل کرانا درست نہیں

سوال: (۱۰۷) زید لوگوں سے روپیہ حج بدل کرنے کے لیے بہ مد خیرات طلب کرتا ہے، چنانچہ اس نے مصارف حج تقریبًا مہیا کرلیا ہے، بکر کو حج بدل کرانے کی ضرورت ہے، زید بکر سے کہتا ہے کہ آپ صرف سو ہی روپے مجھے دے دیجیے میں آپ کی طرف سے حج بدل کردوں گا، ایسی صورت میں بکر کی طرف سے حج بدل ہوجاوے گا یا نہیں؟ اور بکر کے ذمے سے فرض ساقط ہوجاوے گا یا نہیں؟ نیز بکر چاہتا ہے کہ اسی قسم کے چند شخصوں کو سو سو روپیہ دے کر اپنی طرف سے حج بدل کرادے اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۸۳۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: حج بدل کے لیے ضروری ہے کہ پورا خرچ سفر حج کا حج کرنے والے کو دیا جاوے کہ حج کرانے والے کے مکان سے تمام خرچ مکہ معظّمہ وغیرہ تک جانے کا اور واپسی کا حج کرانے والے کے مال میں سے ہو، ورنہ حج بدل فرض ادا نہ ہوگا البتہ نفل کا ثواب ہوجاوے گا۔ (۶/ ۵۶۶-۵۶۷)

جس کو حج بدل کے لیے روپیہ دیا گیا تھا
اُس نے حج نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۰۸) کسی کو حج بدل کے لیے روپیہ دیا گیا اور اس نے حج نہیں کیا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۸۳۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اگر حج بدل کرنے والے کو روپیہ دیا گیا، اور اس نے حج آمر کی طرف سے نہ کیا تو آمر کا حج ادا نہیں ہوا[1] اور گناہ مامور پر یعنی اس پر ہوا جس نے حج نہ کیا، اور وہی مؤاخذہ دار رہا۔ فقط واللہ اعلم (٦/٥٦٧)

حج بدل میں جانے والا راستہ میں مر گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٠٩) ایک شخص نے حج بدل کے لیے اپنی جانب سے دوسرے شخص کو بھیجا وہ شخص راستے میں فوت ہوگیا، مکہ معظّمہ نہ پہنچ سکا، ایسی صورت میں بھیجنے والے کا حج پورا ہوا یا نہیں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ (١٢١/١٧١٢/١٣٣٩ھ)

الجواب: اس کا حج نہیں ہوا، اگر اس کے ذمے حج فرض ہے تو اس کو کسی دوسرے شخص کو بھیج کر حج بدل کرانا چاہیے، یعنی جب کہ خود نہ جاسکتا ہو اور خود حج کرنے سے عاجز ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٧٥-٥٧٦)

وضاحت: حج بدل کو جانے والا اگر انتقال کر جائے تو جب تک مرحوم کے ترکہ کے ایک تہائی میں اس کی گنجائش رہے حج بدل کرانا ضروری ہے یعنی حج بدل کو جانے والا اگر وقوفِ عرفات سے پہلے مر گیا تو مرحوم کا جو ترکہ ہے اُس کے ثلث حصہ میں سے اگر حج کے لیے کافی ہو تو حج کرایا جائے گا اور اگر ثلث حصہ وطن سے بھیجنے کے لیے ناکافی ہو تو جہاں سے حج کرایا جاسکے وہاں سے حج کرایا جائے، پھر جتنی دفعہ ایسی صورت پیش آئے بار بار حج کرنے کے لیے بھیجتے رہیں، یہاں تک کہ مرحوم کے ترکہ کا ثلث پورا خرچ ہوجائے یا اتنا تھوڑا باقی رہ جائے کہ اُس میں حج نہ ہوسکتا ہو تو اُس کی وصیت ناقابلِ عمل ہوجائے گی۔

وإن مات المأمور أو سرقت نفقته في الطّريق قبل وقوفه حجّ من منزل آمره بثلث ما بقي من ماله، فإن لم يف فمن حيث يبلغ، فإن مات أو سرق ثانيًا حجّ من ثلث الباقي بعدها، هٰكذا مرّة بعد أخرى، إلٰى أن لا يبقي من ثلثه ما يبلغ الحجّ فتبطل الوصيّة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/٣٠-٣١، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا) محمد امین پالن پوری

---

(١) **وبشرط نيّة الحجّ عنه أي عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/١٥، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين إلخ)**

جس عورت کے پاس مال ہے مگر مَحرم نہیں وہ حج بدل کرا سکتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۱۰)......(الف) عورت پردہ نشین کے پاس مال ہے مگر محرم نہیں تو وہ حج بدل کرا سکتی ہے یا نہیں؟

(ب) بغیر محرم شرعی حج دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چہ تکلیفِ راستہ کے سبب پردہ قائم رہنا دشوار ہے۔ (۲۵۳۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف-ب) اگر محرم نہیں ہے جو ساتھ جا سکے تو اس پر حج فرض نہیں ہے، اور بغیر محرم شرعی کے جانا سفر حج کو درست نہیں ہے، اور اس پر حج فرض نہیں ہوا اور نہ حج بدل کرانا اس پر لازم ہے، اور اگر محرم ہے اور ساتھ جا سکتا ہے تو جانا حج کے لیے خود فرض ہے، پردہ شرعی کا خود حتی الوسع خیال رکھے، اور پردہ قائم نہ رہنے سے حج ساقط نہیں ہوتا جس وقت حج فرض ہو گیا اور محرم موجود ہے جو کہ ساتھ جا سکتا ہے تو حج کو جانا چاہیے، پردہ ضروری کا خود خیال رکھے اور غیر ضروری پردہ کی پابندی نہ کرے [1] فقط واللہ اعلم (۵٦۸/٦)

نفل حج بدل کرانا کیسا ہے؟

سوال: (۱۱۱) زید اور اس کے والدین حج فرض ادا کر چکے ہیں، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے والدین مرحومین کی طرف سے حج بدل بہ طور نفل کرائے، اور وہ تین شخص مکہ کے رہنے والے ہوں، اور مکہ ہی سے احرام حج بدل نفل کا باندھیں تو آیا زید کی طرف سے جو زندہ ہے حج بدل نفل جائز ہے یا نہیں؟ اور حج بدل کا ثواب ان کو ملے گا یا نہیں؟ (۲۹٦/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) هو إلخ فرض إلخ علىٰ مسلم إلخ حرّ مكلّف إلخ ومع زوج أو محرم إلخ بالغ إلخ عاقل إلخ غيرمجوسي ولا فاسق إلخ لامرأة حرّة ولوعجوزًا في سفر وهل يلزمها التّزوّج؟ قولان إلخ ولـو حـجّت بلا محرم جاز مع الكراهة إلخ. (الـدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۹۸-۴۱۲، كتاب الحجّ)

والـمـركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز إلى الموت لأنّه فرض العمر إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/۱۵، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة) ظفير

الجواب: وقوله: "لم يجزه" أي عن الفرض وإن وقع نفلاً للآمر أفاده في البحر، قال الحمويّ: ومن هٰذا يؤخذ عدم صحّة ما يفعله السّلاطين والوزراء من الإحجاج عنهم لأن عجزهم لم يكن مستمرًّا إلى الموت أهـ أو لعدم عجزهم أصلاً والمراد عدم صحّته عن الفرض بل يقع نفلاً الخ[1] (شامی) پس معلوم ہوا کہ حج نفل کا ثواب اس طرح حاصل ہوجاوے گا۔ فقط واللہ اعلم (۵۶۹/۶)

وطنِ آمر کے علاوہ سے حج بدل کا سفر شروع کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۱۲) حج بدل کرنے والا اگر بہ وجہ کمیٔ زادِراہ کے میقاتِ آمر سے حج نہ کرسکے تو اپنے میقات سے یا دوسرے میقات سے احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۸۹۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: حج بدل میں یہ ضروری ہے کہ وطنِ آمر سے حج کا سفر شروع کیا جاوے؛ لیکن اگر بہ سبب کمیٔ زادِراہ دوسری جگہ سے کہ جہاں سے خرچ کفایت کرتا ہے سفر شروع کرے یہ درست ہے، وإن لم يف فمن حيث يبلغ إلخ[2] اور احرام اس کا میقات آمر سے ہونا چاہیے، اور درصورت کمیٔ زادِراہ جس راستہ سے پہنچ سکتا ہو سفر کرے، اور جس میقات پر سے گزرے اس سے احرام باندھے، اس حالت میں شرط اسی قدر معلوم ہوتی ہے کہ حج اس کا آفاقی ہو، اور کسی میقات سے احرام باندھا ہو حج اس کا مکی نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۷۰/۶)

کیا حج بدل کے لیے آمر کے وطن سے روانگی ضروری ہے؟

سوال: (۱۱۳) حج بدل جو کسی کی طرف سے بعد انتقال کرایا جاوے یا بہ حالت زیست جب

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۶/۴، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۳/۴، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا.

کہ قابل سفر نہ رہا ہو، یعنی کسی کو رقم سو یا دو سو روپے کی دے دی جاوے تو یہ حج جائز ہو جائے گا؟ یا جس کی طرف سے حج کیا جائے اس کی جائے سکونت سے ارکان حج کی ادائیگی تک متوسط خرچ کی رقم دینی چاہیے؟ (۱۳۳۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حج بدل کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ جس کی طرف سے حج کیا جاوے وہ اس کا امر کرے یا وصیت کرے اور سفر حج کا کل خرچ یا اکثر مال آمر سے ہو، اور یہ کہ آمر کے وطن سے حج کیا جاوے۔ درمختار میں ہے: وبشرط الأمر به أي بالحجّ عنه فلا يجوز حجّ الغير بغير إذنه إلّا إذا حجّ أو أحجّ الوارث عن مورثه لوجود الأمر دلالة، وبقي من الشّرائط النّفقة من مال الآمر كلّها أو أكثرها إلخ [1] وفي ردّ المحتار للشّامي: الحادي عشر: أن يحجّ عنه من وطنه إن اتّسع الثّلث وإلّا فمن حيث يبلغ كما سيأتي بيانه إلخ [1] (ص:۲۳۹) فقط واللہ اعلم (۶/۵۷۳-۵۷۴)

کیا حج بدل کے بعد آمر کے وطن واپس آنا ضروری ہے؟

سوال: (۱۱۴) کیا یہ بھی ضروری ہے کہ حج بدل کرانے والے کے مکان پر بعد واپس آنے حج بدل کے آوے؟ (۱۵۶۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: واپس آنا اس کے جائے سکونت پر ضروری نہیں ہے [2] فقط (البتہ اچھا یہی ہے کہ واپس آئے۔ ظفیر) (۶/۵۷۸)

کسی سے حج خرید کر اس کا ثواب مرحوم کو پہنچانا کیسا ہے؟

سوال: (۱۱۵) اگر کسی آدمی پر حج فرض نہیں تھا اس کا انتقال ہو گیا، اور اس کا وراث حج فرض کو گیا

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۱۶-۱۷، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.

(۲) ولو أحجّ رجلاً يؤدّي الحجّ ويقيم بمكّة جاز والأفضل أن يحجّ ويرجع. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الرّابع عشر في الحجّ عن الغير) ظفير

اگر وہ مکہ معظّمہ پہنچ کر کسی باشندہ مکہ شریف سے حج خرید کر اس کا ثواب مورث کو پہنچاوے تو درست ہے یا نہیں؟ اور مورث متوفی کو ثواب حج نفلی کا پہنچے گا یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۹۰۳ھ)

الجواب: یہ تو جائز ہے کہ مکہ معظّمہ پہنچ کر کسی شخص کو خرچ دے کر اس سے نفلی حج کرا کر اس کا ثواب میت کو پہنچا دیا جاوے، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شخص حج کرنے والا احرام کے باندھنے کے وقت اسی میت کی طرف سے نیت حج کی کرے اور اس کی طرف سے احرام باندھے، اور یہ درست نہیں ہے کہ اس کا پہلا کیا ہوا حج خرید کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاوے، کیونکہ حج کی بیع وشراء نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٥٦٣/٦)

اپنا حج دوسرے کو دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۱٦) مکہ شریف میں اکثر اشخاص اپنا حج دوسرے شخص کو بھی دے دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے، اگر وہاں پر کسی شخص سے بیوی مرحومہ کے لیے حج لے لیا جاوے تو جائز ہے یا نہ؟
(۱۳۴۵/۲۲٦۲ھ)

الجواب: حج کر لینے کے بعد تو یہ درست نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنا حج کسی کو روپیہ لے کر دے دے، لیکن یہ درست ہے کہ وہاں کسی سے حج نفل والدین، زوجہ وغیرہ کی طرف سے کرالیا جاوے، یعنی پہلے سے ہی وہ شخص احرام دوسرے کی طرف سے حج کرانا مقصود ہے باندھے یہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٥۷۹-٥۷۸/٦)

مستورات پر حج کیوں فرض ہے جب کہ جمعہ فرض نہیں؟ اور حج کا بدل کیوں ہے جب کہ جملہ فرائض کا بدل نہیں؟

سوال: (۱۱۷) مستورات پر حج فرض ہوا جمعہ کیوں نہیں؟ جملہ فرائض کا بدل نہیں حج کا بدل ہے یہ کیا بات ہے؟ (۱۵۷۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حج ایسا ہے جیسے زکاۃ؛ مال سے ان کا تعلق ہے، پس جیسے زکاۃ عورت پر لازم ہے؛ حج بھی ہے، اور محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، جمعہ کا بدل ظہر ہے عورت کو چوں کہ باہر نکلنا اور مسجد میں

شریک جماعت ہونا ممنوع ہے؛ اس لیے جمعہ فرض نہ ہوا، اور حج میں نیابت درست ہے، اسی طرح زکاۃ میں درست ہے یعنی جیسا کہ حج دوسرے سے کراسکتا ہے زکاۃ بھی دلواسکتا ہے، اور تحقیق ان امور کی کتب فقہ عربی کے پڑھنے اور دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم (۶/۵۵۶-۵۵۷)

جس کی صحت خراب ہے وہ اپنی زندگی میں حج بدل کراسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۱۸) ایک شخص پر حج فرض ہے اور اس کی صحت اس قدر خراب ہے کہ اس کو اپنی زندگی کی بھی امید نہیں ہے، اور اس کا ایک لڑکا ہے جو آوارہ ہے اور اس سے امید نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد حسب وصیت اپنے والد کی طرف سے حج کراوے، ایسی حالت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۹۰۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس صورت میں جب کہ وہ خود حج کرنے سے بہ سبب مرض لاحق کے عاجز ہے اور اس کو اپنی زندگی میں خود حج کرنے پر قادر ہونے کی امید نہیں ہے تو وہ دوسرے شخص سے اپنی زندگی میں اپنی طرف سے حج کراسکتا ہے، اور اگر اس نے خود حج نہ کرایا تو پھر اس کو وصیت کرنا لازم ہے، اس سے وہ سبکدوش ہوجاوے گا، اگر بعد میں اس کے وارث نے باوجود وصیت کے حج نہ کرایا تو گناہ اس پر رہے گا۔ درمختار میں ہے: **والمركّبة منهما كحجّ الفرض تقبل النّيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز إلى الموت إلخ** [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۶۰)

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵/۴، كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطّاعة.**

مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان

بعدِ حج روضۂ پاک کی زیارت واجب ہے یا مستحب؟

سوال: (۱۱۹) حج کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کا کیا حکم ہے؛ واجب ہے یا مستحب؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ روضۂ شریف کی زیارت کو عالم گیری وشامی میں مستحب لکھا ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟ (۱۳۴۰/۱۳۸۸ھ)

الجواب: یہ جو کچھ ان کتابوں میں ہے صحیح ہے، زیارت مدینہ طیبہ کی مستحبات سے ہے، اور یہی ﴿اصح﴾[1] ہے، اور بعض علماء وجوب کے بھی قائل ہیں جیسا کہ درمختار میں ہے: **وزيارة قبره مندوبة بل قيل: واجبة لمن له سعة إلخ ، وفي الشّامي: قوله: (مندوبة) أي بإجماع المسلمين كما في اللّباب إلخ**[2] فقط واللہ اعلم (۶/۵۷۹)

حج بدل میں زیارت روضۂ اطہر داخل نہیں

سوال: (۱۲۰) حج میں زیارت مزار شریف فرض یا واجب تو نہیں ہے؟ کیا اس کا بھی بدل ہوسکتا ہے؟ (۱۸۳۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: حج بدل میں زیارت روضہ اطہر داخل نہیں ہے، اگر وہ شخص جس کو حج بدل کے لیے بھیجا گیا ہے زیارت روضۂ اطہر کرے تو اس کے لیے بہت اچھا ہے اور موجب ثواب ہے، مگر

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں ﴿اصح﴾ کی جگہ ''صحیح'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۴۸، كتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في تفضيل قبره المكرّم صلّى الله عليه وسلّم .**

اس میں نیابت اور بدلیت نہیں ہے جو کوئی زیارت کرے گا اس کو ثواب ہوگا، اور جس نے اس کام کے لیے روپیہ دیا اس کو صدقہ کا ثواب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/ ۵۶۷)

حالات کے ناسازگار ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ نہ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۱) ...... (الف) ایک گروہ مسلمین بعد ادائے مناسکِ حج بعد اطلاع و بعض چشم دید حالات بے انتظامی و حرکات مذمومہ شریف مکہ بہ خوف جان بلا حصولِ زیارت روضہ مطہرہ مکہ شریف ہی سے واپس آ گئے تو وہ جماعت خاطی اور قابل توبہ ہے یا نہیں؟

(ب) کیا جماعت مذکورہ زیر حدیث: فقد جفاني [۱] آسکتی ہے یا نہیں؟

(ج) کیا ان کا حج پورا ہوا یا نہیں؟

(د) کیا ان کے ساتھ اُخوت اسلامی واجب الانقطاع ہے یا نہیں؟ (۶۳۵/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف) جماعت مذکورہ خاطی نہیں ہے، کیوں کہ درحقیقت بہت سی دشواریاں مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ جانے میں اس وقت میں ہوگئی ہیں، جیسا کہ معلوم و معروف ہیں، اور جب کہ وہ خاطی و عاصی نہیں ہیں تو ان پر توبہ اس وجہ سے لازم نہیں ہے، ویسے توبہ و استغفار ہر وقت مناسب شان مؤمن ہے۔

(ب) جماعت مذکورہ اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

(ج) حج ان کا پورا ہوگیا، حج میں کوئی نقص نہیں رہا؛ کیوں کہ زیارت روضہ مطہرہ حج کے بعد مستحب ہے [۲] جو ایک جداگانہ عمل صالح و موجبِ اجر و ثواب ہے، اس عمل صالح اور شرفِ زیارت

---

(۱) کنز العمال میں ہے: من حجّ البيت ولم يزرني فقد جفاني.

حب (ابن حبّان) في الضّعفاء والدّيلميّ عن ابن عمرو وأورده ابن الجوزي في الموضوعات فلم يصب. (كنز العمّال: ۵/ ۱۳۵، كتاب الحجّ والعمرة، زيارة قبر النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم، رقم الحديث: ۱۲۳۶۹، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت)

(۲) و زيارة قبره مندوبة إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴/ ۴۸، كتاب الحجّ ، باب الهدي، مطلب في تفضيل قبره المكرّم صلّى الله عليه وسلّم) ظفير

حاصل نہ ہونے کی وجہ سے حج فرض میں کچھ خلل نہیں ہوا۔

(د) ہرگز نہیں۔فقط واللہ اعلم (٦/ ٥٧٩-٥٨٠)

حاجیوں کی کوئی جماعت خطرہ کی افواہ سن کر مدینہ نہ گئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (١٢٢) جمعِ عظیم بہ قصد حج شدند بعد ادائے مناسکِ حج جماعتے بہ زیارت مدینہ طیبہ مشرف شدند، و جماعتے بغیر زیارت مکان مقدسہ واپس آمدند بہ وجہ سماعِ خطرِ راہ، چنیں صاحبان را بے ایمان ومرتد وفاسق گفتن وترک سلام وکلام واکل طعام بآنہا درست است یانہ؟ (٦٨٥/ ١٣٤٢ھ)

الجواب: ایں چنیں حاجیان را کہ بہ عذر مذکور از زیارت روضۂ مطہرہ وحضوریٔ مسجد مبارک وحرم محترم مدینہ طیبہ محروم ماندند، بے ایمان ومرتد و فاسق گفتن حرام است، وگویندگان ایں چنیں کلمات فساق وملعون اند کہ مکفرِ مؤمن خود در معرضِ خطرِ سلبِ ایمان است۔ **أعاذنا اللّٰه تعالیٰ منه قال علیه الصّلاة والسّلام: أیُّما رجل قال لأخیه کافر فقد باء بها بأحدهما** [1] وترکِ سلام وکلام وطعام بایشان ناجائز است۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/ ٥٨٠-٥٨١)

ترجمہ سوال: (١٢٢) ایک بڑا مجمع قاصد حج ہوا، ارکان حج کی ادائیگی کے بعد ایک جماعت مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہوئی، اور ایک جماعت راستے کے خطرے کو سننے کی وجہ سے مقام مقدس کی زیارت کے بغیر واپس آگئی، ایسے لوگوں کو بے ایمان، مرتد اور فاسق کہنا اور ان لوگوں کے ساتھ سلام وکلام اور کھانے پینے کو ترک کردینا درست ہے یا نہ؟

الجواب: ان جیسے حاجیوں کو جو کہ مذکورہ عذر کی وجہ سے روضۂ مطہرہ کی زیارت، مدینہ طیبہ کے حرم محترم اور مسجد مبارک کی حاضری سے محروم رہ گئے؛ بے ایمان، مرتد اور فاسق کہنا حرام ہے، ایسے کلمات کہنے والے فساق اور ملعون ہیں؛ اس لیے کہ مؤمن کی تکفیر کرنے والا خود ایمان سلب ہوجانے کے خطرے کے دائرے میں ہے۔ **أعاذنا اللّٰه تعالیٰ منه**، آپ ﷺ نے فرمایا: **أیُّما رجل قال لأخیه الحدیث**، اور ان لوگوں کے ساتھ سلام وکلام اور کھانا پینا ترک کرنا ناجائز ہے۔

---

(١) **مشكاة المصابيح: ص:٤١١، کتاب الآداب، باب حفظ اللّسان والغيبة والشّتم، الفصل الأوّل؛ عن ابن عمر مرفوعًا.**

مجبوری کی وجہ سے مدینہ نہ جائے تو حج کامل ہوگا یا نہیں؟

سوال: (١٢٣) جو شخص حج بیت اللہ شریف کا کرے، اور مجبوراً بہ وجہ کمی خرچ کے مدینہ منورہ نہ جاسکے تو اس شخص کا حج کامل ہوگا یا نہیں؟ (٥٥٣/٣٣-١٣٣٤ھ)

الجواب: حج کے پورا اور کامل ہونے میں کچھ شبہ اور تردد نہیں ہے، البتہ باوجود استطاعت کے اگر مدینہ شریف نہ جاتا تو برا تھا، اور بڑی محرومیٔ قسمت کی بات تھی؛ لیکن جب کہ وہ کمی خرچ کی وجہ سے مجبور رہا تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٥٨١/٦)

(١) وزيارة قبره مندوبة؛ بل قيل: واجبة لمن له سعة ويبدأ بالحجّ لو فرضًا ويخيّر لو نفلاً ما لم يمرّ به. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/٤٨، كتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في تفضيل قبره المكرّم صلّى الله عليه وسلّم) ظفير

حج کے متفرق مسائل

جمعہ کو جو حج ہوتا ہے اُسے حج اکبری کہتے ہیں، اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۲۴) جمعہ کے روز جو حج ہوتا ہے اس کو حج اکبری کہتے ہیں اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟ اور جمعہ کے حج میں زیادہ فضیلت ہے یا نہیں؟ (۱۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اس کی اس قدر اصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخیر حج کیا تھا وہ جمعہ کے دن ہوا تھا، اور اس کے بارے میں آیت: ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۳) نازل ہوئی، باقی ویسے حج اکبر بہ مقابلہ حج اصغر کے ہے کہ عمرہ حج اصغر ہے اور ہر ایک حج، حجِ اکبر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۸۱)

جمعہ کے دن وقوف عرفہ کی فضیلت

سوال: (۱۲۵) یوم عرفہ اگر جمعہ کے دن واقع ہو تو وہ ستر حج سے افضل ہے جو غیر جمعہ میں ہو یا نہیں؟ چنانچہ بحرالرائق میں ہے: **وقد قيل: إذا وافق يومُ عرفة يومَ جمعة غفر لكلّ لأهل الموقف، وأنّه أفضل من سبعين حجّةً في غير يوم جمعة، كما ورد في الحديث انتهٰى**[1] لیکن صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں کہ **لٰكن نقل المناوي عن بعض الحفّاظ أنّ هٰذا حديث باطل لا أصل له انتهٰى**[2] آیا یہ روایت واقعی باطل ہے؟ ایک روایت ابوہریرہ سے حافظ سخاوی نے کتاب فضائل اعمال میں نقل کی ہے: **عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم**

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۵۹۶، كتاب الحجّ، باب الإحرام.

(۲) ردّ المحتار: ۴/۴۲، كتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في فضل وقفة الجمعة.

أنّه قال: إنّ اللّٰه عزّ وجلّ خلق الأيّام واختار منها يوم الجمعة فكلّ عمل يعمله الإنسان يوم الجمعة يكتب له بسبعين حسنةً الحديث[1] یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ (١٣٤٢/٧/١٤ھ)

الجواب: صاحب الدر المختار نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ جمعہ کے روز اگر وقوف عرفہ ہو تو وہ حج ستر حج سے فضیلت رکھتا ہے جو کہ غیر جمعہ میں ہو[2] اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔ كما في الدرّ المختار عن الرّملي: فيعمل به في فضائل الأعمال وإن أنكره النّووي[3] بہر حال جمعہ کے وقوف کو فضیلت ضرور ہے، پس اگر سبعين حجّة کی روایت میں ضعف بھی ہو تو اصل فضیلت کے منافی نہیں ہے، اور ایسے امور میں قطعی حکم نہیں دیا جاتا اور نہ اس کی ضرورت ہے، اور حافظ سخاویؒ نے جو حدیث فضائل اعمال میں اس مضمون کی نقل کی ہے وہ اگر صحیح ہو تو مطلب حاصل ہے، اور اگر ضعیف بھی ہو تو کچھ قدح نہیں ہے۔ كما مرّ عن قبوله في فضائل الأعمال والله عنده علم الكتاب وهو أعلم بالصّواب. فقط واللہ اعلم (٦/٥٤٣-٥٤٤)

عرفہ نویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں

سوال: (١٢٦) ایام عرفہ کتنے ہیں اور کس مہینہ و تاریخ کو ہوتے ہیں؟ (١٣٣٧/٩٥٢ھ)

الجواب: عرفہ کا دن ایک ہی ہے یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٢٠١/٥)

حکومت ہند کی طرف سے آمد و رفت کا کرایہ جمع کرنے کی شرط درست ہے یا نہیں؟

سوال: (١٢٧) چند سال سے یہ رواج ترقی کر گیا ہے کہ ہندی حجاج میں بہ کثرت ایسے لوگ

---

(١) أوجز المسالك: ٦١٤/٨، كتاب الحجّ، باب جامع الحجّ، نقلاً عن فضائل الأعمال للسّخاوي، المطبوعة: دار القلم، دمشق.

(٢) لوقفة الجمعة مزيّةُ سبعين حجّةٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤٢/٤، كتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في فضل وقفة الجمعة)

(٣) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ٢٢٦/١-٢٢٧، كتاب الطّهارة، قبيل مطلب في بيان إرتقاء الحديث الضّعيف إلٰى مرتبة الحسن.

پائے جاتے ہیں کہ جو بلا موجودگی کافی سفر خرچ کے بہ غرض ادائے حج ہندوستان سے روانہ ہوجاتے ہیں، اور واپسی کے وقت بہ وجہ مفلسی جدہ کی سڑکوں پر پڑ کر طرح طرح کی بیماری اور موت کا شکار ہوتے ہیں، اور جن کے بارے میں حکومت حجاز حکومت ہند کو زور دیتی ہے کہ وہ اپنی رعایا کو جدہ سے ہندوستان لے جائیں، جس پر حکومت ہند کو ہر سال ۴۰ یا ۵۰ ہزار روپے کی کثیر رقم خرچ کرنی پڑتی ہے، اس پر ہندو ممبر اعتراض کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں اگر بہ ذریعہ قانون عازمان حج پر یہ شرط عاید کی جائے کہ وہ روانگی سے قبل یا تو واپسی کے لیے کرایہ جہاز جمع کردیں یا دونوں طرف کا ٹکٹ جہاز خرید لیں تو ایسی شرط خلاف شرع تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا (۹۳/۷-۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس قسم کی قیود لگانا احکام شرعیہ میں شرعًا جائز نہیں ہے۔ آیت کریمہ: ﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ . لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ ﴾ (سورۂ حج، آیت: ۲۷-۲۸) کے مفہوم میں غور کرنے سے اس قسم کی قیود حج کرنے والوں پر لگانا ممنوع معلوم ہوتی ہیں، بہت سے لوگ ہیں کہ وہ واپسی کا ارادہ ہی نہیں رکھتے، اور بہت ایسے ہیں کہ وہاں جا کر کوئی پیشہ حرفت وتجارت ومحنت ومزدوری کر کے اپنا گزر اور واپسی کے لیے کرایہ جمع کر کے واپس آتے ہیں، لہٰذا کسی طرح مناسب اور جائز نہیں ہے کہ ان کے ذمے اس قسم کی قیود لگا کر ان کو روکا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۸۲)

حج کا حلال سرمایہ ناجائز آمدنی میں مخلوط ہوجائے تو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

سوال: (۱۲۸) میرے پاس جو سرمایہ حج کے لیے رکھا ہوا تھا وہ رقوم میں نے تنخواہ سے جمع کی تھی وہ رقم ناجائز آمدنی میں مخلوط ہوگئی کیا صورت اس کے پاک کرنے کی کی جاوے؟

(۱۸۴۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس قدر روپیہ جو تنخواہ سے جمع کیا گیا تھا علیحدہ کرلیا جاوے، علیحدہ کرلینے سے وہ رقم حلال، پاک اور صاف ہوجاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶/۵۸۲)

حرم مکہ ومدینہ میں عبادات کا ثواب کس قدر ہے؟

سوال: (۱۲۹) حرم مکہ ومدینہ میں جو عبادت کی جاوے خواہ بدنی ہو یا مالی اس کا ثواب کس قدر ہوتا ہے؟ (۳٦۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: حدیث شریف میں نماز کے بارے میں یہ ثواب وارد ہوا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے: عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: صلاة الرّجل في بيته بصلاة وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاةً، وصلاته في المسجد الّذي يجمع فيه بخمس مائة صلاةٍ، وصلاته في المسجد الأقصٰى بخمسين ألف صلاةٍ، و صلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاةٍ، وصلاته في المسجد الحرام بمأة ألف صلاةٍ[1] لیکن فقہاء محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ باقی عبارت مالیہ وبدنیہ کا بھی یہی حکم ہے، اور مضاعفت مذکورہ ان میں بھی ہے؛ چنانچہ درمختار میں ہے: وكذا بقية القرب [2] اور شامی میں ہے: أي كالصّوم والإعتكاف والصّدقة والذّكر والقراء ة إلخ [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٨٢-٥٨٣)

حج مبرور سے کس قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں؟

سوال: (۱۳۰) حدیث شریف میں ہے کہ آدمی حج مبرور کے بعد پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہوا، کیا اس سے ہر قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں؟ (۳٦۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: هل الحجّ يكفّر الكبائر؟ قيل: نعم إلخ، وقيل: غير المتعلّقة بالآدمي إلخ، وقال عياض: أجمع أهل السّنّة أنّ الكبائر لا يكفّرها إلّا التّوبة ولا قائل

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۷۲، كتاب الصّلاة، باب المساجد و مواضع الصّلاة، الفصل الثّالث.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴/۴۹، كتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في تفضيل قبره المكرّم صلّى الله عليه وسلّم.

وجاء ت أحاديثُ تدلُّ علٰى تفضيلِ ثواب الصّوم وغيره من القربات بمكّة. (ردّ المحتار: ۳/۴۸۵، كتاب الحجّ، مطلب في مضاعفة الصّلاة بمكّة) ظفير

بسقوط الدّین ولو حقًّا للّٰہ تعالیٰ کدَین صلاۃ وزکاۃ إلخ[1] حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ کیا حج سے کبائر بھی معاف ہوجاتے ہیں؟ بعض نے کہا ہوجاتے ہیں اور بعض نے کہا کہ حقوق عباد کے سوا جو کبائر ہیں وہ معاف ہوجاتے ہیں، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بہ اتفاق اہل سنت کبائر کا کفارہ سوائے توبہ کے نہیں ہے، اور حج سے دَین ساقط نہیں ہوتا اگرچہ حق اللہ ہو؛ جیسے نماز قضا اور زکاۃ، اور حدیث: **من حجّ للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ أمّہ إلخ**[2] میں بعض علماء نے صغائر سے پاک ہونا مراد لیا ہے، اور بعض نے کبائر سے بھی لیکن سوائے حقوق عباد کے اور دیون کے اگرچہ دین اللہ تعالیٰ کا ہو مثل نماز وزکاۃ کے، الغرض اس مسئلہ میں اختلاف علماء ہے اور کوئی جانب قطعی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٨٣-٥٨٤)

جس حاجی کا جدہ میں انتقال ہوگیا اُسے حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال: (١٣١) میرے والد مرحوم نہایت شوق سے حج کو گئے تھے، بہ مقام جدہ جاں بحق ہوگئے، اور نہایت کسمپرسی کی حالت میں وہاں پڑے ہوئے قافلہ والے بغیر نماز وتجہیز وتکفین کے چھوڑ کر مکہ شریف کو چلے گئے تو ان کو حج کا ثواب ہوگا یا نہیں؟ اور اجر ملے گا یا نہیں؟ (١٣٣٩/٢٤٨ھ)

الجواب: اجراُن کا اس غربت کی موت میں زیادہ ہوا، اور حج کا ثواب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ پورا ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (٦/٥٨٤)

حاجی سفر حج میں حج سے پہلے مرگیا تو حج کا ثواب حاصل ہوگا

سوال: (١٣٢)...... (الف) ایک شخص اور اس کی زوجہ حج کو جانا چاہتے ہیں، اگر ان ایام میں بہ قضائے الٰہی راستے میں کوئی حادثہ پیش آوے اور راستے ہی میں دونوں کا یا ایک کا انتقال ہوجاوے تو حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

---

(١) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ٤/٤٣-٤٤، کتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في تکفیر الحجّ الکبائرَ.

(٢) مشکاۃ المصابیح، ص:٢٢١، کتاب المناسك، الفصل الأوّل.

(ب) اگر یہ دونوں حج کی نیت رکھتے ہوں اور راستے میں فوت ہوجاویں تو اس وقت بھی ثواب ملے گا یا نہ؟

(ج) ابھی سے کہ ایام حج میں عرصہ ہے جانے سے اور راستے میں مرجانے سے بھی ثواب ہوگا یا نہیں؟ (۹۴۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) اگر راستے میں انتقال ہوجاوے یا کوئی حادثہ پیش آجاوے تو ثواب موافق نیت کے پورا ملے گا، اور عنداللہ ان کا اجر عظیم ہے اور بڑا درجہ ہے۔

(ب) اس میں ثواب حاصل ہے۔

(ج) ثواب حاصل ہوگا (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۸۴/۶)

جس عورت کو ایام حج میں حیض آجائے وہ حج کیسے کرے؟

سوال: (۱۳۳۳) مستورات زمانۂ حج میں ایام ہونے کی حالت میں ارکانِ حج کیسے ادا کرسکتی ہیں؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

الجواب: سوائے طواف کے جملہ ارکان ادا کرے اور طواف فرض کی قضا بعد طہارت کے کرے اور طواف سنت وواجب ساقط ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۴۶/۶)

---

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من خرج حاجًّا أو معتمرًا أو غازيًا ثمّ مات في طريقه؛ كتب الله لهٗ أجرَ الغازي والحاجّ والمعتمر. (مشكاة المصابيح ص:۲۲۳، كتاب المناسك ، الفصل الثّالث، قبيل باب الإحرام و التّلبيّة)

(۲) وإذا حاضت المرأة عند الإحرام اغتسلت و أحرمت وصنعت كما يصنعه الحاجّ غير أنّها لا تطوف بالبيت حتّى تطهر لحديث عائشة رضي الله عنها. (الهداية:۱/۲۶۵، كتاب الحجّ ، باب التّمتّع) ظفير

دارالعلوم دیوبند کی اہم مطبوعات

- مقدّمة ردّ المحتار (تحقيق جديد)
- قصائد منتخبة من ديوان المتنبّي
- الفتنة الدّجّالية
- العقيدة الإسلاميّة
- مبادي الفلسفة
- تسهيل الأصول
- باب الأدب من ديوان الحماسة
- مفتاح العربية (اوّل،دوم)
- علماؤ ديوبند اتّجاههم الدّيني ومزاجهم ......
- دارالعلوم ديوبند (عربي)
- الإسلام والعقلانية
- حسن غريب (مکمل۲: جلد)
- حسن صحيح (مکمل۳: جلد)
- الحالة التّعليمية في الهند
- حجّة الإسلام (عربي،اردو)
- الصّحابة ماذا ينبغي أن نعتقد عنهم
- إشاعة الإسلام
- شيوخ الإمام أبي داوٗد السّجستاني
- علماؤ ديوبند خدماتهم في الحديث
- الرأى النّجيح في عدد ركعات التّراويح (اردو)
- هداية المعتدي في قراءة المقتدي (اردو)

- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۱ تا ۱۸)
- دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی نقوش
- علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج
- تاریخ دارالعلوم دیوبند (اردو،انگریزی،۲: جلد)
- حیات اور کارنامے مولانا قاسم صاحبؒ
- حیات اور کارنامے حضرت شیخ الہندؒ
- حیات اور کانارے حضرت مولانا رشید احمدؒ
- خیر القرون کی درس گاہیں
- مختصر سوانح ائمۂ اربعہ
- سوانح قاسمی (مکمل،۲: جلد)
- حکمتِ قاسمیہ
- آبِ حیات
- اوثق العری
- احسن القری فی توضیح اوثق العری
- ادلۂ کاملہ
- ایضاح الادلّہ
- شوریٰ کی شرعی حیثیت
- تدوین سیر ومغازی
- آئینۂ حقیقت نما
- تذکرۃ النعمانؒ
- اجودھیا کے اسلامی آثار

امام اعظم اور علم حدیث

احکام اسلام

ازالۃ الریب

انتصار الاسلام

ایرانی انقلاب

دار العلوم کا فتویٰ اور اس کی حقیقت

حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان

ازالۃ الشکوک (مکمل ۲: جلد)

قبلہ نما

احکام المفید

حجۃ الاسلام

براہین قاسمیہ

غلط فہمیوں کا ازالہ

قرآن محکم

تسہیل الاصول

چند اہم عصری مسائل (مکمل ۲: جلد)

فرقہ اہل حدیث پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ

مجموعہ رسائل چاند پوری

مجموعہ رسائل شاہ جہاں پوری

دار العلوم دیوبند کا اتہاس (ہندی)

علوم القرآن فی اصول التفسیر

فتح المبين في كشف مقاعد ......

محاضرات علمیہ بر موضوع رضا خانیت

عمدة الأثاث في حكم الطّلاق الثّلاث

مقالات ابو المآثر

معاوضہ علی التراویح

مالا بدمنہ

با ادب با نصیب

اسلام اور عقلیات

اجتماع گنگوہ

مکتوبِ ہدایت

دو ضروری مسئلے

ایمان و عمل

راہِ سنت یعنی المنہاج الواضح

آئینہ حقیقت نما (مع تحقیق و تخریج)

جماعت اسلامی کا دینی رخ مکمل

غیر مقلدیت اسباب و تدارک

یہود کے متعلق قرآنی پیشین گوئیاں

کثرتِ رائے کا فیصلہ

نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ دلائل شرعیہ......

جواب حاضر ہے

فقهاء الصّحابة و رواة الحديث......

نماز کے متعلق چند اہم مسائل کی تحقیق

فتاویٰ دار العلوم دیوبند اوّل - ششم (جدید ترتیب)